وجے نگر کے عہد میں

نظام حکومت اور سماجی زندگی

پروفیسر کے. اے. نیل کانت شاستری

ٹی. وی. مہالنگم بھاے (مدراس)

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

مدراس یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز 15

وجے نگر کے عہد میں

نظام حکومت
اور
سماجی زندگی

مولف عمومی

پروفیسر کے. اے. نیل کانت شاستری

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

Marfat.com

VIJAY NAGAR KE EHED MEIN
NIZAM-E-HAKUMAT AUR SAMAJI ZINDAGI

135566

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

سنہ اشاعت : جنوری تا مارچ 1984 — شک 1905

پہلا اڈیشن : 1000

قیمت : -/62

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 434

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومتِ ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 66 110 0
طابع : سپر پرنٹرس دہلی ۵۱

Marfat.com

وجے نگر کے عہد میں
نظامِ حکومت اور سماجی زندگی

ٹی. وی. مہالنگم بی. اے (آنرس)

مدراس یونیورسٹی
1940

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ 11
اظہارِ تشکر 13

پہلا حصہ ———— نظامِ حکومت

باب

۱ ——— دیباچہ 15
۲ ——— مرکزی حکومت 24
فصل اوّل بادشاہ 24
فصل دوم شاہی کونسل 45
فصل سوم دفاتر 57
۳ ——— مالیات کا نظم و نسق 62
فصل اوّل آمدنی کے ذرائع 62
فصل دوم وصولی کا طریقہ 97
فصل سوم رعایتیں اور معافیاں 106

Marfat.com

فصل چہارم — محکمہ محاصل — 109
فصل پنجم — ٹیکس کا بوجھ — 115
فصل ششم — اخراجات — 123
۴ — قانون انصاف اور پولیس — 148
فصل اول — قانون — 148
فصل دوم — عدالتیں — 153
فصل سوم — عدالتی طریقہ کار — 164
فصل چہارم — تعزیرات — 174
فصل پنجم — پولیس کی تنظیم — 178
۵ — فوجی تنظیم : جنگ و جدل اور سفارت — 188
فصل اوّل — طاقت — 188
فصل دوم — فوجی بھرتی — 190
فصل سوم — فوج کے حصے — 199
فصل چہارم — فوج کا کوچ اور جنگ — 204
فصل پنجم — قلعہ اور محاصرہ — 208
فصل ششم — فوجی تنظیم — 211
فصل ہفتم — جنگوں کا کردار — 220
فصل ہشتم — خارجہ پالیسی — 223
۶ — صوبائی حکومت — 242
فصل اوّل — مملکت کی وسعت — 242
فصل دوم — مملکت کے حصے — 245
فصل سوم — صوبائی تنظیم — 253
فصل چہارم — صوبائی تنظیموں پر کنٹرول — 271
۷ — مقامی حکومت — 283
فصل اوّل — سبھا — 283

Marfat.com

فصل دوم آئیگار نظام 297
فصل سوم پیشہ ورانہ انجمنیں اور برادریاں 300
فصل چہارم مندر 305
فصل پنجم مقامی معاہدے 311
فصل ششم چھوٹے چھوٹے مقامی افسران اور عہدیداران 313

دوسرا حصہ ——— سماجی زندگی

۸ ——— معاشرہ 329

فصل اوّل مملکت کی ذاتیں اور فرقے۔ 329
فصل دوم سماجی رسمیں 346
فصل سوم عورتیں 354
فصل چہارم درباری زندگی 362
فصل پنجم طرزِ رہائش، کھانا اور لباس 370
فصل ششم سامان تعیش 379
فصل ہفتم کھیل کود اور تفریحات 383

۹ ——— مذہب 412

فصل اوّل تمہید 412
فصل دوم ہندوازم 420
فصل سوم جین ازم 430
فصل چہارم عیسائیت 431
فصل پنجم اسلام 433
فصل ششم بادشاہوں کا مذہب اور شری وشنوزم کی توسیع 435
فصل ہفتم مندر اور مٹھ 443
فصل ہشتم تہوار 450
فصل نہم گاؤں کے دیوتا اور بُت 455

Marfat.com

۱۰ ـــــــ تعلیم اور ادب 479

فصل اوّل تعلیم 479

فصل دوم ادب : سنسکرت 485

فصل سوم تیلگو 513

فصل چہارم کنڑ 513

فصل پنجم تامل 516

۱۱ ـــــــ فنِ تعمیر، سنگ تراشی اور مصوری 532

فصل اوّل تمہید 532

فصل دوم تاریخی عمارات 534

فصل سوم جین تعمیرات 554

فصل چہارم ہند اسلامی طرز عمارات 555

فصل پنجم رنگ سازی 558

بادشاہوں کا شجرہ نسب 567

Marfat.com

عرض مصنّف

سلطنت وجے نگر کی تاریخ تین سے بھی زائد صوبوں (1336 - 1650ء) پر محیط ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جنوبی ہند کے لوگوں کے بخوبی غیر ملکی تسلط میں نہیں آئے تھے، سیاسی وثقافتی کارنامے اپنی انتہائی ارتقا کو پہنچے اور سلطنت اپنی انتہائی توسیع کے بعد عملی طور پر موجودہ پوری مدراس پریسیڈنسی پر محیط تھی جس میں اس علاقہ کی ہندوستانی ریاستیں بھی شامل تھیں اور ایک زمانہ میں تو اس کی سرحدیں سیلون اور برما کے بعض علاقوں تک جا پہنچی تھیں۔ اس فراموش شدہ سلطنت کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے روبرٹ سیول نے اپنی مشہور تصنیف میں پیش کیا تھا جو ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کے بعد سے مدراس، میسور اور تراونکور کے محکمۂ آثار قدیمہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت سے نئے مواد کا مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ (جیسے) متعدد زبانوں میں بہت سی ادبی تصنیفات اور سفرناموں کی اشاعت، مختلف حکومتوں کے دفاتر سے دستیاب عوامی دستاویزات کی تفصیلی ترتیب و تالیف اور میکنزی (MOCKENZI) کے مخطوطات کے ایسے ماخذ والے قدیم مجموعوں کا از سر نو مطالعہ اور ان کی توضیحات۔

۱۹۱۶ء میں اس کے قیام کے ساتھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ کے مشاغل میں وجے نگر کی تاریخ کے مطالعہ کو ناگزیر طور پر ایک اہم حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس

Marfat.com

کے پہلے پروفیسر دیوان بہادر، ڈاکٹر ایس کرشن سوامی اینگر نے تاریخ وجے نگر کے چند ماخذوں (SOURCES OF VIJAYANAGAR HISTORY) کی محققانہ اشاعت کے ذریعہ یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز (UNIVERSITY HISTORICAL SERIES.) کا افتتاح کیا، اور اس موضوع پر جو نمایاں کام اس سے تمام طلبا بخوبی واقف ہیں۔ 1928ء میں ایک ریڈر اور ایک لکچرر کے اضافے کے ذریعہ اس شعبہ کی توسیع کے باعث یہ ممکن ہو سکا کہ وجے نگر کی تاریخ پر شعبہ کے کام کو زیادہ وسیع پیمانہ پر پھیلایا جائے۔ موجودہ ریڈر ڈاکٹر این وینکٹا رامانیا جب 1931ء میں اس شعبہ سے منسلک ہوئے تو وہ پہلے ہی سے وجے نگر کی تاریخ کے ماہر تھے۔ اور اس کے فوراً ہی بعد انھوں نے دو کتابیں شائع کیں جن کے نام تھے :

1. وجے نگر شہر اور مملکت کی ابتدا (VIJAYANAGAR, ORIGIN OF THE CITY AND EMPIRE)

2. وجے نگر کے تیسرے شاہی خاندان کا مطالعہ (STUDIES IN THE HISTORY OF THE THIRD DYNASTY OF VIJAYANAR.)

جناب مہالنگم کی موجودہ کتاب کے بارے میں یہ توقع ہے کہ یہ کتاب تامل کے پہلو سے (THE THIRD DYNASTY.) میں آغاز کردہ سماجی اور انتظامی مسائل کے مطالعہ میں اضافہ کرے گی۔ اور میں کرتا ہوں کہ یہ تصنیف اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے تشفی بخش بیان کی بنا پر اپنے اس مقصد میں پوری اترے گی۔

اس موضوع پر مزید کام جاری ہے۔ اور وجے نگر کی تاریخ کے مزید ماٰخذ (FURTHER SOURCES OF VIJAYANAGAR HISTORY.) کا معتد بہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

کے۔ اے۔ این

مدراس یونیورسٹی

30 اگست 1940ء

Marfat.com

اظہارِ تشکر

زیرِ نظر صفحات میں 1931ء اور 1934ء کے درمیان شعبہ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ، مدراس یونیورسٹی کے ایک ریسرچ طالب علم کی حیثیت سے میرے مطالعہ کے نتائج قلمبند ہیں۔

سلطنت وجے نگر کے انتظامی اداروں اور سماجی حالات کا ایک باضابطہ مطالعہ ان قیمتی کاموں کی بنا پر ہی ممکن ہوا ہے جو محکمہ آثار قدیمہ ہند (ARCHAEOLOGICAL SURVEY OF INDIA.) اور میسور، تراونکور نیز پودوکوتائی کے شعبہ آثار قدیمہ نے انجام دئے ہیں۔ موجودہ تصنیف کا ایک بڑا حصہ اسی مواد پر مبنی ہے جو اِن اداروں نے اکٹھا کر کے شائع کئے ہیں۔ میں ان متعدد محققین کا بھی بہت ممنون ہوں جنہوں نے جنوبی ہندوستان کی تاریخ کے میدان میں کام کیا ہے۔ اور اپنی گراں قدر اشاعتوں کے ذریعہ وجے نگر کی تاریخ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں جیسا کہ اس کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے اس کا اظہار ہوگا۔

پروفیسر کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری نے، جن کے تحت میں نے اس شعبہ میں کام کیا ہے اس موضوع پر مواد کی فراہمی اور کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں میری کافی مدد کی۔ اور نہایت مفید مشورے دئے۔ علاوہ ازیں مولف کی حیثیت سے مسودہ پر نظر ثانی کرنے اور پروف پڑھنے دوران انھوں نے مجھے بہت سے قیمتی مشورے دئے، جن کے لیے میں ان کا انتہائی ممنون ہوں۔

Marfat.com

ڈاکٹر این۔ وینکٹا رامانیا، ریڈر شعبہ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ، نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور مفید تنقیدوں کے ذریعہ میری مدد کی جس کے لیے میں ان کا بہت شکر گذار ہوں۔ میرے شعبہ سنسکرت کے ڈاکٹر وی۔ راگھون کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنھوں نے مسودہ کے ایک حصہ کو پڑھا۔ اور بعض کارآمد مشورے دئے۔

میں آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کا ممنون ہوں کہ مجھے ان سات منتخب تصاویر کی اشاعت کی اجازت دے دی گئی جن کا حق اشاعت اس کے نام محفوظ ہے۔

میں مدراس یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کا شکر گذار ہوں کہ جس نے اس کتاب کو یونیورسٹی ہسٹوریکل سیریز میں شائع کرنا منظور کیا۔

آخر میں انتہائی مسرت کے ساتھ میں جی۔ ایس۔ پریس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے انتہائی عمدگی کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا۔

ٹی۔ وی۔ ایم

Marfat.com

باب اوّل

دیباچہ

کسی مملکت کی حقیقی تاریخ ریاستوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے لامتناہی سلسلوں، درباری سازشوں، بادشاہوں کی نہ ختم ہونے والی جنگوں اور باغی جاگیرداروں کی سرکوبیوں ہی پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اسے اس کے انتظامی اور سماجی ارتقا میں تلاش کیا جانا چاہیے۔ ایک سلطنت کے انتظامی اداروں، عوام کی روزانہ کی سرگرمیوں، ان کی مذہبی اور سماجی رسموں کی بجا آوری، ان کی ادبی سرگرمیوں اور فنی کارناموں کا مطالعہ کم از کم اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ۔ بہرحال کسی ریاست کی سماجی تاریخ کی اہمیت پر زور دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ مطالعہ اس کی سیاسی تاریخ کی قیمت پر کیا جائے۔ سیاسی تاریخ کا مطالعہ اہم ہے اس لئے جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے "ہندوستانی تصورات [illegible] وہ دلچسپ ترین داستان جو اس کے مذہب، فلسفہ، ادب، آرٹ اور سائنس سے عیاں ہے۔ اس وقت تک معقول طور پر نہیں لکھی جاسکتی جب تک کہ وہ شاہی خاندانوں کی تاریخ کی ٹھوس بنیاد پر قائم نہ ہو جس کے علاوہ کوئی اور چیز ضروری تاریخی اساس فراہم نہیں کرسکتی"[1]

ایک اعتبار سے دنیا کی تاریخ مملکتوں کی تاریخ ہے۔ دنیا نے متعدد مملکتوں کے عروج و زوال کا مشاہدہ کیا ہے۔ انھیں عظیم سیاستدانوں اور انتظامی صلاحیت رکھنے والے ممتاز افراد نے پروان چڑھایا لیکن ان کے مضبوط بازوؤں کے ہٹتے ہی مملکتوں میں زوال کی علامات نمایاں ہوگئیں اور زندگی کے لئے [illegible] سال اور جدوجہد کرنے کے بعد بالآخر وہ زوال پذیر ہوگئیں۔ بابلی، آسوری اور مصری مملکتوں کا یہی حشر ہوا۔

---

[1] آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا دیباچہ ص ۱۳

Marfat.com

دلپنے وطن میں دیکھئے تو ہندوستان ،نندا ،موریہ ،گپتا اور چولا نیز وجے نگر جیسی مملکتوں کا نمائش گاہ رہا ہے۔ ساری مملکتیں نسبتاً مختصر مدت تک برقرار رہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک مملکت نے اپنے وجود کے کچھ آثار چھوڑے ہیں ورنہ اگر یہ آثار نہ ہوتے تو یہ مملکتیں بہت پہلے ہی بھلا دی گئی ہوتیں۔

وہ اہرام جو مصری مملکت اور اس کی شان و شوکت کی یاد تازہ کراتے ہیں ،محض جبری محنت اور اسراف ہی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ہمارے نزدیک وہ قوت و طاقت کے غلط استعمال کی دائمی یادگاریں بھی سمجھی جا سکتی ہیں (لیکن) چولا مملکت نے اپنے پیچھے بڑے بڑے مندر چھوڑے ہیں جن میں انتہائی عمدہ تصویریں اور نقش و نگار کندہ ہیں۔ تامل کی عظیم ادبی شخصیتوں کو چولا بادشاہوں کے دور میں فروغ حاصل ہوا اور ان کی بہت سی تصانیف ہم تک بھی پہونچی ہیں۔ اسی طرح مملکت وجے نگر نے بھی اپنے وجود کے دائمی آثار چھوڑے ہیں۔ قومی اتحاد کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کو وجے نگر نے متاثر نہ کیا ہو۔ مذہب ،ادب ،فنون لطیفہ اور سیاست کے میدان میں مملکت وجے نگر نے بہت کچھ کیا ہے جس کی مستقل قدر و قیمت ہے۔

چودھویں صدی کی دوسری چوتھائی میں پانچ بھائیوں کی ایک جماعت نے اس مملکت کو قائم ہی اس لئے کیا تھا کہ جنوبی ہندوستان کی طرف اسلام کی پیش قدمی کو روکا جا سکے۔ محمد بن تغلق کے حملے اور اس کے بعد جنوبی ہندوستان کے ہندوؤں کے لئے مسلمانوں کی پیدا کردہ مشکلات نے ان کے اندر سیاسی اتحاد کا احساس پیدا کیا جسکے نتیجہ میں بالآخر مملکت وجے نگر کا قیام عمل میں آیا۔ [۲]

---

[۲] وجے نگر شہر اور مملکت کی ابتدا کے متعلق محققین میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ اس مسئلہ پر دو مکتب خیال ہیں۔ ایک کی رائے ہے کہ یہ مملکت کرناٹک میں وجود میں آئی اور دوسرے کا خیال ہے کہ اس کا وجود تلنگانہ میں ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔ از رائس، A FORGOTTEN EMPIRE. از سیول، ص ۲۳، ایپیگرافیا کرناٹیکا EPIGRAPHIA CARNATIEA جلد ۵، دیباچہ ص ۲۱، SOUTH INDIA UNDER THE MOHAMMADAN INVADERS. ، ص ص ۱۷۱ اور ۱۸۱ ـ ۱۸۳، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس از کرشن شاستری ۱۹۰۷-۸ء، ص ۲۳۶، ۱۹۰۹-۱۰ء ص ۱۶۰، ایپیگرافیا انڈیکا EPIGRAPHIA INDICA. جلد ۱۵ ص ۸۴، از ٹی۔ اے گوپی ناتھ راؤ THE NAYAKS OF MADURA. از آر۔ ستیہ ناتھ ایر ص ص ۳۔۴، THE BEGINING OF VIJAYANAGAR. از ہرس HERAS ، ص ص ۱ـ۳۴، SOCIAL AND POLITICAL LIFE UNDER VIJAYANAGAR EMPIRE. از ڈاکٹر بی۔ اے سلیٹور، جلد ۱ ص ص ۸۲ـ۱۱۲ FOUNDERS OF VIJAYANAGAR از ایس، شری کنتیا SRI KANTAYA. ص ۲، اس کے برعکس KAMPILA AND VIJAYANAGAR. از ڈاکٹر این وینکٹ رامانیا RAMANAYYA. ص ص ۲۱ـ۳۳ VIJAYANAGAR THE ORIGIN OF THE CITY AND THE EMPIRE. ص ص ۲-۵۳ جبکہ دیگر تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مملکت کی بنیاد تقریباً ۱۳۳۶ء میں پڑی تھی۔ سلیٹور کا دعویٰ ہے کہ اس کی بنیاد دس سال بعد ۱۳۴۶ء میں قائم ہوئی تھی، ج ۱، ص ص ۸۲ ـ ۱۱۲

[۲] حال ہی میں دستیاب کتباتی ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ دیو رائے اول کا جانشین اس کا بیٹا رام چندر تھا (مدراس ایپیگرافی رپورٹس، ۱۹۳۱ء کا ۱۷، رپورٹ پیراگراف ۳۵)۔ مولف۔

Marfat.com

باغبان مملکت ہری ہر، کمپا، بکا، مارپا اور مودپا نے ہر چہار جانب اس کی توسیع کی اور ان میں سے ہر ایک نے اس کے ایک ایک حصہ پر حکمرانی کی۔ بکّا کے لڑکے کمارکمپن نے سلطنت کو جنوب میں مدورا تک توسیع دی اور اس طرح مدورا کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ بکا اول کے دور حکومت میں ۱۳۴۷ء میں حسن گنگو نے کرشنا ندی کے شمال میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اسی کے بعد سے شمال کے مسلم سلاطین اور جنوب کے ہندو راجاؤں دونوں نے بہت سی جنگیں لڑیں۔ بکا کے بعد ہری ہر دوم تخت نشیں ہوا جس کا ۱۴۰۴ء میں انتقال ہو گیا۔ جانشینی کے مسئلہ پر ایک مختصر تنازعہ کے بعد ۱۴۰۶ء میں دیو رائے اول تخت پر بیٹھا اور ۱۴۲۲ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ویجے رائے بادشاہ ہوا جو بس تھوڑے عرصہ تک تخت نشیں رہا۔ اس کا لڑکا دیو رائے دوم جو اس کا جانشیں ہوا وجے نگر کے پہلے شاہی خاندان کا سب سے ممتاز حکمراں تھا۔ بہمنی سلاطین کے ہاتھوں شکست کے نتیجہ میں اسے بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ ان سلاطین نے ہندو عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور ہندوؤں کا خون بہانے میں مسرت محسوس کی۔ اسی بنا پر دیو رائے دوم نے جس کو فوجوں کی کمتری کا احساس ہو گیا تھا اور جو مسلمانوں کی سوار فوج کی برتری سے متاثر تھا، اپنی فوج کی تنظیم میں اصلاحات کیں۔ اس کا دور حکومت ان عظیم ادبی شخصیتوں کی وجہ سے بھی بہت اہم ہے جو اس کے دربار سے منسلک تھیں اور ان غیر ملکی سیاحوں کی وجہ سے بھی جو اس کے دربار میں آئے جیسے اٹلی کے نیکولوڈی کونتی اور ایران کے عبدالرزاق۔ دیو رائے دوم کے جانشیں یکے بعد دیگرے ملیکارجونا اور ویروپاکش ہرے جو نسبتاً کمزور حکمراں تھے۔

ان دونوں بادشاہوں کی کمزور حکومت نے سالو وا نرسمہا کو ابھرنے کا موقع دیدیا جس نے آخر کار ۱۴۸۵ء میں تخت پر قبضہ کر لیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ وہ ایک باصلاحیت حکمراں تھا اور اس نے سلطنت کی انتظامیہ کی از سر نو تشکیل کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اس دشوار کام میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس کے بعد امدی نرسمہا آیا جس نے نرسانایک اور ویر نرسمہا کو یکے بعد دیگرے اپنا وزیر بنایا۔ موخرالذکر نے ۱۵۰۵ء میں تخت پر قبضہ کر لیا اور تین سال کی مختصر حکومت کے بعد اپنے سوتیلے بھائی کرشن دیو رائے کو تخت و تاج کا وارث بنا گیا جو شاید وجے نگر کے بادشاہوں میں عظیم ترین اور ممتاز ترین بادشاہ ہے۔

کرشن دیو رائے نے اپنے عہد کا آغاز اس عزم کے ساتھ کیا کہ وہ اپنی مملکت کے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس حاصل کرے گا اور کامیابی کے ساتھ اپنی اس پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ اس نے اپنی

Marfat.com

مملکت کے باغی جاگیرداروں کی شورشیں فروکیں اور اڑیسہ کے حکمراں پرتاپ ردراگجپتی کو شکست دی اس نے بیجاپور کے سلطان کا غرور خاک میں ملادیا اور راس پر فتح حاصل کی۔ اس کی سلطنت کی حدیں شمال میں دریائے کرشنا کے کناروں سے لیکر جنوب میں راس کماری تک پھیل گئیں۔ وہ ایک روشن خیال حکمراں تھا اور اس کے دور حکومت میں سلطنت کے نظم ونسق میں باقاعدگی اور بہتری لائی گئی وہ ایک شائستہ اور متمدن حکمراں تھا اور بہت سے عالم اس کے دربار کی زیب وزینت تھے۔ وہ خود بھی تیلگو اور سنسکرت کی متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ بہت سے دوسرے مشرقی بادشاہوں کی طرح اس کے اندر بھی مذہبی فرقوں کے لئے رواداری تھی حالانکہ وہ خود ایک کٹر ویشنو تھا۔ یہ اسی کی عہد تھا جس کے دوران مغربی ہندوستان کے بعض علاقوں میں پرتگالیوں نے اپنی طاقت قائم کی تھی۔

کرشن دیورائے کا جانشیں اس کا سوتیلا بھائی اچیوت رائے ہوا جس نے متعدد دشواریوں کے باوجود سلطنت پر کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا وینکٹ تخت نشیں ہوا جو اپنی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی محل کی ایک اتھل پتھل میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سلکا راجو تیرومل تخت پر قابض ہوگیا لیکن کرشن دیورائے کے ایک داماد اور ایک زبردست حکمراں رام راج نے اسے قتل کردیا۔ اس کے نتیجے میں اچیوت کا بھتیجا سداشیو تخت نشیں ہوا، وہ ایک کمزور حکمراں تھا اور اس کے عہد میں جس مقتدر شخصیت کے ہاتھوں میں مملکت کی قسمت کی باگ ڈور تھی وہ رام راج تھا۔ اس نے اپنے مسلمان پڑوسیوں کو آپس ہی میں لڑادیا اور ان کی قوت بڑی حد تک گھٹادی۔ لیکن انھیں جلد ہی اپنے احمقانہ افتراق کا احساس ہوگیا، انھوں نے آپس میں ایک متحدہ محاذ قائم کیا اور 1565ء میں رکسیس تنگڈی (RAKSAS TANGDI.) کی تاریخی جنگ میں رام راج اور اس کے بھائیوں کی قیادت میں جنوب کے ہندوؤں کو زبردست شکست دی اور خود رام راج جنگ میں مارا گیا۔ مسلمانوں نے وجے نگر کے شہر کو جزوی طور پر تباہ کردیا۔ لیکن جلد ہی جنوبی ہند میں نظم ونسق بحال ہوگیا اور ہندو سلطنت نے اپنی پہلی حیثیت اور قوت دوبارہ حاصل کرلی اگرچہ سداشیو ابھی زندہ تھا لیکن تیرومل نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور 1570ء میں تخت نشیں ہوا۔ یہ اراویدو سلسلہ سلاطین کا پہلا حکمراں تھا۔ اس نے مملکت میں نظم وضبط بحال کیا

؎ کتبائی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دیورائے دوم کا فوری جانشیں وجے رائے دوم تھا۔ (مدراس اپیگرافی رپورٹس 1906ء، پیراگراف 55) ۔ مولف

Marfat.com

اس کے بعد اس کے جانشیں علی الترتیب اس کے بیٹے شری رنگا اول اور وینکٹ دوم ہوئے۔ وینکٹ، اروید و سلسلہ کا سب سے عظیم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت چندرگیری منتقل کر دیا اور وہیں سے اپنی مملکت پر حکومت کی وہ عالموں کا سرپرست تھا اس کے عہد میں پرتگالیوں کو نہ صرف اس کے دربار ہی میں کافی اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا بلکہ پورے جنوبی ہندوستان میں بھی۔ 1614ء میں اس کا انتقال ہوا۔

اس کی موت کے بعد مملکت رام، پیدا وینکٹ سوم اور شری رنگا سوم کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یہ آخری حکمراں اگرچہ لائق تھا اور ایک وسیع و عریض مملکت پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن وہ اپنے امور میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ جن حالات میں وہ برسر اقتدار ہوا تھا وہ مملکت کو مستحکم کرنے اور وجے نگر کی شان و شوکت کی بحالی کے مقاصد کے لئے سازگار نہ تھے۔ اس کا دور حکومت اس کے جاگیرداروں کی غداری اور لامتناہی خانہ جنگیوں کی ایک روداد ہے مدورا اور تنجور کے نایکوں اور میسور کے ادے پاروں نے اس کے مقابلہ میں کافی طاقت حاصل کر لی تھی۔ جنوبی ہندوستان کے معاملات میں بیجاپور کے سلاطین کی مداخلت نے اس کے کام کو اور بھی مشکل بنا دیا تھا۔ اس کے بعد مملکت کے حدود اور اس کی وقعت اور بھی کم ہو گئی اور بالآخر ٹیپو سلطان نے، جس نے 1786ء میں انیگوندی (ANEGONDI .) کو نذر آتش کر دیا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے یورپ میں جاگیردارانہ نظام وقت کی ایک ضرورت تھی۔ اسی طرح وہ مخصوص طرز حکومت جسے وجے نگر میں اختیار کیا گیا تھا اس عہد کی ایک ضرورت تھی۔ یہ حقیقت کہ مملکت وجے نگر میں مختلف النواع عناصر و گوناگوں مفادات اور فرقے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ موجود تھے، بجائے خود ایک شہنشاہانہ طرز حکومت کی متقاضی تھی۔ مملکت میں بادشاہ انہی کی علامت تھا۔ وہ ایک مطلق العنان یا غیر محدود اختیارات رکھنے والا حکمراں نہ تھا اس لئے کہ اس کے اختیارات بعض ایسی پابندیوں کے ذریعہ محدود کر دیا گیا تھا جو کم و بیش روایتی اور رسمی نوعیت کی تھیں۔ ٹیکسوں کے نفاذ میں بیشتر رسم و رواج کی حکمرانی تھی۔ حکومت کے محاصل کی [illegible] کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے تھے اور بعض مواقع پر انھیں اجارہ پر دے دیا جاتا تھا۔ فوج میں بھرتی کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے تھے اور جنگ کے زمانہ میں بادشاہ کو زیادہ تر جاگیرداروں کی جانب سے فراہم کی جانے والی فوجوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ عدالت کا نظام اس طور پر قائم کیا گیا تھا کہ عوام کے لئے باعث سہولت ہو۔ زیادہ تر جھگڑوں کو ثالثی کے [illegible] یہ طے کیا جاتا تھا یا مقدمات کی سماعت مقامی طور پر مقامی

Marfat.com

لوگ ہی کرلیا کرتے تھے ۔صوبائی طرز حکومت کو اس طور پر منظم کیا گیا تھا کہ وہ اس عہد کے تقاضوں کو پورا کرسکے ۔حکومت کے بیشتر افسران کو اجرتیں حکومت کو واجب الادا آمدنیوں کے عطیہ کے ذریعہ دی جاتی تھیں ۔مقامی علاقوں میں قدیم دیہی اسمبلیاں سرگرم کار تھیں اور مفید مقامی خدمات انجام دے رہی تھیں ۔مندر مقامی علاقوں میں تہذیبی اور معاشی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور تجارتی انجمنیں دوسری مقامی جماعتیں تھیں جو انتظامیہ میں نمایاں کردار ادا کرتی تھیں ۔اس طرح مملکت وجے نگر کے نظم وسیاست کے یہ پہلو توجہ کے ساتھ مطالعہ کے مستحق ہیں ۔

چودھویں اور پندرہویں صدیاں مسلم حملوں کی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں زبردست مذہبی بے چینی کا زمانہ تھیں ۔مملکت وجے نگر نے جس کا قیام ہی ہندو تہذیب کے تحفظ کے لئے ہوا تھا، نہ صرف مسلم حملوں کے خلاف ایک پشت پناہ کا کام کیا بلکہ اس نے ایسے پرامن حالات پیدا کر کے جو ان کے ارتقا کے لئے ضروری تھے بعض مذہبی مسالک کی ترقی کی ہمت افزائی بھی کی ۔ان مسلکوں میں سے ایک وتھوباد (VITHOBA) مسلک تھا جو بھکتی پر مبنی ہے ۔مذہب اور فلسفہ کی نشاۃ ثانیہ ودیارنیا اکسوبھیا مونی، وریدانت دیشک، دیاسرائے تیرتھ، ایپاّ دکشت اور تاتا چار جیسے فلسفہ کے بڑے بڑے مناظرین اور مفکرین کی شہرت اور ناموری کا سبب بھی بنی ۔اس عہد میں بعض مقبول مذہبی تحریکات کا عروج ہوا جیسے تنگلائی ویشنوزم ،جو اپنے کردار میں زیادہ روشن خیال تھیں ۔اگرچہ ان مذہبی تحریکات نے ہندو معاشرہ کو مختلف طبقوں میں منقسم کردیا تھا تاہم ان تحریکوں نے اسلام کی یلغار کے خلاف اس معاشرہ کو متحد رکھنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی ۔

پورے جنوبی ہندوستان پر وجے نگر کے تسلط کی توسیع جزیرہ نما کے ایک حصہ سے دوسرے حصّہ کی طرف عوام کے نقل وطن کا باعث بنی ۔رایوں (RAYAS.) نے تعلیم یافتہ لوگوں، مذہبی مبلغوں اور خاص طور ویشنو لوگوں کی جو سرپرستی کی، اس نے جنوب کے برہمنوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف مائل کیا اور یہ لوگ تیلگو اور کنار کے اضلاع میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے ۔وہاں تاجروں اور خاص طور پر بیریوں (BERIS.) کے علاوہ جو تجارت کی غرض سے دیہاتوں اور شہروں میں ،بسے تھے ،شودروں کی ایک بڑی تعداد بھی آگئی جو حکومت کی انتظامیہ میں ملازم ہوگئے ۔اسی طرح تیلگو اور کنارا کے لوگ بھی تامل کے اضلاع میں چلے آئے ۔رایوں نے اپنے اپنے متوسلین کو، جو اپنے پیرؤں کے ساتھ تامل کے پورے علاقہ میں آکر آباد ہوگئے تھے ،جاگیریں عطا کیں ۔اس باہمی نقل مکان کا فطری نتیجہ یہ ہوا

Marfat.com

کہ بعض ذاتیں نئے ماحول میں منتقل ہوگئیں چنانچہ بلیجاؤں (BALIJAS.) کماؤں (KAMMAS) رڈیوں (REDDIS.) اور تیلگو بولنے والے برہمنوں کی مختلف برادریاں، جو تامل کے سماجی ڈھانچے میں اجنبی تھیں، اس میں شامل ہوگئیں اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھال لیا۔ اسی طرح پلائیوں (PILLAIS) مدالیروں (MUDALIVAS.)، اروا ویلوں (ARAVER VELAMAS.) اور تامل بولنے والے برہمنوں کے مختلف فرقوں نے اپنا وطن چھوڑ کر مملکت کے شمالی اضلاع کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا۔

ادب کو وجے نگر کے رایوں کی خصوصی توجہ حاصل تھی۔ حکمرانوں نے سنسکرت اور تیلگو ادب کی سرپرستی کی روایات کے مطابق خود مملکت کا قیام عظیم درویش اور عالم ودیارنیا کے ظل حمایت میں عمل میں آیا تھا سایَن کو، جو ہری ہر اول بکا اول، اور ہری ہر دوم کے عہد میں تھا، ویدوں کے شارح کی حیثیت سے لافانی شہرت حاصل ہوئی۔ وجے نگر کے تقریباً ہر بادشاہ کا دربار محققین کی جماعت سے آراستہ تھا۔ کرشن دیورائے خود، جیسا کہ پہلے ہی بتلایا جا چکا ہے، ایک بڑا عالم اور تیلگو اور سنسکرت کی کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کے دربار میں اللسانی (ALLASNI.)، پدّن (PADDANA.)، نندی (NANDI.) (ملوّ)، تمّن وغیرہ جیسے عظیم اور مشہور عالموں کو فروغ حاصل ہوا۔ اس عہد میں کناری ادب بھی پھلا پھولا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے اتنی سرپرستی حاصل نہ تھی جتنی کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے تحت سنسکرت اور تیلگو کو حاصل تھی۔

آرٹ اور فن تعمیر میں بھی وجے نگر نے کچھ کم کام نہیں کیا۔ ان سلاطین نے بہت سی تعمیریں کرائیں ان کے عہد میں فوجی اہمیت کے متعدد قلعے، بڑے محل، وسیع اور عریض مندر اور بلند و بالا مینار تعمیر ہوئے جو نہ صرف اپنی زبردست جسامت کے اعتبار سے ممتاز تھے بلکہ اپنی تفصیل آرائش، نقاشی اور مصوری کے لحاظ سے بھی ان میں سے بہت سی عمارتیں فن کا مکمل نمونہ ہیں تینجور ضلع میں واقع کمبا کونم کے راما سوامی مندر کے اندرونی پراکارا (PRAKARA.) کی دیواروں پر رامائن سے ماخوذ مناظر کی تصاویر یقیناً ہر اس شخص کو بے ساختہ تعریف پر مجبور کریں گی جو اس مقام کی زیارت کے لئے آئے گا سب سے زیادہ متاثر کرنے والی عمارتیں ہمپی کے وہ رومانی کھنڈرات ہیں جو آج "ہندوؤں کی تاریخی تعمیرات کا ایک کھلا ہوا میوزیم ہے" اور جو ایک زمانہ کے عظیم اور خوش حال شہر کی شان و شوکت کی یاد تازہ کراتا ہے۔ وہاں متعدد دوسری عمارتیں بھی ہیں جو مملکت وجے نگر کی دولت اور آسودگی کی کہانی

Marfat.com

ہکنے کے لئے اپنی شکستہ حالی کی مختلف منزلوں میں آج بھی کھڑی ہیں ان میں سے چند بیلو گونڈا، چندر گیری، ویلور اور جنجی کے قلعے، کال ہستی اور تیروونا ملائی میں واقع ایک ہزار ایک سو ستونوں والے منتپ، چدمبرم، تیروونا ملائی اور مدورا کے مینار اور آخرالذکر مقام کے بڑے بڑے محل اور ہال ہیں عبدالرزاق اور پائز جیسے معاصر سیاحوں کے ان بیانات سے، جن میں وجے نگر کے شاہی دربار کی مصوری اور نقاشی کا ذکر کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ رایوں کے زمانہ میں نقاشی اور مصوری کے مربوط فنون انتہائی کمال کو پہونچ گئے تھے۔

ہندوستان کے قدیم حملہ آوروں مثلاً یونانیوں اور بیکٹریوں (BACTRIANS) اور ہنوں (HUNS.) کے برخلاف، جو ملکی باشندوں کے ساتھ آزادانہ طور پر خلط ملط ہوئے اور انھیں میں جذب ہو گئے۔ مسلمانوں نے ایک ممتاز فرقے کی حیثیت سے انھیں زیادہ پسند کیا اور اپنی پاکیزگی اور انفرادیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ہندوستانی معاشرے اور اداروں کو متاثر کیا ہے اور اسی طرح وہ خود بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ نوکدار محرابوں کا آغاز اور منٹپوں کی مسطح چھتوں کے بجائے، جو ڈراوڑ طرز تعمیر کی ایک نمایاں خصوصیت تھی مدور چھتوں کے ساتھ تعمیر بڑی حد تک اسلامی آرٹ اور طرز تعمیر کے اثرات کا نتیجہ تھی۔ دیورائے دوم نے اپنی فوج کی تنظیم کے اصلاح کے لئے مسلمانوں کے انداز کی تقلید کی تھی۔

اس طرح وجے نگر کی انتظامی اور سماجی تاریخ بہت اہم ہے۔ بہرحال جنوبی ہندوستان اس حد تک اسلام سے متاثر نہیں ہوا ہے جتنا کہ شمالی ہندوستان ہوا ہے اور اس نے ہندوازم کی قدیم شکل کو جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ بیرونی اثرات کو اس بات کی اجازت دیئے بغیر کہ وہ کسی بڑی حد تک اس پر اثر انداز ہو سکیں۔ ہندو مذہب، ادب اور فن کا یہ تحفظ، جو جنوبی ہندوستان کی ایک خصوصیت ہے اور جو شمال کی "زیادہ مانوس شکلوں سے بہت زیادہ مختلف ہے" محض مملکت وجے نگر کی وجہ سے ہے۔ مسلم حملوں کے مستقل خطرات کے باعث ہندو معاشرہ کی ازسرنو تنظیم کرنی پڑی اور ہندو معاشرہ کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے حقوق و فرائض پر بعض نوعیت کی سختیاں اور ان کی توضیح ضروری سمجھی گئی جیسا کہ ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اینگر نے بالکل بجا کہا ہے۔ 135566

"یہ بات اطمنان سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ خواہ اچھا ہو یا برا، جنوبی ہندوستان کے موجودہ ہندوازم نے اپنی وہی شکل برقرار رکھی ہے جو اسے وجے نگر کے زمانہ سے حاصل ہوئی تھی اور اس کے لئے اس کی

Marfat.com

(روبجے نگر کی) تعریف کرنی چاہئے کہ اس نے ہندوازم کو اس صورت میں باقی رکھا جس میں کہ وہ اس وقت ہے یا تھا۔[5]

یہ تصنیف اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے تشفی بخش بیان کی بنا پر اپنے اس مقصد میں پوری اترے گی۔

اس موضوع پر مزید کام جاری ہے اور روبجے نگر کی تاریخ کے مزید ماخذ کا معتد بہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

کے۔ اے۔ این

مدراس یونیورسٹی
1940-8-30

---

5. SOME CONTRIBUTIONS OF SOUTH INDIA TO INDIAN CULTURE، ص-312

Marfat.com

باب دوم

مرکزی حکومت

فصل اوّل

بادشاہ

شاہی طرزِ حکومت کا نظم ونسق بڑی حد تک حکمراں کی شخصیت پر منحصر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں طاقتور سلطنتوں نے طاقت ور بادشاہوں کے زیر نگیں ہی فروغ پایا ہے اور کمزور بادشاہوں کی ماتحتی میں وہ زوال پذیر ہوئیں۔ چندر گپت اور اشوک نے موریہ سلطنت کی بنیاد ڈالی لیکن برہدرتھ جیسے کمزور بادشاہوں کی جانشینی کے ساتھ ہی اس کے زوال کے عہد کا آغاز ہوگیا۔ سمدر گپت اور چندر گپت دوم جیسے بادشاہوں کے زیر سایہ گپت سلطنت پروان چڑھی لیکن کمزور حکمرانوں کے عہد میں اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ سلطنت وجے نگر اس قانون سے مستثنیٰ نہ تھی۔ ہری ہر اور بکّا (دو) جوشیلے بھائیوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اسے مستحکم کیا اور دیورائے دوم، سالو وانرسمہا اور کرشن دیورائے نے یکے بعد دیگرے اس کے انتظام حکومت کو استقامت بخشی۔ شاہی دستور کے تحت چلنے والی دوسری سلطنتوں کی طرح سلطنت وجے نگر میں بھی بادشاہ انتظامیہ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ اور ریاست میں اعلیٰ ترین مقام کا حامل تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بادشاہ نظام حکومت کا محور تھا۔

قدیم ہندو سیاسی مفکرین کے مطابق ریاست سات عناصر پر مشتمل ہوتی تھی۔ جن میں بادشاہ سب سے اہم تھا۔ [1] ریاست کی فلاح وبہبود بڑی حد تک ان عناصر کے اتحاد کار اور رفاہ عامہ کے لئے ان کی مشترکہ کوششوں پر منحصر تھی۔ ہمارے پاس کرشن دیو کی آمکتا مالیادا اس بات کے ثبوت کے لئے

---

[1] ریاست کے سات عناصر یہ ہیں:۔ (۱) سوامین (بادشاہ) (۲) امانیا (وزیر) (۳) جنپدا (خطہ ارض) (۴) درگ (قلعہ) (۵) کوش (خزانہ) (۶) ڈنڈ (فوج) اور (۷) متر (حلیف) مثلاً ملاحظہ ہو متسیا پران باب۔ ۲۲۰ اشلوک 19۔

Marfat.com

موجود ہے کہ سیاسی ڈھانچہ کے سات عناصر میں بادشاہ کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ شاہی شاعر اس بات پر زور دیتا ہے کہ بادشاہ (ساروبھوم .SARVABHAUHA) کے اندر اپنے احکامات کو نافذ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ [2]

اس بیان کی تصدیق سالووا نرسمہا کی شان میں کہے گئے اشعار کے ایک سلسلہ نوتن مولو اور سپتان گیدھتی .SAPTANGAPADHATI سے ہو جاتی ہے۔ اب یہ تصنیفات صرف پراگندہ حالت میں دستیاب ہیں اور ان کے محض ایک سطحی مطالعہ سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ریاست وجے نگر میں بادشاہ کی شخصیت سب سے اہم تھی۔ [3]

'تاج پوشی'، تمام ہندو سلطنتوں میں رسم تاج پوشی ایک اہم تقریب تھی۔ یہ ایک حکمران کے انتخاب کو قانونی توثیق بہم پہنچاتی اور اسے حکومت کرنے کا استحقاق بخشتی۔ قدیم ہندو بادشاہوں کے مانند وجے نگر کے بادشاہوں نے بھی اپنی تاج پوشی کی رسمیں باضابطہ طریقہ پر منائیں۔ ہم عصر غیر ملکی سیاح ان رسوم تاج پوشی کا تذکرہ کرتے ہیں اور متعدد کتبات سے ان کی توثیق بھی ہو جاتی ہے۔ بہر حال ہری ہر دوم کی موت پر اس کے تینوں بیٹوں، بکا دوم، جو اپنے باپ کے دور حکومت میں ولی عہد (یوراج) تھا، ویرو پاکسا دوم اور دیورائے اول میں سے ہر ایک نے سلطنت کے حصول کی کوشش کی، شاہی القاب اختیار کر لیے اور آزادانہ طور پر جاگیریں تقسیم کیں۔ [4]

اس طرح وجے نگر کی افراتفری کے اس دور (6-1404ء) میں ان تینوں حکمرانوں میں سے ہر ایک کو تھوڑی بہت حمایت حاصل تھی۔ گو دستیاب شواہد سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ بکا دوم اور ویرو پاکسا اول ان بادشاہوں میں سے تھے جن کی تاج پوشی ہوئی تھی۔ بہر حال دیورائے اول کی تاج پوشی کا واضح تذکرہ کتبوں میں ملتا ہے۔ تاہم ہم نہیں جانتے کہ بکا اول کے مقابلہ میں جو یوراج کی حیثیت سے پہلے کام کر چکا تھا اور کچھ دنوں تک حکومت میں اپنے باپ کا شریک بھی رہا تھا، دیورائے کی تاج پوشی کیوں کر ہو گئی۔

---

[2] آمکتا مالیاد۔ کھنڈ چہارم جلد 206۔ ترجمہ ازلے رنگا سوامی شبعہ کتبات مدراس، جرنل آف انڈین ہسٹری (JOURNAL OF INDIAN HISTORY.) جلد ششم، حصہ دوم۔

[3] ملاحظہ ہو چتو پدیمن ایمنجری (CATUPADYA MANIMANJARI.) از پربھاکر شاستری ص ص 34-41

[4] ایپگرافیا انڈیکا (EPIGRAPHIA INDICA.) 15 ص ص 13-14 مدراس ایپگرافی رپورٹس (MADRA EPIGRAPHY REPORTS.) 1921ء پیراگراف 46 اور 47۔

Marfat.com

رسم تاج پوشی منانے کے لیے ایک خاص دربار منعقد کیا جاتا جس میں ماتحت بادشاہ اور سرداران قوم شریک ہوتے۔ مثال کے طور پر، جیساکہ کمار دھورجتی کی کرشن رائے وجے مو (KRSNARA) میں مذکور ہے، کرشن دیورائے کی رسم تاج پوشی میں مختلف جاگیردار سرداروں (VIJAYAMU) نے شرکت کی جن میں مندرجہ ذیل اہم تھے :۔ آراویتی بکاراجو، اور دوسری جگہوں کے علاوہ اوک، نندیلا اور ویلگوڈو کے سردار۔ ۵ے

تقریب کی تفصیلات دلچسپ ہیں۔ برہمن پروہت بادشاہ کی پیشانی پر سونے کا ایک موباف رکھتے اور ضروری دعاؤں اور مناسب منتروں کے پڑھنے کے بعد بادشاہ پر ابھیسیکن ABHISECANA پانی انڈیل دیتے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وینکٹ دوم کی رسم تاج پوشی بادشاہ کے گرو تاتاریا اور دیگر برہمنوں نے انجام دی تھی۔ ۶ے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب میں وزراء کو (بھی) کچھ دخل حاصل تھا اور اس طرح وہ اس کی تاج پوشی میں ایک اہم کردار ادا کرتے تھے یہی نہیں بلکہ ہمارے پاس تو کتبات کے ایسے ثبوت موجود ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ تاج پوشی کی رسم کو وزراء ہی انجام دیا کرتے تھے۔ سالووا تمانے، جو کرشن رائے کا طرفدار تھا، وزیر اعلیٰ کا کردار ادا کیا اور ویر نرسمہا کی موت پر اسی نے اسے تاج پہنایا۔ ریاست میسور کی ناگ منگلم (NAGHANGALAM.) تعلقہ کی ایک سنگی دستاویز ہمیں یہ دلچسپ اطلاع بہم پہونچاتی ہے کہ سداشیو مہارائے کو وزیر اعظم رام راج اور دیگر وزرائے اعلیٰ (اماتیا تلکیہ) (AMATYA. TILAKAIH.) نے بادشاہ کی حیثیت سے تاج پہنایا۔ ۷ے

تاج پوشی ایک دستوری اہمیت رکھتی تھی۔ بادشاہت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہے۔ اس معاملہ میں قدیم ہندو بادشاہت اور عہد وسطیٰ کی شہنشاہیت کے تصور میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ ویدوں کے عہد میں بادشاہ حلف اٹھاتا تھا کہ وہ اپنے عوام پر منصفانہ طریقے پر اور 'دھرم' کے قوانین کے مطابق حکومت کرے گا۔ اسی طرح وجے نگر کے بادشاہ

۵ے سورسیز آف وجے نگر ہسٹری (SOURCES OF VIJAYANAGAR.) ص 129۔

۶ے ایپیگرافیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA.) 7، شی موگا (SHIMOGA.) 83

۷ے ایپیگرافیا کرناٹیکا 4، نگن گالا (NAGENGALA)۔

Marfat.com

بھی حلف اٹھایا کرتے تھے۔ اس میں بھی وہی جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ یہ موقع خوشی و مسرت کا ایک موقعہ ہوتا تھا۔ اور اس موقعہ پر بادشاہ مندروں اور برہمنوں کو بڑے بڑے عطیات دیتے تھے۔

یوراج (ولی عہد)۔ قدیم ہندوستان میں حکمران سلاطین عموماً اپنے ولی عہدوں کو نامزد کردیا کرتے اور سلطنت ان کے لیے میراث میں چھوڑ جاتے۔ عموماً سب سے بڑا شہزادہ جانشین منتخب ہوتا اور اس کی غیر موجودگی میں نگاہ انتخاب کسی دوسرے فرد پر پڑتی جو اس شرف اور ذمہ داری کا اہل ہو سلطنت وجے نگر میں بھی بادشاہوں نے اپنے جانشینوں کا تقرر کیا اور اپنی زندگی ہی میں یوراج کی حیثیت سے ان کی تاج پوشی کردی۔ ہری ہر دوم کے ایک پیتل کی تختی کے عطیہ میں مذکور ہے کہ ہری ہر اول نے اپنے بھائی بکا راجا کا یوراج کی حیثیت سے تقرر کیا۔[8]

دیورائے اوّل کا ذکر کرتے ہوئے ولسن (WILSON.) لکھتا ہے "اس کے عطیات اس کے پیشرو کے عطیات کے ختم ہونے کے تین سال پیشتر شروع ہوجاتے ہیں یہی صورت حال اس کے جانشین کے عہد میں پھر رونما ہوتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو تاریخ کے قدیم ادوار میں بادشاہ کے اپنے آخری دور حکومت میں اپنے بیٹے اور جانشین کو ولی عہد یا قیصر کی حیثیت سے حکومت سے وابستہ کرلینے کی عام رسم یہاں (وجے نگر میں) بھی رائج تھی۔"[9] ادبی ثبوت بھی اس طریقہ کے رواج کی توثیق کرتے ہیں۔ راج ناتھ دندم کی اچیوت رائے ابھی ادیم (ACYU TARAYA) میں مذکور ہے کہ اچیوت کی تاج پوشی کے ساتھ ہی اس کے بیٹے پیناوینکٹ آدری (PINA VIN KATADARI) کی ولی عہد کی حیثیت سے تقرر کی رسم ادا کی گئی۔[10]

عام طور پر یوراج پٹابھیسیکم (YUVARAJAPATTABHISEKAM.) کی تقریب اسی وقت منائی جاتی جب ولی عہد انتظام حکومت کی اصولی تعلیم حاصل کرلیتا لیکن مخصوص حالات میں کم سنی میں بھی یوراج کی حیثیت سے تقرر کردیا جاتا۔ ایسا غالباً بادشاہ کے اس خدشہ کی بنا پر ہوتا تھا کہ ان کی موت کے بعد جانشین پر تنازعہ ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ کرشن رائے نے 1524ء میں اپنے بیٹے ترومل کو یوراج مقرر کردیا حالانکہ اسوقت اس کی عمر صرف چھ سال کی تھی۔[11]

---

[8] ایپیگرافیا کرناٹیکا، CHANNARAYAPATNA 256

[9] ایشیاٹک ریسرچز (ASIATIC RESEARCHES.) 22، ص ص 8-9

[10] ایس۔ کے۔ اینگر: ج، س۔ ص 158

Marfat.com

اپنی تربیت کے دوران یوراج لایق و قابل اساتذہ کی نگرانی میں رکھا جاتا۔ جو اسے شاستر کی تعلیم دیتے جس کا جاننا ایک بادشاہ کے لیے ضروری تھا۔ وہ علم اسلحہ جات مثلاً شرا، اسی (تلوار) استر (میزائل)، ترکش تیر، گھوڑسواری اور ایسے ہی دوسرے فنون جو شہزادوں کے لیے ضروری تھے حاصل کرتا۔[12] وہ فنون لطیفہ کی تعلیم بھی حاصل کرتا۔ مثال کے طور پر تنجور کا شہزادہ رگھوناتھ فن موسیقی کا ماہر اور (راگوں کا) مخترع تھا۔ جس نے کئی راگوں کو ایجاد کیا۔[13]

انتظام حکومت کے کٹھن کام کے لیے محض اصول و نظریات کا علم ایک حکمراں کو تشفی بخش طور پر حکومت کے قابل نہیں بنا سکتا اس لیے کچھ عرصہ کی عملی تربیت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ جب شہزادہ عمر کی اس پختگی کو پہنچ جاتا کہ اسے انتظامیہ کی ذمہ داریاں سونپی جا سکیں تو اسے کسی صوبے کا وائسرائے یا گورنر مقرر کر دیا جاتا۔ یہ ایک ایسا عہدہ تھا جو ریاست کے مسائل سے اسے دوچار کرتا اور انتظام حکومت کی تربیت حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتا۔

اس سلسلہ میں ہم نام نہاد مشترک حکمراں (CO-RULERSHIP) کے نظام کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وجے نگر کے دربار میں رائج تھا۔ یہ مسئلہ کسی حد تک دستوری اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ وہاں یوراج کے علاوہ ایک مشترک حکمراں ہوتا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی دستوری حیثیت کیا تھی؟ اور یوراج کے ساتھ اس کا کیا رشتہ تھا۔؟

بنگلور تعلقہ کے ایک کتبے میں مذکور ہے کہ بکا اول اپنے بھائی ہری ہر اول کا مشترک حکمراں تھا۔[14] وجے

---

[11] نونیز کے بیان کے مطابق کرشن دیو تخت سے دست بردار ہو گیا اور اپنے بیٹے ترومل کو وجے نگر کے بادشاہ کی حیثیت سے (نہ کہ یوراج کی حیثیت سے) تخت پر بٹھا دیا۔ اور کرشن دیورائے بذات خود اپنے بیٹے کا وزیراعظم بن گیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے، کہ ترومل کو صرف یوراج بنایا گیا تھا۔ اور نونیز کہتا ہے کہ کرشن دیورائے نے جانشیں کی حیثیت سے اپنے بھائی اچیوت دیورائے کا تقرر کیا جس کی تصدیق اچیوت کی ایک پیتل کی تختی سے ہوتی ہے۔ (ایپیگرافیا کرناٹیکا)

[12] مدھورا وجیم (MADHURA VIJAYAM) از گنگا دیوی کھنڈ سوم اشلوک 2 اور 3۔

[13] ساہتیہ رتناکرم (SAHETYARATNAKARAM.) از یجنارائن دکشت کھنڈ پنجم۔

[14] ایپیگرافیا کرناٹیکا۔ 9 متن کی عبارت یوں ہے۔

SRIMANU MAHAMANDATESVARAN SRI VIRA ARIYAPPA

VDAIYARAM BUKKANA UDAIYARUM PRTIAL RACCIYAM PANNA NIRKA.

Marfat.com

رائے کی مدت حکومت کو متعین کرتے ہوئے گوپی ناتھ راؤ (GOPINATH RAO.) اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ غالباً اس نے صرف چھ ماہ حکومت کی۔ ان کے نتائج مندرجہ ذیل ثبوت پر مبنی ہیں۔ دیو رائے اوّل کا بظاہر 1422ء میں انتقال ہو گیا۔ دیو رائے اول کے بیٹے ہری ہر سوم نے 1422ء میں ایک عطیہ (جاگیر) دیا تاکہ اس کا باپ "یقینی طور پر عالم فضیلت حاصل کر سکے"[15]۔ وجے بھوپتی تخت پر بیٹھا لیکن چونکہ شاکھا 1345 (1423ء) کے چند کتبات میں دیو رائے دوم کا نام شاہی القاب کے ساتھ نظر آتا ہے لہٰذا وجے رائے یقیناً اس وقت تک مر چکا ہوگا[16]۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ دیو رائے اول کے ایصالِ ثواب کے لیے عطیات 1422ء میں دیئے گئے ہیں۔ اور چونکہ 1423ء کی ابتدا میں ہی دیو رائے دوم شاہی القاب کے ساتھ نظر آتا ہے لہٰذا یقیناً وجے رائے محض چھ یا سات ماہ تک تخت پر بیٹھا ہوگا[17]۔ لیکن دیو رائے دوم کے شاہی القاب اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وجے رائے کا اس وقت تک انتقال ہو چکا تھا اس لیے کہ ہمیں وجے کے 1424-25ء کے چند کتبات ملتے ہیں[18]۔ وجے رائے اول خود مولوباگل راجیہ پر 1406ء میں اور 1416ء کے درمیان حکومت کر رہا تھا۔ ان حقائق کی بنیاد پر وینکیا اور کرشن شاستری کا خیال ہے کہ وجے رائے اور دیو رائے دوم علی الترتیب اپنے اپنے باپ کے زمانہ میں معاون نائب بادشاہ (CO-REGENTS.) تھے[19]۔ وینکیا اپنی دلیل کے اختتام پر یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ "یقیناً یہ بات فرض کی جا سکتی ہے کہ اپنے باپ کی زندگی اور دور حکومت ہی میں ویرو جے ایک نامزد بادشاہ تھا۔ ممکن ہے کہ دیو رائے کی حیثیت بھی ایسی ہی رہی ہو"۔ بہر حال گوپی ناتھ راؤ اس بات پر زور دیتے کہ وجے نگر کے خاندان اول کی تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی جس میں کسی شخص کی تاج پوشی اس کے پیشرو کی موت سے پہلے کر دی گئی ہو[20]"۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دو خیالات میں بنیادی اختلاف

---

[15] ایپگرافیا کرناٹیکا۔ ۴

[16] ایپگرافیا کرناٹیکا۔ 8، تیرتھ ہلی (TIRSHA HALLI.) ۱۱۴ سوراب (SORAB.) 565

[17] ایپگرافیا انڈیکا (EPIGRAPHIA INDICA.) ۱۵ ص ۱۴۔

[18] TOPOGRAPHICAL LIST OF INSCRIPTIONS OF THE MODRAS. PRECIDENCY. ازدی رنگاچاریہ، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس۔

[19] 1907ء، پیراگراف 54 (ARCHOCOLOGICAL SURVEY.) 1907-08ء، ص 247 (REPORTS.)

[20] ایپگرافیا انڈیکا۔ ۱۵ ص 15۔

Marfat.com

اس حقیقت کی بنیاد پر ہے کہ شاید ان کے خیال میں یوراج اور نائب بادشاہ دو الگ الگ شخصیتیں تھیں لیکن اس طرح کا مفروضہ خارج از بحث ہے۔ کیونکہ متعلقہ کتبات کی روشنی میں ہمیں یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ یہ یوراج ہی تھا جو اپنے پیشرو کے دور حکومت میں معاون حکمراں ہوا کرتا تھا۔ اور اسی دور میں وہ شاہی القاب اختیار کر لیا کرتا اور کم و بیش آزادانہ طریقے پر اپنے صوبے پر حکمرانی کرتا۔ اگرچہ بالعموم برسر اقتدار بادشاہ کے (تمام) لڑکے صوبوں کے وائسرائے بنا کر بھیج دیئے جاتے تھے۔ مگر ان میں سے صرف ایک ہی کو یوراج یا مشترک حکمراں نامزد کیا جاتا تھا اور وہی اپنے پیشرو کی موت کے بعد تخت نشیں ہوتا تھا[21]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے نمایاں اشخاص کو وارث کے انتخاب کے سلسلہ میں اپنی رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ سری رنگا اول اور اس کے بھائی رام کی موت پر، رام کے بیٹے تروملِ کو نظر انداز کر کے "ہر طبقہ کے اتفاق رائے سے 1856ء میں وینکٹ دوم وجے نگر کے تخت پر بیٹھا۔ ایک یسوعی کے خط میں مذکور ہے کہ "اس شہزادے کے باپ کی موت کے بعد بادشاہت "ہر طبقہ کے اتفاق رائے" سے مرحوم کے بھائی (رام سوم) کے سپرد کر دی گئی، یعنی جو شخص اس وقت حکومت کر رہا ہے۔ اور مرحوم کے ان بچوں کے حقوق کو رد کر دیا گیا جو اپنی عمر کی بنا پر ملک پر حکومت کرنے کے لائق نہ تھے[22]۔ بہر حال یہ بات مشتبہ ہے کہ وہاں ووٹ دینے کا طریقہ رائج تھا اور تمام لوگ بادشاہ کے انتخاب میں حصہ لیتے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ جب بادشاہ کسی ایسے شخص کو نامزد کرتا ہوگا جو جانشینی کے عام قوانین کے تحت تخت پر نہیں آسکتا تھا تو ممکن ہے کہ اس وقت وہ مملکت کے چند ممتاز امراء سے مشورہ لیتا ہو اور ان کی حمایت حاصل کرتا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمراں کا انتخاب بالعموم وزراء اور امرا کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ اس سلسلہ

---

[21] 1905-06ء کا چناپٹنا (CHENNAPATNA.) 6، سلیٹور (SALETORE.) کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں مشترکہ حکومت کا طریقہ مروج ہوا۔ لیکن اس نظریہ کے ثبوت کے لیے زیادہ ٹھوس شہادت درکار ہے۔

[22] فادر این پیمنٹا (FR.N.PIMENTA.) کا خط جس کا حوالہ پادری ایچ ہراس (REV. H. HERAS.) نے آروِدو خاندان (ARAVIDU DYNASTY.) جلد اول، ص 301 میں دیا ہے۔

Marfat.com

ہیں ہمارے پاس برآداس (BARRADAS.) کی شہادت موجود ہے جو کہتا ہے کہ وینکٹ دوم نے اپنی موت کے صرف تین دن قبل اپنے "سرداروں" کی موجودگی میں اپنی وسیع وعریض سلطنت اپنے بھتیجے سری رنگا دوم، جو عام طور پر رکا رائے کے نام سے مشہور ہے، کے سپرد کر دی اور رکا رائے نے موقعہ پر موجود چند "سرداروں" کے مشورہ پر بادشاہت قبول کر لی اگرچہ وہ خود تخت نشینی کا آرزومند نہ تھا۔ اس کے ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وینکٹ کی قانونی اولاد نہ تھی جو اس کی جانشینی کر سکے[24]۔

"دست برداری" قدیم ہندوستان کی طرح وجے نگر کے چند بادشاہ بھی اپنی زندگی کے آخری حصہ میں اپنے بیٹوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گئے اور اپنی بقیہ زندگی یادِ الٰہی میں گذار دینے کے خاطر انھوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اس طرح راج ناتھ دندم (RAJNATHA DINDIMA.) کے بیان کے مطابق سالو وا نرسمہا کے باپ گنڈا نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنایا اور خود ایک وان پرستھا (VANAPARASTHA.) کی حیثیت سے جنگل چلا گیا[24]۔ اسی طرح تنجور کے نایک نے اپنے بیٹے کو تخت نشین کر دیا اور خود جنگل چلا گیا۔[25]

اس ضمن میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ولی عہد کی رسم تاج پوشی کی حقیقی اہمیت کو تاریخ نگاروں اور غیر ملکی سیاحوں نے کبھی پورے طور پر نہیں سمجھا۔ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ برسرِ اقتدار بادشاہ کی دست برداری کی نشاندہی کرنی تھی انھیں میں سے ایک پرتگالی مورخ نونیز ہے جو کرشن دیورائے کی نام نہاد دست برداری کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہتا ہے "بادشاہ نے یہ خیال کر کے کہ اس کی عمر کافی ہو گئی ہے اور اپنے بوڑھاپے (؟) میں آرام کرنے کی غرض سے نیز اس خواہش سے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ ہو اس نے اپنی زندگی ہی میں اسے بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا حالانکہ لڑکے کی عمر چھ سال کی تھی اور بادشاہ اس بات سے ناواقف تھا کہ اس کے مرنے کے بعد کیا ہو گا۔ لہٰذا وہ اپنے تخت اور تمام اختیارات و نام سے دست بردار ہو گیا اور سب کچھ اس نے اپنے لڑکے کے حوالہ کر دیا اور خود اس کا وزیر بن گیا[26]۔

---

[23] سیویل (SEWELL.) ۔ ح۔س۔ ص ص 223-224

[24] ایس ۔ کے ۔ اینگر ۔ ح ۔ س ۔ ص ۹۰

[25] ایس ۔ کے ۔ اینگر ۔ ص 273

[26] سیویل ۔ ح۔ س۔ ص 359

Marfat.com

تارن، سال (1524ء عیسوی) کی چند دستاویزات کرشن رائے کے بیٹے تیروملائی دیومہارائے کا تذکرہ برسر اقتدار بادشاہ کی حیثیت سے کرتی ہیں۔[27] لیکن ہمارے پاس اس بات کے ثبوت کے لئے کوئی کتاباتی یا ادبی سند نہیں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوگیا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ نونیز نے یوراج کی حیثیت سے ترومل کی تاج پوشی کی صحیح اہمیت نہیں سمجھی اور غلطی سے اس کو بادشاہ کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی سمجھ بیٹھا۔ نونیز کا بیان ہمیشہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتا کیوں کہ ایک مقام پر وہ کہتا ہے کہ کرشن دیو کی عمر 1509ء میں بیس[20] سال سے زیادہ تھی اور دوسرے مقام پر اس کا بیان ہے کہ وہ 1524ء میں "ایک بوڑھا آدمی تھا۔ ایک بادشاہ جس کی عمر 1509ء میں بیس[20] سال سے کچھ زیادہ تھی 1524ء میں "بوڑھا" نہیں ہوسکتا۔ مزید یہ کہ اپنے بیٹے کے وزیر کی حیثیت اسے اس کے بڑھاپے میں آرام نہیں پہونچا سکتی تھی جس کی نونیز کے مطابق اسے خواہش تھی اس طرح دست برداری کی کہانی ناقابلِ یقین ہے۔ 1525ء اور 1530ء کی درمیانی مدت کے کتبات کی ایک بڑی تعداد جو مملکت کے مختلف حصوں سے حاصل ہوئے ہیں ظاہر کرتی ہے کہ کرشن دیو 1530ء تک بادشاہ رہا۔ کرشن دیو کے کتبات بھی جن پر 1246ء تارن وائے اور 1446ء تارن مارگ کی درمیانی تاریخیں مندرج ہیں پوری مملکت میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔[28] یہ (کتبات) ظاہر کرتے ہیں کہ کرشن دیو اس مدت کے دوران اپنے بیٹے کی معیت میں حکومت کر رہا تھا۔ اور اس طرح وہ تخت سے دست بردار نہیں ہوا تھا۔[29]

---

[27] ایپیگرافیا کرناٹیکا = ۹، بدگیر (MUDGIRE.) 6 اور 82، 1918ء کے 115، 116 اور 117 1896ء کے 39، 1929-30ء کے 61، 2 اور 605۔ ان کتبات میں قدیم ترین کتبات 3 ویشاکھا شو کی تاریخ کے ہیں جبکہ جدید ترین 2 تارن مارگ شو کی تاریخ کے ہیں۔ 1929-30ء کا 605 اس کی تاریخ 1446ء ویائے کارٹکا بتلاتا ہے۔ لیکن یہ تاریخ قطعاً غلط معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ویایئے سال کا مطابق شاکھا سال 1448ء تھا۔

[28] ترومل کے دورِ حکومت میں کرشن رائے کے چند کتبات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) 1897ء کا 188، ساؤتھ انڈین انسکرپشن (SOUTH INDIAN INSCRIPTION.) 72،6 تارن آنی،

(2) ایپیگرافیا کرناٹیکا 5، بیلور (BETUR.) 78 مورخہ 5 تارن شروان شو 5۔

(3) 1918ء کا 101، تارن سمہا۔

(4) ایپیگرافیا کرناٹیکا ۹، بنگلور ۱۹، تارن مارگ شوا، جو 1918ء کے 117 کی تاریخ ہے۔

[29] اس سوال پر مصنف کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آف انڈین ہسٹری 17، جز اول ص ص 54-59

Marfat.com

ترومل کے متعلق لکھتے ہوئے کرشن شاستری کا خیال ہے کہ وہ اپنے بیٹے شری رنگا اول کے حق میں تخت سے دست بردار ہوگیا تھا[30]۔ اپنے قول کی تائید میں وہ وسوچر ترمو (VASUCARITRAMU.) کا حوالہ دیتے ہیں لیکن اس تصنیف میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ترومل نے بحیثیت یوراج شری رنگا کا تقرر کیا تھا[31]۔ اس بات کی توثیق شروترنجنی (SRUTARNJANI.) نامی ایک دوسری تصنیف سے بھی ہوتی ہے جو گیتا گوندا پر خود ترومل رائے کا ایک تبصرہ ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ شہنشاہ مصنف نے اپنی سلطنت کی انتظامیہ کو اپنے بیٹوں کے حوالہ کر دیا تھا اور خود اپنا وقت شعرا اور ادیبوں کے درمیان گذارا کرتا تھا[32]۔ اس بات سے بھی یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا کہ ترومل اپنے تخت سے دست بردار ہوگیا تھا۔

اس طرح دستیاب ثبوت قطعی طور پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ وجے نگر عہد میں، ماقبل چولا دور کی طرح بادشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنی موت کے بعد تخت کی جانشینی کے سلسلہ میں تنازعات کے تدارک کی خاطر، یوراج کی حیثیت سے اپنے بیٹوں کی تاج پوشی کر دیا کرتے تھے۔ انھیں یوراج بنا کر انتظام حکومت کی باضابطہ تربیت دیتے تھے۔ یوراج کو مملکت کے ایک حصہ کی انتظامیہ کا انچارج بنا دیا جاتا اور بادشاہ دور سے یوراج کی حکومت کی نگرانی اور اسکی انتظامیہ کی رہنمائی کرتا تھا۔

نیابت۔ ایک اہم مسئلہ جس کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا وہ "نیابت" کا تھا۔ اگر تخت کا مالک کوئی نابالغ ہوتا تو اس کا ایک نائب نامزد کر دیا جاتا اور کمسن حکمراں کے نام پر سلطنت کا نظم ونسق اسی کے سپرد کر دیا جاتا یہاں تک کہ موخرالذکر سن شعور کو پہونچ جاتا اور زمام حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔ نائبین ہوتے تھے لیکن تاریخ میں ایسے بہت سے لوگوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے اپنی نیابت کو اپنی ذاتی ترقی کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر اور قانونی حکمراں کے خلاف اپنی حیثیت مستحکم کرنے کے لیے ایک موقعہ کے طور پر استعمال کیا اور بالآخر تمام شاہی اختیارات کو غصب کر لیا نیز جائز حکمراں کو معزول اور قید کر دیا۔ جس طرح ویر نرسمہا اور رام راج نے نیابت کا ناجائز استعمال کیا اس طرح کی مثالوں سے وجے نگر کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ نونیز کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

---

[30] ارکیولوجیکل سروے رپورٹس، 12-1911ء ص 181

[31] ایس، کے، اینگر۔ ج، س، ص 217

[32] ایس، کے، اینگر، ص 213

Marfat.com

سالووانرسمہانے اپنی موت کے وقت اپنی وسیع وعریض سلطنت کا نظم ونسق اس وقت تک کے لیے اپنے معتمد جرنل نرسا نایک کے سپرد کر دیا تھا جب تک کے شہزادے (اس کے لڑکے) حکومت کرنے کے لائق عمر کو نہ پہونچ جائیں[33]۔ مورخ کے اس بات کی توثیق ان کتبات کی ایک بڑی تعداد سے ہوتی ہے جن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جب امدی نرسمہا سلطنت کا حاکم تھا اس وقت نرسا نایک ایک منتظم (ADMINSTRATOR.) تھا۔[34] 1498-99ء[35] کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ نرسا نائنن گارو وجے نگر کی بادشاہت میں سالووانرسمہارائے کا "پمپو" تھا[36] نرسا کی موت کے بعد اس کے لڑکے ویرنرسمہانے کچھ دنوں تک نائب کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن بعد میں اس نے تخت کو غصب کر لیا اور بادشاہوں کے تولووا (TALUVA.) سلسلہ کی بنیاد ڈالی جن میں عظیم ترین بادشاہ کرشن دیورائے تھا۔

اگر پرتگالی مورخ کوٹو (COUTO.) پر یقین کر لیا جائے تو سداشیو کی عمر اس وقت صرف سولہ سال کی تھی جس وقت وہ تخت نشیں ہوا چنانچہ بادشاہ کی جانب سے رام راج نے سلطنت کی دیکھ بھال کی۔ تقریباً 1550ء میں سداشیو قید کر لیا گیا اور رام راج نے اس وقت بادشاہ کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا۔ لیکن 1563ء سے وزیر تقریباً غاصب بن گیا اور ایک آزاد حکمراں کی حیثیت سے مملکت پر حکومت کرنے لگا اور تمام شاہی القاب اختیار کر لیے۔ ہمیں سیزر فریڈرک (CAESAR FREDERICK.)[37] سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ "تخت پر بیٹھتا تھا اور بادشاہ کہلاتا تھا"۔

33ھ سیول .SEWELL ح،س،ص 308

34ھ 1915ء کا 143، میسور آرکیولوجیکل سروے رپورٹس (MYSORE ARCHOCOLOGICAL SERVAY REPORTS.) 1916ء، پیراگراف 102، 1915ء، 1918ء پیراگراف 108

35ھ 1904ء کا 386، مدراس ایپیگرافی رپورٹس۔ 1905ء پیراگراف 44، ایپیگرافیا انڈیکا 7 ص 78۔

36ھ سرکاری ماہر کتبات نے اس اصطلاح کا مطلب "ایک شریک کار" سے لیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ اگر صرف فعل کی حیثیت سے لیا جائے تو اس کا مطلب "بھیجنا" ہوتا ہے "پمپو" ایک اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دوسرے ذریعہ بھیجا جاتا ہے یعنی ایک نمائندہ۔

37ھ ہزپلگرمس (HIS PILGRIMS.) از پرکاز (PURCHAS.) دہم، ص 93۔

Marfat.com

اس طرح رام راج بھی ایک غاصب ثابت ہوا۔ اس غصب کا ذکر کرتے ہوئے ہرس (HERAS.) اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ "وزیر اعلیٰ کے ذریعہ سداشیلو کا قید کیا جانا اور سارے شاہی اختیارات کا غصب کر لیا جانا اس کی اپنی ہوس ملک رانی سے زیادہ کمسن اور کٹھ پتلے حکمراں کی نااہلیت کی وجہ سے تھا"۔ وہ مزید کہتا ہے کہ "اس لحاظ سے یہ غصب ملک کی فلاح و بہبود اور سلطنت کی حفاظت کی خاطر ذاتی ایثار و قربانی کے جذبہ کو روشن کرتا ہے[38]۔ لیکن کوئی شخص اس خیال سے متفق نہیں ہو سکتا۔ یہ دلیل کسی بھی لائق وزیر کے ذریعہ حکومت کے غصب کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر واقعی رام راج سلطنت کے نظم و نسق میں کارکردگی کو بہتر بنانا چاہتا تھا تو وہ اس مقصد کو ایک وزیر کی حیثیت سے بھی بحسن و خوبی انجام دے سکتا تھا۔

یہ مثالیں وجے نگر کی تاریخ میں "نیابت" کے نظام کے نقائص کو مکمل طور پر واضح کر دیتی ہیں۔ سلطنت پر ان انقلابات کے اثرات مرتب ہوا کرتے اور مملکت میں عام طور پر بے اطمینانی پھیل جاتی۔ جب سلکم راجو ترومل نے 1542ء میں اپنے آقا وینکٹ اول کے خلاف "جرم کا ارتکاب کر کے" شاید اس کو قتل کر کے، تخت کو غصب کر لیا تو جنوبی ہندوستان میں ایک طویل خانہ جنگی چھڑ گئی۔ "نیابت" کا نظام شاہی دربار میں وزرا کے اثر و رسوخ کو عیاں کر دیتا ہے۔ طاقتور بادشاہوں کی ماتحتی میں وہ مطیع و فرمانبردار رہتے تھے جبکہ کمزور بادشاہ کی ماتحتی میں وہ سارے شاہی اختیارات کو غصب کر لینے اور نام نہاد بادشاہ سے آزاد ہو کر بسا اوقات تو اس کی جگہ پر ملک پر حکمرانی کی کوشش کرتے۔

شاہی فرائض :۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ریاست کے فرائض اس کے سیاسی مفکرین کے تصور اور اس کے حکمرانوں کے خیال کے مطابق محض ایک سپاہی یا فوجی کے فرائض نہ تھے اگرچہ ہندوستان میں ریاست ان فرائض کی جانب کافی توجہ دیتی تھی لیکن اس کا حقیقی مقصد کچھ اور زیادہ ہی اعلیٰ و ارفع تھا۔ ہندو ریاست اپنے شہریوں کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے لیے کافی مواقع اور وسعتیں فراہم کرتی۔ سلطنت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں بادشاہ پر چند ایسے مخصوص فرائض و ذمہ داریاں عاید تھیں جو سماج کی ترقی میں معاون بن سکتی تھیں۔ اپنی توجہ ریاست وجے نگر ہی تک محدود رکھتے ہوئے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کا اولین فرض اپنی ساری رعایا

38۔ آرودو خاندان (ARAVIDU DYNASTY.) جلد اول ص ص 219 - 220

Marfat.com

کے تحفظ کا انتظام، اور ان کی شکایات کا تدارک کرنا تھا۔ درحقیقت کسی بھی ریاست کے یہی بنیادی فرائض ہیں۔ صرف اسی سرزمین میں کسی طرح کی ترقی ممکن ہے۔ جہاں امن وسلامتی کا دور دورہ ہو۔ رکچھنم (RAKSANAM.) (تحفظ) کا یہ بنیادی فریضہ بادشاہ پر دوہری ذمہ داری عاید کرتا تھا پہلی ذمہ داری ملک کو غیر ملکیوں سے محفوظ رکھنے کی تھی۔ وجے نگر کی سلطنت کی بنیاد ہی مسلم حملوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے پڑی تھی۔ اور دوسری ذمہ داری ریاست میں ایک کارگذار پولیس تنظیم کا قیام اور ملک میں نظم وضبط، امن وامان کا برقرار رکھنا تھا۔ انھیں سے مربوط بادشاہ کا عوام کی شکایات کے تدارک کا فرض بھی تھا۔ کرشن دیو رائے چاہتا ہے کہ بادشاہوں کو اپنی رعایا کے تحفظ اور ان کی شکایات کے تدارک کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہئے۔[39]

وجے نگر کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں ہیں جو عوام پر صوبائی سرداروں کے مظالم کے خاتمہ کے لیے بادشاہوں کی مداخلت کا پتہ دیتی ہیں۔ یہاں ان میں سے دو کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ دو اہم سنگی دستاویزات جن میں سے ایک کیلور (KILUR.) اور دوسری ایلون اشور (ELAVAN TR.) سے دونوں ہی (مقام) جنوبی ارکٹ کے ضلع میں ہیں۔ میں پائی گئی تھیں، چند دلچسپ حقائق کا انکشاف کرتی ہیں۔ ان کے مطابق ہر عہد حکومت کے آغاز میں وزرا، 'دائیں' اور 'بائیں' بازو کے طبقوں سے زبردستی تحائف حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں غیر مطمئن رعایا غیر ممالک میں کوچ کر گئی۔ مندروں میں پوجا اور مذہبی تقریبات کا خاتمہ ہوگیا۔ ملک بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا اور بڑی تعداد میں لوگ مر گئے۔ چنانچہ بادشاہ نے مداخلت کی اور آئندہ کے لیے اس طرح کے جبری استحصال کو ممنوع قرار دیدیا اور حکم دیا کہ اس فرمان کو سارے ملک میں کندہ کرا دیا جائے۔ لیکن اپنا ادے یار نے جس کو یہ شاہی حکم دیا گیا تھا تمام مقامات کے بجائے صرف چند ہی مقامات پر اسے کندہ کرایا۔ چنانچہ ناگرس کے نام ایک فرمان جاری کیا گیا جس نے بادشاہ کے اس فرمان سے پورے ملک کو مطلع کیا۔ یہ دستاویزات یہ واضح کرتی ہیں کہ بادشاہ کو ایک باضابطہ حکومت سے عملی دلچسپی تھی۔[40]

---

[39] آمکتا مالیاد۔ کھنڈ چہارم، اشلوک 205

[40] 1905ء کا 23 اور 1906ء کا 161؛ مدراس ایپگرافی رپورٹس (MADRAS. EPIGRAPHY REPORTS.) 1905-6ء پیراگراف 55۔

Marfat.com

ضلع سالم کے آرگل اور (.ARGALUR) مقام کا ایک دوسرا کتبہ راج اگرم کے مظالم اور بادشاہ کی مداخلت کے متعلق بتلاتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ پیرومال کریاور (PERUMAL (.KARI YAVAR سے کے مندر کے تین استھانیکوں" کا ایک روز وجے نگر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے مندر سے متعلق ایک گاؤں 'دیوی یا کوریسی' (.DEVIYA KURICCI) میں تعنیات حاکموں (راج اگرم) کے ذریعہ کی جانے والی ناانصافیوں کی شکایات کی۔ سردار امرنمارس نے بادشاہ سے ان کا تعارف کرایا، ان کی شکایات کو رفع کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ہار، ایک ٹوپی، ایک گھوڑا اور ایک چھتری تحفہ میں دی نیز یون پرپی اور دیوی یا کوریسی، میں واقع نم (زرخیز) زمین کا ۹۰۰ کولی کا علاقہ سرومانیا (.SARVAMANYA) کے طور پر عطا کیا۔[41]

اس ابتدائی فرض سے کہیں زیادہ اہم ریاست کا یہ فرض تھا کہ ویدوں کی ناقابلِ فراموش روایات اور سند پر مبنی اپنے سودھرم کی پیروی کا فرض عوام پر نافذ کر کے سماجی یکجہتی کا تحفظ کرے۔ درویشوں کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کرشن رائے اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایک بادشاہ کو اپنی علم و ادب کی پاسداری کی وجہ سے انھیں بڑی بڑی رقمیں اور گاؤں نہ دینا چاہئے (اس بنا پر کہ درویشوں اور جوگیوں کو تعلیم یافتہ سمجھا جاتا تھا) تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ضروری انضباط سے منحرف ہو جائیں جس کے نتیجہ میں قحط سالی، بیماری اور شیر خوار بچوں کی اموات جیسی برائیوں کا ریاست میں اضافہ ہو جائے وہ مزید کہتا ہے کہ ایسی صورتوں میں اتنا ہی کافی ہوگا کہ بادشاہ ان کے لیے "بھگتی" (عزت و عقیدت) کا اظہار کرے۔ وہ پھر زور دیتا ہے کہ ان درویشوں کی مدد نہ کرنے کی صورت میں جو برائی رونما ہو سکتی ہے وہ محض ان کی پریشان حالی ہوگی۔ لیکن بادشاہ پر اس کا کوئی گناہ لازم نہ آئے گا۔[42]

ہندوستان میں ریاست نے کسی بھی زمانہ میں شہریوں کی نجی زندگی میں اس قدر مداخلت نہیں کی جتنی کے عہدِ وسطیٰ میں وجے نگر کے بادشاہوں کا، ذاتوں کا برقرار رکھنے والا، کا لقب اختیار کرنا اور رسمے آچاریوں کا تقرر کرنا ان کی اس مستعدی کی مکمل نشاندہی کرتا ہے۔ جس سے کام لے کر یہ بادشاہ ہندوستان کی مختلف ذاتوں اور فرقوں میں سودھرم کا نفاذ کیا کرتے تھے۔ وہ سلطنت میں متھوں کی کفالت کرتے اور انھیں مالی امداد بہم پہونچاتے۔ لیکن یہ تمام فرائض جن کی ادائیگی کی وہ

---

[41] سنہ 1913ء کا ۴۴۹،

[42] آمکتامالیاد۔ کھنڈ چہارم، اشلوک 242

Marfat.com

ذمہ داری لیتے تھے اس خیال کی تائید نہیں کرتے ہیں کہ بادشاہ مذہبی پیشوا ہوا کرتے تھے بلکہ وہ اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ بادشاہوں کو ملک کے سماجی اتحاد میں بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور وہ مملکت میں امن و خوش حالی برقرار رکھنے کے متمنی رہتے تھے۔ بلاشبہ وہاں عدم مساوات اور رنگا رنگی تھی جس کو باقی رکھنے دیا گیا اور امتیازات و اختلافات کو ختم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی لیکن جیسا کہ ڈاکٹر بندی اپادھیائے (DR. B A N D Y OPADHYAYA.) کہتے ہیں کہ "ان انوکھے خیالات و اعتقادات کے باوجود جو اس زمانہ کے لوگوں کے ذہنوں پر غالب تھے، ہندوستانی مفکرین کی نظر میں مساوات کبھی سیاسی ضرورت نہ بن سکی .... اور ان اختلافات کے درمیان تعاون و ترقی کی کافی گنجائش تھی۔ ایک مشترک سماجی ڈھانچہ میں اسکے تمام تہذیبی اور پیشہ ورانہ اختلافات کے باوجود جنھیں باآسانی دور نہیں کیا جاسکتا تھا یہی وہ سب کچھ تھا جس پر وہ نظر رکھ سکتے تھے اور جس کے لیے وہ کوشاں رہے"[43]

وجے نگر کے بادشاہ عوام کی معاشی خوش حالی کی جانب سے غافل نہ تھے۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ عوام کی فلاح و بہبود بہت حد تک زراعتی ترقی اور ایک روز افزوں تجارت پر منحصر ہے۔ ان کے زمانے میں جنگلات صاف کیے گئے۔ نئے گاؤں بسائے گئے اور نئی زمینوں کو زیر کاشت لایا گیا جہاں یہ سب ممکن نہ تھا وہاں آب پاشی کی سہولتیں مہیا کی گئیں ٹیکس کے بوجھ میں کمی کی گئی اور زمین کی مجموعی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ غیر ممالک کے ساتھ تجارت کی ہمت افزائی کی گئی، غیر ملکی مہاجرین کو ان کی قومیت کی مناسبت سے تحفظ بہم پہونچایا گیا[44]۔ راجدھانی میں آباد ہونے کے لیے غیر ملکی تاجرین کی مدد کی گئی۔ ان کے لیے گاؤں کا اور شہروں میں عمدہ مکانات کا اہتمام کیا گیا[45]۔ چند ایسی صنعتیں بھی تھیں جن کی ریاست کی جانب سے ہمت افزائی کی گئی۔ کان کنی ایک ایسی صنعت تھی جو اسی کے ذمہ تھی[46]۔

ایک اور کام جو بادشاہ کے ذمہ تھا وہ عدالت کا انتظام و انصرام تھا۔ وجے نگر کے بادشاہ اس

---

43 کوٹلیہ (K O T I L Y A.) ص 286

44 آمکتا کھنڈ چہارم۔ اشلوک 245

45 آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 258

46 آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 245

Marfat.com

بات سے بخوبی واقف تھے کہ سماج کا اتحاد ڈنڈ (سزا) پر منحصر ہے۔ وہ عوام کی شکایات کے دور کرنے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔ بادشاہ اعلیٰ عدالت مرافعہ (HIGHEST COURT OF APPEAL.) ہوتا تھا اور جب ماتحت عدالتیں مدعی کے ساتھ انصاف کرنے میں ناکام رہتیں تو مظلوم بادشاہ کے پاس اپیل کر سکتا تھا جو اس کے ساتھ عدل گستری کرتا۔ سخت سزاؤں کو عموماً ناپسند کیا جاتا تھا۔[47]

بادشاہ کا ایک اور فریضہ ایک مستحکم اور موثر خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔ بادشاہ کو دشمن پر حملہ کے لیے مناسب موقعہ کی تاک میں رہنا چاہیے۔ اگر دشمن کی سلطنت میں اس کے اندرونی مخالف موجود ہوتے تو بادشاہ اس ملک میں نفاق کا بیج بوتا اور اس طرح ریاست کو کمزور بنا دیتا تاکہ اس کے لیے اس سرزمین کا فتح کر لینا آسان ہو جائے۔ لیکن اگر فاصل ریاست کا حکمراں دشمن کا دوست اور خود بادشاہ کا مخالف ہو جاتا جس نے اس کی تخلیق کی ہے تو ایسی فاصل ریاست کو ختم کر دیا جاتا۔[48]

شاہی اختیارات پر پابندیاں

سیاسی ڈھانچہ میں بادشاہ اگرچہ اہم ترین عضو کی حیثیت رکھتا تھا تاہم وہ مطلق انسان ہرگز نہ تھا عموماً کچھ مخصوص قواعد وآئین کے ذریعہ بادشاہ کے اختیارات کی تحدید کر دی جاتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بادشاہ کی حرص وتشدد پر کوئی پابندی نہیں تھی لیکن انتظام حکومت آئینی قوانین کے مقابلہ میں روایات اور تجربات پر زیادہ منحصر تھا اور اس طرح مختلف عوامل بادشاہ کی مطلق العنانی میں حائل تھے۔

ہندوستان کے قدیم راجاؤں کی طرح وجے نگر کا راجہ بھی قانون نہیں بناتا تھا۔ قوانین پہلے ہی سے موجود تھے جن کی وہ خود پابندی کرتا تھا اور جن کو وہ نافذ کرتا تھا۔ کرشن دیورائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ برسر اقتدار بادشاہوں کو دھرم (مذہب) کی سرپرستی کرنی چاہئے۔ شاہی شاعر کہتا ہے۔ حکومت کرتے وقت تاجدار کی نگاہ ہمیشہ دھرم پر لگی ہونی چاہیے "اندرا" "ورونا" "ویسرادن" "وایو" اور

---

[47] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 252

[48] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 248

[49] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 266

Marfat.com

"اگنی" جیسے دیوتاؤں کا وجود انھیں تاجداروں کے افعال کا نتیجہ ہے۔ بھوہ، بھووہ، اور سووہ جیسی مختلف دنیاؤں کی حیثیت بھی دھرم ہی کی بنا پر ہے[۱۰۰]۔

"دھرم" اور "شاہی فرائض" کے بارے میں بادشاہ کے اسی قسم کے بلند تصورات ہوتے تھے۔ ان قوانین کا منبع وید، اسمرتیاں اور دھرم شاستر تھے۔ دیگر بادشاہوں کی طرح وجے نگر کے بادشاہ بھی بلاشبہ اس کے دعویدار تھے کہ ان کا اقتدار خداداد ہے۔ لیکن ہندوستان میں بادشاہت کے آسمانی ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس دعویٰ سے کسی بھی طرح مماثل نہیں ہے۔ جو کہ انگلستان کے ابتدائی اسٹوارٹ (STUARTS.) بادشاہوں نے کیا تھا۔ سترہویں صدی کے اوائل کے برطانوی بادشاہوں نے اپنی مطلق العنانی ثابت کرنے کی غرض سے اپنے اقتدار کے خداداد ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ہندو نظریہ مطلق العنانی کا دعویٰ کرنے کے لیے نہیں پیش کیا گیا تھا بلکہ تصور یہ تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا ایک اوتار ہے جو کہ انصاف کے ساتھ لوگوں پر حکومت کر کے ان کی حمایت کرنے کے لیے آیا ہے۔ کرشن رائے لکھتا ہے: "منو" (MANU.) 'دند دھر' اور دوسرے رعایا کی خطاؤں کی تفتیش اور ان کو سزا دینے کی بنا پر ہی دھرم کے پیروکار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ایک سربراہ مملکت، جو کہ خدا کے برابر ہے اور جسے خدا (برجاپتی) نے رعایا پر حکومت کرنے کی غرض سے مختلف روپ میں پیدا کیا ہے اسے مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے اور ویدوں میں اسے ویراٹ اور سمراٹ جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے، اسے مشکلوں کا سامنا کرنے کے لائق ہونا چاہیے اور لوگوں کو مصائب و آلام سے نجات دلانا چاہیے[۱۰۱]۔ ایسے بادشاہوں کی مطلق العنانی واقعی مشکل ہے کیونکہ اس بادشاہ کے تمام افعال کا محرک رعایا کی جانب اس کی اخلاقی جواب دہی کا گہرا احساس ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بادشاہ پر دوسری زیادہ واضح پابندیاں بھی تھیں۔ ان میں ایک تو خود "منظم قوم" ہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر کے سیاسی نظریہ کی ایک خصوصیت ریاست کے خلاف اس کا ردعمل ہے اور اس کی ایک نمایاں سیاسی حقیقت ہے کہ گروہی زندگی ٹریڈ یونینوں، پیشہ وارانہ سوسائیٹیوں شہریوں کی تنظیموں اور پڑوسیوں کی انجمنوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔ اس طرح کی گروہ بندیوں اور جماعتوں کا تصور ازمنہ وسطیٰ اور عہدِ قدیم کے ہندوستان میں مفقود نہیں تھا۔ اس زمانے میں

---

[۱۰۰] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 285

[۱۰۱] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 285

Marfat.com

"ناناد یسیون، ناڈوں، ایاوٹے، اور دستکاروں جو اٹھانوے فرقوں پر مشتمل تھے ہر ایک کی ایک باقاعدہ تنظیم تھی۔ وہ اپنے لیے خود قانون وضع کرتی تھیں اور ان کے عمل میں ریاست مداخلت نہیں کرتی تھی الّا یہ کہ ان میں باہم کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ مرکزی حکومت ان پر محض نگرانی کافی سمجھتی تھی جیسا کہ رادھا کمد موکرجی (RADHAKUMUD MOOKERJI) کا خیال ہے۔ "یہ گروہی زندگی کے نیم فطری اصول اور روایات ہیں جن کو قانون کی شکل دی جاتی ہے نہ کہ ریاست کی کسی ایک مرکزی طاقت کا حکم اور فرمان۔ ان حالات کے تحت 'قانون' کوئی صناعی کی چیز نہیں ہے بلکہ رائے عامہ اور قومی زندگی کا ایک فطری ارتقا ہے۔[52]

شمالی ارکٹ ضلع کے ویری نسی پورم مقام پر ایک دلچسپ کتبہ ملا ہے جس میں کچھ قواعد و ضوابط کا تذکرہ ہے جو بعض فرقوں نے اپنے لیے وضع کیے تھے۔ "پدائی ویدو" سلطنت کے برہمن نمائندگان نے جن میں "کرناٹ" "تامل" "تیلگو" اور "لاٹ" برہمنوں کا نام لیا گیا ہے، ایک معاہدہ پر دستخط کیا جس کے تحت یہ پایا کہ آئندہ ان کے خاندانوں میں ہونے والی تمام شادیاں صرف "کنیا دان" کے ذریعہ انجام دی جائیں گی۔ یعنی یہ کہ باپ اپنی بیٹی کو بلا لین دین دولہا کے حوالہ کر دے گا اور یہ کہ وہ باپ جو روپئے لے گا اور وہ دولہا جو روپیہ ادا کرے گا، دونوں کو بادشاہ کی جانب سے سزا دی جائے گی اور اپنی برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔[53] اس طرح برادریاں اپنے قوانین خود وضع کرتیں اور بادشاہ صرف ان کو نافذ کرتا۔

شاہی اختیارات پر پابندی میں رسم و رواج اور رائے عامہ بھی اپنا رول ادا کرتے تھے۔ سلطنت کے مختلف حصّوں میں لوگوں کے طور طریقوں میں فرق کی وجہ وہاں کے مخصوص مقامی رسم و رواج ہوتے تھے۔ ٹیکسوں کا تعین کسی سائنٹیفک اصول کے بجائے رسم و رواج کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ سلطنت کے ناپ تول کے پیمانوں میں یکسانیت نہیں تھی۔ بادشاہ کے لیے یہ بہت دشوار تھا کہ وہ کوئی نئی چیز یا ایسا ضابطہ وضع کرے جو ان برادریوں کے مروجہ طریقوں سے ہٹ کر ہو جن میں وہ نیا طریقہ نافذ ہوتا ہے۔

---

[52] نیشنلزم ان ہندو کلچر (NATIONALISM IN HINDU CULTURE.)
ص ص۔ ۹۹ - ۱۰۰

[53] ملاحظہ ہو ساؤتھ انڈیا انسکرپشنز، ۱، نمبر 56

Marfat.com

جنوبی ارکٹ ضلع کے "پنادم" (.PANADAM) مقام سے دستیاب ایک غیر مورخہ دستاویز، جو بظاہر پندرہویں صدی کا معلوم ہوتا ہے میں درج ہے کہ جو کوئی موای رونکول (-MUBAYIRA) (-VAN KOL لمبائی ناپنے کا پیمانہ جو ایک پتھر پر تقریباً پندرہ[15] فٹ کے فاصلہ پر دو نشان لگا کر بنایا گیا تھا) کے علاوہ کسی اور ناپنے کی چھڑ کو رواج دینے یا اس کو استعمال کرنے کی کوشش کریگا۔ اسس کو وہی سزا ملے گی جو شیوودروہوں (.SIVADROHINS) گرام ادروہوں (.GRAMADROHINS) اور ناٹوادروہوں (.NATTUDROHINS) کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے مختلف حصوں میں ناپنے کی مختلف چھڑیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان پیمانوں کو معیاری شکل دینے کی کوشش کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا کسی مقام پر رائج وہاں کے معیاری پیمانوں میں کسی قسم کی جدت کی تجویز کو اس قدر گھناؤنا جرم تصور کیا جاتا تھا کہ اسے ناٹوودروہم (.NATTUDROHAM) کا درجہ دیا جاتا تھا۔[54]

وجے نگر کے بادشاہوں کے ٹیکسوں کی طویل فہرست کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر رسم ورواج پر مبنی تھے۔ فرمانروا کو لگان داریا رعایا، جو ٹیکس ادا کرتی تھی، وہ زیادہ تر روایتی ٹیکس تھے۔ اراضی کی خرید وفروخت بھی رسم ورواج کے ماتحت تھی۔ فروخت شدہ زمین کے ساتھ ہی رائج الوقت ٹیکسوں اور وقتاً فوقتاً عاید کردہ جبری لگانوں کو بھی خریدنے والے کے حوالے کردیا جاتا تھا اور ریاست ان معاملات میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔

اتنی ہی اہم ایک دوسری چیز جو شاہی اختیارات پر پابندی عاید کرتی تھی وہ رائے عامہ تھی۔ بڑی سے بڑی مطلق العنان حکومت بھی رائے عامہ کو نظر انداز نہیں کرسکتی تھی۔ انتہائی طاقتور بادشاہوں کو بھی اپنے کسی نئے اقدام یا پالیسی کے لیے اپنی رعایا کی عام یا درپردہ اخلاقی حمایت کی ضرورت ہوتی تھی ہندوستان میں اس رائے کا اظہار حکومت کے کاموں میں کوئی آئینی رکاوٹ کھڑی کرکے نہیں کیا جاتا تھا بلکہ خاموشی اور پرامن طریقے سے اسکے علاقوں کو خالی کرکے کیا جاتا تھا۔ نئے ٹیکسوں کے نفاذ کی مخالفت لوگ اسی طرح کرتے تھے۔ سلطنت وجے نگر کی تاریخ میں اس طور پر گاؤں کو چھوڑ کر چلے جانے کے واقعات کم نہیں ہیں۔ بالخصوص سلطنت کے جنوبی حصہ پر کنٹرول[55] (.KANNADIAYAS) کے

---

[54] 1928ء، 249 کا، رپورٹ، پیراگراف 79

[55] ایس۔ کے۔ اینگر کے خیال میں وہ لوگ "ہوئے سالا" تھے لیکن غالباً وہ تو لووے (.TALUVAS) تھے

باقی ص۲۵ پر

Marfat.com

قبضہ کو عوام نے ناپسند کیا تھا۔

جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو وناّئی نلّور (.TIRUVENNAINUTTUR) مقام سے دستیاب ایک نامکمل دستاویز میں درج ہے کہ تیرووَدی شرمائی (TIRUVADI SIRMAI) مندر کے مویشیوں کے چرواہے سڑک کڑوائی (SADAK KADAIMAI) ٹیکس ادا کرنے سے قاصر تھے لہٰذا وہ دوسری جگہوں کو کوچ کر گئے چنانچہ "نرسا نایک" کے ایجنٹ "ارمولرتا نائے نار (ARAMVALARTTA NAYANAR.) نے ان کے ٹیکسوں کو کم کر کے ۱½ پنم فی سال فی پائیر .PAYER جو کہ یہاں کا مخصوص رقبہ تھا، کر دیا۔[56] روشن دماغ بادشاہ کرشن رائے نے شادی ٹیکس جو ایک لڑکی کی شادی کے وقت دولہا اور دولہن کو ادا کرنا ہوتا تھا یہ جاننے کے بعد منسوخ کر دیا کہ رائے عامہ اس کے جاری رکھے جانے کے حق میں نہیں ہے۔ بہت سی ایسی دستاویزات موجود ہیں جن میں اس ٹیکس کی منسوخی کے لیے نہ صرف بادشاہ کی بلکہ مقامی بااثر لوگوں کی بھی تعریفیں کی گئی ہیں۔[57]

شاہی اختیارات پر ایک اہم پابندی شاہی کونسل تھی۔ بادشاہ کبھی بھی بغیر اس کونسل کے نہیں رہے یہ کونسل انھیں ریاستی معاملات میں مشورے دیتی تھی اور وہ ریاستی معاملات اور پالیسیوں پر ان سے رائے لیتے۔ کونسل ہی بادشاہ کی رسم تاج پوشی انجام دیتی تھی اور یہی ملک کا نظم و نسق چلاتی تھی۔ کمزور بادشاہوں کے زمانہ میں اس کے اثرات اور طاقت بہت بڑھ جاتی تھی۔ اس کونسل پر ایک طاقت ور وزیر پردھانی حاوی ہوتا تھا۔ سداشیو کے دربار میں رام راج کے اثرات کو ان تفاصیل میں دیکھا جا سکتا ہے جس کا انکشاف سنگی دستاویزوں سے ہوتا ہے جس میں درج ہے کہ اس نے وزراء سے سداشیو کی تاج پوشی کروائی۔ اس بات کا ثبوت کہ کرشن دیو رائے جیسے طاقت ور بادشاہوں نے بھی کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے کونسل سے مشورہ لیا کرشن رائے وجے مو (KRSNRAY VIJAYAMU.) سے ملتا ہے جس میں درج ہے کہ اپنی تاج پوشی کے فوراً بعد کرشن رائے نے اپنے وزراء سے شاہی خزانے کی مقدار اور اپنی فوج کی قوت کے بارے میں معلومات طلب کی۔ اور انہوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۹ سے آگے:۔ جن کے بارے میں خیال ہے کہ نرسا نایک کے پوتے تمّا (TIMMA) کے ساتھ مشرق کی جانب کوچ کر گئے تھے اور سالووُں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

[56] ۱۹۲۱ء کا 450

[57] ۱۹۰۴ء کا 387 اپیگرافیا کرناٹیکا، 12۔

Marfat.com

اسے ضروری معلومات بہم پہونچائیں[58]۔ اسی دستاویز کے مطابق بادشاہ نے مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد سالو واتماّ سے مسلم علاقوں میں مزید داخلہ کے لیے صلاح لی اور جب وزیر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ یہ ناسمجھی کا کام نہ کرے تو بادشاہ نے اس کا مشورہ قبول کر لیا[59]۔

حکومت وجے نگر کی انتظامیہ کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے وینسنٹ اسمتھ (VINCENT SMITH) نے لکھا ہے کہ "وجے نگر کا بادشاہ اتنا مطلق العنان ہوتا تھا جتنا کہ کسی بادشاہ کے لیے مطلق العنان ہونا ممکن ہے۔ اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی عاید نہیں تھی[60]"۔ ایشوری پرشاد نے اسے مطلق العنان حکومت بتایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ سلطنت کی ضروریات حکومت کے کردار کا تعین کرتے ہیں[61]۔ لیکن ہم کسی انتظامیہ کے کردار کا اندازہ اس وقت کی ضروریات سے نہیں لگا سکتے یہ صحیح ہے کہ وجے نگر دور میں ایک طاقتور اور مستعد فوج کی ضرورت تھی جو کہ مسلمانوں کے حملہ کو روک سکے اور سرکش جاگیرداروں کی شورشوں کو فرو کر سکے۔ اسی وجہ سے وجے نگر کے بادشاہ سلطنت کی فوجی تنظیم کی اصلاح کے لیے کوشاں تھے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ وہ فوج میں براہ راست خود بھرتی کرتے، جاگیرداروں سے فوجی ٹکڑیاں لیتے اور مسلمانوں کے طرز پر اپنی فوجی تنظیم میں اصلاحات کرتے۔ لیکن اس قسم کی پالیسی سے جو فوجی تنظیم وصلاحیت کی بہتری کے لیے اختیار کی گئی ہو، کسی طرح بھی حکومت کا کردار متاثر نہیں ہوتا۔ وہ قدیم اور روایتی تصور کی حکومت جو رعایا کی فلاح کے لیے ہوتی ہے اس وقت بھی وجے نگر کے بادشاہوں کے مقاصد اور پالیسی کا اصل محرک رہی۔ ان کے اندر اپنی رعایا کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک پدرانہ تصور ہوتا تھا۔ ممکن ہے بعض ایسے بادشاہ بھی ہوئے ہوں جنہیں رعایا کی بھلائی کی زیادہ فکر نہ رہی ہو مگر وہ صرف چند تھے اور غیر مقبول رہے۔ ہری ہر دوم کے ایک کتبہ سے تو حقیقتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف ذاتوں کے رسم و رواج کا لحاظ کرتا تھا اور اپنی ساری رعایا کا اس طرح تحفظ کرتا تھا گویا کہ وہ اس کے بچے ہیں[62]۔ کرشن رائے بھی عوام کے سلسلہ میں ایک بادشاہ اور اس کی حکومت کے فرائض کے اس پدرانہ تصور

---

58. سورسیز، از ایس، کے، اینگر، ص 130

59. سورسیز، از ایس، کے، اینگر، ص 131

60. آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا (OXFORD HISTORY OF INDIA.) ص 311

61. میڈیول انڈیا (MEDIEVAL INDIA.) ص 423،

62. ایپیگرافیا انڈیکا، 5،

Marfat.com

سے متاثر تھا اور ان کے مصائب و آلام کے دور کرنے اور ان کے تدارک کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ رعایا کے لیے بادشاہ کے فرائض کے بارے میں اس کے نظریات ہیں اس کی تصنیف آمکتا مالیادسے معلوم ہوتے ہیں جس میں وہ کہتا ہے کہ "اپنی رعایا کی حفاظت میں ہمیشہ مصروف رہو .... کسی ملک کے عوام اسی بادشاہ کی بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جو ملک کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔"[63] انھیں خیالات کا اظہار کرشن رائے کے درباری شاعر الّسانی پدّن (ALLASANI PEDDANA.) نے سوارو سیکھا منو (SUAROCISA MANA) جو اس کی منوچرتمو (MANU - CARITAMU.) کا ہیرو ہے، کی مثالی بادشاہت کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ بادشاہ سوارو سیکھا منو (SUAROCISA MANU) نے اپنی رعایا پر اس نرمی کے ساتھ حکومت کی گویا کہ وہ اس کے بچے تھے۔[64] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس نے اپنے سرپرست کرشن رائے کی حکومت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ عبارت ہمیں اشوک کی ایک (BORDERER'S EDIET.) یاد دلاتی ہے۔ جہاں وہ عظیم شہنشاہ کہتا ہے "تمام لوگ میرے بچے ہیں اور جس طرح اپنے بچوں کے متعلق میری خواہش ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کے بعد آنے والی دوسری دنیا دونوں میں ہر طرح کی مسرتوں اور خوشحالیوں سے لطف اندوز ہوں اسی طرح میں تمام لوگوں کے لیے یکساں شادمانی اور خوشحالی کا خواہاں ہوں۔" وجے نگر کے بادشاہ بھی اپنی رعایا کے لیے انھیں قسم کے احساسات رکھتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کے فلاح و بہبود کے دل سے خواہاں تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر طرح کی زحمت اٹھاتے تھے۔ اگر حکومت کی مشین محض ایک مقصد 'فلاح عامہ' کے حصول کا ایک ذریعہ ہے تو وجے نگر کی حکومت بھی فرائض کے پدرانہ تصور سے متاثر ہو کر لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے مصروف عمل تھی۔

فصل دوم

شاہی کونسل

کسی ملک کے قدیم انتظامی اداروں کے مطالعہ میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً

---

[63] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 205، 206

[64] منوچرتمو، کھنڈ چہارم، اشلوک 117

Marfat.com

جب ہم وجے نگر کی شاہی کونسل کے بارے میں غور کرنا شروع کرتے ہیں تو بعض حل طلب مسائل سامنے آتے ہیں۔ شاہی کونسل کے اجزائے ترکیبی، اس کی نوعیت، اس کی رکنیت وراثت سے ملتی تھی یا بذریعہ انتخاب۔ اراکین میں کن کن قابلیتوں کا ہونا ضروری تھا۔ بادشاہ کونسل کے فیصلوں کا کس حد تک پابند تھا؟ - یہ سوالات ان مسائل کے چند نمونے ہیں۔

وزراء کی اس کونسل کے علاوہ، جو ریاستی معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دیتی تھی۔ ایک دوسری کونسل کے وجود کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کونسل بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے ہمیشہ اس کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ وجے نگر کی سلطنت بہت سی صوبائی اکائیوں پر مشتمل تھی۔ ان میں ہر صوبہ ایک نایک کے تحت ہوا کرتا تھا جسے بادشاہ جاگیردارانہ نظام کے تحت اختیارات تفویض کر دیتا تھا۔ یہ بات درست اور مناسب تھی کہ باجگذار سردار کم از کم تقریبات کے موقعوں پر شاہی دربار میں موجود رہیں۔ ان کے علاوہ مذہبی پیشوا، بڑے بڑے فاضل، گویئے، ناچنے والے، مصور اور دوسرے بھی جو ریاست کی سرپرستی میں تھے اور جنھیں اعزاز دینا پڑتا تھا۔ سلطنت کے سرحدی علاقوں کے نیم آزاد حکمرانوں کے جذبات کا احترام بھی کرنا پڑتا تھا۔ ممکن ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کی بڑی کونسل انھیں لوگوں پر مشتمل ہو۔[65] منوچرتمو میں کرشن رائے کے ایک اجتماع کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں امر نایکوں اور ان کے نمائندوں ماتحت علاقوں کے سرداروں، شہزادوں، دلوایوں، تجار اور بیرونی بادشاہوں کے سفراء نے شرکت کی تھی۔[66] کرشن رائے نے بھی ایک ایسی ہی مجلس کا تذکرہ کیا ہے جس میں بیرونی ممالک کے سفرا بھی شریک ہوئے تھے۔[67]

لیکن اس کی سائز اتنی بڑی تھی کہ عملی مقاصد کے لیے اس پر قابو ممکن نہ رہا ہوگا اور نہ ہی اس میں ایسے لوگ ہوں گے جو ریاست کے معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یہ ایک ایسا ایوان تھا جس کی رکنیت اس کے ممبروں کے لیے وقار و منزلت کا باعث تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح انگلستان میں آج تک پریوی کونسل کی رکنیت سے بڑا وقار حاصل ہوتا ہے۔ وجے نگر کے

---

[65] جرنل آف دی تیلگو اکاڈمی (JOURNAL OF THE TELAGU ACADEMY.)
سوم، ص 13

[66] آمکتا، کھنڈ اول، اشلوک 12-13

[67] آمکتا، کھنڈ اول، (اشلوک) 18-4-459

Marfat.com

بادشاہوں کے ایوان اور انگلستان کے نارمن بادشاہوں کی کیمون کونسلیم (COMMUNE COUNCILIAN.) میں تھوڑی سی مماثلت ہے۔ اس شاہی ایوان میں باجگذار سرداروں کی موجودگی بادشاہ کی قوت میں اضافہ کرتی تھی۔ یہ موجودگی شاہی خاندان کے تئیں سردار کی وفاداری اور شاہی مفاد کے لیے اس کی حمایت کے عہد کو یقینی بنا دیتی۔

اس وسیع تر ایوان کے علاوہ ایک مختصر کونسل بھی تھی جس سے بادشاہ کو سلطنت کے نظم ونسق کے لیے اکثر مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک مستقل کونسل تھی جو بادشاہ کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اپنی تشکیل اور اختیارات کے لحاظ سے یہ کوٹلیہ (KAUTALYA) کی "منتری پریشد" کے مماثل تھی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کونسل کی نشستیں عموماً ایک مخصوص کمرے میں منعقد ہوتیں۔ اچیوت رائے ابھی ادیم (ACYUTARAYABHYUDAYAM) کے مطابق کونسل کی نشست ایک ہال میں منعقد ہوتی تھی جس کا نام "وینکٹ ولاس منڈپ" (VENKATAVILASAMANTAPA.) تھا۔ غالباً یہی وہ عمارت ہے جس کا تذکرہ پائز نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔ "وہاں سے وہ (بادشاہ) ایک عمارت میں جاتا تھا جو کہ دیواروں کے بغیر ایک برساتی کی شکل میں بنی ہوئی تھی اس میں بہت سے ستون تھے جن میں نیچے سے اوپر تک کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور کمرے بڑی خوبصورتی سے رنگے ہوئے تھے۔ اس طرح کی عمارت میں وہ اپنی سلطنت کے عہدیداروں اور شہروں کے حکمرانوں کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا تھا اور اس کے مقربین اس سے گفتگو کرتے تھے[68]۔ بربوسا (BARDOSA) نے بھی ایک کونسل خانہ کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ بادشاہ مذکور کے پاس ایک مخصوص عمارت تھی جس کی حیثیت "ایوان باریابی" کی سی تھی جہاں وہ مخصوص دنوں میں اپنے گورنروں اور حکام کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ مراسلوں کو سنتا ہے اور سلطنت کے انتظامی معاملات سے نمٹتا ہے[70]۔"

کونسل کے ممبروں کی تعداد کا تعین مشکل ہے۔ وقتاً فوقتاً اس میں کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہوگی۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ دیو رائے دوم کا بھتیجہ بادشاہ کے بیس[20] وزراء میں سے ایک تھا۔

---

[68] سوریز، از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 162

[69] سیول، ح، س، ص 250

[70] ڈیمس، بربوسا، اول، ص ص 208-209

Marfat.com

نونیز کے مبہم بیان سے[71] ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے قریبی رشتہ دار بھی وزارتی کونسل کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ وہ انتظامیہ کے کسی شعبہ کے انچارج تو بن سکتے ہوں گے البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ خونی رشتہ کی بنیاد پر اس (کونسل) میں موجود رہتے ہوں گے۔ وزراء کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں ہے لیکن قدیم اور زمانہ وسطی کی ہندو حکومتوں میں یہ معمول تھا کہ ان کی تعداد آٹھ یا دس تک مقرر ہوتی تھی۔ اسی روایتی اصول کی پیروی کرتے ہوئے شیواجی کی آشتا پردھان کونسل تشکیل پائی تھی۔

وزراء کا خود اپنا سرکاری لقب ہوا کرتا تھا۔ اس دور کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حسب ذیل حکام ریاست وجے نگر کے بعض اہم ترین حکام تھے جو بادشاہ کے وزراء کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ پردھانی جس کو بسا اوقات مہاسیرا پردھانی بھی کہا جاتا تھا، اپ پردھانی[73]، دلادھیکاری، یا دان نایک[74]، سامنت ادھیکاری، اور چند دوسرے، یہ وزراء تھے، انتظامیہ کے بعض شعبوں کے سربراہ بھی وزارتی کونسل میں شامل ہوتے تھے، شاعر چندر کوی (CANDRA KAVI.) نے اپنی ویروپاکچھ استھان (VIRUPAKSASTHANA.) میں ایک کپو کا تذکرہ کیا ہے جو دیوتا ویروپاکچھ کے دربار کی کیفیت بیان کرتا ہے کہ گرو رائے جو رائے بھنڈاری نارائن (شاہی خزانچی، نارائن) کے نام سے معروف تھا، بادشاہ کا ایک وزیر تھا[76]۔ اس بات کی تائید کہ کونسل میں چند بااثر وزراء ہوتے تھے اور بعض کم اہمیت کے سداشیو رائے کی ان تختیوں سے ہوتی ہے جو کرشن پورم (KRSNAPURAM.) میں برآمد ہوئی ہیں۔ اس میں درج ہے کہ رام راج اور چند دیگر وزراء اعلیٰ مانیہ تلسکاہ نے سداشیو کی تاجپوشی کی رسم انجام دی تھی[77]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کونسل میں دو قسم کے مشیر ہوتے تھے۔ (الف) وزیر اعظم اور شعبہ جات کے

---

71. سیول، ج، س، ص 303

72. ایپیگرافیا کرناٹیکا، 3 تیرومکدل نرسی پور (TIRUMAKADAL NARSIPUR.) 120

73. ۔۔۔ 1922ء کا 689

74. ایپیگرافیا کرناٹیکا، 12 تمکور (TUMKUR) 71-

75. ایپیگرافیا کرناٹیکا، 9، ڈی وی 29 (DV.29)

76. نرسمہاچاریہ، کرناٹک کوی چرتی دوم، ص 81

77. ایپیگرافیا انڈیکا، 9، ص 334، 1، 71-

Marfat.com

کے دیگر سربراہ (ب) بادشاہ کے چند رشتہ دار اگر ریاستی کونسل میں ان دو قسم کے اراکین کے لیے نشستیں ہوتی تھیں تو نو نیز کا یہ اندازہ کہ بادشاہ کے بیس وزراء تھے غلط نہیں ہو سکتا۔

قدیم ہندوستانی نیتی کے مصنفین کابینہ کے مختصر رکھے جانے پر زور دیتے ہیں مثلاً کوٹلیہ کہتا ہے کہ کونسل میں مشیروں کی تعداد تین یا چار سے زائد نہیں ہونی چاہیے[78]۔ جنگ کے موقعوں پر جب غور و فکر سے زیادہ عمل کی اہمیت ہوتی ہے کونسل کو جس قدر ممکن ہو مختصر رکھنا چاہیے۔

لیکن پروہت، جس کا قدیم ہندوستان میں بادشاہ کی وزارتی کونسل میں ایک اہم مقام ہوتا تھا اور جسے بڑا احترام حاصل تھا[79]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ وسطیٰ کے ہندوستان میں اتنا زیادہ بااثر اور طاقت ور نہیں رہا تھا وہ بیش از بیش بادشاہ کا مذہبی گرو (معلم) بنتا چلا گیا اور وہ انتظامیہ اور سلطنت کی پالیسی میں زیادہ دلچسپی نہ لیتا۔

اس منتری پریشد کا ایک صدر سبھانایک ہوتا تھا جو اس کے مباحثوں کی صدارت کرتا تھا۔ غالباً کونسل کا صدر وزیر اعظم ہوا کرتا تھا۔ اس کی نشاندہی ایک سنگی دستاویز سے ہوتی ہے جس میں درج ہے کہ تپدا ناگنا (TIPPAD NAGANNA.) جو کہ بکا اول کا ایک نمایاں وزیر تھا کونسل کا سربراہ (سبھا نایک) تھا[80]۔ ہمیں صحیح علم نہیں کہ اس کونسل کی نشستوں اور اس کے مباحثوں سے بادشاہ کا کیا ربط تھا۔ آیا وہ خود اس کی نشستیں بلواتا تھا یا اس کے علم و اجازت سے وزیر اعظم۔ دستیاب دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ مخصوص مسائل پر گفتگو کے لیے خود ہی میٹنگیں بلاتا تھا دیورائے کا وجے نگر کی فوج کی اصلاح سے متعلق اقدامات کے سلسلہ میں صلاح و مشورہ کے لیے اپنے امراء اور اہم برہمنوں کی کونسل کا طلب کرنا اور کرشن رائے کا گجپتی کے خلاف اپنی جنگوں سے قبل اپنے وزراء سے مشورہ کرنا اس طریقہ کار کی عمدہ مثالیں ہیں[81]۔ ممکن ہے کہ کونسل کے سربراہ (سبھانایک) نے بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کی صدارت کی ہو۔

کابینہ کی کارروائیوں کے سلسلہ میں سخت رازداری برتی جاتی تھی۔ کوٹلیہ کے مطابق جہاں کابینہ کی میٹنگ ہوتی تھی اس کے قریب طوطے، کتے اور ہرن جیسے چرند پرند کو بھی پھٹکنے کی اجازت نہ

78۔ ارتھ شاستر، جلد اول باب 15۔

79۔ ارتھ شاستر، جلد اول، باب 9۔

80۔ اپیگرافیا کرناٹیکا، 6 مدگیر (MUDGIRE.)، 25۔

Marfat.com

دی جاتی تھی۔[82] آمکتا مالیادنے بھی کابینہ کے فیصلوں اور اس کی کارروائیوں کے سلسلہ میں رازداری برتے جانے کے اصول پر زور دیا ہے۔[83]

وزیراعلیٰ کا اعلیٰ قابلیت کا حامل ہونا ضروری تھا۔ ایک وزیر کا صاحب علم، ادھرم (لامذہبیت) سے ڈرنے والا، راج نیتی سے اچھی طرح واقف، پچاس اور ستر برس کی عمر کے درمیان اور جسمانی لحاظ سے صحت مند ہونا ضروری تھا۔ نیز یہ کہ بادشاہ سے اس کا تعلق سابقہ پشتوں سے چلا آرہا ہو، اور یہ کہ اس میں خود بینی نہ ہو، کرشن رائے اس کا یقین دلاتا ہے کہ ان صفات سے متصف وزیر کی موجودگی میں بادشاہ کے انگ (بادشاہت کے اجزائے ترکیبی) یوم واحد میں بڑھ جائیں گے۔[84] نورتن مولا میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک ہمہ گیر شخصیت کا حامل وزیر ہونا چاہیے۔ اگر اس کے پاس ایسا وزیر ہوگا تو وہ اس کی تلوار اور اس کے عمل کے لیے مواقع نکال لے گا۔[85] وجے نگر کے بادشاہوں کے وزرا کے بارے میں معلوم حقائق کے پیش نظر ہم اس بات کو حکمرانوں کا محض خیالی آدرش قرار دے کر مسترد نہیں کر سکتے ہیں۔ سلطنت وجے نگر کی تاریخ میں ہمیں ایسے کامیاب اور باصلاحیت وزرا کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے جنھوں اس دور میں ترقی پائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزراء کے انتخاب کے سلسلہ میں وراثتی اصول، کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ عموماً وزراء کا انتخاب بادشاہ ہی کرتا تھا اور اس انتخاب میں ان کے شاہی دربار سے سابقہ روابط کو مدنظر رکھتا تھا۔ کرشن دیو برسر اقتدار بادشاہ کے اسلاف کے ساتھ وزراء کے سابقہ تعلقات پر کافی زور دیتا تھا۔[86] شاہی شاعر یہ بھی کہتا ہے کہ ایک بادشاہ کو اپنی خفیہ نشستوں میں ایسے افسر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے جسے حال ہی میں سردار بنایا گیا ہو تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اوپر ہونے والی عنایات پر مغرور ہو جائے اور ریاست کے رازوں کا افشا کرنے لگے۔[87] وجے نگر کے بہت سے وزرا یکے بعد دیگرے

---

[82] دی رائز (THE RISE.) دوم، ص 430، سیول، ح، س، ص ص 324-325

[83] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 252

[84] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 211

[85] چاٹ اپدیمن ایمنجری (CATUPADYA MANIPARIJARI.) ص 36،
میسور گزٹ نیا ایڈیشن، جلد دوم، حصہ سوم، ص 1712

[86] آمکتا کھنڈ چہارم، اشلوک 211

[87] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 260

Marfat.com

ہونے والے بادشاہوں کے دورِ حکومت میں عہدوں پر برقرار رہے مدّا ڈنڈ ناتھ، بکّا اول اور ہری ہر دوم دونوں ہی کا وزیر اعظم رہا۔[89] موخر الذکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے باپ سے وراثت میں سلطنت اور شہروں کی دولت کے ساتھ مدّا ڈنڈ ناتھ بھی ملا۔[90] اسی طرح سایَن (SAYANA.) بکّا اول اور ہری ہر دوم[91] دونوں ہی کا وزیر رہا۔ ناگپا دنایک (NAGAPPA DANNAYAKA.) جو کہ دیورائے اوّل[92] کا وزیر رہا تھا۔

دیورائے دوم کا بھی وزیر برقرار رہا۔[93] اس طرح کی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں ایک ہی شخص یکے بعد دیگرے ہونے والے بادشاہوں کے تحت وزیر رہا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وزراء اور بادشاہوں میں ہمیشہ دوستانہ روابط رہے۔ کرشن دیورائے نے غصہ کے جنون میں نہ صرف یہ کہ اپنے ایک معتمد وزیر سالوواتما (SALUVA TIMMA) کو بلکہ اپنے لڑکے تمن دن نایک اور بھائی گوندراج کو اس شبہ میں اندھا کردیا اور جیل میں ڈال دیا کہ انھوں نے اس کے جوان بیٹے تیرو مل کو قتل کردیا ہے۔

وزارتی کونسل ایک مضبوط اور باا ثر انجمن ہوتی تھی۔ کونسل میں متضاد مفادات موجود ہوتے جس کی وجہ سے بادشاہ کو اس میں ہونے والے مباحث اور فیصلوں پر گہری نظر رکھنی ہوتی تھی۔ آمکتا مالیاد کے مطابق اگر بعض وزراء کسی وزیر کی تجویز کی مخالفت بغض وعناد کی بنیاد پر کرتے تو بادشاہ کونسل کو برخاست کردیتا اور اسی وزیر کی بات مان لیتا جس کی تجویز کی کونسل میں مخالفت کی گئی تھی۔[94] بادشاہ سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سلطنت کا انتظام خود اپنی صواب دید سے کرے گا بجائے اس کے کہ وہ ان ناپسندیدہ وزراء سے صلاح لے، جو خوبیوں سے بے بہرہ تھے۔ اور (بادشاہ کے لئے) اسی طرح سبب زحمت تھے

---

۸۸ ایپیگرافیا کرناٹیکا، 5، چنّاپٹنا (CHENNAPATNA.)، 256

۸۹ ایپیگرافیا، بیلور (BELUR)، 75

۹۰ انڈین اینٹیکوئری (INDIAN ANTIQUARY.)، 45، ص 22

۹۱ ایضاً

۹۲ 1905ء، 345

۹۳ ایپیگرافیا کرناٹیکا۔ 11 DV. 29

۹۴ آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 227

Marfat.com

جس طرح کدو کی جسامت کے موتی کو گلے کا ہار بنا لیا جائے[95]۔

کوٹیلہ کی طرح کرشن رائے کی بھی یہی رائے ہے کہ بادشاہ کو اپنے اپنے سراغرسانوں کے ذریعہ اپنے وزراء پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس خوش فہمی میں پڑ کر کہ وہ بادشاہ کے پسندیدہ ہیں کوئی غیر ضروری اور بے سود کام کر بیٹھیں[96]۔

کونسل کے اراکین بادشاہ کے راج تلک لگاتے[97]۔ اور انتظامیہ کی رہنمائی کرتے تھے۔ بسا اوقات طاقتور بادشاہ اپنی حاوی شخصیت اور مضبوط قوتِ ارادی کی بنا پر کونسل کے اختیارات اور اس کی آزادی میں تخفیف کر دیتے۔ لیکن کمزور بادشاہوں کے دورِ حکومت میں ان کے اختیارات اور اثرات کافی ہوتے تھے۔ اور ریاست کی پالیسی پر ان کا مکمل کنٹرول ہوتا حتیٰ کہ کرشن رائے جیسے طاقتور اور راہل بادشاہ نے بھی محسوس کیا تھا کہ کونسل بہت زیادہ بااختیار رہے۔ اور بادشاہ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ وہ اپنے وزراء کے ہاتھوں میں کھلونا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنی خود کلامی میں کہا تھا کہ "میں تخت پر بیٹھتا ہوں لیکن مملکت پر حکومت وزراء کرتے ہیں۔ کون ہے جو میرے الفاظ پر کان دھرتا ہے[98]؟"

یہ جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کونسل کے فیصلوں یا مشوروں کا بادشاہ کسی حد تک پابند تھا۔ بادشاہ سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ریاست کے تمام اہم معاملات میں کونسل سے مشورہ لے گا۔ لیکن سب بادشاہ کونسل سے مشورہ نہیں لیتے تھے اور بعضوں نے تو کونسل کو اپنے طرزِ فکر کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اگر نونیز صحیح ہے تو کرشن رائے نے یدل کاڈ کے علاقہ پر چڑھائی کے متعلق اپنی کونسل کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا جب "کونسل کے افراد" نے بادشاہ سے کہا کہ بیجاپور پر حملہ کی وجوہ بہت معمولی ہیں نیز یہ کہ "اسے سوچنا چاہیے کہ دنیا بھر میں کیا چرچا ہوگا"۔ تو بادشاہ نے کوئی اعتناء نہ کی۔ چنانچہ جب کونسل کے ممبران نے دیکھا کہ وہ اپنے فیصلہ جنگ پر اٹل ہے۔ "تو انھوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور (اس مہم میں) بادشاہ جن راستوں کو اختیار کرنے والا تھا اس کے سلسلہ میں چند مشورہ دینے پر

---

[95] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک 212 اور 213

[96] آمکتا، کھنڈ چہارم، اشلوک۔ 365

[97] ایپیگرافیا انڈیکا، ۹، ص ص 334 - 340

[98] جرنل آف دی تیلگو اکاڈمی از رائے وچکو (RAYA VACAKAMU.) سوم، ص 30

Marfat.com

اکتفا کیا۔ اس قسم کی مثال سے ہم بجا طور پر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر بادشاہ اپنے ارادہ میں پختہ اور مقصد میں اٹل ہوتا تھا تو وہ اپنے ایسی کرلیتا تھا اور کونسل کو اپنی مرضی پر جھکا لیتا تھا۔

دوسرا سوال جو ہمارے لیے دلچسپی کا باعث ہے وہ وزراء کی عہدہ داری کی میعاد ہے۔ وزیر اعظم اس وقت تک اپنے عہدہ پر فائز رہتا جب تک بادشاہ کو اس پر اعتماد رہتا۔ ایسی کوئی متعین مدت نہیں تھی جس کے دوران ہی کوئی بادشاہ کا وزیر رہ سکتا تھا۔ ہر چیز کا انحصار متعلقہ شخص کی صلاحیت پر تھا مزید برآں ان وزراء میں سے بہت سے صوبائی گورنر بھی مقرر کردیئے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر دیورائے دوم کا سربرآوردہ وزیر لکنا نایک اپنے دورِ عہدہ داری میں کسی نہ کسی صوبے کا گورنر بھی تھا۔[99] وجے نگر کے بعض کتبات میں ہمیں بعض سرکاری القاب کا حوالہ ملتا ہے۔ جیسے اپ پردھانی[100] پردھانی، مہاپردھانی، سیر اپردھانی اور سرواشیر اپردھانی[101] بظاہر یہ سب وزارتی عہدوں کی درجہ وار ترتیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پردھانی اور ریاست کے بعض دوسرے اعلیٰ افسران کو ڈنڈ نایک کا خطاب بھی ملتا تھا۔ لفظ ڈنڈ نایک کی دو توضیحیں ہوسکتی ہیں (۱) فوجوں کا قائد اور (۲) انتظامیہ کا سردار۔[104 الف] ریاست کے بڑے حکام کا ڈنڈ نایک کا سرکاری خطاب اختیار کرنے کا رواج گپت سلطنت کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ گپت زمانہ کے ڈنڈ نایک کا تذکرہ کرتے ہوئے فلیٹ (FLEET) نے اسے فوج کے قائد کا نام دیا ہے۔[105] لیکن

---

[99] سیول، ح، س، ص ص 324-325

[100] سنہ 1922ء کا 689

[101] سنہ 1922ء کا 681

[102] سنہ 1901ء کا 117

[103] ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹،

اور ایپیگرافیا کرناٹیکا، ۹، نن جن گد (NENGAN GUD.) 88

[104] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 3، تیرو مکدل نرسی پور۔

[104 الف] ڈنڈ کے معنی ایک فوج اور ایک عدالتی جرمانہ دونوں ہی ہیں۔

[105] کورپس انسکرپشن انڈیکیرم (CORPUS INSCRIPTIONUM INDICATUM.)

3، ص 16۔

Marfat.com

جیسوال (JAYASWAL) نے واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ توضیح غلط ہے اور یہ کہ اس لفظ کے معنیٰ ہیں "انتظامیہ کا سردار"۔ کیونکہ کتبات میں جن وزراء کو ان القاب سے ملقب پایا گیا ہے وہ سب انتظامیہ کے حکام تھے جیسا کہ ان کے دیگر خطابات سے ثابت ہوتا ہے[106]۔

یہی توضیح وجے نگر کے ڈنڈ نایک پر بھی لاگو ہوگی۔ اس زمانہ میں وجے نگر میں پردھانوں کو ریاستی حکام کے علاوہ ڈنڈ نایک کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ لیکن اس خطاب کو دیکھکر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے حاملین فوج کے قائد تھے۔ کیوں کہ وہ لوگ بظاہر انتظامیہ کے سردار معلوم ہوتے ہیں۔

وجے نگر کے زمانہ میں قدیم ہندوستان کے سیناپتی کے لیے ڈالدا ادھیکاری یا دل وائے کا خطاب ہوا کرتا تھا[107]۔ کبھی کبھی اسے سروسینا دہپتی (تمام افواج کا کمانڈر انچیف) بھی کہا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک کتبہ میں ناگنادن نایک کو شری ویر پرتاپ دیورائے مہارلئے، کا مہا پردھان اور دیجم نرپال کو اسی بادشاہ کی تمام افواج کا کمانڈر انچیف (سروسینا ادھیکاری) کہا گیا ہے[108]۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ مہا پردھانی کا تذکرہ، جو ایک ڈنڈ نایک (بھی) تھا، ایک علٰحدہ افسر کی حیثیت سے کیا گیا ہے جس کا غالباً فوجی تنظیم سے کوئی براہِ راست واسطہ نہیں تھا، اور دوسرے افسر جس کا نام جم نرپال تھا سلطنت کی فوجوں کا کمانڈر انچیف بتایا گیا ہے۔ مہا پردھانی اور سروسینا ادھیکاری کے درمیان یہ تفریق غیر مبہم طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ اول الذکر یعنی ڈنڈ نایک ایک انتظامی افسر اور بادشاہ کا وزیر اعظم ہوتا تھا جب کہ موخر الذکر ایک فوجی سربراہ تھا جو کہ فوج کا انچارج ہوتا تھا۔ پھر عبد الرزاق ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دنایک (ڈنڈ نایک) ہی تھا جو شاہی صدر مقاموں میں جج ہوتا تھا[109]۔ اگر فلیٹ کی طرح ہم بھی اس لفظ کے معنیٰ لیں تو یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ڈنڈ نایک جج بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر واقعی ایسا تھا تو وجے نگر کی سلطنت میں کوئی انصاف نہیں تھا بلکہ محض فوجی استبداد تھا[110]۔ اس طرح پردھانی جسے عموماً ڈنڈ نایک کو خطاب دیا جاتا تھا۔ ایک انتظامی افسر ہوتا تھا جو سلطنت کے عام نظم و نسق کا انچارج

---

[106] ہندو پولیٹی (HINDU POLITY) حصہ دوم، ص ۱۷۹

[107] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 12، ٹمکور (TUMKUR.) 71

[108] ایپیگرافیا کر ۱۰، کا ۲، ۱۱۰

[109] ہسٹری آف انڈیا، از ایلیٹ، چہارم، ص 108

[110] قانون اور انصاف کے باب کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ہوتا تھا۔ اس بات کی تائید بعض دوسرے خطابات سے بھی ہوتی ہے جن سے وہ عام طور پر جانا جاتا تھا مثلاً ایک کتبہ میں سالو واتما، کو بڑا وزیر تنتر نایک کہا گیا ہے[111]۔ اس خطاب کا مطلب 'حکومت کا سربراہ' معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تنتر کے معنی حکومت (نفاذ) ہے۔ برخلاف منتر کے جس کے معنی غور و فکر ہے۔ بہت سے پردھانیوں کو کاری کرتا[112]، یا کاریتو کو کدور[113]، کاری تو کو کرتا رد[114]، یا راجیہ بھار دھرندھر (سلطنت کا بوجھ اٹھانے والا[115]) بھی کہا جاتا تھا۔ اس طرح کے خطابات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ پردھانی جسے عموماً ڈنڈ نایک کہا جاتا تھا ایک انتظامی افسر ہوتا تھا۔ جو کہ سلطنت کے تمام نظم و نسق کا انچارج ہوتا تھا[116]۔

لیکن پھر وزیر اعظم نے جو فوجی ذمہ داریاں اور فرائض انجام دیئے ان کی توجیہہ ہم کس طرح کریں؟۔ دیو رائے دوم کے وزیر لکانا نایک، نے لنکا پر حملہ کے لیے ایک مہم کی قیادت کی۔ کرشن دیو رائے نے جنگیں لڑیں۔ ان میں سالو واتما نے ایک اہم رول ادا کیا۔ نونیز کے بیان سے ہمیں

---

[111] ایپیگرافیا انڈیکا، 13،

[112] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 10

[113] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 9، چناپٹنا، 5

[114] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 9، مگدی (MAGADI.)

[115] 1913ء کا 245

[116] نیلسن نے مدورا کے نایکوں کی انتظامیہ کو بیان کرتے ہوئے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ دشاد کی پردھانی اور دلوائے کے دونوں عہدے ابتداً الگ تھے مگر بعد میں ایک ہو گئے تھے۔ انڈین اینٹیکوری ازدی رنگا چاری جلد 3، ص 113 اور دی نایکس آف مدورا (THE NAYAHS OF MADARA.) [illegible] ایئر (R. SATYANATHA AYYAR. ص، 235)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں نیلسن کی اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے کہ پردھانی ور دلوائے کے فرائض کو باہم اس لئے مدغم کر دیا گیا تھا کہ انتظامیہ میں فوج کی کارکردگی کو بڑھایا جا سکے۔ یہ درست ہے کہ نیلسن نے اپنی اس رائے کا اظہار صرف مدورا کے نایکوں کے تحت چلنے والی انتظامیہ کے لیے کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہاں کی انتظامیہ قریب قریب مکمل طور پر وجے نگر کی انتظامیہ کی نقل تھی اس لیے اس کے تبصرے کا انطباق وجے نگر کی انتظامیہ پر بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ مدورا کے نایکوں پر۔

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر وزیر جنگوں میں بادشاہ کے ساتھ رہا اور اس میں اس نے نمایاں حصہ لیا نیز یہ کہ رائچور کی مہم میں اس کی فوج ساٹھ ہزار پیادوں، تین ہزار پانچ سو سواروں اور تیس ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ اس طرح کی فوجی ذمہ داریاں محض وزیر اعظم ہی کی نہیں تھیں بلکہ سلطنت میں ریاست کے تمام اہم افسروں کو اسی طرح کی ذمہ داریاں انجام دینی ہوتی تھیں۔ ریاست کے ان بڑے افسروں کو نقد تنخواہ کے بجائے اضلاع یا چھوٹے چھوٹے علاقے دیئے جاتے تھے۔ جن پر وہ بادشاہ کی طرف سے حکومت کرتے تھے۔ جو رقوم وہ رعایا سے وصول کرتے تھے اور اس میں کچھ تو وہ بطور خراج یا پیشکش شاہی خزانہ میں جمع کر دیتے تھے جو رقم بچ جاتی تھی وہی ان کی تنخواہ ہوتی تھی۔ ان کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ بادشاہ کے لیے ایک مقررہ تعداد میں فوج کا انتظام رکھیں۔

یہ رواج کسی حد تک مغلیہ دور کے منصب داری نظام سے ملتا جلتا ہے۔ مغل بادشاہوں کے دور میں ریاست کے اعلیٰ حکام کی دوہری ذمہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ انتظامی۔ اور۔ فوجی منصب دار کے عام معنیٰ 'عہدے والے' کے ہیں منصب دار عربی لفظ منصب (عہدہ) سے بنا ہے اور ترکستان اور ایران سے ہندوستان آیا[117]۔ ہر منصب دار کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بادشاہ کو فوج کا ایک مخصوص حصہ مہیا کرے۔ ریاست میں کسی شخص کے عہدے کی اہمیت اسی مناسب سے گھٹتی بڑھتی تھی کہ وہ ریاست کے لیے کتنی تعداد میں سوار اور پیادوں کا انتظام رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے ملتا جلتا نظام ریاست وجے نگر میں بھی رائج تھا۔

پردھانی، مراٹھا پیشوا کا پیش رو (FORE-RUNNER) ریاست میں بہت اہم مقام کا حامل تھا۔ کرشن رائے کے سربراوردہ وزیر سالو واتما کے بارے میں لکھتے ہوئے پائیز رقمطراز ہے "وہ پورے محل پر حاوی تھا اور تمام اعلیٰ امراء اس کے حکم کی اس طرح بجاآوری کرتے تھے جیسے بادشاہ کے حکم کی بجاآوری کی جاتی ہے[118]۔ اور نونیز کی رائے ہے کہ 'سالو واتما، سلطنت کا سربراہ تھا[119]' سالم ضلع کے پروتی پلی، مقام سے دستیاب ایک کتبہ میں نرسن نایک اُدے یار، کو بادشاہ دھرم رائے مہارائے کا نائب کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ دراصل وہی اس کے لیے حکومت کرتا تھا

---

[117] اکبر (AKBAR.) از وی، اے اسمتھ (V.A.SMITH.)، ص 362

[118] سیول، ح، س، ص۔ 250

[119] سیول، ص 322

Marfat.com

(پرتھوی راجیم پنّم) PR. THVIRAJYAN PANNUH (جب کہ باپٹلا سے دستیاب ایک دوسرے کتبے میں سالوواتما کو خود کرشن دیو رائے ہی کی شخصیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ دھرن ایوراھا (DHARANIVARAHA) کے لقب سے ملقب تھا[121]۔ پردھانی ٹیکس معاف کرتا تھا اور صوبوں پر گورنروں کی تقرری کرتا تھا۔ دیو رائے دوم کے مہاپردھانی پیرومالی دیو دنایک اودے یار (PERIMALIDEVA DANNAYAKAUDAIYAR) نے کلاوائی پرّو (KALAVAIPARRU) میں آولی (AVALI.) مقام کی اراضی پر سے بعض ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا تاکہ ایک مندر میں بعض تقریبات انجام دی جا سکیں[122]۔ جنوبی کنّاڈا ضلع میں شنکر نرائن کے مقام سے دستیاب ہری ہر دوم کے ایک دستاویز سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بسوّنا اودے یار (BASAVANNA UDAYAR.) مہا پردھانی گوپیاّ دنایک[123] کے حکم سے بارکورو راجیہ (BARAKURA RAJYA.) پر حکومت کرتا تھا۔ اس وسیع و عریض سلطنت کے انتظام میں ایک اپ پردھانی، مہاپردھانی کی مدد کرتا تھا۔ مثلاً سوم رس (SOMARASA.) نامی ایک شخص اس وقت اپ پردھانی تھا جب سالوواتما کرشن رائے کا وزیر اعظم تھا[124]۔ شاکھا 1450 (1528-29ء) کے ایک دوسرے کتبہ میں تلو وکولا ئیندم بھٹر (TALUVAKULAINAM BHATTER.) کے لڑکے ویر نرسمہا رائے کو اُبھے پردھانی بتایا گیا ہے[125]۔

فصل سوم

دفاتر

وجے نگر جیسی وسیع سلطنت کو ایک بادشاہ محض ایک کونسل کی مدد سے نہیں چلا سکتا تھا۔

120۔ سنہ 1915ء کا 143

121۔ سنہ 1897ء کا 186، ساؤتھ انڈین انسکرپشن، 6، نمبر 146

122۔ سنہ 1926ء کا 497 123۔ سنہ 1927-28ء کا 400

124۔ سنہ 1897ء کا 186، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 6، نمبر 146، دوسرے حوالے کے لیے سنہ 1922ء کا 689 بھی ملاحظہ ہو۔

125۔ سنہ 1901ء کا 233، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس سنہ 1908ء ص 184، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 7، نمبر 447

Marfat.com

نظم ونسق کی غیر دلچسپ تفصیلات کی انجام دہی کے لیے ایک باصلاحیت دفتری عملہ ضرور رہا ہوگا۔ دفتر مختلف محکموں میں منقسم رہا ہوگا جس کے ہر شعبہ کے ذمہ انتظامیہ کا ایک حصّہ ہوگا۔ لیکن اس سلسلہ میں اس زمانہ کے کتبات ہمیں زیادہ معلومات فراہم نہیں کرتے گو کہیں کہیں ہمیں فوج اور مالیات کے ایسے محکموں کا ذکر ملتا ہے پھر بھی ہم اس قسم کے محکموں کی واقعی تعداد اور ان کے باہمی تعلق کو نہیں جان سکے۔ عبدالرزاق، جس نے سلطنت کے صدر مقاموں پر دفتری کارکردگی کا مشاہدہ کیا تھا، وہ ان کے بارے میں صرف چند جملے لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے "سلطان (وجے نگر کے بادشاہ) کے محل کے داہنی جانب دیوان خانہ یا وزیر کا دفتر ہے جو بہت وسیع ہے اور چہل ستون یا چالیس ستونوں والے ہال سا نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل ایک بلند گیلری ہے انسان کے قد سے زیادہ بلند، تیئس[30] گز لمبی اور چھ گز چوڑی۔ یہاں کاغذات رکھے جاتے ہیں اور محرّر بیٹھتے ہیں[126]"۔ معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیورائے بھی ایک بڑے دفتر کی اہمیت سے واقف تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنی آمکتا مالیاد میں کہتا ہے "جب کسی ایک (ماتحت) افسر کے کام کو متعدد افراد کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے دوستوں کی مدد حاصل ہوتی ہے تو ریاست کے امور بآسانی انجام پاتے ہیں۔ ان کی تعداد میں کمی وزیادتی کے ساتھ ہی بادشاہ سے) ان کی خوشی و اطمینان میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔ کوئی بھی چیز متعدد افسروں کے رضاکارانہ تعاون کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ انہیں مستعد اور فرمانبردار رکھنے کے لیے بخل اور درشتی سے پرہیز اور سچائی کا رویہ مفید ہوتا ہے[127]۔

'رائے سم'، (RAYASAM.) نام کے ایک دفتر اور اس کے عہدیداروں کا تذکرہ کتبات میں اکثر ملتا ہے۔ رائے سم، ورائے سم (VARAYASAM.) سے مشتق ایک عام لفظ ہے جس کے لغوی معنی پیشہ محرّری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر میں اس نام کا ایک دفتر موجود تھا اور دفتر کے ملازمین عموماً اپنے نام کے شروع میں دفتر کا نام جوڑ دیتے تھے۔ جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کا خطاب بن گیا۔ رائے سم کونڈامرسیّا (KONDAMARASAYYA.) اور اس کے بیٹے اور پوتے تمارسیّا اور سیّاپرسیّا (TIMMARASAYYA SAYYAPARA SAYYA.) نے اسی طرح

---

[126] ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ چہارم، ص 107

[127] کھنڈ چہارم، اشلوک 214-215

[128] ایپیگرافیا کرناٹیکا، 13، ص 69

Marfat.com

رائے سم کی اصطلاح کو خاندانی نام کی حیثیت سے اپنا لیا۔ ایک افسر جو رائے سسوامی (RAYASASVAMI.)
کہا جاتا تھا، جس کا ذکر میسور کے ایک کتبہ میں ہے۔ بظاہر اس (دفتر) کا سربراہ تھا
سلطنت کی انتظامیہ میں رائے سم کی حیثیت قطعی طور پر متعین کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ دفتر غالباً ایک ایسا
دفتر تھا جو بادشاہ کی ذات سے منسلک تھا۔ جو لوگ اس شعبہ سے متعلق رہے انہوں نے اعلیٰ مقام حاصل
کیے اور ریاست کے وزیر بنے[129]۔ نونیز، جوان رائے سموں کا تذکرہ معتمدین (SECRETARIES.)
کی حیثیت سے کرتا ہے ان کے فرائض کی تفصیل بھی بتاتا ہے۔ وجے نگر کے حکمرانوں نے اپنے گورنروں
یا ملازموں کے نام تحریری احکام کبھی نہیں بھیجے اور نہ ہی انھوں نے لکھ کر جاگیریں دیں۔ لیکن ان کے
اپنے معتمدین ہوتے تھے جو وہ تمام چیزیں لکھ لیا کرتے تھے جو بادشاہ کہتا تھا یا کسی کو عطا کرتا تھا۔ نونیز اس
کا ایک واضح بیان پیش کرتا ہے کہ بادشاہوں کے احکام کی تعمیل کس طرح کی جاتی تھی۔ وہ کہتا ہے۔
"جب وہ (بادشاہ) کسی کو کسی عطیہ سے نوازتا ہے تو وہ اس کے معتمدین کے رجسٹروں میں قلمبند کر لیا جاتا
ہے۔ لیکن بادشاہ عطیہ پانے والے کو اپنی ان انگوٹھیوں میں سے ایک سے"، جو وزیر کے پاس رہتی ہے،
لاکھ پر ثبت کردہ ایک مہر دیتا ہے اور یہی مہر سند کا کام دیتی ہے[130]۔" یہ معتمدین جو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ
رہتے اور اس کے قول و فعل کو تحریر کر لیتے تھے، کولا کے کتبات میں مذکور تیرو وائے کیل وبوں
(TIRUVAYKE-LVIS.) کے مماثل ہیں جنھیں اس طرح کے فرائض ادا کرنے پڑتے تھے۔ کتبات وجے نگر میں
اس عمل کے رواج کی تصدیق کرتے ہیں جنوبی ارکٹ ضلع کے تیرو کوئیلور (TIRUKOYILUR) مقام
کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ مدراس گاؤں (تیرو کوئیلور) کے بارہ ساحلی علاقوں میں سے تین ساحلی
علاقوں کی کچھ اراضی لگان داروں نے ٹیکس ادا کرنے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے تیرو ویدائی کلی نائے نار
(TIREVIDAIKALINAYANAR.) کے مندر کو ... فروخت کر دی اور جب
امدی نرسا نایک دوادشی (DVADASI.) کے دن مندر آیا تو اس نے ان آراضیوں کو ٹیکس سے بری

---

[129] سنہ 1915ء کا 336، سورسیز از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 230
[130] سیول، ح، س، ص 375
[131] ملاحظہ ہو جنوبی ہند کے ہندو انتظامی ادارے (HINDU ADMINISTRATIVE INSTITUTIONS OF SOUTH INDIA.) از ایس۔ کے۔ اینگر، ص 253
(THE COLAS.) از کے۔ اے۔ نیل کانت شاستری، جلد 2، ص 235

Marfat.com

کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی آمدنی ہر ماہ مخصوص ایام میں چڑھاوے اور پوجا پر صرف کیجائے۔

امدی نرسیا دیو اور ویرام رسیا پلو رایں کا تذکرہ بادشاہ کے ان معتمدین کی حیثیت سے کیا گیا ہے جنھیں مذکورہ بالا زبانی احکامات دیئے گئے تھے۔ کرنکم (KARANIKKAM) دوسرا دفتر ہے جس کا تذکرہ وجے نگر کے کتبات میں کثرت سے ملتا ہے۔ لفظ کرنکم کے معنیٰ محاسب ACCOUNTANT. کے ہوتے ہیں۔ وجے نگر میں شاید ہی کوئی ادارہ یا دفتر رہا ہوگا جس میں کرنکم کا عملہ نہ ہو حتیٰ کہ رائے کے حرم سے متعلق آفس کا بھی ایک کرنکم ہوتا تھا شمالی ارکٹ ضلع کے چند کتبات میں منگرسیا (MONGARASAYA) کو امدی نرسمہا اور کرشن رائے کا واشل کرنکم (VASAL KARANIKKAM) کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واشل کرنکم کا کچھ تعلق جس کا تعین فی الحال مشکل ہے، صوبائی حکومت سے بھی تھا۔

بادشاہ کے دفتر (ESTABLISHMENT.) میں افسران کی ایک بڑی تعداد تھی جن میں سے ہر ایک کو محل کا کوئی کام سپرد تھا۔ ان میں سب سے اہم سرونایک (SARVANAYAKA.) تھا۔ بعض کتبات میں اسے منیا پردھان (MANEYAPARDHANA) (وزیر محل) کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ بادشاہ کے محل کی ضروریات اور آسائش کا خیال رکھنا تھا اور وہ محل کے دفتر (PALACE ESTABLESHMENT.) پر کنٹرول رکھتا تھا۔[133] اس کے ماتحت بہت سے ملازمین تھے۔ مثلاً پان بردار وغیرہ، جن کی مدد سے وہ اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سرونایک کا یہی عہدہ بعض ہندوستانی ریاستوں میں اب بھی موجود ہے اگرچہ عہدیدار کے نام میں کچھ تبدیلی

[132] ۱۹۲۱ء کا ۳۳۰

[133] ۱۹۲۳ء کا 84، 1887ء کا 52، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۷، نمبر 52، جلد پنجم، ص ص 1515-1516

[134] ایپیگرافیا کرناٹیکا چہارم، نگ منگل (NAGAMANGALA.) 69

[135] محل کے ان ملازمین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا تعلق محل کے دفتر اور خانہ داری (DOMESTIC ESTABLISHMENT.) سے تھا اور وہ بھی جو بادشاہ کی شان و عظمت کی برقراری کے لیے رکھے گئے تھے۔ اول الذکر طبقہ میں کپڑوں اور پوشاکوں کے انچارج، روشنی کی دیکھ بھال کرنے والے، باغباں، درزی، جھاڑو دینے والے اور دیگر لوگ شامل تھے جبکہ موخر الذکر طبقہ میں شاہی نشانات اٹھانے والے مثلاً چتر بردار، مشعل بردار اور عصا بردار شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ اشخاص بھی شامل تھے جو جلوسوں کے موقع پر شاہی ساز و سامان (PARAPHERNAL) مثلاً جھنڈا اور جے بھیری (JAYABHERI.) (نقارہ فتح) لے کر چلتے۔ چند اشخاص وہ بھی ہیں جو ریاست کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے نگراں تھے۔ اسی طبقہ میں بادشاہ کے ذاتی ملازمین بھی آتے ہیں مثلاً نعلین بردار اور کاوری (CAURE.) اور کامرم (CAMARAM.) کے نشانات اٹھانے والے۔ ملاحظہ ہو "پدوکوتائی اسٹیٹ مینوئل" (THE PADU KKOTTAI STATE MANNUAL.) ص 446

Marfat.com

آگئی ہے۔

سولہویں صدی کے اواخر کے مدورا نایکوں کی ایک ـــــ دستاویز میں "ترومندیراولائی نائےگم" (TIRAMANDIRA OLAINAYAGAR) نامی ایک افسر کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ وجے نگر کے زمانہ میں اس افسر کا تذکرہ نہیں ملتا۔ غالباً مدورا نایکوں نے، جو خود کو پانڈوں کا جانشین تصور کرتے تھے، پانڈے بادشاہوں کے زمانہ میں رائج ایک قدیم عہدے کا دوبارہ آغاز کیا ہوگا۔

شاہی مہر کا انچارج ریاست کا ایک اعلیٰ عہدیدار ہوتا تھا اور لازمی طور پر ایسا شخص جسے بادشاہ کا اعتماد حاصل ہو کتبے میں وہ مدرے (MUDRE.) افسر یا مدراکرتا (MUDRA KARTA.) کے نام سے معروف ہے[137] اسی گروہ سے دوسرے دو افسر بھی متعلق تھے جو اجنادھارک ـــــ (AJNADHARAKA.) اور اجناپری پالک ـــــ (AJNAPRIPALAKA.) یعنی بادشاہ کے احکامات کو عمل لانے والے کے خطابوں سے معروف تھے[138]

محل کا دوسرا اہم افسر واشل (VASAL) یا واشل کاریم (VASALKARIYAM.) تھا[139] یہ عہدہ بڑی قدرومنزلت کا حامل تھا۔ جو لوگ بادشاہ کے سامنے باریابی کے یا داخلے کے خواہاں ہوتے انھیں اسی افسر سے اجازت لینی پڑتی تھی جو محل کے دروازوں کی حفاظت کے لیے اپنے آدمی متعین کرتا تھا۔ پائز اور نونیز دونوں اسے " محافظ دستہ کے سردار" کا نام دیتے ہیں[141] میدانِ جنگ میں وہ فوج کے ایک حصہ کی قیادت کرتا تھا۔ مثال کے طور پر کرشن رائے کے محافظ دستہ کے سردار کام نایک نے رائچور کی مہم میں تیس ہزار پیادوں، تیر اندازوں، ڈھال برداروں، بندوقچیوں، نیزہ بازوں، ایک ہزار گھوڑوں اور چھ ہاتھیوں پر مشتمل شاہی مقدمۃ الجیش کی قیادت کی تھی[141]۔ روایت کے مطابق مدورا کا فاتح "کمپن اودے یار" (KAMPANA UDAIYAR) ہوے سالا بادشاہوں کے زمانہ میں ایک ایسا ہی دربان تھا[142]۔ ہوئے سالا اور وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ کا یہ اہم عہدہ ہمیں قدیم ہندو درباروں "دوارکا" (DAUVARIKA) عہدہ کی یاد دلاتا ہے۔

136۔ 1895ء کا 187، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 751

137۔ 1917ء کا 11، اپیگرافیا کرناٹیکا 4، یلندور (YELANDUR.) 45 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1926ء نمبر 24

138۔ اپیگرافیا کرناٹیکا، 4 چناراے پٹنا 145 اپیگرافیا کرناٹیکا، تیرومکدل نرسی پور، 95،

139۔ 1922ء کا 182، 1928-29ء کا 140۔ سیول ج، س، ص ص 263 اور 326

141۔ سیول، ص ص 326 اور 329

142۔ دی نایکس آف مدورا از ستیہ ناتھ ایر، ص 374

Marfat.com

باب سوم

مالیات کا نظم و نسق

فصل اوّل

آمدنی کے ذرائع

جنوبی ہند کے مالیاتی نظام شمالی ہند کے مالیاتی نظاموں سے عمومی مماثلت رکھتے ہوئے بھی بہت سی امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں اور یہی خصوصیات اس کے متقاضی ہیں کہ ان پر آزادانہ گفتگو کی جائے۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے مالیات کے نظام کے مطالعہ کے لیے ہمارے اصل ماخذ کتبات ہیں وجے نگر کے تقریباً ہر کتبے میں اراضی کی تفویض، ٹیکسوں کی معافی، اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی، نئے ٹیکسوں کا حصول یا متروک ٹیکسوں کے دوبارہ نفاذ سے متعلق کچھ نہ کچھ تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ اگرچہ اس موضوع سے متعلق کتبات کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان سے استفادہ بہت دشوار ہے۔ بہت سے کتبات تو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور کتباتی رپورٹوں (EPIGRAPHY REPORTS.) میں محض ان کا ایک خلاصہ ملتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ رپورٹوں کے یہ خلاصے اور ان سے متعلق تبصرے بہت قیمتی ہیں لیکن کتبات کے متون کی غیر موجودگی ایک طالب علم کو بڑی حد تک بے دست و پا کر دیتی ہے مزید یہ کہ کتبات کے مطبوعہ متون کے مطالعہ میں بھی ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے کہ ان میں سے ایسے اصطلاحی الفاظ ہیں کہ جن کی وضاحت ابھی نہیں ہو سکی ہے۔ دوسری مشکل متعدد قسم کی ایسی اصطلاحات کا استعمال ہے جن کے معنی تقریباً یکساں ہیں یا جن کی محض جزوی تفصیلات میں کچھ فرق ہے جس کا سمجھنا آج مشکل ہے۔ کتبات میں استعمال ہونے والے اس قسم کے الفاظ میں سے

Marfat.com

چند اہم یہ ہیں ۔ کدمئی (KADAMAI.) ، مگمئی (NAGAMAI.) کانئی (KANI - KKAI.) کٹنم (KATNAM.) ، وری (VARI.) ، پاٹم (PATTAM) ، ایری (IRAI.) کٹایم (KATTAYAM.) وغیرہ ایک اور دقت جو ہمیں پیش آتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں ایک کتبہ میں صرف ان مختلف ٹیکسوں اور محصولوں ہی کا ذکر نہیں ملتا جنھیں ایک فرد یا ایک ادارہ حکومت کو ادا کرتا تھا بلکہ اس میں بعض مخصوص سماجی مقاصد کے لیے فرقہ وارانہ چندوں ، کچھ مخصوص مقامی اخراجات کے لیے بعض مقامی ٹیکسوں اور ان ادائیگیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جنھیں ایک کرایہ دار ان مالکان زمین کو دیتا تھا جن کی زمین اس کے پاس ہوتی تھی ۔ لہٰذا جب مختلف اشخاص کو دیے جانے والے یہ مختلف ٹیکس ایک کتبہ میں خلط ملط ہوں تو مختلف مدوں میں ان کا تجزیہ ہمارے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے ۔ مزید یہ کہ ان میں سے بیشتر محصول روایتی نوعیت کے ہوتے تھے ۔ اور چونکہ بسا اوقات ہمیں ان کے ناموں کے علاوہ کوئی اور ذکر نہیں ملتا لہٰذا ان ٹیکسوں کی صحیح نوعیت کا بیان آسان نہیں ہے ۔

اس دور کے کتبات کے علاوہ ہمارے پاس ان غیر ملکی سیاحوں کی تحریریں ہیں جنھوں نے وجے نگر کے بادشاہوں کے مالی نظم ونسق پر اپنے بیانات قلمبند کئے ہیں ۔ ان بیانات میں عبدالرزاق ، نونیز اور پائنر کے بیانات کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ بالخصوص نونیز ریاست وجے نگر کے محصولوں کا ذکر کرتا ہے ۔ اور بتاتا ہے کس طرح سرداروں (CAPTAINS.) کے توسط سے ان کی وصولی ہوتی تھی ۔ اور وجے نگر کے بادشاہوں کی مالی پالیسی رعایا پر کس حد تک بوجھ بنتی تھی ۔ لیکن یہاں جو حقیقت قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ غیر ملکی مصنفین نے ، جو دیہی زندگی کی حقیقی نوعیت ، دیہی تنظیم اور دیہاتوں سے موصول ہونے والے ٹیکسوں سے ناواقف تھے محض ایک شہر سے دوسرے شہر کو درآمد یا برآمد کی جانے والی تجارتی اشیاء پر عاید راہ داری ، آبکاری اور دیگر ٹیکسوں کو نمایاں طور پر ذکر کرنے پر اکتفا کیا ۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق زمین کی لگان کے متعلق کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ صرف کسٹم اور قحبہ گیری پر عاید ٹیکس کے متعلق بتاتا ہے ۔ جنھوں نے اس کو زیادہ متاثر کیا ۔ اسی بنا پر ان لوگوں نے ریاست کے تمام ذرائع آمدنی ، شاہی اور مقامی ٹیکسوں کے فرق اور ریاست کے مالی نظام سے متعلق دیگر سوالات کی تحقیق نہیں کی ۔

سہولت بیان کے پیش نظر ہم وجے نگر کے ذرائع آمدنی کو چند عام مدوں کے تحت رکھ سکتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

(۱) لگان ۔

Marfat.com

(2) جائداد کا ٹیکس

(3) تجارتی ٹیکس

(4) پیشہ ورانہ ٹیکس

(5) صنعتی ٹیکس

(6) فوجی چندے

(7) سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس

(8) عدالتی جرمانے اور اسی طرح کے دوسرے محاصل۔ اور

(9) آمدنی کے متفرق ذرائع۔

ا۔ لگان:۔ ذرائع آمدنی کا اہم ترین ذریعہ لگان تھا جس پر آج بھی ہندوستانی مالیات کا دارومدار ہے۔ ہم ریاست کے اس ذریعہ آمدنی کا تجزیہ مندرجہ ذیل مدوں میں کر سکتے ہیں۔

(الف) تر فصلوں پر ٹیکس:۔ حکومت ہر طرح کی تر فصلوں (سبزیوں) پر ٹیکس لگاتی تھی۔ اراضی پر ٹیکس لگانے کے وقت بعض باتوں کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ مثلاً گاؤں کی نوعیت، ملکیت کی نوعیت، مٹی کی صلاحیت، اور اس زمین میں پیدا کی جانے والی فصل کی قسم۔ مثال کے طور پر زمین کے کسی خاص قطعہ ارض پر ٹیکس لگانے سے قبل حکومت اس بات کو دیکھتی تھی کہ آیا یہ دیو دان (DEVADANA.) (کسی مندر کی مملوکہ زمین) ہے یا برہما دیا (BRAHMADEYA.) (برہمنوں کی مملوکہ زمین) ہے یا یہ کسی دلوئے اگرہار (DALVAYAGRAHARA.) (فوجی حکومت کے عوض دیئے گئے گاؤں) میں واقع زمین ہے اور یا ایک کرگرام (KARAGRAMA.) محصولی گاؤں میں واقع زمین ہے۔ کاریاشانم (KARAPASANAM.) زمین اور پُن پایر (PUNPAYER.) زمینوں کے درمیان فرق کیا جاتا تھا۔ اور ٹیکس ان پر ہونے والی فصلوں کی نوعیت کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ کاریاشانم زمین میں بھی ان آراضیوں کا شمار نہیں کیا جاتا تھا جن کی فصلیں کاشت کے وقت ہی سوکھ جاتیں نٹوپال (NATTUPAL) ، اور جن کے فصلوں کو پالا مار دیتا (شاوی) (SAVI.) ، اور یا وہ جو کسی اور طرح سے برباد ہو جاتیں (ایلوو) (ALIVA.) قابل ٹیکس لگائی جانے والی زمینوں میں بھی دھان کے کھیتوں، غیر مزروعہ (حال ہی میں زیر کاشت لائی گئی) اراضی، قابل کاشت بنائے گئے جنگلات اور کدیپو (KADAIPPO.) اراضی (ایسی اراضی جس میں صرف آخری فصل پیدا ہوتی ہے) اور ایسی اراضی جن کو سینچا گیا ہو، کے درمیان فرق کیا جاتا تھا۔ حکومت اس بات کا بھی لحاظ رکھتی تھی کہ آیا وہ

Marfat.com

نم زمینیں ہیں جن میں کیلے اور گنے کی کاشت کی گئی ہے یا پدوگیتا کو (PADUGAITAKKU.) (دریاؤں کے کنارے) ہیں جہاں ان کی پیداوار ہوتی ہے یا وہ دلدلی زمینیں ہیں جہاں سرخ کنول اگائے گئے ہیں یا ایسی زمینیں ہیں جہاں بیگن (ولودیالی) (VALUDILAI.) ، لوکی، ہلدی، ادرک، پیاز، لہسن، نیلوپروتی (NELLUPARUTTI.) ، ریڈی کے بیج۔ ورگوپروتی (VARA GUPARUTTI) ، سرسوں، بنگالی چنا، گیہوں کو شم بئی (KUSAMBAI.) (رنگائی کے کام میں آنے والا کیسر) ایری وائے (ERIVAY) تانگل وائے (TANGALVAY.) اور پلودی (PULUDI.) اور (ایسی زمینیں جہاں) چنا (کانم) (KANAM) دھان اور شامبلادی (SAMBALADI) اور دوسری بہت سی فصلوں کی پیداوار ہوتی ہے[5]۔ نم اراضی پر اگائی گئی تر فصلوں اور خشک اراضی پر اگائی گئی تر فصلوں کے درمیان بھی تھوڑا سا فرق کیا جاتا تھا[6]۔

(ب) خشک فصلوں پر ٹیکس:۔ اسی طرح خشک فصلوں اور کھائی جانے والی سبزیوں (مل بریا) (MALABARYA.) پر بھی ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا[7]۔ یہاں بھی خشک اراضی پر ہونے والی خشک فصلوں اور نم اراضی (نن جائی) (NANJAI.) پر ہونے والی خشک فصلوں کے درمیان فرق کیا جاتا اس کے علاوہ خشک زمین پر پیدا ہونے والی مختلف فصلوں کے درمیان بھی فرق کیا جاتا۔ پن پایر (PUNPAYIR.) (خشک فصلوں) کی پال (PAL) شاوی (SAVI.) اور الیو (ALIVU) (فصلوں) کو شمار نہیں کیا جاتا جیسا کہ تر فصلوں کے سلسلہ میں تھا۔ پاری (مکوکو) (KAMUKU) ناریل، کٹھل کے پیڑ[8]، کرنو (KARNDU) ویپو (VAIPPU) نیم، کولندو (KOLUNDU.) والائی (VALAI.) (کیلے کے پیڑ)، کرمبو (KARAMBU) (گنا) منجل (ہلدی) انجی (INJI) (ادرک)، شین کلونیر (SENKALUNIR.) (پھول) اور دیگروان پایر (VANPAYIR) (چھوٹی موٹی کاشتوں) پر بھی ٹیکس لیا جاتا تھا[9]۔ تیرووتی نلور (TIRUVATTINALLUR) سے دستیاب 1311 کی ایک دستاویز کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹا پرود (TOTTAPPURAVU.) (باغات کی اراضی سے حاصل ہونے والا) ٹیکس بھی لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا[10]۔ مذکورہ بالا فہرستوں سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ٹیکس لگانے کے سلسلہ میں اگائی گئی فصلوں اور مزروع زمین کی نوعیت کو حکومت کس حد تک ملحوظ رکھتی تھی۔

(ج) مربوط محاصل:۔ (ALLIED CHARGES.) اس فہرست میں ہم حکومت کے بعض ان ذرائع آمدنی کو شامل کر سکتے ہیں جو مالکان زمین پر عاید کردہ ٹیکسوں سے مربوط ہوتے تھے۔ ایک

Marfat.com

ٹیکس گلہ بانوں سے 'چرائی' کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے قریب بعض حصوں کو مویشیوں کے چرنے کے لیے علٰحدہ کر دیا جاتا تھا چند کتبات میں اس ٹیکس کا تذکرہ ملتا ہے۔

مکانوں اور مکانات کی تعمیر کی جگہوں (منئی) (MANAI.) پر واشل پنم[12] (VASAL PANAM.) نامی ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا[13] مکانات پر ٹیکس لگاتے وقت ان باتوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ آیا مکان چھت دار ہے[14] یا ادائیوّتالوو[15] (ADAIPPUTTALVU) (چھوٹی راہداریوں والا؟) ایک منزلہ ہے یا اندرونی برآمدہ والا[16]۔

(د) ان محصولات کے علاوہ لوگوں سے بعض اور رقوم بھی وصول کی جاتی تھیں جن کا مقصد دیہی افسران اور سرکاری صدر مقاموں سے آنے والے پیغام رسانوں کی تنخواہوں اور ان کے قیام و طعام کے اخراجات کو پورا کرنا ہوتا تھا۔ اس قسم کی رقموں میں کرنکّا جوڈی[18] (KARANIKKAJODI) تلی آرکم (TALAIYARIKKAM) ، ناٹو کنکوّوری (NATTU KANAKKUVARI.) رائے سورتنائی (RAYASAVARATTANAI.) او سرورتنائی (AVASARAVATTANAI.) ادھیکار ورتنائی (ADHIKARAVARDTTANAI.) ، نوٹّاورتنائی[20] (NOTTEVARATHANAI) نیر ویچم بلم[21] (NIRAPACCEMBALAM.) (نیرویا) (NIRUPA.) یا شاہی فرمان رسانوں کی تنخواہ) آلوک کو نیر پٹم[22] (ALAKKUNIRPATTAM.) (کھیتوں میں آب رسانی کے نظم کے لیے مقرر شخص کے اخراجات کے لیے ایک ٹیکس) اور پادی کاول[23] (PADIKAVEL.) (پولیس ٹیکس یا پولیس برقرار رکھنے کے لیے اخراجات) ہیں۔

(ہ) عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں مندر، دھرم شالے اور دیگر عوامی ادارے اپنے قیام و اخراجات کے لیے عوام سے کچھ رقمیں وصول کرتے تھے اسی مندرجہ ذیل ٹیکسوں کو اسی مد کے تحت رکھا جاسکتا ہے مگ مئی[24]۔ چندہ جو پہلے تاجرین اور کاشتکاروں سے کسی مندر کے لیے وصول کیا جاتا تھا لیکن جواب رضاکارانہ طور پر دیا جاتا ہے) ، پیداری ورّی[25] (PIDARIVARI.) (گاؤں کی دیوی کے مندر کو دیا جانے والا چندہ)، دوی بھوتی کانکّی[26] (VIBHUTI KANIKKAI.) جس کی وصولی ریاست کی جانب سے ہوتی تھی[27]۔ آدی پیکائی (ADIPACEAI.) اور کارٹ ٹیکائی پکائی (KARTTIGAI PACCAI.) ، کارٹ ٹیکائی کانکّی[28] (KARTTIGAIKANKKAI.) اور تیرو پودی یدو[29] (TIPUDIYIDU) (شروع کے مقدس پھل) اور پرشاد کانکّی[30]۔ (PRASADAKANIKKAI.)

Marfat.com

یہ تمام ٹیکس شاہی حکومت کی جانب سے مقامی حکام وصول کیا کرتے تھے اور متعلقہ مندروں کو ادا کر دیئے جاتے تھے، یا بعض موقعوں پر مندر خود یہ ٹیکس عوام سے براہ راست وصول کر لیتے تھے۔

محصول کی (شرح) کے تعین کا طریقہ۔

اس عہد کے کتبات کے بغور مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین کے سلسلہ میں وجے نگر کے بادشاہوں نے جو اصول اپنایا تھا وہ جس مخصوص قطعہ ارض پر فصل پیدا کی گئی اس کے اور مملکت کے جس حصہ میں فصل کی پیداوار ہوئی ہے اسی کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ اس لیے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین کا انحصار زمین کے محل وقوع اور زرخیزی پر تھا۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ کسی قطعہ ارض پر ٹیکس کی شرح کا تعین اس کی مجموعی پیداوار پر منحصر ہوتا تھا۔ اس عام رواج کی نشاندھی 1673-74ء کی عطیہ زمین کی ایک پیتل کی تختی سے ہوتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فصل کی ہر کلم پر ایک نالی کی شرح سے ملکی ٹیکس لگایا جاتا تھا۔[31] ریاست پدوکوتائی کے آلنگودی (ALANGUDI) تعلقہ میں تیروکٹ ٹلائی (TIRUKKATTALAI) مقام کے ایک کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حکومت خشک و نم اراضی کی کل پیداوار کے دس حصوں میں سے پانچ حصے وصول کرتی تھی تو کراودے یار تیروکٹ ٹلائی، ایشورم اودے یا نائے نار سے[32] (UDAIYAR TIRUKKATTALAI ISVARAM) (UDAIYA NAYNAR) چنانچہ زمین پر ٹیکس کی شرح کے تعین کی ایک بنیاد زمین کی پیداوار تھی۔[33] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ نہ تو پوری مملکت میں عام تھا اور نہ ہی خشک و تر فصلوں کے جملہ معاملات پر لاگو۔

نم زمین پر ٹیکس کی شرح کے تعین کی دوسری بنیاد ایک قطعہ زمین میں تر فصلوں کی تخم ریزی کی مقدار تھی۔ کتبات میں چند پیمائشوں کا ذکر بھی ملتا ہے جیسے کولگا (KOLAGAS) یا پوٹی (PUTTIS) جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قطعہ اراضی میں تخم ریزی کے لیے کتنے کولگاؤں یا پوٹیوں کی ضرورت ہے مثال کے طور پر ہمیں یہ ذکر ملتا ہے کہ زمین کے ایک توم (TUM) (تیلگو علاقہ کا ایک مکعب پیمانہ) کا ٹیکس آٹھ وراہ (VARAHAS) ہوتا تھا۔ اس کا واقعی مطلب یہ ہوا کہ اس قطعہ زمین پر جس میں تخم ریزی کے لیے ایک توم بیج کی ضرورت ہوتی تھی، آٹھ وراہ کا ٹیکس لگایا جاتا تھا۔[34] اس طرح ٹیکس کی تعین کے سلسلہ میں کسی مخصوص قطعہ زمین پر فصلوں کی کاشت کے لیے کس قدر بیجوں کی ضرورت ہوتی تھی ریاست اس مقدار کو بھی ملحوظ رکھتی تھی۔

جب کہ یہ اصول نم اراضی پر ٹیکس کی تعین کے سلسلہ میں تھا خشک اراضی پر ٹیکس کے تعین

Marfat.com

کے لیے اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ زمین کو جوتنے کے لیے کتنے ہلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترچناپلی ضلع کے آدوتورائی (ADUTURAI) مقام سے دستیاب ایک کتبہ میں خشک زمین کے ہر ہل پر ٹیکس کی ایک تدریجی شرح کے تعین کا ذکر ملتا ہے[35]۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خشک زمین پر ٹیکس کے تعین کے سلسلہ میں بس یہی ایک اصول تھا۔ اس لئے کہ نم اراضی پر ٹیکس کے تعین کے لیے جو اصول اپنایا گیا تھا وہی کبھی کبھی خشک اراضی پر بھی لاگو کر دیا جاتا تھا۔ کولار (KOLAR) ضلع کے اسی نام کے تعلقہ سے دستیاب ایک کتبہ میں خشک زمین کے ایک کھندوگ (KHANDUGA) کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ زمین میں ایک کھندوگ تخم ریزی کی گنجائش تھی ایک رواج کے مطابق جس کو بچنن (BUCHANAN) نے اپنی کتاب میسور، جنوبی کناڑا اور کورگ (GOURNEY THROUGH MYSORE, SOUTH CANARA AND COURG) میں شامل کیا ہے کہ کرشن دیورائے نے ٹیکس کے تعین کے لیے اپنی پوری مملکت کا مکمل سروے کرایا تھا اور ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کر دی تھیں اس رواج کی توثیق خود کرشن دیورائے کے عہد کے ایک کتبہ سے بھی ہوتی ہے میسور ضلع کے 1513ء کی ایک دستاویز میں ایک گاؤں کو اس کی تمام خشک و تر اراضی کے ساتھ قدیم پیمائش کے مطابق، عطیہ میں دیئے جانے کا ذکر ہے[37]۔ اس کتبہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں بلکہ شاید پوری مملکت میں، دو قسم کے پیمانے ہوا کرتے تھے۔ ایک قدیم پیمانہ تھا جس کے مطابق یہ مخصوص عطیہ دیا گیا تھا اور دوسرا جدید جو غالباً اس مخصوص کتبہ کے وقت بھی موجود تھا۔ اس ثبوت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ٹیکس کی شرح کے تعین مقصد سے کرشن دیورائے کے زمانہ میں اراضی کی باقاعدہ پیمائش ہوتی تھی۔ میکینزی کے مخطوطات کے بغور مطالعہ کے بعد رائس (RICE) بھی اسی نتیجہ پر پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرشن رائے اور راچیوت رائے کے زمانہ میں ریاست وجے نگر کے محاصل کو پہلی بار ایک باضابطہ احکامات کے ذریعہ ان کو قابو میں کیا گیا اور حساب و کتاب اور نظم و نسق کا آغاز کیا گیا تاکہ عوام کو سختیوں میں مبتلا کئے بغیر مملکت کی سالانہ آمدنی میں تدریجاً اضافہ کیا جا سکے[38]۔

زمین کی پیمائش کے سلسلہ میں مقامی اختلافات پائے جاتے تھے اور پوری مملکت میں کوئی ایک اعلیٰ پیمائش نہ تھا۔ اس عہد کے کتبات میں پیمائش کے ان بہت سے آلات کا ذکر ملتا ہے جو اس زمانہ میں رائج تھے[39]۔ حتیٰ کہ ایک ہی جگہ پر تقریباً ایک ہی وقت میں دو قسم کے پیمانوں کا استعمال نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر تیروپوکولی (TIRUPAKALI) کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ وہاں دو قسم کے پیمانے مستعمل تھے۔ ایک نادلی وو کول (NADALVU KOL) جو 1365ء[40]
میں اور دوسرا راج ویبھادن کول (RAJAVIBHADAN KOL) جو 1374ء اور 39-1438ء[41]
میں مستعمل تھا۔ نیز اسی ضلع کے تیروپالائی ونم (TIRUPPALAIVANAM) مقام
(کے کتبات) سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہاں 1390ء میں پیمائش کا ایک آلہ رائج تھا جس کا نام
گندرائے گندن کول (GUNDRAYAGANDAN KOL) تھا[42]۔ بہرحال وجے نگر کی حکومت
نے پیمائش کے رائج آلوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے کچھ اصلاحات کی کوششیں کیں۔ جنوبی
آرکٹ ضلع کے کوگائی یور (KUGAIYUR) کے ایک کتبہ کے مطابق نو وردھا کلم
(VRIDHACALAM) کے قرب و جوار کے باشندے ایک مرتبہ اس مقام سے کوچ کر
جانے تک پر آمادہ ہو گئے تھے۔ صرف اس بنا پر کہ حکومت نے اس مقام کے آلۂ پیمائش میں کوئی
تبدیلی نہ کی تھی۔ اس سنگی دستاویز میں متعین کیا۔ مگدائی مندلم (MAGADAI MANDALAM)
کے عوام کے نام واسو دیو نایکر تیرو ملائی نایکر (VASUDEVA NAYAKKAR TIRUMALAI NAYAKKAR)
کا ایک فرمان درج ہے جس میں 1447ء تک 'جو کتبہ کی تاریخ ہے' مگدا مندلم کی اراضی کی پیمائش
اٹھارہ فٹ لمبے ایک چھڑ سے ہوتی تھی اور اسی شرح سے اس پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ چونکہ اس طریقۂ
کار سے راج گرام (RAJAGRAH) متاثر ہو رہا تھا اور اس سے چوری اور بربادی کو راہ مل رہی
تھی لہٰذا یہ سوچا گیا کہ اگر قدیم آلۂ پیمائش میں دو فٹ کا مزید اضافہ کر دیا جائے تو ٹیکسوں کی ادائیگی
میں آسانی پیدا ہو جائے گی، کاشتکار خوش حال ہو جائیں گے اور راج گرام کے تقاضوں کو پورا
کر سکیں گے۔ اس خیال کے تحت حکم دیا گیا کہ قدیم آلۂ پیمائش کی لمبائی میں دو فٹ کا اضافہ کر کے
چھڑ کی لمبائی بیس فٹ مقرر کر دی جائے۔ نئے آلۂ پیمائش سے خشک و تر دونوں ہی قسم کی اراضی
کی ازسرِ نو پیمائش کی جائے اور جو تبدیلیاں واقع ہوں انھیں کھاتوں میں درج کر لیا جائے[43]۔

لیکن شری موسنم (SRIMUSHNAM) (جنوبی آرکٹ) میں [illegible]ء کے قریب
ہمیں 34 فٹ لمبی ایک چھڑ کا استعمال ملتا ہے جسے معیاری آلۂ پیمائش کہا گیا ہے[44]۔ اس طرح لمبائی
کی پیمائش کی اکائیوں میں مقامی اختلافات تھے۔ ہر مقام کا اپنا ایک پیمائشی آلہ تھا۔ چنانچہ پوری
مملکت کے لیے ایک عام اور یکساں آلۂ پیمائش کی اس کمی کے باعث حکومت کو مملکت کے تمام حصوں
میں زمین پر ٹیکس کی ایک یکساں شرح کے تعین میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

Marfat.com

ٹیکس کی شرحیں

قدیم ترین رواج کے مطابق کسی متعلقہ زمین کی پیداوار میں $\frac{1}{6}$ حصہ حکومت کا $\frac{1}{20}$ حصہ برہمن کا اور $\frac{1}{30}$ حصہ مندر کا ہوتا تھا۔ اس میں سے ہر ایک کی ادائیگی یا تو جنس کی شکل میں یا اس کے مساوی نقد رقم کی شکل میں کی جاتی تھی۔ بقیہ تین چوتھائیوں میں سے ایک چوتھائی کاشتکار اپنے حصہ کے طور پر رکھ لیتا اور مجموعی پیداوار کا بقیہ حصہ کاشتکاری کے اخراجات میں صرف ہو جاتے۔ وکس (WILKS) اس سوال پر گفتگو کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وجے نگر خاندان کے ابتدائی دور میں ہری ہر کے وزیر ودیارینا (VIDYARANYA) نے ریاست کے افسروں کے استعمال کے لیے پراشر (PARASARA) کے متن پر مبنی ایک کتاب تفصیلی تبصرے کے ساتھ شائع کرائی تھی جس میں ٹیکس کے تعین اور محصول کے غلّہ (GRAIN REVENUE) کی روپیے میں تبدیلی پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مختصراً اس نے شاستر (SASTRA) ہی کی شرح یعنی فصل کے $\frac{1}{6}$ کو حکومت کا حصہ قرار دیا ہے اور اس مفروضہ پر کہ اوسطاً پیداوار بوئے گئے بیجوں کی بارہ گنا ہوتی ہے، اس نے زمین کی $2\frac{1}{2}$ کٹیوں (KUTTIS) کی پیداوار 30 کٹی (KUTTIS) دھان کو اس طرح تقسیم کیا۔

مالک زمین	$\frac{1}{4}$	$7\frac{1}{2}$
کاشتکار	$\frac{1}{2}$	15
سرکار	$\frac{1}{6}$	5
مندروں	$\frac{1}{30}$	1
برہمنوں	$\frac{1}{20}$	$1\frac{1}{2}$

جمع .. 30 کٹیاں

مندروں اور برہمنوں کے حصوں کی وصولی اور ادائیگی حکومت کرتی تھی۔ لہٰذا مالک زمین کو مجموعی پیداوار کا حقیقتاً $\frac{1}{4}$ حصہ ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ وِکس کے مطابق یہی وہ طریقہ تھا جس کی سفارش ودیارینا نے راجہ ہری ہر اوّل اور اس کے افسروں کی رہنمائی کے لیے چودھویں صدی کے شروع میں کی تھی۔ لیکن ہری ہر نے ان مشکلات کے پیشِ نظر جو ان سفارشات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں پیش آئی تھیں، اس نظام میں چند تبدیلیاں کیں۔ اس نے حکومت کے حصہ کو جنس کی شکل میں ادا کرنے کے

Marfat.com

طریقہ کو ختم کر دیا اور اس بات پر زور دیا کہ ادائیگی ایک خاص شرح کے مطابق صرف نقد ہو۔ جنس اور نقد کی ادائیگیوں کا یہ تبادلہ "زمین کی مقدار، مطلوبہ بیج، پیداوار میں اوسطاً اضافہ اور غلہ کی قدر و قیمت" پر مبنی تھا[45]۔ پھر جہاں تک خود ٹیکس کے تعین کا تعلق ہے اس نے اس کی شرح میں اضافہ کر دیا۔ اس طرح "ہری ہر شاستروں کے قانون کا سہارا لیا، جو خواہ انھیں کسی بھی طرح سے پڑھا جائے، اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ کاشتکار پر مختلف قسم کے پریشان کن ٹیکسوں کے ذریعہ حملہ کرے جو اسے اس بات پر مجبور کر دیں کہ وہ زمین پر لگائے گئے ٹیکس میں رضاکارانہ طور پر ایک اضافہ کو قبول کر کے ان دیگر ٹیکسوں کی منسوخی کے لیے ایک سمجھوتہ کرنے پر تیار ہو جائیں[46]۔ ایسا کر کے اس نے حقیقتاً اس میں بیس[20] فیصد کا اضافہ کر دیا۔ اور اس کے لیے اس نے حسابات میں اپنی ہوشیاری سے کام لیا۔ جس کی تعبیر بمبئی کے ہائی کورٹ نے "ایک باریک نقاب والی قانون شکنی" سے کی ہے[48]۔

لیکن یہاں ہمیں اس بات کی تحقیق کرنی ہے کہ وکس کے بیان کی توثیق کس حد تک کتبات سے ہوتی ہے جو وجے نگر عہد میں ٹیکس کی شرح کے مسئلہ پر اطلاع کے واحد ماخذ ہیں۔ اس لیے کہ پراشر مادھویا (PARASARAMADHAVIYA) پراشر اسمرتی (PARASARASMIRTI) کی ایک تفصیلی شرح ہونے کی وجہ سے ٹیکس کے عملی پہلو سے زیادہ اس کے نظریاتی پہلو سے بحث کرتی ہے۔

برنل (BURNELL) کا خیال ہے کہ جنوبی ہندوستان میں زمین کی پیداوار میں ریاست کا حصہ عموماً $\frac{1}{2}$ ہوا کرتا تھا اگرچہ شمالی ہندوستان میں ریاست کا حصہ عام طور پر $\frac{1}{6}$ ہوتا تھا وہ کہتا ہے کہ اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ منو (MANU) کی $\frac{1}{6}$ حصہ کی تجویز پر کبھی عمل نہیں ہوا نیز یہ کہ زمین کا ٹیکس جو نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو حکمرانوں نے بھی وصول کیا وہ مجموعی پیداوار کا پورا پورا $\frac{1}{2}$ ہوتا تھا[49]۔ ہے ودن راؤ (HAYAVADENRAO) متعلقہ اعداد و شمار کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ٹیکس بہت زیادہ تھے اور رکھتا ہے: "ایسا معلوم ہوتا ہے .... کہ وجے نگر میں ٹیکس کی شرح (حکومت) برطانیہ کے مقابلہ میں سات گنا تھی یا (مجموعی پیداوار کا) تقریبا 2 / 1 فی صد تھی۔ یہ تخمینہ اس استنباط سے مطابقت رکھتا ہے کہ وجے نگر کے بعد کے بادشاہوں نے مادھو (MADHAVA) کی اس تاکید کو قطعی نظر انداز کر دیا کہ مجموعی پیداوار کا $\frac{1}{6}$ نقد کی شکل میں لیا جائے اور عملاً وہ اس کی پچاس فی صد لیا کرتے تھے[50]۔ شری نیواس رگھوا اینگر (SRINIVASA RAGHAVA-AIYANGAR) برنل کے خیال سے کسی قدر متفق ہیں[51]۔ ایلس (ELLIS) کی رائے کچھ زیادہ ہی

Marfat.com

محتاط ہے وہ صرف یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہے کہ ٹیکس $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{4}$ سے ہمیشہ زیادہ ہی ہوا کرتا تھا جس کی سنسکرت کے قانون دانوں نے اجازت دی ہے۔

جہاں تک ریاست کی کل آمدنی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں رائس کا خیال ہے کہ وہ 18 کروڑ اوکوٹی ٹکرا (AVAKOTI CAKRAS) یا پگوڈا (PAGODES)[53] تھی۔ اس تخمینہ پر وہ کرنل میکنزی کے جمع کردہ مخطوطات کے مطالعہ کے بعد پہونچا تھا۔ کرناٹک راجا کل سوستارا چرترم (CARNATAKA RAJAKKAL SAVISTARA CARITRAM) (A GENERAL HISTORY OF THE INDIAN PENINSULA) میں مذکور ہے کہ کرشن دیو رائے کے زمانہ میں مشرقی کرناٹک کو (میسور وغیرہ کو الگ کر کے ____) مالگذاری کی جو رقم شاہی خزانے میں جمع کرنی پڑتی تھی اس کی مقدار تین کروڑ روپیہ ہوتی تھی[54]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کی آمدنی کا ذکر کرتے ہوئے ورتھما (VARTHEMA) کہتا ہے کہ نرسنگا (NARSINGA) کا یہ بادشاہ ان تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ مالدار ہے جن کا تذکرہ میں نے اب تک سنا ہے۔" اور دوسری جگہ لکھتا ہے کہ" اس کے برہمن یعنی اس کے مذہبی پیشوا کہتے ہیں کہ اس کی آمدنی بارہ ہزار پرداؤ (PARDAI) یومیہ ہے[55]۔" پائز جو 1520ء میں وجے نگر آیا تھا، کہتا ہے کہ کرشن رائے اپنے اور اپنی بیویوں کے جو اس کے پاس بارہ ہزار کی تعداد میں تھیں گھروں کے لیے کافی رقمیں الگ کر لینے کے بعد ہر سال ایک کروڑ پرداؤ (PARDAOS) اپنے خزانے میں داخل کرتا تھا[56]۔ نونیز کا خیال ہے کہ وجے نگر کی مملکت کے جاگیردار ہر سال ساٹھ لاکھ پرداؤ خراج کی حیثیت سے بادشاہ کو ادا کرتے تھے۔ جو ان جاگیرداروں کے ماتحت اراضی سے حاصل ہونے والی مجموعی آمدنی کا نصف تھا (120 لاکھ پرداؤ)[57] برھان معاصر، کے مطابق، کافر ملعون، سداشیو رائے کی آمدنی 12 کروڑ ہون (HUNS) تھی[58]۔ 1611ء میں بھی وجے نگر کی آمدنی اچھی خاصی تھی مثلاً انٹوین ویکو (ANTOINE VICO) لکھتا ہے کہ" مدورا (MADURA) تنجور اور جنجی (GINJE) کے عظیم نایک بذات خود بسنگر (BISNAGAR) کے باجگذار ہیں۔ جسے وہ ساٹھ لاکھ سے لیکر ایک کروڑ فرانک (FRANCS) تک کا سالانہ خراج دیتے ہیں یا انھیں ادا کرنا پڑتا ہے[59]۔" اس کے علاوہ بادشاہوں کو کچھ آمدنی خالصہ اراضیوں سے بھی ہوتی تھی۔

بہر کیف معاصر کتابت اس عہد میں ٹیکس کی شرح پر زیادہ روشنی نہیں ڈالتے اگرچہ ان میں سے بعض ٹیکس کی اس رقم کا ذکر کرتے ہیں جو اراضی پر وصول کی جاتی تھی۔ لیکن دوسرے صرف اتنا بتلاتے

Marfat.com

ہیں کہ ٹیکس جنس اور نقد دونوں شکلوں میں وصول کئے جاتے تھے۔ مزید یہ کہ ہمیں اس کا بھی علم نہیں کہ آیا کسی مخصوص علاقہ میں ٹیکس کی شرح وہی ہوتی تھی جو مملکت کے دوسرے حصوں میں تھی بہرحال مندرجہ ذیل دستیاب تفصیلات قابل توجہ ہیں[59]:۔

1429-30ء کے ایک قیمتی کتبہ میں جو تنجور ضلع کے تیرو ویگ اوور (TIRUVAIGAVUR) مقام سے حاصل ہوا ہے "اس فیصلہ کا اندراج ہے جو پران تکنادو (PARANTAKANADU) کے باشندوں، ولنگائی (VALANGAI) کے 98 فرقوں اور ایدن گائی (IDANGAI) کے 98 فرقوں نے حکومت راج گرام ایرائی مورائی مائی (RAJAGRAMI RAIMURAIMAI) سے مندر کو ادا کیے جانے والے مختلف ٹیکسوں کے سلسلہ میں کیا تھا جس طرح ولودلم بتو اوشا ودی (VALUDALAM BATTU VSAVADI) کے دیگر نادووں (NADUS) کے باشندے اس سے قبل اس طرح کا فیصلہ کر چکے تھے .... فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ پران تکنادو کے ضلع کی چند مخصوص اراضی میں، جو لگان سے مستثنیٰ تھیں، کوئی مداخلت نہ کی جائے اور ان کی تقسیم اس طرح کر دی گئی۔ پنڈاروادائی (PANDARAVADAI) (وہ اراضی جو ریاست کی ملکیت ہیں، شاہی اراضی)۔ جیوتیاپرو (GIVITAPARRU)، ادایپو (ADAIPPU) (اجارہ پر دی گئی اراضی)، اوٹی (OTTI) (مرہون)، گوت تگائی (GUTTAGAI) (اجارہ میں دی گئی) اور شیروائی (SERVAI) (خدمت کا انعام)۔ ٹیکس کی شرحیں بھی متعین کر دی گئی تھیں[60]۔

ویلی (VELI) ہر ویلی پر دیگر ٹیکس مثلاً ارشوپیرو (ARASUPPERU)، کانکائی (KANIKKAI)، ایلکائی (ILAKKAI)، شتمادم (SAMMADAM) وغیرہ کو شامل پٹاوٹم (PATTAVATTAM) کر کے ٹیکس کی شرح دھان کی شکل میں۔ کانی کولی (KANIKULI) وغیرہ

اراضی کی قسم

1۔ دھان کے کھیت:۔ 50 کلم (KALAMS) دھان، 20 پنم (PANAM) اور 1/4 پنم (PANAM)

2۔ غیر مزروعہ اراضی (جسے حال ہی میں زیر کاشت لایا گیا ہو) 40 کلم دھان 18 پنم

3۔ کاشت کے قابل بنایا گیا جنگل، 20 کلم دھان۔ 2 پنم

4۔ کدائیپو (KADAIPPU) اراضی اور ایسی اراضی جنھیں پانی پلا کر سینچا جاتا ہو 20 کلم دھان 10 پنم

Marfat.com

(ب)

5۔ ترار اضی میں کیلے اور گنے کے باغات . . . . 60 پنم ارشوپیرو، کانسکائی وغیرہ کو شامل کرکے

6۔ پڑوگائٹکو (PADUGAITTAKKU)

(ساہون) میں لگے کیلے اور گنے کے باغات . . . . 50 پنم

7۔ دلدلی زمین جس میں سرخ کنول پیدا ہوتے ہیں . . . . 40 پنم

8۔ ایسی اراضی جن میں ہلدی، ادرک،

پیاز، لہسن، وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہو . . . . 25 پنم

9۔ بیگن پیدا کرنے والی اراضی،

(ولودیلائی (VALUDILAI) . . . . 30 پنم

10۔ ایسی اراضی جن میں نیلوپرتی (NELLUPARUTTE)

ریندڑی کے بیج، ورگوپرتی (VARAGAPARUTTI) سرسوں،

بنگالی چنا اور کوشم بائی (KUSUMBAI)

(رنگائی کے کام میں آنے والا کیسر)،

ایری وائے (IRIVAY) ، تان گل وائے (TANGALVAI) 20 پنم (ارشوپیرو) اور نیرولائی

اور پولودی (PULUDI) (چنا پیدا کرنے والی اراضی) (NIROLAI) وغیرہ کو شامل کرکے)

کانم (KANAM) ، اور شام بلادی (SAMBALADI)

(دھان پیدا کرنے والی اراضی) ہو۔

11۔ چنا، سبز مٹر، تنی پرتی (TANIPARUTTI)،

تنی آمن اکو (TANI AHANAKKU)

تینائی (TINAI) تنی ورگو (TANIVARAGU) ---------- 1 پنم

شامائی (SAMAI) وغیرہ پیدا کرنے والی اراضی

فی ویلی پر ہر ویلی پر دیگر ٹیکس مثلاً ارشوپیرو، ایلگائی، کاتکائی، شمادم وغیرہ کو شامل کرکے، ٹیکس پٹا وتم، کانی کولی وغیرہ کے شرح دھان کی شکل میں۔

اراضی کی قسم

Marfat.com

12- تل پیدا کرنے والی اراضی (پہلی فصل پر ٹیکس لگایا جاتا تھا) . . . . $\frac{3}{4}$ پنم

13- ویدی کولوندو (VEDIKOLUNDU) پیدا کرنے والے اراضی . . . . 200 پنم

14- اولی مودوکولوندو (OLIMUDUKOLUNDU)

پیدا کرنے والی اراضی (جس کی پہلی فصل پر ٹیکس لگایا جاتا تھا) . . . . . . 100 پنم

(ج)

خشک فصلیں (وان پاییرو) (VANPAYIRU)

1- سپاری کے ہر پانچ درخت جن کی پیداوار فی درخت 1500 سپاری ہو۔ . . . . 1 پنم (ارشوپیرو کو شامل کرکے)

2- ناریل کے ہر درخت جن کی پیداوار فی درخت 40 پھل سے کم نہ ہو . . . . $\frac{1}{2}$ پنم

نوٹ :- چھوٹے درخت جن میں پھل نہ آئے ہوں، بغیر پھل والے درخت اور گھروں کے احاطوں میں لگے درخت مستثنیٰ ہیں۔

3- کٹھل کے ہر درخت جن کی پیداوار فی درخت 20 پھل سے کم نہ ہو . . . . گم ہوگیا[61]

نوٹ :- گرد و پیش کے (یعنی دیگر) درختوں پر ٹیکس عاید نہ تھے۔

جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھاکلم مقام سے دستیاب مورخہ 1430-31ء کی ایک دوسری دستاویز میں ان ٹیکسوں کی شرح کا ذکر ہے جو اناج اور رقم کی شکل میں کیکولر (KAIKKOLAR)، ٹینتری مار (TANTIRIMAR) اور دیگر ذاتوں سے وصول کئے جاتے تھے۔

اراضی	ٹیکس
1- تر اراضی جن پر خشک فصلوں کی کاشت ہوتی تھی اور خشک اراضی پر جن پر تر فصلوں کی کاشت ہوتی تھی، کیلے اور گنے کی کاشت کو شامل کرکے۔	ہر ما (MA) پر دھان کا ایک کلم
2- تر اراضی پر کاشت کردہ خشک فصلوں پر خشک اراضی پر " " "	ہر ما پر دو تونی (TUNI) غلہ ہر ما[62] پر ایک تونی اور ایک پڈکو (PADAKKU)

Marfat.com

1433ء کے لگ بھگ چتوڑ ضلع کے تیرو ملائی (TIRUMALAI) مقام میں راج بھنڈارم (RAJABHANDARAM) اپنے نصف حصّہ کے طور پر دو سو پنم لیتا تھا اور شیٹکوتائی (SITTUKKUTTAI) کے تیرو ویدائی یاتّم (TIRUVIDAIYATTAM) گاؤں میں شری بھنڈارم (SRI BHANDARAM) آمدنی کا دوسرا نصف لے لیا کرتا تھا۔ تری چینوپولی (TRICHINOPOLY) ضلع کے آدوتورائی (ADUTURAI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1450ء میں ٹیکسوں کا یہ ضابطہ درج ہے کہ ٹیکس خشک زمین کے ہر ہل پر پہلے سال 5 پنم اور دوسرے سال ۱۰ پنم۔ اور تر زمین کے ہر سو کولی پر 8 پنم۔[64]

اس سلسلہ میں پودوکوتائی ریاست کے دو کتبات نہایت قیمتی ہیں۔ ایک جو تیروک کتلائی (TIRUKKATTALAI) مقام سے دستیاب ہوا ہے اور جو مورخہ 1462ء کا ہے، بتاتا ہے کہ دیودانم (DEVADANAM) کی اراضی کا ٹیکس جو صوبائی سرداروں کو دیا جاتا، پیداوار کا پانچ عشر ہوا کرتا تھا۔[65] دوسرا جو پلن کرائی (PALANKARAI) سے دستیاب ہوا ہے اور 1481ء کا ہے کودی ننگا دیودانم (KUDININGADEVADANAM) کے طور پر ایک درویش (تپسوی) کو دی گئی آراضی اور تالابوں کا ذکر کرتا ہے اور ٹیکس کی مندرجہ ذیل شرحوں کا تعین کرتا ہے:

موسم سرما کے دوران کورووائی (KURUVAI) پر پیداوار کا $\frac{1}{3}$، تل ایلّو (ELLU) اور راگی (RAGI) کیل ورگو (KELVARAGU) پر $\frac{1}{4}$،

باجرہ ورگو (VARAGU) شامائی (SAMAI) ، کمبو (KAMBU) اور دیگر فصلوں پر جن کی کاشت خشک اراضی پر ہوتی ہے۔ $\frac{1}{6}$

تل، گھوڑے کے استعمال کے چنے، پیاز وغیرہ پر $\frac{1}{4}$[66]

جنوبی آرکٹ ضلع کے شری موسنم (SRIMUSNAM) مقام کا ایک کتبہ مورخہ 1504-5ء ان ٹیکسوں کی ایک نئی شرح کا ذکر کرتا ہے جو ملک پر کنڑوں (KANNADIYAS) کی حکمرانی کے زمانہ میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ نظر ثانی کے بعد حکم دیا گیا کہ ہر سال، 34 فٹ کے ایک معیاری آلۂ پیمائش سے اراضی کی پیمائش کی جائے، نیز خشک زمین کے ایک "ما" پر (ٹیکس کے تمام مدوں کو شامل کر کے) 15 پنم اور تر زمین کے ایک "ما" پر 2 پنم وصول کیا جائے نیز یہ کہ ارشو پیرو کے سلسلہ میں ہر پٹہ دار سے $\frac{1}{8}$ پنم وصول کیا جائے۔[67]

تنّی ویلی ضلع کے شیرمادیوی (SERMADEVI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1550-51ء

Marfat.com

میں مذکور ہے کہ راجا راج وتل دیومہاراج کے ایجنٹ وشوناتھ نایکرنے ٹیکسوں کی ایک نئی شرح مقرر کی تھی۔اس نے تمام ٹیکسوں کو (جس میں اول وو (ULAVA) اور پنداروادائی (PANDARAVADAI) بھی شامل تھے ۔ معاف کردیا تھا کیونکہ کودی (KUDI) اور پدائی (PADAI) لوگوں نے شیروناں دیوی (SERAVANNADEVI) کے آس پاس کے بہت سے گاؤں میں دیودانا اور برھما دیا (DEVADANA AND BRAHMADEYA) اراضیوں کو چھوڑ دیا تھا۔نئی شرح کے مطابق فی "ما" اراضی پر صرف ایک کانی (KANI) وصول کیا جاتا تھا۔[68]

مذکورہ بالا فہرست سے ہمیں وجے نگر کے زمانہ میں آراضیات پر عاید ٹیکسوں کی شرح کا ایک اندازہ ہو جاتا ہے۔چند کتبات ایسے بھی ہیں جن میں کسی ایک دیہات یا دیہاتوں کے ایک حلقہ ریاست کو حاصل ہونے والی کل آمدنی کا تذکرہ ملتا ہے۔لیکن چونکہ اس طرح کی مجموعی رقم آمدنی کے مختلف ذرائع کو ظاہر کرتی ہے۔جن میں سے زمین کا ٹیکس صرف ایک تھا لہٰذا اس سے ہر گاؤں میں آراضی پر ٹیکس کی شرح کا متعین کرنا مشکل ہے۔

میسور کے کدور (KADUR) ضلع کے ایک گاؤں سے دستیاب مورخہ ۱۵۵۵ء کی ایک سنگی دستاویز میں مذکور ہے کہ سان تلیج ناد (SANTALIGE NAD) کے ہلموت تور (HALAMUTTUR) گاؤں میں ٹیکس کی شرح، مع اس کے چھوٹے چھوٹے قریوں (جن کے نام مذکور ہیں) اور میدانی علاقوں کے ، 84 ہون اور $\frac{3}{4}$ ہن (HANA) تھی۔[69] اسی ضلع کے شیموگا (SHIMOGA) تعلقہ کے ایک گاؤں سے دستیاب ایک کتبہ میں درج ہے کہ آرگوینتھ (ARAGAVENTHE) کے پانچ دیہاتوں سے حاصل ہونے والی آمدنی 210 (؟) تھی۔[70] جنوبی آرکٹ ضلع کے چیدم برم (CHIDAMBARAM) مقام کے ایک کتبہ میں جو اچیوت رائے کے زمانہ کا ہے، مذکور ہے کہ چیدم برم کے قرب وجوار کے چار گاؤں سے حاصل ہونے والی آمدنی ۵۰۰ پون (PON) تھی۔[71] لیکن اس طرح کی اطلاع اتنی مکمل نہیں ہے کہ ہم ریاست کو حاصل ہونے والی کل آمدنی کا حساب لگاسکیں۔رائس (RICE) کا تخمینہ کہ اس کی مالیت 81 کروڑ اڈوکوٹی کگرا (ADAKOTICAKRAS) یا پگوڈا تھی ،چند ایسے قدیم مخطوطات کی سند پر مبنی ہے جن کی صحت مشکوک ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مالیت مبالغہ آمیز ہے اس لیے کہ اس بات پر یقین کر لینا حقیقتاً مشکل ہے کہ دریائے کرشنا کے جنوب کے خطہ سے اس قدر ٹیکس حاصل ہوسکتا تھا۔

2 ۔ جائداد کا ٹیکس ،عہد قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ،عصر حاضر کے ہندوستان

Marfat.com

کی طرح ،منقولہ اور غیر منقولہ دونوں ہی طرح کی تمام جائداد پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ لیکن جائداد پر ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں عہدِ وسطیٰ اور موجودہ عہد کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ جب کہ موجودہ ہندوستان میں ٹیکسوں کے عاید کرنے کے سلسلہ میں جائداد کی سالانہ آمدنی یا اس سے مل سکنے والے کرایہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے ،عہدِ وسطیٰ میں ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں اس طرح کا کوئی اصول نہ تھا۔ بلکہ خود جائداد پر بحیثیت ایک اکائی ٹیکس عاید کیا جاتا تھا۔ یہی اصول لگانوں، مکان کی تعمیر کی جگہوں، زمینی خزانوں گائے ،بیل اور بھیڑ وغیرہ پر ٹیکس عاید کرنے کے سلسلہ میں اپنایا گیا تھا۔

جائداد پر عاید ٹیکس کی شرح سے متعلق کوئی اندازہ قائم کرنا ہمارے لیے دو اسباب کی بنا پر مشکل ہے ۔اول تو یہ کہ ہمیں محض چند ہی کتبات ایسے ملتے ہیں جو اس سلسلہ میں ہمیں کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ چند کتبات بھی مملکت کے مختلف حصّوں میں منتشر ملتے ہیں۔ اس طرح مثال کے طور پر ہم یہ نہیں جانتے کہ آیا مملکت کے کسی مخصوص حصہ میں مکان پر عاید کسی مخصوص ٹیکس کی شرح وہی ہوتی تھی جو مملکت کے دوسرے حصّہ میں ویسے ہی کسی مکان کی شرح تھی۔ بہرحال مندرجہ شرحیں قابلِ ذکر ہیں۔

بامنزلہ مکان (STORIED HOUSE) . . . . 2 پنم [72]
اندرونی برامدہ والے مکان . . . . 1 پنم
کنجی ورم (CONJEEVARAM) خوردہ ،ضلع چنگلی پت
ایک دیہاتی (ناٹار کا مکان‘ (ویلائی) (VILAI) ،
آشم دی (ASAMDI) واشل پنم ،وغیرہ کو شامل کرکے) 3 پنم
ایک تنبتری مار کا مکان . . . . $1\frac{1}{2}$ پنم
ایک مکّل (MAKKAL) کا مکان . . . . $1\frac{1}{2}$ پنم [73]
ڈھلوان چھت والے برآمدے (VERANDAHS)
(تیروو ائیگاوور ،ضلع تنجور) . . . . $\frac{3}{4}$ پنم
ایک ویشیا (VAISYA) کا مکان (بنگلور) . . . . . . 1 پنم [74]
وتی (VETTIS) کی ہر کوتّل (KOTTIL) (وردّا کلم ،جنوبی آرکٹ $\frac{1}{8}$ پنم [75]
ہر واشل ۔ (تیرو کوئی لور ،(جنوبی آرکٹ) 1 پنم
ڈیوڑھی (یلندور) (YELANDUR) اگدیاتا (GADYANA) 1 [76]

Marfat.com

جائے تعمیر مکان
(شیر کاڑ (SHIKAD) ، شمالی آرکٹ
گائے

۱ یتم[78]
½ گدیانا[79]

(S. NAGAR) میسور

دوسرے کتبات ایسے ہیں جو جائداد پر عاید ٹیکس کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن ٹیکس کی شرح کا نہیں۔ ان میں وہ ٹیکس ہے جو ادپ پوتال وِو (OBATTUTTADU) (چھوٹے دروازوں[80]، پوشیدہ خزانوں، زمین دوز گوداموں[81]، وغیرہ ادتانی پائم (UTTATATTAM) (فواروں اور چشموں[82]) پجاریوں کے گھروں اور دوسری مقدس عمارتوں[83]، واشل یتم۔ مینکولی[84] (MANAIKULI) نر اور مادہ بھینسوں، گھوڑوں اور بیلوں وغیرہ[85]، بھیڑوں[86]، چھکڑوں اور ناریل کے پیڑوں[87] پر عاید ہوتے تھے۔

ریاست میسور کے سرونا بیل گولا (SRAVANA BELGOLA) مقام سے دستیاب بکّا اول کے زمانہ کے ایک کتبہ میں مندرجہ ذیل فیصلے کا تذکرہ ملتا ہے۔

تاتیا تیرومل (TATAYYA TIRUMALA) پوری مملکت کے مقدس لوگوں (جین مذہب کے پیروکاروں) کی اجازت سے اس رقم سے، جیسے ویس نوا (لوگ (VAISNAVAS) پوری مملکت کے جینیوں (JAINS) سے بیل گولا کے مقدس مقام پر محافظ دستہ کی تقرری کے لیے دروازے کے مطابق فی مکان ایک ہن (PANA) سالانہ کی شرح سے وصول کیا کرتے ہیں۔ دیوتا کے دستہ کے طور پر ۲۰ ملازمین کا تقرر کرے گا اور باقی ماندہ رقم سے شکستہ حال جینالیاؤں (JINALAYAS) (یا جینا مندروں) میں سفیدی کرائیگا[88] خالی مکانات ٹیکسوں سے بری تھے[89]۔

3۔ تجارتی ٹیکس:۔ تجارت اور تجارتی لین دین پر عاید محاصل ریاستی آمدنی کا ایک بڑا حصہ تھے۔ کسٹم اور چنگیاں متعین شرحوں کے مطابق خشکی و تری دونوں ہی طرح کے ذرائع مواصلات پر وصول کی جاتی تھیں۔ مزید براں کتبات میں نئے نئے میلوں کے آغاز کا بھی تذکرہ ملتا ہے جن سے حکومت کو آمدنی ہوتی تھی۔

رائسن محاصل کو تین مختلف عنوانات کے تحت رکھتا ہے۔ استھلادایم (STHALADAYEM) مارگادایم (MARGADAYEM) اور مامولادایم (MAMULADAYEM)

Marfat.com

پہلے عنوان کے تحت وہ محاصل آتے ہیں جو کسی ایک مقام پر فروخت کی جانے والی درآمدات پر لگائے جاتے تھے، دوسرے کے تحت وہ ٹیکس آتے ہیں جو کسی ضلع سے ہو کر گذرنے والی اشیاء پر لگائے جاتے تھے، اور تیسرے کے تحت وہ ٹیکس آتے ہیں جو غیر ممالک کو برآمد کی جانے والی اشیاء پر لگائے جاتے تھے"۔ شیشے کی چوڑیوں، پیتل کے پیالوں اور صابن کے گولوں کو مستثنیٰ کر کے دوسری تمام قسم کی اشیاء پر یہ ٹیکس ادا کئے جاتے تھے حتیٰ کہ ایندھن کی لکڑیوں اور پھوس پر بھی۔[90] دوکانوں[91]، وِلے کاتم بکری[92] (SALES) وِیرپنم (VIRPANAM) اور کیویلائی کانم (KAIVILAI KANAM) (نقد قیمت پر بکری کا حصہ[93] [94])، کپڑوں کے تھان، مویشیوں غلّوں اور انڈوں کی ٹوکریوں پر[94] چنگیاں وصول کی جاتی تھیں۔ پانوں کے بوجھ پر[95] راہداری اور بوجھوں پر نیز تیل اور ماستی[97] (MASTI) پر چنگیاں وصول کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ ادیکا شو (ADIKASU) (بازاروں میں اسٹال لگانے پر ٹیکس[98]) اور شندائی مودل (SANDAI MUDAL) (بازار کی فیس[99]) بھی ہوتا تھا۔ نیز داغے ہوئے مویشیوں[100]، عورتوں کے کپڑوں اور دیگر خوبصورت اشیاء کی[101] فروخت پر بھی ٹیکس عاید تھے۔ کاوڈیوں (KAVADIS) باربردار گھوڑوں، بیلوں، گدھوں اور سر پر اٹھائے جانے والے بوجھوں[102] پر نیز پانی سے بچاؤ کرنے والے چھپروں (WATER SHEDS) شہری منڈیوں اور ان تمام سامانوں پر مختلف شرحوں سے چنگیاں وصول کی جاتی تھیں جو زیارت گاہوں کو جانے والی سڑکوں سے ہو کر گذرتے تھے۔[103] اس کے علاوہ پاشی ویلائی (PASIVILAI) (مچھلی کی قیمت فروخت پر ٹیکس[104])، اڈگراشون کم (ADDAGARASUNKAM) (بھیڑوں کو فروخت کرنے والوں سے وصول کیا جانے والا ایک ٹیکس[105]) اور مولاویشا بدی[106] (MULAVISOBADI) (نامی ٹیکس) بھی تھے۔

بیلّاری (BELLARY) ضلع کے روپن گودی (RUPANAGUDI) مقام سے دستیاب اچیوت رائے کے زمانہ کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ یلیپیا شیمے (YALEPPYASIME) میں واقع روپل گودیا تھانیا (RUPALAGUDIYA THANYA) سے ہو کر گذرنے والے غلّوں پر راہداری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔[107] تیلگو کے علاقہ میں 1520ء کے لگ بھگ وسنت گروں (VASANTA GARUS) (ڈاک بنگلوں) سایہ بانوں، نمک کے میدانوں، شہری منڈیوں اور گذرگاہوں پر ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔[108]

1379ء کے ایک کتبہ میں شہروں اور دوکانوں پر لگائے گیے ٹیکسوں کی مندرجہ

Marfat.com

ذیل شرحوں کا تذکرہ ملتا ہے :۔

پرانا شہر، ایک "گا" (GA) 240

چھوٹا شہر، پانچ "ما" (MA) 241

گاؤں، تین "ما" (MA) 242

ایک دوکان جو کسی تہوار کے موقع پر لگائی گئی ہو، ایک "ما"[109]

چند کتبات میں اشیا پر عاید ٹیکسوں کی شرحیں درج ہیں۔ کرشن دیورائے کا کوندو یدو MONDAVIDU ایک ایسا ہی کتبہ ہے اور اس میں مندرجہ ذیل تفصیلات درج ہیں۔

نمبر	اشیاء	مقدار جن پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
۱۔	بڑا باجرہ	فی بورا (BAG)	½ پیکم (PAIKAM)
2۔	باجرہ	//	//
3۔	نمک	//	//
۴۔	آم	//	//
5۔	انولا (MYROBALAN)	//	//
6۔	پھل	//	//
7۔	بیگن	//	//
8۔	جنگلی بادام	//	//
۹۔	ماوین (MAVINE) عشبہ (SARASAPARALLA) کی طرح ایک خوشبودار جڑ۔	فی بورا (BAG)	1 پیکم (PAIKAM)
۱۰۔	سبز چنا	//	//
۱۱۔	سیاہ چنا	//	//
12۔	بنگالی چنا	//	//
13۔	گھوڑے کے استعمال کا چنا	//	//
۱۴۔	سرخ چنا	//	//

Marfat.com

نمبر	اشیاء	مقدار جن پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
15-	گیہوں	فی بورا	پیکم
16-	تل	//	//
17-	تلہن	//	//
18-	سیاہ مٹر	//	//
19-	انومولا (ANUMBLA)	//	//
20-	کپاس	//	//
21-	املی	//	//
22-	مازوپھل (GALL NUTS)	//	//
23-	ہڑ (انولا) کے بیج	//	//
24-	سوت	//	//
25-	چاما (CAMA)	//	//
26-	چیروگدم (CIRUGADAM) (جڑ)	//	//
27-	پیاز	//	دمّا (DAMMA
28-	ہلدی	//	//
29-	ڈمّر (DAMMER)	//	//
30-	میتھی	//	//
31-	زیرہ	//	//
32-	سرسوں	//	//
33-	سن نئے بورے	فی شلنج (SALAGE)	
34-	ھری ادرک	فی بورا	
35-	لیموں	//	
36-	ناریل	//	2- دمّا
37-	گڑ	//	//
38-	صاف کی ہوئی روئی	//	//

Marfat.com

نمبر	اشیاء	مقدار جس پر ٹیکس لگتا تھا	شرح
39-	گھی	〃	〃
40-	رینڈی کا تیل	〃	〃
41-	سنگادی (SANGADIBUTS)	〃	〃
42-	خشک ادرک	〃	〃
43-	لوہا	〃	〃
44-	فولاد	〃	〃
45-	چینی	〃	〃
46-	شکر	〃	4 دمّا
47-	سپاری	〃	〃
48-	سوتی دھاگا	〃	〃
49-	پان کے پتے فی بورام دمّا	〃	〃
50-	لمبی مرچ	〃	6 دمّا
51-	سیاہ مرچ	〃	〃
52-	صندل	〃	〃
53-	لونگ	〃	〃
54-	جائفل	〃	〃
55-	جائفل کے پوست	〃	〃
56-	سیسہ	〃	
57-	بٹن	〃	
58-	تانبا	〃	〃
59-	زنانہ ملبوسات	دو بیلوں کے بوجھ برابر	اکویلا (GAVELA) [115]

مذکورہ بالا فہرست سے تجارتی اشیاء اور تجارتی لین دین پر عاید ٹیکسوں کی کثرت پوری طرح واضح ہے۔ ان محاصل سے جو مملکت کے مختلف اہم مقامات سے گذرنے والی اشیاء پر عاید تھے بہت کافی آمدنی تھی۔

Marfat.com

نونیز کے مطابق صرف ناگلاپورا (NAGALAPURA) شہر کی آمدنی ان اشیاء کے محاصل سے، جو وہاں آتی تھیں، 42 ہزار پرداؤ (PARADOS) تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "اس سرزمین کے محاصل زبردست ہوں گے (ہیں) کیونکہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جو شہر میں داخل ہوتی ہو اور اس پر ٹیکس نہ لیا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ مرد و عورت نیز سروں پر اٹھائے جانے والے بوجھ اور تجارتی سامان بھی[111]۔ اگر تنہا اس شہر سے اس قدر آمدنی تھی تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس ذریعہ سے حاصل والی مجموعی آمدنی بہت زیادہ ہوگی۔ مملکت میں تجارتی مراکز بڑی تعداد میں تھے۔ ایک کتبہ میں، جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے تقریباً 26 اہم شہروں کا تذکرہ ملتا ہے[112]۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ۔ محاصل صرف ان اشیاء پر عاید کئے جاتے تھے جو فروخت کی جاتی تھیں نہ کہ ان تمام اشیاء پر، جو فروخت کے لیے لائی جاتیں۔ لیکن یہ بظاہر رائس (RICE) کی تقسیم کردہ استھلادایم (STHALADAYAEM) کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حکومت کو ادا کئے جانے والے ٹیکسوں کی وصولی براہ راست حکومت نہیں کرتی تھی بلکہ ان کا اجارہ مقامی لوگوں کو دے دیا جاتا تھا، جو حکومت کو ایک متعین رقم ادا کر دیتے تھے اس بات کا انکشاف کہ اس طرح کے ٹیکس بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دی جاتی تھیں، ریاست میسور کے موجودہ ضلع شیموگا کے ایک کتبہ سے ہوتا ہے[113]۔ ٹیکسوں کی شرحیں مختلف جگہوں پر مختلف ہوتی تھیں کیونکہ اجارہ دار اکثر و بیشتر دوسروں کے مفاد کے خلاف اپنے چوکیوں (CHUKIAS) کی آمدنیوں میں اضافہ کے لیے مختلف قسم کی تدبیریں اختیار کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ کچھ تاجروں کو پیشگی رقمیں دے دیں گے اور ان سے خواہش کرتے کہ جو دوسرے ادا کرتے ہیں وہ اس کا صرف نصف ہی ادا کریں۔ اس طور پر وہ ان تاجروں کی ہمت افزائی کرتے تھے کہ وہ انھیں کی کٹیوں (چنگی خانوں KATTES) سے ہو کر آئیں جہاں انھیں کم چنگیاں ادا کرنی پڑتی ہیں اور دوسروں کو لالچ دیتے کہ وہ بھی یہی راستہ اختیار کریں۔ درآمد شدہ اشیاء پر کسٹم کی مخصوص شرح کا تعین کرنا ممکن ہے۔ اگر ایک اجارہ دار سو بوجھوں پر دس پگودا کا مطالبہ کرتا تو دوسرا صرف دو ہی پگودا لیتا۔ اور ان کی شرحیں مختلف مقاموں پر بہت زیادہ مختلف ہوا کرتی تھیں۔ یہ اجارہ داران محاصل سے جو وہ مختلف قسم کی چیزوں اور تجارت سے ٹیکس کی شکل میں وصول کرتے، سرکار کو اجارہ کے طے شدہ رقم دے دیتے اور جو بچتی وہ اپنے پاس رکھ لیتے جو حالات کے مطابق کم و بیش اچھی خاصی رقم ہوتی[114]۔ نونیز محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے نظام پر چند دلچسپ تبصرے کرتا ہے۔

Marfat.com

وجے نگر کے ایک خاص دروازے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "اس دروازے کو ہر سال بارہ ہزار پرداؤ پر اجارہ میں دیدیا جاتا ہے اور کوئی شخص مقامی یا غیر مقامی، اتنا ادا کیے بغیر جتنا کہ اجارہ دار اس سے مطالبہ کرتا ہے، اس کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں شہروں میں کسی طرح کی ضروریات یا تجارتی اشیاء نہیں پائی جاتیں چنانچہ ساری چیزیں باہر سے بیلوں پر لاد کر آتی ہیں۔ اس لیے کہ اس ملک میں لوگ سامان اٹھانے کے لیے ہمیشہ جانوروں کا استعمال کرتے ہیں ان دروازوں سے روزانہ دو ہزار بیل داخل ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک تین ونیتیاں (VENTEES) ادا کرتا ہے۔ البتہ بعض بغیر سینگ والے بیل اس سے مستثنیٰ ہیں جو مملکت کے کسی حصّہ میں کبھی کچھ نہیں ادا کرتے۔[111]

نمک بنانے اور تاڑی کشید کرنے پر ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ نمک کی صنعت پر ٹیکس کے تعین کے مقدار نمک کا طشت ہوتا تھا[111] لیکن جہاں تک دواؤں کا تعلق ہے ہمیں اس مقدار کا علم نہیں جس پر ٹیکس عاید ہوتا تھا۔ لیکن چند کتبات میں اس قسم کی دواؤں پر ٹیکس کا تذکرہ ملتا ہے۔[112]

۴۔ پیشہ ٹیکس:۔ پیشوں پر عاید شدہ ٹیکس ریاست کی آمدنی کا ایک معقول حصہ ہوتا تھا۔ اس ٹیکس کو عاید کرنے کا اصول نہیں معلوم ہوتا کہ اس آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے جو ایک شخص کسی پیشہ کے ذریعہ پیدا کرتا ہے۔

بلکہ اس شخص پر اس حیثیت سے ٹیکس لگایا جاتا تھا کہ وہ ایک خاص فرقہ یا ذات میں پیدا ہوا ہے اور اس طرح وہ وہی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے یا توقع کی جاتی تھی کہ وہ وہی پیشہ اختیار کرے گا۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ان ٹیکسوں کی واقعی شرحوں کو معلوم کرسکیں جو پوری مملکت میں مختلف پیشوں کے اپنانے والوں پر عاید کی جاتی تھیں۔ تاہم اس زمانہ کے چند کتبات میں مندرج تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چند پیشوں کو اپنانے والوں پر ٹیکسوں کی شرحیں مندرجہ ذیل تھیں۔

ہر شالیہ (SALIYA) بنکر پر فی کرگھا	9 پنم
ہر لوہار، بڑھئی اور سونار پر	کوتو (KOTTU) 5 پنم
	(کرّو (KTRRU) ارشو بیرداور کانکانی کو شامل کرکے)
ہر بڑے کمہار پر	5 پنم دتیری گاکی آیم (FTRIGATAYAM) کو شامل کرکے

Marfat.com

ہر بڑے حجام پر 4 پنم (کریوی آئیم (KARIVIAYAM) کو شامل کرکے)

ہر بڑے دھوبی پر 4 پنم (کل لایم (KALLAYAM) کو شامل کرکے)

ہر کنک کانن (KANNAKKENAN) ٹھٹھیرے پر 6 پنم

ہر بڑے تیلی (OILMONGER) پر 20 پنم (کروآیم (KANDAYAM) کو شامل کرکے)

(تنجور ضلع کے تیرو وائیگا وور مقام میں)[118]

ہر مودلی (MUDALI) ، بکونک کارر

(KAIVINAKKARAR) اور دیگر باشندوں پر 1 پنم

شمالی آرکوٹ ضلع میں تیرو وناملائی (TIRUVANNAMALAI)

کے سات پٹائی (PETTAIS) میں) ہر کیکولر پر $\frac{1}{2}$ پنم فی کرگھا

ہر سینیک کودیار (SENAIKKUDAIYAR) پر $\frac{1}{2}$ پنم

ہر مچھیرے پر $\frac{1}{2}$ پنم

ہر گڈرے پر $\frac{1}{2}$ پنم فی کودی (KUDI)

ہر تیلی پر (ورودھاکلم) جنوبی ارکٹ) $\frac{1}{2}$ پنم[120]

ہر شیٹی، کیکولر اور وانین (VANYAN) پر 2 پنم

(چنگلی پت ضلع کے پولیپ پر کوئیل (PULIPPARAKOIL) مقام)[121]

ہر ککدوانیر (KACCADAVARIYER) (خاندان) پر 3 پنم

ہر شین بدور (SENBADAVAR) خاندان پر 3 پنم

(چنگلی پت ضلع کے پولیپ پر کوئیل مقام میں)[122]

حکومت کے بعض افسران پر بھی ٹیکس عاید تھے :۔

ہر جج (نیائے اتار) (NIYAYAATTAR) پر 5 پنم

دیہی کونسل کے ہر ممبر (منرادی) (MANRADI) پر $\frac{1}{2}$ پنم

شیٹی کے ہر مالک پر پنم (ارشوپیرو)، ونم، اور گانکائی کو شامل کرکے۔

محصول راہداری کے ہر بڑے محصل پر 4 پنم

(شنجور ضلع کے تیرو ویگا وور مقام)[123]

Marfat.com

اس عنوان کے تحت مختلف قسم کے دوسرے ان پیشوں اور ذاتوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جن پر ٹیکس عاید تھے۔ (اس ضمن میں) اس ٹیکس کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو ایسے دوکاندار پر عاید تھا۔ جس نے اپنی دوکان اپنے گھر (BANIKKADAI YAR) پر کھول رکھی ہو، جو 3 پنم ہوتا تھا[124]، اور پورک کودی (PURAKKODI) (کھیت پر کام کرنے والے ملازمین) پر لگایا جانے والا ٹیکس جو ایک پنم تھا۔

علاوہ ازیں وہ ٹیکس تھے جو گاؤں کے سردار منی یم[125] (MANIYAM) شریک کدمائی گڈریوں پر ٹیکس تھے[126] (SADUKKADMAI)، بڑھیوں، دھوبیوں اور کمہاروں[127]، اوڈ چنوں[128]، (UVACCANS) جوتا بنانے والوں[129]، موسیقاروں، پاداوری (PADAVARI) (؟) پادگوری[130] (PADOGARARI) بیدبنوگو (BEDABINUGU) یعنی تماشہ دکھانے والی نازنینیں[131]، ملمع سازوں[132]، تارکشی کرنے والوں اور مصوروں[133]، ساروں[134]، غلاموں[135]، اور پولروں[136] (PULAVARS) پر عاید تھے۔ ان بہت سی ذاتوں میں، جن پر ٹیکس عاید تھا، برہمن تھے، جن کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا تھا[137]، پریہ (PARIAH) ذات کے لوگ تھے جن میں سے ہر ایک پر ½ پنم ٹیکس عاید تھا اگرچہ ان سے بعض کو مخصوص حالات میں مستثنٰی بھی کر دیا جاتا تھا[138]، اور مدیگا (BADIGES) اور ونیا (VANNIYARS) تھے[139]۔ کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پلّی یورنادو - PULLI ; (IYARNADU) میں ٹوٹی گن (TOTTOGAN) ذات کے لوگوں کو (اپنے) گاؤں پر ایک پنم ادا کرنا پڑتا تھا[140]۔ کودی مسکل کے چھ طبقوں میں سے ہر طبقہ پر ½ پنم ٹیکس عاید تھا[141]۔ حتی کہ پردیسیوں (عارضی طور پر مقیم لوگوں) کو بھی ٹیکس سے چھٹکارا حاصل نہ تھا[141الف]۔ پلائی وری[142]، (PULLAIVARI) آلوری (ALVARI) (نفری ٹیکس[143]) اور پیر کدمائی[144] (PERKADMAI) تین دیگر ٹیکس تھے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے چند مخصوص طبقوں سے وصول کیے جاتے تھے۔ نوٹو رتنائی (NATTAVARTANAI) نام کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جو صرافوں کو بطور معاوضہ دیا جاتا[145]۔ طوائفیں بھی ٹیکس سے مستثنٰی نہ تھیں۔

مختلف پیشوں کو اپنانے والے لوگوں میں حجام سداشیو کے عہد میں سب سے زیادہ خوش نصیب نظر آتے ہیں کیونکہ اس کے زمانہ میں ان پر سے ہر طرح کے ٹیکسوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ کتبات کی ایک بڑی تعداد میں حجاموں پر سے ٹیکس اٹھا لیے جانے کا سہرا رام راج کے سر باندھا گیا ہے[146]۔ بعض دوسرے کتبات میں مذکور ہے کہ بادشاہ سداشیو نے کوندوجو (KONDOJU)

Marfat.com

حجام کی درخواست اور الیارام پیّا (ALIYA RAMAPPAYYA) کی خواہش پر ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا۔ اس معافی کا تذکرہ کرنے والے بہت سے کتبات میں حجام کے اوزاروں مثلاً استرا، استرا تیز کرنے کا چمڑا، آئینہ اور قینچیوں کی تصویریں بھی ان کے پہلو میں کندہ ہیں[148]۔ ایک کتبہ کے مطابق ٹیکس، جبری محنت، متعینہ کرایہ، زمین کا لگان، مہانومی (MAHANAIMMI) مشعلیں، بیراد (BORADA) وغیرہ کو، جو حجام ادا کیا کرتے تھے، معاف کر دیا گیا تھا[149]۔

پیشوں پر عاید ٹیکسوں کی ادائیگی بظاہر صرف نقد ہوتی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادائیگیاں صرف سالانہ تھیں اس لیے کہ اگر یہ ٹیکس ماہانہ ہوتے تو یہ عوام پر بہت بڑا بوجھ ہوتے۔ یہ بات کہ یہ ادائیگیاں سال میں کی جاتی تھیں ایک کتبہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جس میں درج ہے کہ ویربکن اودے یار (VIRA BUKKANA UDAIYAR) (بکّا دوم) نے 1326ء شاکھا میں پولپ پر کوٹیل میں واقع مندر کے احاطہ میں مقیم شیٹیو (SETTIS) کیک کولاؤں اور وانیاؤں پر واجب الادا ٹیکسوں کی شرح ہر فرد پر سالانہ ۲ دو پنم مقرر کی تھی۔

صنعتی ٹیکس :۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں تمام صنعتوں پر ٹیکس عاید تھے۔ اس معاملہ میں ٹیکس کے تعین کی بنیاد وہ خالص منافع تھا جو مالک کو اس کی صنعت سے متوقع ہوتا تھا۔ اسی اصول پر چند صنعت کاروں پر ٹیکس لگایا گیا تھا۔ یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ صنعتوں سے ہماری مراد ایسی بڑی بڑی فیکٹریاں نہیں ہیں جیسی ہم موجودہ دور میں پاتے ہیں بلکہ محض گھریلو صنعتیں ہیں جن میں سے ہر ایک محض ایک یا دو افراد کو روزگار فراہم کرتی تھیں۔ یہاں صنعتوں اور پیشہ ور لوگوں پر عاید ٹیکسوں کے درمیان فرق کر لینا ضروری ہے کسی ایک صنعت کار ایک پیشہ ور شخص سے اس حیثیت سے مختلف تھا کہ اول الذکر کی حیثیت ایک سرمایہ دار کی ہوتی تھی جو تجارتی بنیاد پر صنعت کو چلاتا اور عوام کی ضروریات کو فراہم کرتا۔ لیکن پیشہ ور وہ ہوتا تھا جو آزادانہ طور پر روزی کماتا تھا۔ وہ اپنے روپیے اس کام کے عوض حاصل کرتا جو وہ کرتا تھا نہ کہ اس صنعت کے بدلے جسے وہ چلاتا تھا۔ چنانچہ ٹیکس بھی اسی اعتبار سے عاید کیے جاتے تھے۔ پیشہ ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو مزدوروں اور عمال پر عاید کیا جاتا تھا جبکہ صنعتی ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو صنعتوں پر عاید کیا جاتا تھا۔

ٹیکس کی شرحیں مندرجہ ذیل تھیں :۔

کیک کولا (KAIKKOLA) بھر جس کے پاس ایک چالو کرگھا ہو ۔۔۔ ۴/۱ پنم

Marfat.com

بنکر (WEAVER) پر جس کے پاس چالو کرگھا نہ ہو (ادیتری) (ADAITARI) — 2 پنم

شالیا (SALIYA) (بنکر) پر فی کرگھا — 9 پنم

جالی بننے والے اس کرگھے پر جو کام کے لائق ہو — 3 پنم

جالی بننے والے اس کرگھے پر جو کام کے لائق نہ ہو — 1½ پنم

(تنجور ضلع کے تیرو ویگاوور مقام میں[151])

پرائیہ (PARAIAHS) لوگوں کے ہر کرگھے پر — ¼ پنم

(جنوبی ارکٹ ضلع کے وردا کلم مقام میں)

چنگلی پٹ ضلع میں پولپ پر کوئیل مقام کے کرگھے پر[153] — 2 پنم

اسی ضلع میں ویلور (VAYALUR) مقام کے کرگھے پر[154] — 3 پنم

امتیازی ٹیکس (DIFFERENTIAL TAXATION) اس زمانہ میں غیر معروف نہ تھے اس کا اندازہ چند صنعتوں پر عاید ٹیکسوں کی مندرجہ ذیل شرحوں سے ہوتا ہے۔

ان باشندوں کے کرگھے پر جو اراضی کے مالک تھے۔ ۴ پنم کی ایک کدمائی اور 2 پنم کا ایک آیم (AYAM)

نو آباد لوگوں کے کرگھوں پر 3 پنم کی ایک کدمائی اور ½1 پنم کی ایک آیم۔[155]

لیکن دوسری صنعتوں پر عاید ٹیکس کی واقعی شرحیں ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ہیں۔ کرگھوں (تریک کدمائی (TARIKKADMAI)[156]) "تیل کی ملوں (شیک کو کدمائی (SEKKUKADMAI)[157] آری شی کانم (ARISIKANAN)[158]، سونے (پون وری (PONVARI)[159] اور اعلیٰ قسم کے سونے (شیم پون وری (SEMPONVARI)[160] چارہ تیار کرنے (پول وری (PULVARI)[161] اور بھیڑوں کے گلے۔[162] اور دھاگے نولایم (NULAYAN)، ریشمی دھاگے (پٹا دینولایم PATTADAINULAYAN)[164] کشتی رانی (مرک کلم (MURAKKALAM)[165] اور ساحلی کشتی سے حاصل ہونے والی آمدنیوں پر ٹیکس عاید تھے۔[166] کرگھوں کے لیے مہریں STAMPS بنانے کی صنعت پر بھی ٹیکس عاید تھا۔[167] یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سرکاری کرگھوں کو بھی ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔[168] جنگل کی زمین نیلام میں حصہ لینے والوں کو اجارہ پر دے دی جاتی تھی۔[169] ایک اور ٹیکس تھا جو بھٹی کا ٹیکس (FURNACE TAX) کہلاتا تھا۔ رائس بظاہر اس ٹیکس کو پیش نظر رکھ کر لکھتا ہے کہ موسم سرما میں ایک مخصوص طبقہ پہاڑوں سے نکلنے والی نہروں سے

Marfat.com

سیاہ بالو اور مٹی اکٹھا کرتا تھا جس سے وہ لوہا نکال لیتا تھا جو زراعتی اور دیگر ضرورتوں میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ کچا لوہا ایک قسم کی بھٹی یا ایک بڑے چولھے پر جسے ہومل (HOMMAL) کہا جاتا تھا، پگھلایا جاتا تھا۔ تارکول کے حصول کے لیے جنگل کی لکڑیاں کاٹنے اور دھات کی کھدائی کی اجازت حاصل کرنے کے لیے انھیں ہوم لگوتا (HOMLAGUTTA) نامی ایک سالانہ مالگذاری ادا کرنی پڑتی تھی جو اس ضلع میں تیار کیے جانے والے لوہے کی مقدار کے تناسب سے ہوتی۔[171]

اتنی ہی اہمیت کی حامل ایک دوسری صنعت، جس پر ٹیکس عاید تھا، ہیروں کی صنعت تھی۔ ادپنائق (ADAPANAYQUE) کو، جو وجے نگر کے اس دروازہ کا مالک تھا جس سے ہو کر ہیرے آتے تھے، بادشاہ کو سالانہ ۴۰ ہزار پرداؤ ادا کرنے ہوتے تھے، اس شرط کے ساتھ کہ جو ہیرے وزن میں بیس من گیلن (MANGELINS) سے زیادہ کے ہوں گے وہ بادشاہ کو اس کے خزانے کے لیے دیدیئے جائیں گے۔ اس طرح اگرچہ کان کنی کی صنعت ادپنائق کے ہاتھوں میں تھی لیکن اعلیٰ قسم کے تمام ہیرے اس کو بادشاہ کے حوالے کر دینے پڑتے تھے۔[172]

۶۔ فوجی محاصل (MILITORY CONTRIBUTIONS) مملکت کی فوج اور قلعوں کی رکھوالی کے لیے عوام پر بعض ٹیکس عاید تھے۔ اس طرح کے ٹیکسوں میں یہ ٹیکس تھے۔ دلویلی (DALAVILI) فوجی ٹیکس[173] اور دنّائے کسوامیا (DANNAYAKASVAMYA) دنّائے کرمگمائی (DANNAYA KARMAGHAI) (سپہ سالاروں کو دیا جانے والا ٹیکس)[174] پدائیک کانکائی (PADAIKKANIKKAI) (فوج رکھنے کے لیے دیا جاتے والا ٹیکس)[175]۔ اور سن آیا (SANAYA) سین آیا؟ (SENAYA)، جو غالباً فوج رکھنے ہی کے لیے دیا جانے والا ایک ٹیکس تھا[176]، مقامی قلعوں کے اخراجات کے لیے کوتائی مگمائی (KOTTAIMAGAMAI) (قلعہ کو دیا جانے والا ٹیکس) وصول کیا جاتا تھا۔[177] میلوریٹ کے ایک کتبہ میں بیرنجی (BIRANGI) ٹیکس (توپ کا ٹیکس) کا تذکرہ ملتا ہے۔[178] کوتائی پنم (KOTTAIPANAM) یا کوتائپ پدی وو (KOTTAIPPADIVU) نامی ایک اور ٹیکس تھا۔ جو اس زمانہ میں تینی ویلی ضلع میں اور موجودہ ٹراونکور ریاست میں وصول کیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ فی کوتائی ایک سو چھبیس پنم زبردستی وصول کیا کرتے تھے۔ بظاہر یہ بھی ایک فوجی ٹیکس تھا جو قلعہ بندی اور دفاعی دیواروں کی دیکھ بھال کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔[179]

ایک ٹیکس مفتوحہ ملک کی دفاع کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔[180] تین ٹیکس اور تھے جو عوام سے وصول کیے جاتے تھے ان کے نام پٹائے کانکائی[181] ویل وری (VELVARI)[182] اور شول وری (SULAVARI)[183]

Marfat.com

تھے پہلا تلوار یا فوج کے لیے ایک ٹیکس تھا شاید یہ ایسا ٹیکس تھا جو یا تو حکومت کے ذریعے فوج رکھنے کے لیے لیا جاتا تھا یا غالباً یہ تلوار رکھنے کی لائسنس فیس تھی۔ دوسرا ٹیکس غالباً ایک کمان رکھنے کی لائسنس فیس تھی۔ اور غالباً تیسرا ٹیکس بھی ترشول کی لائسنس فیس تھی۔

7۔ سماجی اور فرقہ وارانہ ٹیکس۔ کچھ سماجی ٹیکس عوام اور ان کی تنظیموں سے وصول کیے جاتے تھے۔ یہ ٹیکس یا تو حکومت کے ذریعہ وصول کیے جاتے تھے اور اس کی اپنی دیگر آمدنیوں میں شامل کر لیے جاتے تھے یا پھر انھیں عوامی یا سماجی اداروں مثلاً مندروں یا اسکولوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض مخصوص فرقوں کی بہبود کے لیے مقامی حکام وصول کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک ٹیکس ڈومبری پنو[183] (DOMBARIAPANNU) تھا جو ملک میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے والے عوام کے ایک فرقہ ڈومر (DOMBARA) کی فلاح و بہبود کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔ چند دیگر ٹیکس شادی بیاہ جیسے رسمی تقریبوں پر عاید کیے جاتے تھے جبکہ بعض دوسرے ٹیکس (مگمائی) مقامی مندروں میں ہونے والے تہواروں پر وصول کئے جاتے تھے۔ آخر میں کچھ پیشکشیں تھیں جو جاگیردارانہ نوعیت کی تھیں۔ جنھیں جاگیردار کچھ موقعوں پر بادشاہ کو دیا کرتے۔ پائز لکھتا ہے کہ "جب کبھی اس بادشاہ (کرشن دیو رائے) کے یہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہوتی ہے تو مملکت کے سارے امرا اسے بڑے بڑے تحائف نقد یا قیمتی جواہرات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ ایسا ہی یہ لوگ ہر سال اس کی پیدائش کے دن کرتے ہیں"[185]

شادی بیاہ پر عاید ٹیکس کے پیچھے ایک طویل تاریخ تھی اور اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ چولا (COLA) عہد ہی سے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا رہا ہے جیسا کہ ان کتبات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں کل لانا کانکائی (KALLANAKANIKKAI) کا ذکر ہے۔ ٹیکسوں کی شرحیں شادی کی قسموں کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھیں۔ ایک کتبہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے ٹیکس مندرجہ ذیل شرحوں کے مطابق وصول کیے جاتے تھے۔

ایک لڑکی کی باقاعدہ شادی پر، ا۔ بگیلوون (BEGILEVANA) (دروازے کا ہن) اور ایک دیورہن ([illegible]) (خدا کا ہن)

ایک عورت کی کودیک (UOTEE) شادی پر، مذکورہ بالا رقم کا نصف[186]

شادی کی باراتوں[187]۔ پنڈالوں[188]۔ صندل کے سفوف کے چھڑکاؤ کی رسم اور پالکی کے جلوس پر بھی[189] ٹیکس وصول کئے جاتے تھے۔

Marfat.com

ریاست کی سماجی تنظیمیں بھی حکومت کو چند ٹیکس ادا کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح کے ٹیکس ایدن گائی (IDANGAI) اور ولنگائی (VALANGAI) فرقوں پر[190] اور جنگموں (JANGAMAS) اور مدیگاؤں (MADIGAS) اور جیاروں (JIYURS) پر[191] عاید تھے۔ گنکاردر (GANACARADERA) نامی ایک فیس بھیکاریوں سے وصول کی جاتی تھی[192]۔ اس کے علاوہ جلسوں پر بھی ٹیکس عاید تھے[193]۔ پٹی رائی (PATTIRAI) (؟) پٹارائی (PATTARAI) (انجمنوں پر ٹیکس عاید تھے[193] اور سم ادم (SAMADAM) (اٹھارہ ذاتوں کے ذریعہ ادا کیا جانے والا ایک ٹیکس)[194] بھی قابل ذکر ہیں۔ ہمیں ایک ٹیکس انگسالائی وری (ANGASALAI VARI) کا بھی حوالہ ملتا ہے جو غالباً تفریحات پر ایک ٹیکس تھا[195]۔

گاؤں کے محافظ دیوتا (GUARDIAN DEITY) کے مندر کی دیکھ بھال کے لیے پیداوار پڈری (PIDARIVARI) [196] نام کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اور مندروں کی بعض تقریبات منانے کے لیے ایک مقامی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ ایک کتبہ کی نقل سے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تمکور (TUNKUR) ضلع کے مداگیری (MADDAGIRI) تعلقہ کا ہے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوی کالیکا کامتیشور درگا ہن کالی (GODDESS KALIKA KAMATE SVARA DURGA MAHANKALI) پر اپنے ذاتی چڑھاوے اور چراغاں کے لیے لوگوں سے مندرجہ ذیل شرحوں پر ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ پانچ آیا پنچالاؤں (AYAPANCALAS) سے فی مکان 3 پن (PANAS) کا ایک سالانہ، ان کے یہاں کی ہر شادی پر ایک ہن (HANA)، حجامت پر 2 ہن، (کسی) مبارک رسم پر ایک ہن، نام رکھنے کی رسم پر ½ ہن، کاتک کے مہینہ میں چراغوں کے لیے تیل پر ½ مان (MANA)، اس بڑھئی سے جو گنے کی مل کا پیچ (SPIRAL) بناتا ہے ½ ہن نعلیسر سے ½ ہن، نام ہلی بیکا (HALIBAIKA) دیہاتوں سے ایک سالانہ خراج (یہاں پر دیہاتوں کے نام اور ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ ادا کی جانے والی شرح کا تذکرہ ہے) نگرتاؤں اور بھیریوں (NAGAR TAI AND BHERIS) سے ایک بیل، تیلیوں، دیوانگاؤں (DEVANGAS) اور دوسرے سے فی مکان ایک ہن اور وقتاً فوقتاً ہونے والے تہواروں پر (جن کے نام مذکور ہیں) چنگیوں کے محاصل پر ½ سیر تیل، ایک ناریل، لوبان، سپاری، پان، ہلدی اور زعفران کا 2 دو DU اور درگا مہیشوری کے جشن رتھ (FESTIVAL) کے لیے کورتیگرے (KORATAGERE) کے ہر گھر سے 2 دد کا ایک ٹیکس[197] ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کے

Marfat.com

مقامی ٹیکس سماجی مقاصد اور مقامی تقریبوں کے لیے وصول کیے جاتے تھے۔

ان ٹیکسوں میں سب سے زیادہ غیر مقبول شادیوں پر عاید ٹیکس تھے۔ یہ ٹیکس عموماً شادی کے موقعوں پر ہر ذات کے دولہا اور دولہن دونوں ہی ادا کرتے تھے۔ وجے نگر کے کئی صوبوں میں شادیوں پر عاید ٹیکسوں کو معاف کر دیئے جانے کا سہرا اس دور کے کتبات کرشن دیورائے کے سر باندھتے ہیں۔[198] ایک دستاویز کے مطابق سالووا تماپیا (SALUVA TIMMAPPAYYA) سالووا گووندیا (SULUVA GOVINDAYYA) اور اداپینا ٹے نگارو (ADAPINA YANINGARU) نے، جو اہم وزراء میں سے تھے، عوام کے لیے اس معافی کے حصول میں اہم رول ادا کیا تھا۔[199] اسی طرح وہ ٹیکس جو باراتی شادیوں میں جانے کے وقت ادا کرتے تھے، سلتی ناد (SALINAD) کے عوام کے حق میں معاف کر دیا گیا۔[200]

جہاں تک ٹیکسوں کی نوعیت اور ان مواقع کا تعلق ہے جن میں انھیں وصول کیا جاتا تھا، ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ ٹیکس عوام پر زیادہ گراں نہ گذرتے ہوں گے۔ لیکن اس طرح کے چند ٹیکسوں کی منسوخی عوام کے لیے زبردست سکون واطمنان کا باعث ہوتی ہوگی۔ اس طرح کی منسوخی پر عوام کا عام اطمنان غالباً اس بنا پر تھا کہ عوام مختلف قسم کے سماجی جلسوں پر اس طرح کے پریشان کن ٹیکسوں کے عاید کیے جانے کے اصول کے مخالف تھی اور اس مخالفت کا تعلق ان پر عاید کیے جانے والے ٹیکسوں کے بوجھ یا دوسری باتوں سے نہ تھا۔

8 - عدالتی آمدنی اور جرمانے :- ریاستی آمدنی کا ایک حصہ جرمانے تھے۔ یہ جرمانے غلطیوں، ایذا رسانی، چوری، زنا اور زیادتی پر عاید کیے جاتے تھے۔[201] اس کے علاوہ ایک مویشی خانہ کی فیس تھی جو حکومت آوارہ مویشیوں پر وصول کیا کرتی تھی۔[202] اس کے علاوہ ڈنڈ کے سلسلہ میں بھی خراج وصول کیے جاتے تھے۔[203] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبائی حکمران یا کسی ذات کے سردار کو حکومت کی طرف سے انصاف کرنے کا حق دے دیا جاتا تھا۔ جس کے لیے اسے ریاست کو ایک مقررہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ غلط کام کرنے والوں سے اپنے عاید کردہ جرمانے وصول کر سکتا تھا اور اس مد کے تحت مقررہ رقم حکومت کو ادا کرنے کے بعد منافع کو اپنے تصرف میں لا سکتا تھا۔ رائس (RICE) نے اس نظام کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حکومت مختلف قسم کے پست طبقوں کے کچھ عمر رسیدہ لوگوں کو اپنی اپنی ذات میں سردار مقرر کر دیتی تھی تاکہ وہ انصاف کا نفاذ کر سکیں یہ سردار اپنے عوام کے خلاف کسی شکایت پر اس کی چھان بین کرتے اور اگر انھیں قصوروار پاتے تو ان پر جرمانہ

Marfat.com

عاید کرتے ۔ یہ جرمانہ یا سزا قانون اور مقدمہ کی نوعیت کے مناسبت سے ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک شوہر کو جو اپنی بیوی پر زنا کا الزام ثابت کر دیتا، اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اسے اپنے ہی ذات کے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے اور قیمت کو اپنے تصرف میں لائے۔ یہ سردار ماتحت عملہ کی حیثیت سے داشریون (DESARIS) کا تقرر کرتے تاکہ وہ پست ذاتوں کی مذہبی رسومات کا انتظام کریں۔ رسومات کے آغاز سے قبل مذہبی امور کے اسی وزیر کو رسمی ٹیکس یا بخشش دی جاتی اس کے بعد انھیں تقریب منانے کی آزادی ہوتی خواہ وہ شادی کا ہو یا کسی اور سلسلہ کی۔ لیکن اگر جماعتیں مقررہ تحائف سے بے توجہی برتتیں تو داشری ناراض ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے اور کوئی دوسرا داشری اس فرض کو انجام نہ دیتا کیونکہ مداخلت کی بنا پر وہ سزا کا مستحق سمجھا جاتا ان طریقوں سے یہ سردار اپنی اپنی ذات کے لوگوں سے جرمانے حقوق اور تحائف حاصل کرتے جس میں سے ایک سالانہ ٹیکس وہ حکومت کو ادا کر دیتے ٹیکس کی اس شاخ کو سمے آچارم (SAMAYACARAM) کہا جاتا تھا اور انھیں جمع بندی کھاتے میں جمع کیا جاتا تھا[205]۔ ناٹوشیکم، (NATTULSTKKAM) نامی ایک ــــــ اور ٹیکس لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو غالباً صوبائی قید خانے کے انتظام وانصرام کے لیے تھا[206]۔

۹۔ مروجہ ادائیگیاں:۔ ان کے علاوہ چند مروجہ ادائیگیاں (CUSTOMARY PAYMENTS) تھیں سال کے بعض اہم اوقات یا مخصوص مواقع پر ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سے چند یہ تھے۔ کتی گائی اور سرم (KATTIGAI ARASARAM)، تورن کانکائی[206] (TORA- NAKANIKKAI) درشن کانکائی (DARSANA KANIKKAI) معزز اشخاص سے ملاقات کے وقت ادا کی جانے والی فیس[207]، چڑھاوے پر ٹیکس[208]، چوکیداروں کے لیئے کھانا[209]، کال واشی (KALVASI) (1/24) حصہ، انوورتنائی (ANUVARATTANAI) کووے ۔ ورتنائی (KOYAIVARATTANAI) ادھیکار ورتنائی (ADHIKARA VARATTANAI) تنائے کول (TATTAYAKOL)، پوروتم (PURAVATTAM) دشوندم (DASVANDAM) وار برو (VARAPPARRI) وغیرہ۔

اس زمانہ میں ریاستی کاموں کے لیے لوگوں سے لازمی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ کتبات میں مذکور اولیم[211] (ULIYAM) یا آل منجی (ALAMANJI) اسی لازمی محنت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح کی خدمات جھیلوں کو گہرا بنانے (ایری کولی ونا) (ERI KULI VETTA).

Marfat.com

سینچائی کے لیے دریاؤں سے پانی لانے کی خاطر چھوٹی اور بڑی نہروں کی تعمیر، اور پہاڑوں پر کام کرنے مندر کی دیواروں کی تعمیر، اور معمولی محنت کے کاموں مثلاً بوجھ لے جانے (کارو[216] کا یا شوماٹی[216] (KARU - KAOR SUMAI) کے لیے حاصل کی جاتی تھیں۔ بادشاہ کے خیموں کے لیے لکڑیوں کے بندوبست کے لیے جبری محنت لی جاتی تھی۔ اس طرح کی خدمات کو ویٹی (VETTI)، مٹی (MUTTI) ویگاری[217] (VEGARU)، ویٹی موتیال[218] (VETTIMUTTAIYAL) اور آل توائی[219] (ALTEVAI) کا نام بھی دیا جاتا تھا۔ جن اشخاص سے قلعوں کی مرمت اور وہاں تک ذخیروں کو پہنچانے کے لیے بلا اجرت جبری محنت نہیں لی جا سکتی تھی، ان پر ایک ٹیکس لگایا جاتا تھا جسے کوٹیج[220] (KOTTAGE) کہا جاتا تھا۔ تنجور ضلع میں تیرو کچھن کاتان گودی (TIRUCCENIKATTANGUDI) مقام کے ایک قیمتی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اس حد تک عوام کی اس بلا اجرت محنت (ویٹی وری) پر منحصر تھی۔ اس کتبہ میں مذکور ہے کہ ایک مندر کو تقریباً ۴۰ سے ۴۵ تک مختلف قسم کے ٹیکس بطور عطیہ دیئے گئے تھے، جو غالباً اس زمانہ میں عام طور پر محل کے ذریعہ وصول کیے جاتے تھے۔ چونکہ اس طرح کے ٹیکسوں کی ایک بڑی تعداد مندر کو عطا کر دی جاتی تھی اس لیے تنہا ویٹی وری ہی بادشاہ کے پاس باقی بچ رہتا۔[221]

۱۰۔ متفرق ذرائع۔ (MISCELLANEOUS SOURCES) مذکورہ بالا نقد، غلّے اور خدمات کی صورت میں دیئے جانے والے محاصل کے علاوہ جو حکومت یا مقامی سردار، جو حکومت کی آمدنیوں کا اجارہ دار ہوا کرتا تھا، کو دیئے جاتے تھے، بہت سے مروجہ (CUSTOMARY) ٹیکس ہوا کرتے تھے جو عوام سے لیے جاتے تھے۔ یہ مختلف نوعیت کے تھے۔ نقد غلّے یا خدمات کی شکل میں طلب کیا جاتا تھا اور جنھیں مذکورہ بالا عنوانات میں سے کسی کے تحت نہیں رکھا جا سکتا۔ ان میں سے بعض کا تو مطلب سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس طرح کے مختلف ٹیکسوں اور خدمات میں یہاں ان ٹیکسوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ان مارتم[223] (URMARATTAM)، شررایم (SIRRAYAM) متفرق ذرائع سے حاصل ہونے والی معمولی آمدنی)، ترپو[224] (TARAPPU) نیرو[224] (TAYIRU) آشوپودو (ASUPODU) مکل پیرال کولوم ویلیا شیرو (MAKKAL PERAL KOLLAM VILAIYA SERU) مانا ویت تارائی[225] (MANAVITTARAI)، نتوویتی یوگم[226] (MATTUVINIYOGAM) مادو ورتی[227] (MADAVIRATTI)، وشیش آدایم[228] (VISESADAYAM) ویری موتو (VIRIMUTTU)، من دایکان دیرم (MANDAI KANDERRAM)

Marfat.com

ملائی نگمائی (MALLAYI NAGAMAI) ، کوروکل ویشس ایم (KURUKULAVI SESAYAM)
پلدی [230] (PALADALI) ، موگم پاروائی [231] (MUGAMPARVAI)
پودو ویپادو (PUDUVIPPADU) ، ادائی وری (IDAIVARI) ، ناپ تول کے پیمانوں
پر ٹیکس [233] ، پیروری [234] (PIRAVARI) ، بانگ نیک [235] (MANAGANIKE) ، راج لگوتا
(RAJALAGUTTA) ، ٹیکس [236] ، شالج (SALAGE) ، کودی رائی ولادم - (KUDIRAI
(VILADAM) ، اوشی واشی [238] (USEVASE) ، چار ٹیکس [239] ، کسی فاضل ماہ کے دوسرے دن
پر ٹیکس [240] ، من کوتا (MANAKOTTA) ، کول یتا [241] (KOLAYATTA) اور بہت سے دوسرے
ٹیکس۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ ذاتوں کے ان افراد کی جائدادیں جن کو کوئی اولاد نہ ہوتی تھی (اپترکا)
ریاست کو منتقل ہوجاتی تھیں اگرچہ لوگ اس کو انتہائی ناگوار مانتے تھے[242]۔

قدیم ہندوستان میں بعض مرقعوں پر شاید جب حکومت فنڈ کی کمی کے باعث کسی بڑے کام
کو عملی جامہ پہنانے میں مشکلات میں پڑ جاتی یا جب ریاست پر کوئی مصیبت نازل ہوجاتی تو لوگوں سے
رقمیں طلب کی جاتیں۔ لیکن اس طرح کے لازمی مطالبات وجے نگر کے مالیاتی نظام کی ایک مستقل
خصوصیت تھی، ہمیں اس قسم کے ٹیکسوں کے متعدد حوالے ملتے ہیں[243]۔ میسور ضلع کے گنگاوادی مقام کے
ایک کتبہ مورخہ ۹ء ۱۴۱۹ میں بیڈیج (BENEINENCCBEDIGE) ، وصول کرنے
اور اس رقم کو نن جناتھ (NANJANATHA) دیوتا کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے اس
حق کا تذکرہ ملتا ہے جسے نن جیرسوا ادے یار (NANJARASAVA UDAIYAR) نے دیا
تھا[244]۔ حسن ضلع کے منجر آباد تعلقہ کی ایک دوسری دستاویز میں درج ہے کہ یرکرشن اپا نایک
(YERKRSNAPPA NAYAK) نے اسرولی (YSRAVALI) میں بیدیج اور چند دیگر ٹیکسوں
کو وینکٹپا نایک (VENKATAPPANAYAK) کی خاطر معاف کردیا تھا[245]۔ تامل کے کتبات میں
مذکور کتایم (KATTAYAM) اسی قسم کے ایک دوسرے ٹیکس کا نام تھا[246]۔ مثال کے طور پر دیوا رائے
دوم نے حکم دیا تھا کہ بعض دوسرے ٹیکسوں کے علاوہ تیروورّی یور (TIRIUVORRIUR)
کے مندر کے حکام اس ٹیکس کو وصول کرسکتے ہیں[247]۔

ریاست وجے نگر کے نظام کا جائزہ ہمارے سامنے حکومت کے ذریعہ مختلف مقاصد کے
لیے وصول کیے جانے والے بے شمار ٹیکسوں کا ایک خاکہ پیش کردیتا ہے۔ لیکن ریاست کے محاصل

Marfat.com

میں اور بھی اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ کرشن دیو رائے اپنی آمکتا مالیاد میں بتاتا ہے کہ ریاست کے مالی ذرائع کو کس طرح بڑھایا جاسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔ ریاست کے مالی ذرائع کو بڑھانے کے لیے اس کے رقبہ کو بڑھانا ضروری ہے لیکن اگر اس کا رقبہ بہت چھوٹا ہو اور اس کا بڑھانا ممکن نہ ہو تو اگر اس کے تالابوں اور نہروں میں اضافہ کر دیا جائے اور کھیتی کرنے والی رعایا کو کاشت کاری اور پیداوار کی تقسیم دونوں میں رعایتیں بہم پہونچا کر اس کے ذرائع کو ترقی دینے میں اسکی مدد کی جائے تو یہ بات ریاست کی خوشحالی اور اس کی دولت دونوں ہی کے اضافہ میں معاون بنے گی۔[23] کرشن دیو رائے نے زراعتی مقاصد کی خاطر پانی مہیا کرنے کے لئے اپنے دار السلطنت کے قریب ایک جھیل بنوائی تھی۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ اس عمل سے ریاست کی سالانہ آمدنی میں بیس ہزار پرداؤ (PARADAOS) کا اضافہ ہوگیا تھا۔[24] کرشن رائے بلاشبہ محض ایک نظریہ پرست نہ تھا۔

اسی طرح چنگل پٹ ضلع کے شری پیرومبودور (SRIPERUMBUDUR) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1565ء میں مذکور ہے کہ ایک مہامنڈلیشور (MAHAMANDALESVARA) نے (جس کا نام بدقسمتی سے کتبہ میں محو ہوگیا ہے) شری پیرومبودور کے سینچائی کرنے والے تالاب کی مرمت پر اور اس کی وسعت میں اضافہ کی خاطر 150 پن خرچ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ وسیع کردہ تالاب آئے کوٹ (AYACUT) کی فاضل آمدنی کو دیوتا آدی کیشو پیرومان (ADIKESAVAPERUMAN) اور امبرومانار (EMBERUMANAR) پر چڑھاوے کے لیے استعمال کیا جائے۔[25]

فصل دوم

وصولی کا طریقہ

عہدِ وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان میں ٹیکسوں کی ادائیگی عموماً نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں ہوا کرتی تھی۔ گاؤں اور چھوٹے شہروں میں مقامی غلّے کے گودام ہوا کرتے تھے جہاں ریاست کا وہ حصّہ جو جنس کی شکل میں وصول ہوتا تھا ذخیرہ کیا جاتا تھا۔[26] کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ریاست کی آمدنی سکل سورن اَدایم (SAKALASVARANADAYAM) اور سکل بھگت ادایم (SAKALABHAKTADAYAM) یا نلمودل (NELMUDAL) اور ریون

Marfat.com

مودل (PONOMUDAL) پر مشتمل ہوتی تھی[252] ۔ چولا عہد کے کتبات میں آمدنی کے ان دو ذرائع کے لیے جو واقعی اصطلاح استعمال کی گئی ہے وہ غالباً نیل لایم (NELLAYAM) اور کاشایم (KASAYAM) ہے[253] ۔ پودوکوتائی ریاست کے بعض وجے نگری دستاویزات میں نیل مودل (NELMUDAL) اور پون مودل (PONMUDAL) کے الفاظ کو علی الترتیب غلّہ اور جنس کی شکل میں وصول ہونے والی ریاست کی آمدنیوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے[254] ۔ چنگلی پٹ ضلع کے کنجی ورم مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1374ء میں نیل لایم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال وجے نگر کے زمانہ میں بھی جاری رہا۔ شمالی ارکٹ ضلع کے دیوکا یورم مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1529ء میں بھی "سونے اور غلّے کی شکل میں وصول ہونے والے ٹیکسوں" کا تذکرہ ملتا ہے[255] ۔ اس طرح ہمارے پاس کتبات کے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے محاصل کی وصولی جنس اور نقد دونوں ہی صورتوں میں ہوتی تھی اور جیسا کہ سر تھومس منرو (THOMAS MUNRO) کہتے ہیں، غالباً قیمتوں کی شرح کے مطابق پہلی یا دوسری جو صورت بہتر ہوتی[257] ۔

ہری ہر رائے چاہتا تھا کہ جنس کی شکل میں ادائیگی کو نقد ادائیگی میں تبدیل کر دے اس تبدیلی کے لیے "زمین کی مقدار، مطلوبہ بیج اور غلہ میں اوسط اضافہ اور اس کی قدر و قیمت پر مبنی ضوابط متعین کیے گیے"۔ زمین کی اوسط پیداوار کو بوئے گئے بیج کا بارہ گنا قرار دیا گیا۔ لیکن جیسا کہ ساؤتھ کنارا مینوئل (SOUTH CANARA MANUAL) کے مصنف اسٹروک (STURROCK) کا خیال ہے کہ "مذکورہ بالا طریقہ کار کے مطابق روپیے کی شکل میں ٹیکسوں کی ایک ایسی شرح کے تعین کے لیے جو ضلع کی مجموعی پیداوار کے کسی معین تناسب کی حامل ہو، تین باتوں کو قطعی طور پر جان لینا ضروری ہے :۔ اول بیج کے مقابلہ میں فصل کا تناسب، دوم کاشت کردہ زمین کی مقدار، سوم غلہ کی قیمت"[258] ۔ جہاں تک پہلے مسئلہ کا سوال ہے، فصل اور بیج کے درمیان 12 : 1 کا مفروضہ تناسب بہت سے معاملات میں درست نہ تھا۔ چند معاملات میں یہ اس سے کم تھا جتنا مالکان زمین سے عام حالات میں طلب کیا جا سکتا تھا[259] ۔ دوسرے ٹیکس کی شرح کے تعین کے لیے زمین کی کوئی مستقل اور منظم پیمائش نہیں ہوتی تھی[260] ۔ اب رہی تیسری بات تو جیسا کہ اسٹروک (STURROCK) کہتا ہے یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ جو اطلاعات [اس وقت] تھیں وہ تمام تر درست تھیں[261] ۔

لیکن لگان تقریباً 1400ء تک نقد اور جنس کی شکل میں وصول کی جاتی رہی۔ دیو رائے دوم

Marfat.com

کے زمانہ کی شری رنگم کی تختیاں بتاتی ہیں کہ ریاست کو اس کے محاصل سونے اور غلّے دونوں ہی شکلوں میں وصول ہوتے تھے۔ جنوبی ارکٹ ضلع کے شری موسنم (SRIMUSNAM) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق کدمائی، کانکائی، کودی، مادوک کانکائی (MADUKKANIKKAI) ، پوروری (PURVARI) اور وینی یوگم (VINIYOGAM) کے لیے ریاست روپیے وصول کرتی تھی۔[263]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لگان ریاست جنس کی شکل میں وصول کیا کرتی تھی جب کہ اراضی پر عاید ضمنی ٹیکس نقد وصول کیے جاتے تھے وہ سدھایا (SIDHAYA) "یا وصول کردہ" محصول، کے نام سے معروف تھے۔ جنس کی شکل میں ادائیگی کے نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے سرتھومس منرو لکھتے ہیں پیداوار کے ایک حصّہ کو حکومت کے ٹیکس کی حیثیت سے جنس کی شکل میں ادا کرنے کا طریقہ بھی حالات کے مطابق نہایت موزوں ہے کیونکہ رعایا سے پیداوار کا نصف یا جو بھی اس کا حصّہ ہو۔ اس کا تعین ہوتا ہے۔ خواہ فصل کم ہو یا زیادہ اور اس لئے بھی کہ رعیت کو بھی اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اگر فصل مکمل طور پر ناکام ہو گئی اور وہ ادائیگی کے قابل نہ رہا تو اس سے لگان کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ اس طرح کا نظام رعیت کو ایسے مطالبات کے ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کے لیے جنھیں وہ ادا نہ کر سکے۔ زیادہ موزوں ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے دولت مند بنانے کی کوشش کی جائے (فصل کی) تباہی کے موقع پر محاصل کی ادائیگی سے رعیت کا تحفظ ہی غالباً اس نظام کا واحد مفید پہلو تھا لیکن یہ ایک ایسا فائدہ ہے جس کی ضرورت محض ایک ناقابل تبدیل نظام ہی میں پڑ سکتی تھی۔ ٹیکس کی شرح کے تعین کے کسی زیادہ لچکدار نظام میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔[264]

۱۷۵۵ء میں ریاست کے محاصل کی وصولی کے طریقہ کار میں ایک تبدیلی لائی گئی۔ ٹیکسوں کی نقد وصولی میں جو دقت تھی اس پر تنجور ضلع کے تیرونکوتائی (TIRUNAKKOTTAI) مقام کا ایک کتبہ واضح طور پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں پلائیور عرف بھوتی رائے سمدرم کے مہاجنوں کے نام یہ حکم درج ہے کہ نقد اور غلّے کی شکل میں ٹیکس وصول کیے جانے کے مروجہ طریقے کے بجائے غلّے کی شکل میں ٹیکسوں کی وصولی کے پرانے طریقے کو جاری کیا جائے جس میں ملک کا تحفظ ہے[265] جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کا خیال ہے کتبہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک زمانہ میں نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں ٹیکس کی وصولیابی کے طریقہ کو اختیار کیا گیا تھا لیکن جب اول الذکر طریقہ سے وصولی میں دشواری محسوس کی گئی تو اسے ترک کر دیا گیا۔[266]

بہر حال خشک اراضی کا معاملہ قطعی مختلف تھا۔ ان کے محاصل صرف نقد ہی وصول کیے جاتے

Marfat.com

تھے۔ ہمیں کوئی کتبہ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ خشک اراضی پر ریاستی ٹیکس جنس کی شکل میں وصول کیے جاتے تھے۔ ایک کتبہ میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اراضی پر ٹیکسوں کو نقد اور جنس دونوں ہی شکلوں میں لیے جانے کا ذکر ہے وہیں خشک فصلوں کے ٹیکسوں کو صرف نقد ادا کرنے کو کہا گیا ہے مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ تنجور ضلع کے تیرووائیگادور مقام سے دستیاب دیورائے دوم کے ایک کتبہ میں تر زمین کے لیے ریاست کو دیئے جانے والے ٹیکسوں کی شرح کا ذکر جنس اور نقد دونوں ہی شکلوں میں کیا گیا ہے جب کہ خشک اراضی اور فصلوں پر صرف نقد کی شکل میں ٹیکس لگائے جاتے تھے، کیلا، گنا، بنگالی چنا، سپاری اور کٹہل کے درخت تمام کے تمام اسی فہرست میں آتے تھے۔

جہاں تک خود ٹیکس کی وصولی کا تعلق ہے اس کے لیے چار مختلف طریقوں کو اپنایا گیا تھا۔ پہلا طریقہ وہ تھا جس میں محاصل کی وصولی کے لیے حکومت خود اپنے ملازمین مقرر کرتی تھی۔ دوسرے میں حکومت اپنے محاصل کو نیلام میں حصہ لینے والے افراد کو اجارہ پر دیدیا کرتی تھی۔ تیسرے میں حکومت گاؤں کے لوگوں کی اس جماعت یا گروہ کے ساتھ معاملہ کرتی تھی جو اس دیہات یا کئی دیہاتو کے مجموعہ کے محاصل کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی اور چوتھی صورت میں حکومت فوجی خدمت اور حکومت کو ایک مقررہ خراج کی ادائیگی کے عوض مملکت کے حصوں کو بعض اشخاص کے سپرد کر دیتی تھی جنھیں نایک کہا جاتا تھا۔

(ا) کتبات کی ایک بڑی تعداد میں گاؤں کے چند ایسے حکام کا تذکرہ ملتا ہے جو عطیات (GRANTS) دیتے تھے یا ٹیکسوں کو معاف کر دیتے تھے۔ یہ لوگ عموماً حکومت کے ذریعہ مقرر کئے جاتے تھے اور ریاست کے محاصل کی وصولی کی نگرانی کرتے تھے۔ یہاں یہ تفریق ضروری ہے جو ایک معمولی گاؤں کے درمیان جس کی آراضی عموماً رعیت واری بنیاد پر باشندگان کے قبضہ میں ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے گاؤں والوں کا اپنے معاملات میں حکومت کے ساتھ کوئی مشترکہ معاملہ نہ تھا اور ایک مشترک گاؤں کے درمیان تھی جس آراضی مشترک قبضہ میں ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان پر مشترکہ کاشت کی جاتی تھی۔ یا کم از کم ان کی پیداوار کو ہر ایک کے حصہ میں آنے والی زمین کے تناسب سے مالکان زمین کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر صورت میں گاؤں والے حکومت کے ساتھ اپنے معاملات اجتماعی طور پر کرتے تھے۔ لیکن رعیت واری گاؤں میں ریاست کے محاصل کی وصولی کے لیے بادشاہوں کو زیادہ تر خود اپنے افسر مقرر کرنے ہوتے تھے۔ 1360ء کے ایک کتبہ میں ہمیں میدیور (MEYDEVAR) نامی ایک افسر کا تذکرہ ملتا ہے، جو ولی ناد

Marfat.com

(PULINAD) ٹیکسوں کا اخراج تھا اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مملکت میں کسم افسران (شون گدا۔ ادھیکاری)، ہوا کرتے تھے۔ جن دیہاتوں میں ان افسران کا تقرر ہوتا تھا ان کے بارے میں ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یا تو وہ افسران رعیت داری ہوا کرتے تھے جس کی واحد خصوصیت اراضی کی انفرادی اور جداگانہ ملکیت تھی یا وہ شاہی خالصہ کے گاؤں تھے جہاں حکومت کے افسران ٹیکس وصول کرتے اور انھیں خزانہ میں داخل کر دیتے تھے۔ اس طرح شاہی اراضی کی حیثیت سے بادشاہوں کی ملکیت میں بڑی بڑی آراضیاں تھیں جن کی لگان کی وصولی خود ان کے افسران کیا کرتے تھے۔

(ع) محاصل کی وصولی کا دوسرا طریقہ اجارہ کا تھا جس کے مطابق کسی خاص علاقے یا صوبے کے محاصل کو سب سے زیادہ رقم دینے والے کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا وہی اس علاقے کے محاصل کی وصولی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مملکت وجے نگر کے اس نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے مورلینڈ لکھتا ہے "یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ سترہویں صدی میں سرزمین وجے نگر کا زرعی نظام گولکنڈا کی مسلم مملکت کے نظام کے مماثل تھا یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے کہ اول الذکر نے موخر الذکر سے ایک نئے نظام کو حاصل کیا ہو۔ زیادہ قرین قیاس یہ نتیجہ ہے کہ تیرہویں صدی کے اواخر تک اجارہ داری جنوبی ہندوستان میں ہندو زرعی نظام کی بنیادی حیثیت حاصل کر چکا تھا" نیز یہ کہ جب علاء الدین خلجی نے (دکن میں) نئے علاقے حاصل کیے جو بعد میں دکنی سلطنتیں بن گئیں تو اس نے اس نظام کو اپنا لیا[26]۔ اور وجے نگر کی ہندو مملکت میں پھر اجارہ داری کے شرائط پر صوبائی گورنروں کی تقرری کا طریقہ رائج رہا اور یہ ممکن ہے کہ اجارہ داری کا نظام صوبوں سے مملکت کے گاؤں تک پھیلا رہا ہو جیسا کہ مملکت کے سقوط کے بعد یقیناً تھا[27]۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مورلینڈ دو نظاموں کے درمیانی فرق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک وہ جس کے ذریعہ محاصل کو بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا اور دوسرا وہ جس کے ذریعہ اراضی کو ایک مقررہ خراج اور جنگ کے موقعوں پر ایک فوجی دستے کے عوض کچھ افراد کو دیدیا جاتا تھا۔ حقیقتاً ایک (نظام) دوسرے سے مختلف ہے۔ پہلے (نظام) کے مطابق جس کے ذریعہ محاصل کو بولی بولنے والوں کو اجارہ پر دیدیا جاتا تھا۔ ٹھیکہ داروں ([illegible]) یا کرایہ داروں (RENTERS) کا جیسا کہ وہ اسی نام سے پکارے جانے لگے تھے۔ بادشاہ کی فوجی خدمت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ ہی وہ اپنی زیر نگرانی جاگیر کا انتظام وانصرام کرتے تھے۔ وہ حکومت کو محض ایک مقررہ رقم ادا کرنے کے پابند تھے۔

یہ بات کہ حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا اس عہد کے ادب اور کتبات دونوں

Marfat.com

ہی طرح کے شواہد سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ نونیز وجے نگر کے اصل دروازے کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسے ہر سال بارہ ہزار پرداؤ پر کرایہ میں دیدیا جاتا تھا[273]۔ اس زمانہ کے کتبات میں کتوگوتنگائی (KATTIIGUTTAGAI) اور گوتیج (GUTTEGE) نظاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس کا مطلب ٹھیکہ کا نظام ہی ہے ان ٹیکسوں اور لگانوں کو جو نقد کی بنیاد پر ٹھیکہ پر دیئے جاتے تھے بسا اوقات سدھایا کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہری ہرادے یا رائے نے یہ اصول (DHARMA) بنایا تھا کہ آرگا (ARAGA) شہر کی مقررہ لگان (سدھایا) اور مجموعی ٹیکس 100 سو وراہ (VARAHAS) ہونا چاہئے۔ چنگی اور نگرانی کرنے والوں کے ٹیکس گذشتہ شرح کے مطابق ہوں۔ اتنا ہم جاری رکھیں گے۔" ہری ہر کے اس دھرم شاسن کو سداشیو نایک اور رام رائے نے جاری رکھا اور 1545ء میں آرگا کے بنکپا شیٹی (BENAKAPPASETTI) اور بعض دوسرے افراد کو عطا کر دیا۔ ماہی گیری کے مقامات کو بھی ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا۔ شمالی آرکٹ ضلع کے کودن گلور (KODUNGALUR) مقام کے ایک کتبے مورخہ 1522ء میں مذکور ہے کہ دلوائے شوپا نایک (DALAVAY SEVAPPA NAYAK) نے کودن گلور کے تالاب کی ماہی گیری کے ٹھیکہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بادشاہ کے نمائندہ تیرو ملائی نایک کو تالاب کو گہرا کرنے کے لیے بطور انعام دے دی تھی۔ بسا اوقات حکومت کسی خاص مقام پر عاید تمام ٹیکسوں کے بدلے یکمشت رقم وصول کر لیا کرتی تھی۔

ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے اس نظام سے متعلق بچنن (BUCHANAN) چند باتیں لکھتا ہے۔ گاؤں کے بڑے گودا (GAUDA) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جو گاؤں کا سب سے بڑا اجارہ دار بھی تھا وہ لکھتا ہے کہ "وہ حکومت کے سارے ٹیکسوں کو وصول کرتا تھا۔ اور ایک رقم حکومت کو ادا کرنے پر تیار رہتا تھا اور گاؤں کے اصول وضوابط کے مطابق جتنا وہ بنا سکتا تھا، بنا لیتا تھا[275]۔ گودا (لگان دار) کا یہ عہدہ عام طور پر موروثی ہوا کرتا تھا۔ اپنی اس آمدنی کے علاوہ جو اسے وصول کردہ محاصل کی رقم اور حکومت کو ادا کردہ رقم کے درمیانی فرق سے حاصل ہوتی تھی، وہ گاؤں کی تر فصلوں کے ایک حصہ کا بھی حقدار ہوا کرتا تھا۔ گودا گاؤں کی ان قربانیوں کو بھی انجام دیتا تھا جو کنڑا کے اضلاع میں گاؤں کے دیوتا کی مورتی کو مباپتوں (CUMBAPITTUN) کے لیے دی جاتی تھیں[276]۔" لیکن اس بیان میں غالباً ایک نہایت چھوٹے لگان دار کی طرف اشارہ ہے۔ درحقیقت مملکت میں اس سے بڑے کاشتکار ہوا کرتے تھے جو وسیع علاقوں کے محاصل کے

Marfat.com

انچارج ہوا کرتے تھے۔

اگرچہ حکومت کی محاصل کی وصولی کی ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے یہ نظام نہایت ہی آسان تھا۔ لیکن عوام پر اس کا سخت بوجھ رہا ہوگا۔ جہاں ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا وہاں حکومت ان طریقوں میں مداخلت نہیں کر سکتی تھی جنھیں اجارہ دار عوام سے ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں اپناتے تھے۔ جب تک وہ حکومت کو واجب الادا رقم مناسب اوقات پر ادا کرتے رہتے تھے۔ ان معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جاتی تھی۔ لہٰذا وہ رعایا کے ساتھ بلا خوف سزا جو چاہتے کر سکتے تھے۔ جیسا کہ مورلینڈ بجا طور پر کہتا ہے "مرکزی محاصل جو بادشاہ اور اس کے وزراء کے اختیار میں ہوتی تھی۔ سب سے بڑے اجارہ دار (FARMER IN CHIEF) کی ادائیگیوں پر مشتمل ہوتی تھی جبکہ اپنے علاقہ (GOVERNMENT) یا ضلع کے اندر یہ بڑا اجارہ دار ریاستی محاصل میں سے کسی ایک کو اجارہ پر دے سکتا تھا اور اجارہ کی رقم کو ادا کرنے کے بعد وصول کی ہوئی بقیہ رقم اپنے پاس رکھتا تھا۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد گورنر وہ تمام رقم اپنے پاس رکھ لیتا جو ضروری اخراجات کے بعد بچ جاتی اور اس کا اصل مقصد یہ ہوتا کہ وصولی میں جتنا ممکن ہو اضافہ کیا جائے۔ اس طرح جنوبی ہندوستان کا مالیاتی نظام غالباً انتہائی سادہ اور آسان تھا جیسا کہ وہ اتنا ہی متشددانہ بھی تھا جتنا کہ امکاناً وضع کیا جا سکتا تھا۔[277] اگرچہ مورلینڈ یہاں ایک گورنر کو محاصل کے اجارہ دار (REVENUE FARMER) سے مشابہ کر رہا ہے تاہم اس نظام کے متعلق اس کا اندازہ صحیح و درست ہے۔

(3) وجے نگر کے کتبات کی ایک بڑی تعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی اسمبلیوں نادو (NADU) اور سبھا (SABHA) کو، جو گاؤں اور دیہی علاقوں کے انتظامیہ کی نگراں ہوا کرتی تھیں، اپنے حلقوں میں حکومت کے محاصل کی وصولی کا ذمہ دار بنا دیا گیا تھا۔ اور جہاں جہاں یہ ادارے ہوتے تھے وہاں حکومت محض ان ہی سے معاملہ رکھتی تھی۔ شاہی حکومت یا اعلیٰ مقامی افسران کے ذریعہ ٹیکسوں کی معافی محض ان مقامی اداروں (گاؤں کی اسمبلیوں اور کارپوریشن جیسے تاجروں کی انجمن وغیرہ) کی منظوری ہی سے کی جا سکتی تھی۔ جو پوری توجہ سے لوگوں کے مفادات کی حفاظت کیا کرتی تھیں۔[278] گاؤں کی یہ اسمبلیاں نہ صرف ٹیکسوں کی وصولی کا حق رکھتی تھیں بلکہ انھیں معاف کرنے کا بھی۔ مثال کے طور پر جنوبی آرکٹ ضلع کے تیروورتورائی (TIRUVORATTURAI) ، کی ایک دستاویز مورخہ 1385ء شاکھا میں تن کرائی شیروکودلور (TENKARAI SIRU MIDELUR)

Marfat.com

کی اراضی کے ٹیکسوں کو تیرو ورتورائی نیلوٹے (NELVAY) میں واقع تیرو ورتورائی ادیا، نائینار کے کے مندر کی پوجا و مرمت کے لیئے کرائپو کوندو (KARAIPPO KKUNADU) کی اسمبلی اور تنتری مار (TANTRIMAR) کے ذریعہ عطیہ میں دیئے جانے کا تذکرہ ملتا ہے[279]۔ اسی مقام سے دستیاب ایک دوسرے کتبہ میں جو 1365ء شاکھا کا ہے۔ پدنیتو پرّو (PADINETTUPARRU) کے نلتارار اور تنتریمار کے ذریعہ ان ٹیکسوں کی تفویض کا تذکرہ ملتا ہے جو ان سڑکوں پر مقیم لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو پناگدم (PANNAGADAM) میں واقع تیـــرو توں گانائی مادم (TRIVUTTUNGANAIMADAM) ادیانائے نار اور وڑی روندا پیرومل اور تیرو ورتورائی میں واقع تیرو موتین شویگائی (TIRUMUTTINSIVIGAI) کودترولیا (KUDUTTARULIYA) نایانار نیز تمارپنادی (TIMMARAMPADI) میں واقع داگن تی (ر) (DAGAN-TI) ترولیانائے نار (TIRARULIYA NAYANAR) کے مندروں کی مملکت تھیں تاکہ پیری ین اتان۔ سندی (PERIYANATTAN-SANDI) نامی پوجا کے زمانہ میں ہر مندر کے دیوتاؤں کے لیے چڑھاوے کا انتظام کیا جا سکے[280]۔ گاؤں کی اسمبلیاں یا مندر اگر ریاستی محاصل میں سے کوئی عطیہ دینا چاہتے تو انھیں پہلے حکومت سے اس کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ مثلاً وجے بھوپتی اُدیار (دیورائے اوّل کے لڑکے) کے عہد حکومت میں پولپاگور کوئل (PULIPPAGARAR KOIL) کے استھانتار مندر کے منتظمین کے بارے میں بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے چندرگری (CANDARAGIRI) (SALA) کے حکام مال سے مشورہ کے بعد ۶ پنم کی معافی عطا کر دی تھی جسے وہ بالائی طور پر واشل پنم کی حیثیت سے کٹے کولاؤں سے لیا کرتے تھے لیکن پہلے کی طرح ہر گلدا وانی یار (KACCAD VANIYAR) کتبہ پر 3 پنم، شٹی ون پداور (SIVANPADAVAR) سمواداور (SEMVADAVAR) کے ہر کتبہ سے 3 پنم کپڑوں پر ½ پنم اور کاتی گائیکانکائی (KATTIGAIKANIKKI) پر ½ پنم وصول کیا کرتے تھے۔

(۴) آخیر میں ہم نایَن کرا (NAYANKARA) نظام پر آتے ہیں۔ بادشاہ چند اشخاص کو اس شرط پر اراضیاں دیتے تھے کہ وہ بادشاہ کو ایک سالانہ خراج ادا کریں گے اور فوجی خدمت انجام دیں گے۔ اس نظام کو دونوں پرتگالی تاریخ نویس، پائیز اور نونیز نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ اول الذکر لکھتا ہے کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس بادشاہ کی آمدنی کیا ہے اور اس کے پاس کتنا خزانہ ہے جس میں سے وہ اتنے زیادہ فوجیوں کو تنخواہ دیتا ہے ورآنحالیکہ اس کی مملکت میں اتنے زیادہ اور اتنے بڑے بڑے

Marfat.com

سردار ہیں جن میں سے بیشتر بذات خود محاصل کے مالک ہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ "یہ سردار جنھیں اس نے اپنے فوجیوں پر متعین کر رکھا ہے اس کی مملکت کے امرا ہیں۔ ۔ ۔ ان میں سے ایسے ایسے سردار ہیں جن کے محاصل کی مقدار دس لاکھ اور پندرہ لاکھ پرداؤ ہے بعضوں کی ایک لاکھ پرداؤ نیز چند دیگر کی دو لاکھ، تین لاکھ یا پانچ لاکھ پرداؤ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان فوجیوں کی کفالت کے علاوہ ہر سردار بادشاہ کو ایک سالانہ رقم بھی دیتا ہے[282]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کی آمدنیوں کے متعلق نونیز بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ بادشاہ کے چند ایسے افسران کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف چند عسکری فرائض ہی کے حامل نہ تھے۔ بلکہ ان پر چند مالی ذمہ داریاں بھی عاید تھیں۔ اور آخر میں لکھتا ہے کہ "اس طرح بسنگا (BESNAGA) کی مملکت دو سو سے زائد سرداروں میں منقسم ہے۔ جو سارے کے سارے خدا کے منکر ہیں اور جو اراضی اور محاصل ان کے پاس ہیں اس کے مطابق بادشاہوں نے ان فوجی دستوں کی تعداد متعین کر دی ہے جن کا رکھنا ان کے لیے ضروری ہے اور وہ محصول جو انھیں بادشاہ کو ادا کرنا ہے[283]۔

ان صورتوں میں سرکاری محاصل کی وصولی کے نقطۂ نظر سے، ہم دیکھتے ہیں کہ دو نظاموں کو متحد کر دیا گیا تھا، یعنی خدمات پیش کرنے کے صلہ میں زمین کی تفویض کا نظام اور حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کا نظام۔ مثال کے طور پر سالو نایک جو اچیوت رائے کا وزیر اعظم تھا۔ وہ چرماڈول (CHARAMAODEL) اور نگپتاؤ (NAGAPATAO) اور تنکور (TANCOR) کا نیز بومگرین (BOMGARIN) ڈپٹاؤ (DAPATAO) ترگویل (TRUGIVEL) اور کالم (CAULLIM) کا جاگیردار تھا۔ اس کی آمدنی سونے کے گیارہ لاکھ پرداؤ تھی۔ جس میں سے ایک تہائی اس کو بادشاہ کو ادا کرنے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس پر چند فوجی فرائض بھی عاید تھے[284]۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مخصوص خدمت کے صلہ میں زمین کی تفویض اور حکومت کے محاصل کو اجارہ پر دئیے جانے کے نظام کو متحد کر دیا گیا تھا۔

اس طرح ریاست کے محاصل کی وصولی کے لیے چار مختلف طریقے اپنائے گئے تھے۔ لیکن یہاں ضمناً یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح گاؤں کے اسمبلیوں کی اہمیت و حیثیت اپنے اپنے گاؤں میں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔ گاؤں کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کا اصول ان گاؤں پر لاگو ہو رہا تھا اور بعد میں حکومت نے خود اسے اپنے اختیار میں لے لیا اور محاصل کی وصولی کے لیے دیہاتوں میں اپنے حکام کا تقرر کیا۔ لیکن ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے اور انعام، جاگیریا

Marfat.com

عطا کرنے کا نظام جو اپنے ساتھ چند مالی ذمہ داریوں کا بھی حامل تھا جنوبی ہند میں برطانوی اقتدار کے مستقل قیام تک رائج رہا۔[285]

فصل سوم

رعایتیں اور معافیاں

حکومت رعایا کے حالات کا پوری طرح خیال رکھتی تھی جہاں بارش ناسازگار ہوتی یا ناگہانی واقعات زمین کی عام پیداوار کو متاثر کر دیتے، وہاں کاشتکار کو ٹیکس کے بوجھ سے نجات دیدی جاتی تھی۔ سخت حالات میں رعایتیں کی جاتیں۔ متعدد کتبات سختی میں مبتلا رعایا کے لیے ریاست کے تردد اور فکرمندی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تنجور ضلع کے ولوور (VALUVUR) مقام کی 53-1452ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ بعض اراضی (پرو) کو، جو کاویری کے سیلاب میں غرق اور (فصل) برباد ہو گئی تھی، زمین کو زیر کاشت لایا گیا اور پٹہ داروں کو ٹیکسوں کی ادائیگی میں رعایتیں بہم پہونچائی گئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ولوور کے قرب و جوار کے بعض گاؤں (پرو) اس زمانہ سے غیر مزروعہ پڑے تھے جب سے دریائے کاویری نے اپنے کناروں پر طغیانی کر کے کھیتوں کے درمیان حدبندی کرنے والی منڈیروں کو بہا دیا تھا اور سینچائی کرنے والی نہروں کو ریتوں سے پاٹ دیا تھا اور نتیجتاً پٹہ داروں نے ایک طویل عرصہ سے کھیتوں کو ترک کر دیا تھا۔ اب انھیں دوبارہ زیر کاشت لایا گیا نہروں کو بحال کیا گیا، کناروں کی مرمت کی گئی اور چند بہتر شرائط پر دوبارہ آباد کیا گیا۔ ان شرائط کو کتبہ میں اس طرح گنایا گیا ہے (۱) زمین کے حصول کے پہلے سال کار KAR اور پاشنم (PASANAM) دونوں ہی کے لیے کاشت کردہ اراضی پر عمومی ٹیکس کا نصف اور بعد میں وصول کی جانے والی رقم میں سے $\frac{3}{4}$ وصول کیا جائے گا۔ (2) کودی مائی (KUDIMAI) اور کا ڈکائی کو نین گل (NINGAL) قرار دے دیا گیا اور پلوری (PALAVARI) اور پودووری (PUDUVARI) کا صرف نصف وصول کیا جائے گا۔ (3) پٹہ داروں سے بھی کدمائی، ارشوپیرو (ARASUPERU) واشل پنم (VASALPANAM) ، آیم (AYAM) ، پول وری (PULVARI) اور اس طرح

Marfat.com

کے دیگر ٹیکس پہلے سال شرح کا نصف اور بعد میں 3/4 کی شرح سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جائیگا سوائے پول وری کے جس کا معاملہ ویسا ہی رہے گا ۔(۴) کماٹی اور کانکائی کی بھی یہی صورت رہے گی اور (۵) ان آراضیات کے ساتھ بھی یہی رعایتیں برتی جائیں گی جو مندروں اور برہمنوں کی ملکیت میں کمبن گودائی یار (KAMBAN GUDAIYAR) نامی شخص کو جو ان آراضیات کو زیر کاشت لانے کا واقعی ذمہ دار تھا، ان تمام پٹہ داروں سے جو اس کی رہنمائی میں ان زمینوں کو زیر کاشت لائے تھے ۔کدمائی وصول کرنے کی مخصوص اجازت (۹) دی گئی ۔پہلے سال ٹیکسوں کو نصف شرح پر وصول کرنے کی یہ رعایت ان دوسری آراضیات پر بھی لاگو ہوتی تھی جنھیں اسی نہج پر سال بہ سال زیر کاشت لایا گیا ہو۔[286]

ترچناپلی (TRICHINOPOLE) ضلع کے اددتورائی (ADUTURAI) مقام کی ایک دستاویز (1450ء) میں مذکور ہے کہ اوگلور کورم بروائے شیرمائی (UGALUR KURAM BARVAY SIRMAI) کے بارہ گاؤں کے پٹہ دار (کودی) غالباً بھاری ٹیکسوں کی بنا پر گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔لہٰذا ویرامرشر (VIRAMARASAR) کے ایک گماشتہ نے خشک زمین کے ہر ہل پر پہلے سال ۵ اور دوسرے سال ۱۰ پنم، اور تر زمین کے ہر سو کولی (KULI) پر 8 پنم کی شرح سے ٹیکس مقرر کیے۔[287]

بعض مخصوص حالات میں حکومت اراضی کو ایک مخصوص مدت کے لیے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ بھی کر دیتی تھی اور اس کے بعد، لوگوں کی سہولت کی خاطر ٹیکسوں کی تدریجی شرحیں مقرر کر دیتی تھی تاکہ لوگ نئی اراضی زیر کاشت لاسکیں اور زمین کو بہتر بنا سکیں ۔اس بڑی جھیل کے استعمال کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جس کی تعمیر کرشن دیورائے نے کی تھی ۔نونیز کہتا ہے کہ اس پانی کے ذریعہ لوگوں نے شہر میں کافی اصلاحات کیں اور اس مقصد سے کہ لوگ اپنی آراضیات کو بہتر کرسکیں (کرشن دیورائے) نے لوگوں کو ایسی اراضیاں دیں جن کی آب پاشی نو سال تک اس پانی سے مفت کی جاتی ہے ۔یہاں تک کہ لوگ اصلاحات مکمل کرلیں چنانچہ محاصل کی رقم پہلے ہی بیس ہزار پرداؤ تک پہنچ چکی ہے ۔[288]

1379ء میں نوندی گولی نادو (NONDIGULINADU) کے منتظم مہاسامنت ادھیپتی MAHASAMANTADHIPATI سون نایا نایک (SONNAIYA NAYAK) کے بیٹے انکیا نایک (ANIKAYA NAYAK)، اور بعض دوسرے لوگوں نے

Marfat.com

اپنے اپنے زیر انتظام علاقہ کی بعض اراضی کو دو سال کے لیے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔[289] اگرچہ بسا اوقات کسی خاص مدّت کے لیے زمینوں کو ٹیکس سے مکمل طور پر بری نہیں کیا جاتا تھا تاہم ٹیکسوں کی شرح کا تعین درجہ وار طور پر کیا جاتا تھا چنانچہ جب 15-1514ء میں نمشی رایا نایک (NAHASSIRAYA NAYAKA) کا گاؤں الوو کنیا کو شیمبیا منگلم (SEMBIYAMANGALAH) کاسی (ULAVU-KANIYA KASI) کے طور پر ملا۔ تو پہلے سال اس سے دس پنم اور دس کلم دھان ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن پانچویں سال اس (مقدار) کو بڑھا کر 50 پنم اور 50 کلم دھان کر دیا گیا۔

کرشن رائے کے زمانہ میں ایک حکم جاری کیا گیا تھا جس کے ذریعہ ارشر کوئل (ARASAR - KOIL) میں آباد ہونے والے پٹہ داروں کو ایک سال کے لیے تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا اور دوسرے سال سے وصول کیے جانے والے بعض ٹیکسوں کی شرحوں کو متعین کر دیا گیا تھا۔[291] شمالی آرکٹ ضلع کے پولوور تعلقہ کے نرتم پونڈی (NARATTAMPUNDI) مقام کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ آنا ملایار (ANNAMALAYAR) کے مندر کو ایک نو آباد گاؤں کو عطیہ میں دیا گیا جس کا نام مہامنڈلیشور (MAHAMANDALESVARA) رام پیا دیو مہاراشین (RAMAPPAYASDENA MAHARAMASAYYAN) کے بیٹے کمار کسرن مراشین (KUMARA KSRN-AMARASAYYAN) کے نام پر رکھا گیا تھا گاؤں میں مقیم لوگوں کو پہلے چھ سالوں تک کے لیے ٹیکسوں سے معاف رکھا گیا تھا۔ عوام کے ناگہانی مصائب مثلاً لوٹ مار، حملہ یا گاؤں کی بدحالی کا مناسب لحاظ کیا جاتا تھا اور ان حالات سے متاثر رعایا سے ٹیکسوں کی وصولی میں رعایت برتی جاتی تھی۔ شری رنگا کے زمانہ میں بادشاہ کے کارندہ (KARYAKARTA) ناگپا نایک نے امرتلورو (AMRTALURU) میں واقع شری رنگا رائے پورا کے تاجروں اور جلاہوں وغیرہ سے ایک سمجھوتہ کیا جس میں ان پر واجب الادا ٹیکسوں کو پہلے تین سالوں کے لیے معاف کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ لوگ لوٹ مار کا شکار ہو چکے تھے۔[293] کنک ویدو (KANAI-KAVIDU) کے گاؤں کی خستہ حالی کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ وہاں کے گوداؤں (GAUDAS) اور عوام کو 90 وارہ کانک (KANEKR) کی معافی عطا کر کے انھیں ایک کول (COWL) عطا کیا جائے تاکہ انھیں گاؤں میں از سر نو آباد ہونے پر آمادہ کیا جا سکے۔[294]

ٹیکس ادا کرنے والوں کے ساتھ کی جانے والی رعایتوں کی مذکورہ بالا تفصیل سے ہمیں

Marfat.com

رعایا کی بھلائی کے لیے ریاست کے خیال کا واضح اندازہ ہو جاتا ہے سخت مواقع پر ریاست ضروری رعایتیں اور معافیاں عطا کیا کرتی تھی۔ زیر کاشت زمین کا غیر معمولی سیلاب میں غرقاب ہو جانا جو ان علاقوں کی معاشی تباہی کا باعث بن جاتے تھے اور عوام کا لوٹ لیا جانا اور اسی طرح کے دوسرے ناگہانی آفات ریاست کو ان رعایتوں کے لیے مواقع فراہم کرتے تھے۔

فصل چہارم

محکمۂ محاصل

محاصل کا محکمہ اتھونا (ATHAVANA)[295] کے نام سے معروف تھا اور وزیر محاصل اس کا صدر ہوا کرتا تھا۔ مختلف اضلاع اور ذرائع سے حاصل ہونے والی حکومت کی آمدنی کا باضابطہ حساب وکتاب رکھنے کے لیے دارالسلطنت میں کلرکوں کا ایک بڑا عملہ اس کی مدد کرتا تھا۔ بظاہر اس شعبہ کا انتظام بہت سے چھوٹے چھوٹے شعبہ جات میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کا ایک نگراں ہوتا تھا۔ ہر ضلع کے محاصل کا انچارج ایک افسر ہوتا تھا جس کی تقرری حکومت کرتی تھی۔ ٹیکسوں کی معافی یا نئے ٹیکسوں کو عاید کرنے والے احکامات اس تک پہونچائے جاتے۔ کمپن ادے یار کے مہا پردھانی سوم پا ادے یار اور خزانچی وٹپ پر شر (VITTAPPARA SARA) نے پولی نادو کے (ایک گاؤں) کوروموی (KURUMAVI) میں واقع ادیر کوند پیرومال (EDIRKONDAPERUMAL) کے مندر کے لیے (روزانہ) پھولوں کا ایک ہار اور چراغ مہیا کرنے کے لیے محاصل کا ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ فرمان میدیوز (MEYDEVOR) کے نام جاری کیا گیا تھا جو پولی نادو کے ٹیکسوں کا انچارج تھا۔[296] بنگلور ضلع کے ہوس کوٹ تعلقہ سے دستیاب ایک دوسرے کتبے میں ایرومورائی نادو (ERUMURAINADU) کے محصلین ٹیکس اور مولووائے نادو (MULUVAY NADU) کے کسٹم کے افسران کا تذکرہ ملتا ہے۔[297] اسی طرح شری پیرم بودور (SRIPERUMBUDUR (G)) کے ایک کتبے میں ہمیں ایک افسر کا حوالہ ملتا ہے جسے محاصل کا منتظم (CONTROLLER) کہا جاتا تھا جس کے نام شری گری ناتھ نے فرمان جاری کیا تھا کہ وہ بادشاہ کی جانب سے تیرومدائی ویلاگم (TIRUMADAI VILAGAM)

Marfat.com

کے ہر لرطھے پر ایک پنم کا ایک محصول وصول کرے۔

شاہی فرمان مقامی گورنروں کو بھیجے جاتے تھے اور اسے چار رجسٹروں میں درج کرلیا جاتا تھا لیکن اگر عطیات اور معافی کا تعلق کسی اور فریق سے ہوتا تو بادشاہ کا اصل فرمان متعلقہ فریق کے سپرد کردیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر دیورائے دوم نے گیری کے شری گیری ناتھ کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا جس میں اسے اجازت دی تھی کہ وہ جودی (GIDI) کے 13 پون (دراہن) اور 6½ پنم یافی پون 10 پنم کے حساب سے 16½ 13 پنم کو معاف کردے جو گیری راجیہ کے حق میں تیروپوکولی (TIRUPPUKKULI (G)) پر واجب الادا تھا تاکہ اس رقم کو اس مقام کے پورّری پیرومال کے مندر کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ فرمان میں وائسرائے سے یہ بھی خواہش کی گئی تھی کہ وہ گاؤں کے استھانی گاؤں کے پاس اپنا تیرووکستو (TIRUVAC CITTU) بھیجے تاکہ وہ بادشاہ کے فرمان رائے سا (RAYASA) کو چاروں رجسٹروں میں درج کرلیں اور اصل دستاویز کو ساسن (SASANA) کی حیثیت سے استھانی گاؤں کے حوالے کردیں۔ بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل میں شری گیری ناتھ نے تیروپوکولی کے استھانی گاؤں کے نام تیرووکسیتو جاری کیا[299]۔ اس سلسلہ میں مندر کے حق میں ٹیکسوں کی معافی کا وہ فرمان جسے مندر کے استھانی گاؤں کے سپرد کیا گیا تھا ان کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔

لیکن جن مقامات پر حکومت کے محاصل کی ذمہ داری ناتّور (ضلع اسمبلی) پر ہوتی تھی۔ وہاں اطلاع انھیں کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس طرح کی معافیوں کے موقع پر اسمبلی، جو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کا باضابطہ حساب وکتاب رکھتی تھی، شاہی افسروں کے ذریعہ اس طرح کی معاف کردہ رقم کو ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کے کھاتہ دونوں ہی میں گھٹا دیا کرتی تھی۔ پودوکوتّائی ریاست کے پیرائیور (PERAIYUR) مقام کے ایک قیمتی کتبہ میں اس ضابطہ کا تذکرہ ملتا ہے اس میں مذکور ہے کہ شورئیکو (SURAIKKUDI) کے تیرومینی الگیار (TERUMENI ALAGIYAR) نامی ایک شخص نے 150 والا لولی تیرندان کولی شائی پنم (VALAVALI TERANDAN KULISAIPANAM) کی رقم کو جو دیوتا پر اس پوجا کے سلسلہ میں جو اس کے نام سے کی جاتی تھی چڑھادے کے لیے یکائی پنم کی حیثیت سے سالانہ مندر پر واجب الادا ہوتی تھی۔ علاحدہ کردیا تھا نیز یہ ناتّور (NATTAVAR) (ضلع اسمبلی) نے مذکورہ بالا رقم گھٹادی اور اس کا اندراج ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کے کھاتہ میں کردیا[300]۔ یہ کتبہ پوری طرح واضح کردیتا ہے۔ کہ نادو میں ٹیکسوں کی وصولی

Marfat.com

کے ذمہ دار ناتو رہوا کرتی تھی اور اس لیے وہ ٹیکس رجسٹر اور گاؤں کا کھاتہ رکھتی تھیں۔ لیکن چونکہ بعد میں گاؤں اور ناد (NAD) اسمبلیاں زوال اور انتشار کا شکار ہوگئیں لہٰذا رفتہ رفتہ انھیں ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری سے الگ کر دیا گیا اور ان کی جگہوں پر محصلین محاصل اور اجارہ داروں کی تقرری ہوئی جنھیں حکومت کے ٹیکسوں کی وصولی کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

ہمیں بعض عوامی اداروں مثلاً مندر یا مٹھ کے لیے شاہی اور مقامی دونوں ہی حکومتیں ٹیکس معاف کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیا صوبائی گورنر یا مقامی اسمبلی مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر ٹیکسوں کو معاف کرسکتی تھی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی افسران کو بعض مخصوص ٹیکسوں کو معاف کر دینے کی اجازت تھی جبکہ بقیہ ٹیکسوں کو معاف کرنے کا اختیار شاہی حکومت کے لیے ہی مخصوص تھا اس لیے کہ ٹیکسوں کو معاف کرنے کا اختیار محاصل کی نوعیت اور مقامی شاہی خزانوں کے درمیان ٹیکسوں کی تقسیم پر منحصر تھا جو ٹیکس شاہی حکومت کو ادا کیے جاتے تھے، ان مقامی حکام شاہی توثیق اور منظوری کے بعد ہی معاف کر سکتے تھے جب کہ مقامی ٹیکس وہ شاہی منظوری کے بغیر بھی معاف کر سکتے تھے۔ نئے مقامی ٹیکسوں کو عاید کرنے یا انھیں معاف کرنے کے سلسلہ میں شاہی حکومت کے فرمان کی نوعیت تعمیلی سے زیادہ مشورانہ ہوا کرتی تھی۔ مثال کے طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی پر عاید ٹیکس محض ایک مقامی ٹیکس تھا۔ عام طور پر شادیوں پر ٹیکس کی معافی کا سہرا کرشن دیو رائے کے سر باندھا جاتا ہے لیکن اچیوت رائے کے زمانہ میں بھی یہ ٹیکس وصول کیا جاتا رہا جیسا کہ اس کے زمانہ کے چند کتبات سے ظاہر ہے اگر یہ شاہی ٹیکس ہوتا تو روشن خیال بادشاہ کی ایک جنبش قلم سے اس ٹیکس کا رواج ہی ختم ہوگیا ہوتا۔ چیتل درگ ضلع کے ہولکر تعلقہ کے ایک کتبہ مورخہ ۱۵۳۳ء میں اس مقام کے لوگ ایبنٹوں ہبرّ وداؤن (SIME HEBBARIVAS) گوداؤن (GAUDES) شین بھوواؤں (SENABHOVAS) شیئون پٹن سوامیوں اور ناناد یشیوں کے دونوں فرقوں کے تمام لوگوں کے لیے جو اس سال شادی پر عاید ٹیکسوں کی معافی کے ذمہ دار تھے خوشحالی کی دعا کرتے ہیں اس ٹیکس کی معافی پر اس مقام کے سربرآوردہ لوگوں کے لیے لوگوں کا یہ اظہار تشکر صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک مقامی ٹیکس تھا۔ اسی طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دستکاروں پر عاید ٹیکس بھی محض ایک مقامی ٹیکس تھا۔ ان سے وصول کیا جانے والا یہ ٹیکس یکساں نہ تھا۔ اننت پور ضلع کے دھرم ورم تعلقہ کے کنگانی پلی (KANGANIPALLI) مقام میں ایک کتبہ ملا ہے جو اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہے اس میں واکتے تمپانائینی وارو (VAKTI TIMMAPPA NAYANIVARU)

Marfat.com

کے ایجنٹ ایشوریّا (ISVARAYYA) کے ایک فرمان کا اندراج ہے جو کنگانی پلی کے بھووی ریڈی سینما (BHUVI REDDI CANNAMA) اور کرنم چنائے (KARNAM CINNAYA) اور بعض دوسرے لوگوں کے نام جاری کیا گیا تھا کہ وہ کنگاپلی کی دستکار ذاتوں (پانکالم ہرارو) پر عاید ان متعدد ٹیکسوں کو معاف کردیں جن سے یہ ذاتیں پہلے ہی سے مستثنیٰ چلی آرہی تھیں لیکن تمپانانڈو کے زمانہ میں انھیں عاید کردیا گیا تھا جس کے نتیجہ میں پان کالم وارو (PAN CALAM VARU) ترک وطن کرکے شیمے سے کوندرپی شیمے (KUNDARAPISIME) اور پاکل شیمے (PAKALA SIME) چلے گئے تھے[303]۔ وہ مقامات جہاں دستکار ترک وطن کرکے چلے گئے تھے ان کے اصل مقام سے زیادہ دور نہ تھے۔ ان کا شیمے کے قرب وجوار میں ترک وطن کرکے چلے جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مقام پر پانکالوؤں سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا اور اگر ان پر کچھ ٹیکس عاید بھی تھے تو وہ ٹیکس نہایت معمولی تھے۔ ایک مقام کے ٹیکس کے نظام کا اپنے بالکل قریب کے ایک دوسرے مقام سے اس طرح مختلف ہونا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس طرح کے بیشتر ٹیکس عموماً مقامی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔

لیکن شاہی ٹیکس کا معاملہ بالکل مختلف تھا اس کو صرف شاہی حکومت ہی معاف کرسکتی تھی جنوبی کناڑا ضلع کے شالی گرام (SALIGRAM) مقام کا ایک کتبہ اس مسئلہ پر کچھ قابل قدر روشنی ڈالتا ہے اس میں درج ہے کہ کوٹ (KOTA) کے ادھیواسیوں (ADHIVASIS) مہاجگتوں (MAHAJAGATS) اور ہگدّوں (HAGGADS) (سرداروں) کے ایک وفد نے شاکھا سنہ 1390 میں بادشاہ ویروپاکسا دوم سے اس کے دارالسلطنت وجے نگر میں ملاقات کی اور تین سو وراہوں کی ایک معافی حاصل کرلی جو سدھایا کا ایک حصہ تھی جو انھیں ادا کرنا پڑتا تھا[304]۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مقامی گورنر وِیٹھرسا (VITTHARASA) کا ان ٹیکسوں کے معاف کرنے یا انھیں عاید کرنے سے کوئی تعلق نہ تھا جو شاہی خزانے میں جاتے تھے۔ اسی ضلع کے شنکرنارائن مقام سے دستیاب ایک دوسری دستاویز میں 121 ہونو (HONNU) کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جسے دلورائے مہارائے کے کہنے پر بارکور وراجیہ (BARAKURURAJYA) کے گورنر بھنپّا ادیا (BHANAPPA ODEYA) نے دن میں دو بار بھوگ پاتر (BHOGAPATRA) انجام دینے کے لیے دیا تھا کتبہ میں بتایا گیا ہے کہ بادشاہ نے یہ حکم دیا تھا کہ یہ رقم سدّھایا ٹیکس سے لی جائے[305]۔ اس طرح ان دونوں دستاویزات کے جائزہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سدھایا ٹیکس شاہی خزانے کو ادا

Marfat.com

کیا جانے والا ٹیکس تھا اور اس کی تقسیم یا معافی صرف بادشاہ یا شاہی حکومت کے ذریعہ ہی ہو سکتی تھی ان نایکوں کے سلسلہ میں جن کے قبضہ میں بادشاہ کی اراضیاں جاگیرداری کی بنیاد پر ہوتی تھیں۔ ان کے ذریعہ معاف کیے جانے والے ٹیکسوں کا شاہی خزانے کو دیئے جانے والے مقررہ ادائیگیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کی معافیاں ان کے متعینہ ادائیگیوں کو متاثر نہ کرتی تھیں۔ لیکن مرکزی حکومت کے ذریعہ دی گئی معافیوں کے سلسلہ کے احکام انھیں لوگوں کو بھیجے جاتے تھے جو شاہی محاصل کی وصولی کے ذمہ دار ہوتے تھے تاکہ محاصل کی وصولی کے وقت حوالہ کے لیے وہ اپنے کھاتوں میں ان معافیوں کا اندراج کرلیں۔ ان کھاتوں میں جو پٹہ کے نام سے معروف تھے، پٹہ داروں کا اور ٹیکس کی اس رقم کا اندراج ہوتا تھا جو انھیں ادا کرنی پڑتی تھی۔

بسا اوقات بعض ٹیکسوں کو ایک مجموعی رقم کے بدلے میں معاف کر دیا جاتا تھا۔ شاید اس لیے کہ محاصل کی مدّات متعدد اور جزوی تفصیلات کی ہوا کرتی تھیں۔ یہ انتظام غالباً اس لیے کیا گیا تھا کہ کھاتوں میں اتنی زیادہ مدّات کے اندراج کی شکل کو کم کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر جنوبی آرکوٹ ضلع کے تیروواماتور مقام میں واقع الجیانائے نار (ALAGIA NAYANAR.) کے مندر کے منتظمین نے مختلف ٹیکسوں کو مقامی کیکولاؤں (جلاہوں) کو اس شرط پر اجارہ پر دیدیا تھا کہ وہ انھیں فی کرگھا چھ پنم کے حساب سے سالانہ یکمشت رقم ادا کیا کریں گے۔[30] جنوبی آرکٹ ضلع میں ناریانایکر (NARAYYANYAYAKKAR) نے مگدئی منڈلا کے عوام کے نام ایک فرمان جاری کیا جس میں وہ اپنے زیر اقتدار پورے پرّو میں وروس نکائی (VARUSA KANKKAI) کی وصولی کے حق سے دست بردار ہو گیا اس لیے کہ جیسا کہ اس نے خود کتبہ میں بیان کیا ہے، گلائی منڈلا، نادو (ناتور) کے باشندوں کو دیدیا گیا ہے اور اس سال امداد کے طور پر تھوڑی سی رقم یکمشت (کانکائی) وصول کی جائے گی لیکن آئندہ سالوں میں کانکائی کی وصولی غیر قانونی ہوگی۔ دوسری جگہ ویر بکّن اڈیا یعنی بکا دوم (II) نے شاکھا 1326 میں ان شیثون کیلولاؤں اور دانیاروں پر جو پوپیر کوئل (PULLIPPARAKOIL) کے مندر میں رہ رہے تھے، واجب الادا ٹیکس کی شرح ہر فرد پر ڈو پنم اور ہر کرگھے پر 2 ڈو پنم کے حساب سے مقرر کردی تھی بظاہر اس رقم میں ان پر واجب الادا تمام ٹیکس یعنی پٹہ دائنولیم (PATTADAINULAYAM) اتائی شمادم (ATTAI SAMBADAM) پیرایایکسمدم (PERAYACEEMMADAM) کاٹرپو (KAI YERPU) مادویرتی (MADVIRATTI) اور دنائے کرگمائی (DANNAYAKAR

تعلقہ کے بوپسندر (MAGAMAI) شامل تھے۔ اسی طرح ملولی (MALAVALLI) مقام کی 1388ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ بھٹہ بھاچیپا (BOPPASANDARA) کے بیٹے بکن جو تلاؤں (TILLAS) کی نسل کا تھا، بوپا (BHATTA BHAGIYAPPA) سمدر (BOPPASAMUDRA) کا گاؤں جو ہدراواگیلو (HADRAVAGILU) کا ایک چھوٹا سا دیہات تھا تمام حقوق اور ٹیکسوں کے ساتھ جن کے نام مذکور تھے، ہر طرح کی محاصل سے آزاد کر کے تحفہ میں دیا تھا۔ یہ ان عطیات کے علاوہ تھا جنھیں گوڈا کے عہدہ کے لیے اور کیبن چوودپا (CAVUDAPPA) اور دیگر گاؤں کے دیوتاؤں کے لیے اس شرط پر دیا گیا تھا کہ ان پر ۱۰ ورا ہوں کا ایک سالانہ لگان ادا کیا جائے گا۔ ٹیکسوں میں جن کے نام مذکور تھے یہ ہیں: کھلیان مکان اور گاڑیوں پر عاید ٹیکس، کیروکیلا، بیدبینوگو (BEDABINUGU)، گرام گدیانا (GRAMAGADYANA)، میڈیدر، (MEDIDERE) دلویلی (DALAVILI) ہادرا (HADRA)، ہومبلی (HOMBALI)، دنّائے کسوامیا (DANNAYAKASVAMYA) نوٹا (NOTA) نینپو (NENAPU)، مال برائے (MALABRAYA) بہترین بیل، میلندیج، (MALLENDIGE)، کولو (KULU) کوٹیج (KOTTIGE) سولیج (SOLLEGE) اور (MALLIGE) اسی طرح نقد ادائیگی کو جنس میں ادائیگی میں تبدیل کر دیا جاتا تھا جیسا کہ یہ بات رام ند (RAMANAD) تیروکلکودی (TIRUKKALAKUDI) مقام کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کتبہ میں الگیا منوالا پیرومل (ALAGIYAMANAVALAPERUMAL) تونڈائیمنانار (TODAIMANAR) کے ایک فرمان کا ذکر ہے جو اس نے ناٹن منگلم (NATTINMANGLAM) کے ایک باشندہ کے نام جاری کیا گیا تھا کہ وہ آگتیشورامودایا (AGATTISURAMUDAIYA) مائنار کے مندر کے چند اراضیوں کے سلسلہ میں جو ٹیکس اس پر واجب الادا ہیں ان کے عوض متعینہ مقدار میں دھان تول دے[310]۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے تبادلے کم نہ تھے۔

نونیز بتلاتا ہے کہ بادشاہ اس رقم کی کوئی رسید نہیں دیتا تھا جو وہ اپنے کپتانوں سے وصول کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے "وہ بادشاہ، انھیں کبھی کوئی رسید نہیں دیتا تھا۔ البتہ وہ ادائیگی نہ کرتے تو انھیں سخت ترین سزا دی جاتی انھیں تباہ کر دیا جاتا تھا اور ان کی جائدادوں کو ضبط کر لیا جاتا تھا[311]" لیکن یہ مشتبہ ہے کہ ہم نونیز کی باتوں پر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ حکومت کی

Marfat.com

اتنی بڑی انتظامیہ دی ہوئی رقوم یا حاصل کردہ آمدنی کی رسید کے بغیر چلائی جاتی ہوگی۔

وجے نگر کے دور میں مالی سال ستمبر۔ اکتوبر میں شروع ہوتا تھا۔ جب نو دنوں کے لیے مہانومی (MAHANAVAMI) منائی جاتی تھی۔ پائز کہتا ہے کہ اس کا آغاز 12 ستمبر سے ہوتا تھا[313]۔ اور لکھتا ہے کہ نیا سال اکتوبر سے شروع ہوتا تھا "اکتوبر کے مہینہ کے آغاز میں جب اس کے گیارہ دن گذر جاتے . . . . اس دن ان کا سال شروع ہوتا ہے یہ ان کا "نوروز" ہے . .

. . . . . وہ اس مہینہ میں سال کا آغاز نئے چاند کے ساتھ کرتے ہیں اور مہینوں کا شمار ہمیشہ چاند سے کرتے ہیں[314]" اس طرح نیا سال ستمبر اکتوبر میں شروع ہوتا تھا اور اس کے بعد حسابات صاف کیے جاتے تھے۔ ان نو دنوں کے اندر بادشاہ کو وہ تمام لگان ادا کر دی جاتی تھی جو اس کی مملکت پر واجب الادا ہوتی تھی[315]۔ نونیز کہتا ہے "اراضیات اور ان پر عاید محاصل کے مطابق بادشاہ ان کے لیے ستمبر کے پہلے نو دنوں کے دوران متعین کر دیتا ہے . . . . کہ ہر ماہ انھیں اسے کتنا ادا کرنا ہوگا[316]۔" اس (نونیز) کے مطابق شاہی حکومت کے محاصل ہر ماہ ادا کیے جاتے تھے۔ اس شرح کے مطابق جو ہر سال ستمبر میں متعین کر دی جاتی تھی۔

فصل پنجم

ٹیکس کا بوجھ

اس بات کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں اس بات کا بھی جائزہ لینا ہے کہ عوام محاصل کا بار کس طرح محسوس کرتے تھے۔ سر تھومس منرو ایک مکتوب میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں "ہندوستانی ٹیکس ان کے استادوں کی کتابوں میں خواہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہو،

چھٹا یا پانچواں (حصہ)، لیکن عملاً یہ ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ کوئی شخص جو ہندوستانی ٹیکس سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس بات کو نہیں مان سکتا کہ رعایا، اگر اس پر متعینہ ٹیکس مجموعی پیداوار کا صرف ⅛ یا ⅒ ہی ہو، برے یا بھلے ہر سال اسے کسی دشواری کے بغیر ادا نہ کر دے گی۔ یہی نہیں کہ وہ ایسا کرے گی بلکہ اس تمت وہ اتنی خوشحال ہو جائے گی جتنی اس سے قبل کبھی نہ رہی ہوگی . . . . . میں اس مفروضہ کے لیے کہ ہندو شرح ٹیکس میں اضافہ مسلم فتوحات . . .

Marfat.com

ہوا تھا، یا یہ ماننے کے لیے کہ ٹیکس کی وہ شرح جسے ہم پاتے ہیں اس عہد سے پیشتر نہیں پائی جاتی تھی . . . . کوئی بنیاد نہ پا سکا۔ چند ناقص دستاویزات جو آخری بڑی ہندو ریاست وجے نگر کے محاصل کے متعلق ہم تک پہونچی ہیں ان سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ اس حکومت میں ٹیکس کی شرح اپنے مسلم جانشینوں کے مقابلہ میں کم تھی۔[317] اس عہد کے کتبات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وجے نگر کی تاریخ کے بعض ادوار میں ٹیکس بھاری تھے۔ لوگ ان بھاری ٹیکسوں کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس لیے بسا اوقات وہ حکومت کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے اپنی آراضیات کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رام ناد ضلع کے تیروکلکودی (TIRUKKOLAKKUDI) مقام کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ ویلنگودی (VELANGUDI) کے مرواؤن (MARAVAS) نے اپنی اراضیوں پر عاید ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے تیروکلکودی کے مندر کے ہاتھوں زمین فروخت کی تھی۔ آراضیاں نہایت مجبوری کے حالات فروخت کی گئی تھیں۔ کیونکہ مرواؤن کے پاس حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔[318] 1519ء میں موجود پودوکوتائی ریاست میں واقع تیرووُنگولم اور اس کے اطراف کی آراضیوں اور پادی کاول (PADIKAVAL) حقوق کے مالکوں کو مجبوراً اپنی آراضیاں اس قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کر دینی پڑیں جو انہوں نے مندر کے خزانہ سے بعض محاصل مثلاً ویندوگول (VENDUGOL) وینی یوگم (VINIYOGAM) ایرکورو (ERCORU) کوُرآیشی (KURRAISI) اور ویتی موتایال (VITTAMUTTAIYAL) بے باق کرنے کے لیے لیا تھا۔ انھیں اپنی زمینیں اس لیے بیچنی پڑیں کہ وہ ان مطالبات کو جو سوامی نرسانایکم (SVAMI NARASA NAYAKKAM) نے اپنے حکومت کی طرف سے کیے تھے کسی اور طریقہ پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔[319]

کبھی کبھی ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں لوگ حکام کی مخالفت بھی کرتے تھے مقامی تنظیمیں مثلاً دیہی اسمبلی اور ولنگائی اور ایدنگائی کے ۹۸ فرقے ایک ساتھ متحد ہو گئے اور راجہ گرام کی مخالفت کی۔ چند مواقع پر کافی غور و خوض کے بعد وہ خود ان ٹیکسوں کی کوئی شرح مقرر کر دیتے جنھیں وہ حکومت کو ادا کرتے تھے۔ 1429ء میں تنجور ضلع کے تیروواٸی گاوور (TIRUVAIGAVUR) مقام میں مجتمع پران تکناڈو (PRANATAKNADU) کے باشندوں اور ولن گائی فرقوں نے بادشاہ کو اپنے ٹیکس ادا کرنے کے سلسلہ میں ایک فیصلہ کیا اپنے اس فیصلہ کے دیباچہ میں انھوں

Marfat.com

نے ان اسباب پر روشنی ڈالی جن کی بنا پر انہوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور کہا کنیڑوں (ہوئے شالوں) کے زمانہ سے اس ضلع کو (مندر کے) ملازمین کا جی وی تا پرّو (JIVIRA PARRU) قرار دیا جا چکا تھا۔ ٹیکس تنہا کوئی ایک شخص وصول نہیں کرتا تھا، آراضیاں دوسرے اشخاص کو اجارہ (اد وولائی (ADAMOLAI) پر دے دی جاتی تھیں اور پوروری (PURVARI) ٹیکس وصول کیے جاتے تھے اس طرح پورا ضلع برباد ہو گیا۔" اس دیباچہ میں عوام کی ان مشکلات کو بیان کرنے کے بعد جو انھیں ان پر عاید بھاری ٹیکسوں کی بنا پر برداشت کرنی پڑتی تھیں، انھوں نے آراضیوں پر قبضہ کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر ان ٹیکسوں کی شرحوں کو مقرر کر دیا جو ان کی اراضیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ آخر میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی شخص فہرست میں شامل لوگوں کے ماسوا کوئی بھی لوگوں کی اکٹھا جماعت (منڈلا) (MANDALA) کی منظوری کے بغیر ٹیکسوں کو وصول نہیں کر سکتا۔[320]

جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھا کلم مقام کے ولن گائی اور ایدن گائی فرقوں نے ایک قدم اور آگے بڑھکر یہ فیصلہ کیا کہ وہ حکومت کے ساتھ اجتماعی مزاحمت کریں گے۔" بادشاہ کے افسران (RAJANYA) اور جیو نیاؤں (JIVILAS) کے مالکان لوگوں پر سختیاں کیا کرتے تھے . . . . .

. . . . اور کانیالن (KANIYALAN) اور برہمن راجیہ گرام (محاصل) لے لیا کرتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں ذاتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو نہ پناہ دینی چاہیے، نہ ان کے لیے حساب وکتاب لکھنا چاہیے اور نہ ان کی تجاویز سے اتفاق کرنا چاہئے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص سمجھوتہ کی خلاف ورزی کرکے ملک کا غدار ثابت ہوگا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔"[321] وہ کتبہ جس میں یہ بات مذکور ہے اگرچہ نامکمل ہے مگر اس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کے افسران ٹیکسوں کو عاید کرنے اور وصول کرنے میں سخت مظالم ڈھاتے تھے۔ تنجور ضلع کے کوروکائی (KORUKKAI) مقام کی ایک دستاویز میں ایک سمجھوتہ کا ذکر ملتا ہے جو ولن گائی اور ایدن گائی فرقہ کے لوگوں میں ہوا تھا۔ انھوں نے خراب اور جابر حکومت کے خلاف اجتماعی مزاحمت کے لیے خود کو ایک منظم جماعت کی شکل دی اور یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ وہ ہم پر فصل کی پیداوار کے مطابق محصول عاید نہیں کرتے بلکہ غیر منصفانہ طور پر محاصل وصول کرتے تھے، قریب تھا کہ ہم بھاگ جائیں۔ اس وقت ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ چونکہ ہم پورے ملک کے لوگ (MANDALAM) ایک جماعت کی شکل میں متحد نہیں ہیں لہٰذا ہمارے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا ہے . . . . . آئندہ ہم صرف اتنا ہی ادا کریں گے جتنا جائز اور فصلوں کی پیداوار کے مطابق ہے۔ اور ہم کوئی چیز جو غیر قانونی طور پر وصول کی جا رہی ہے۔

Marfat.com

ادا نہ کریں۔" اس کے بعد انھوں نے خشک و تر اراضی اور درختوں کی پیداوار مثلاً کٹھل، سپاری، پنکھیا کھجور، کیلا، گنا، سرخ کنول، افنتین (ARTENESIA) ریڈی کے پودے، تل، ہلدی، ادرک وغیرہ پر اور ماہی گیروں، کمہاروں، جلاہوں، حجاموں، دھوبیوں، تیلیوں، تاڑی کشید کرنے والوں اور رنگ سازوں کے پیشوں پر ادا کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کر دیں۔[322]

اسی طرح جنوبی آرکوٹ ضلع کے پنادم مقام میں انھیں ولن گائی اور ایدن گائی فرقوں نے حکومت کے افسران کے جبر و تشدد کی مخالفت کے لیے اپنی ایک جماعت بنائی۔ دو دستاویزات جن میں اس (مذکورہ بالا) بات کا تذکرہ ہے، بتلاتی ہیں کہ ان فرقوں کے 98 ذیلی فرقے، جو کاویری دریا کے شمالی کنارے پر آباد اضلاع ویرو دراجھین کرول نادو (VIRUDARAJYAB- HAYAN KARAVALLANDU) پرکنا دو اور ایرون گول پاندی ولنادو (IRUNGOALA PANDI VALANADU) کے 18 پرو وغیرہ میں مقیم تھے۔ پوری تعداد میں پنادم معروف بنام مودی کوند شولا (MODIKUNDASOLA) کتوردیدی منگلم (KATURVEDIMANGALAM) کے مندر میں جمع ہوئے اور انھوں نے اتحاد کا ایک معاہدہ تیار کیا کہ اگر پردھانی ونیر (PRADHANIVANNIYAR) جیوتکارر (JIVITAKARAR) نے ان کے خلاف کوئی سختی کی، اگر برہمنوں یا ولالاؤں (VELLALAS) میں سے کسی جاگیر دار نے افسران محاصل کے ذریعہ انھیں کوئی تکلیف پہنچائی، اگر ان میں سے کسی نے غیر منصفانہ ٹیکسوں کو تسلیم کر لیا یا غلط افواہیں پھیلائیں یا دستاویزات کو (شاید وہ جن میں ان کے فرقہ وارانہ حقوق کا ذکر تھا) نقصان پہونچایا، اگر منڈلم میں سے کسی شخص نے محاسب (ACC- OUNTANT) کی حیثیت سے ملازمت قبول کی، یا ناتودروہم (NATHUDROHAM) کا مرتکب ہوا۔ تو ان فرقوں کی جماعتیں آج کی طرح اکٹھا ہوں گی اور قانون شکنوں کو دی جانے والی سزا کا فیصلہ کریں گی۔"[323]

یہی نہیں، بلکہ مملکت کے بعض علاقوں میں جہاں لوگ اجتماعی مزاحمت کے لیے باقاعدہ متحد نہ تھے، وہاں انھوں نے اپنے اصل گھروں کو چھوڑ دیا اور کہیں اور منتقل ہو گئے۔ اس ترک وطن کو روکنے کے لیے یا جو لوگ ترک وطن کر چکے تھے ان کو اپنے قدیم دیہاتوں میں واپس لانے کے لیے حکومت کو ٹیکسوں میں کمی کرنی پڑی۔ کرشن دیو رائے اپنی آمکتامالیادا میں درست ہی کہتا ہے کہ "وہ بادشاہ کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا خواہ وہ ساتوں دیوپیاؤں (DVIPAS) پر فتح ہی کیوں نہ حاصل کرلے جس

Marfat.com

کے پاس ایسا افسر ہو جو رعایا کو، جب وہ پریشانیوں کی بنا پر ریاست کو چھوڑ دیتی ہے، تو واپس نہ بلاوے۔[324]

اسی طرح ویروپن ادریاد کے زمانہ میں پیرونگر کے جلاہوں نے بھاری محاصل کی وجہ سے اپنے اضلاع کو چھوڑ دیا اور حکومت کے ٹیکسوں کو ادا کیے بغیر دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے۔ اسی وجہ سے ریاست نے ان پر واجب الادا بعض ٹیکسوں میں کمی کر دی اور انھیں دوبارہ اپنے اپنے علاقوں میں بسنے پر راضی کیا۔[325]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1246ء کے قریب مملکت کے بعض حصوں کے لوگوں پر محاصل کا کافی بوجھ پڑا تھا۔ جنوبی آرکوٹ ضلع کے تیرو ویدی مقام کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ چونکہ والن گائی اور ایدن گائی فرقوں سے وصول کئے جانے والے ایناوری (INAVARI) اور ایدن گائیوری (IDA - NGAIVARI) کے محصول بہت زیادہ تھے۔ گاؤں مفلسی کا شکار تھا، لوگ دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے تھے اور ملک غیر آباد ہو گیا تھا لہٰذا بادشاہ نے ناگر سادیار (NAGAR - SAIDAIYAR) کے نام ایک فرمان جاری کیا جس میں اسے یہ اختیار دیا کہ وہ ان تمام ٹیکسوں کو منسوخ کر دے۔[326] سالم سولہویں صدی کے آغاز میں سالم ضلع کے لوگ بھاری ٹیکسوں میں دبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے مگ دائی منڈلم کے اضلاع (NATTAR) کے باشندوں نے ملک چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا اس ترک وطن کی روک تھام کے لیے تیاگن نایک نے جو شاید مقامی سردار تھا لوگوں سے ایک عہد (آدائی ولائی (ADAUOLAI) کیا۔[327]

سولہویں صدی کے آغاز میں جنوبی آرکوٹ ضلع میں، حکومت کی دوسری سختیوں کے علاوہ محاصل بھی بہت زیادہ تھے۔ لہٰذا شری موسنم (SROHUSNVAM) کے علاقہ کے گورنر پلی گونڈا پیرومال کاچھیرایر (PALLIGONDA DPUMAL KACCIRAYAR) کے بیٹے تری نی ترناتھ (TRINETARNATH) کا چھیرایر نے ٹیکسوں کی ان شرحوں پر نظر ثانی کی جو اس زمانہ میں کافی زیادہ ہو گئی تھیں۔ جب ملک پر کنڑوں (KANNADAYAS) کا تسلط تھا ظلم و ستم کی بنا پر باشندے بھاگ گئے تھے اور سوروپا (SVARUPA) (؟) منتشر ہو گیا تھا (لہٰذا) اس نے حکم دیا کہ (1) اراضی کی سال بہ سال 34 فیٹ کی جریب سے پیمائش کی جائے (2) ٹیکسوں کی تمام مدوں کو شامل کر کے، خشک زمین کے ایک ما (MA) پر 5 پنم اور تر زمین کے ایک ما پر 20 پنم وصول کیا جائے (3) ارشو پیرو (ARASUPIRU) کی مد میں ہر پٹہ دار سے 1/8 پنم اشیٹوں کے ہر کرگھے

Marfat.com

پر 3 پنم کمال (KAMBALA) کے کاشتکاروں پر 2 پنم کیکولا (KAIKKOLA) کے جلاہوں پر 3 پنم وصول کیا جائے۔ (4) ایدی تورائی (IDAITURAI) کے لیے 8 بھیڑوں پر ½ پنم وصول کیا جائے۔[329] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے انتظام نے بھی لوگوں پر کافی بوجھ ڈالا اس وجہ سے وہ دوبارہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ لہٰذا واشل ادیپہ نایک (VASAL ADIYAPPA NAYAKA) کے بھائی شنپہ نایکر (SINNAPPA NAYAKKAR) نے شاکھا 1435 (14-1513ء) میں ٹیکس کی مناسب شرحیں مقرر کیں۔ نئے انتظام کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔ کدمائی، کانکائی، کودی، کادو، کانکائی، پوروری اور وینی یوگم (VINIYOGAM) کا بندوبست استمراری (PERMANENT SETTLEMENT) اضلاع میں مقیم باشندوں کے لیے تر اراضی پر 8 2 پنم اور خشک اراضی پر 2 2 پنم اور ان لوگوں کے لیے جو آتے جاتے رہتے تھے تر اراضی پر ۵ 2 پنم اور خشک اراضی پر ۱۵ پنم اور ان لوگوں کے لیے جو باہر رہ رہے تھے تر اراضی پر ۱۷ اور خشک اراضی پر ۱۰ پنم طے کر دیا گیا۔[329] تنجور کے چینپا نایک (CIMAPPA NAYAKA) نے سوبھانو (SVABHANU) کے سال کام مالر (KAMMALAR) کی پانچ ذاتوں، لوہاروں، بڑھیوں، سوناروں، معماروں اور پیتل کا کام کرنے والوں کو کانکائی، کتایم (KATTAYAM) پاک کو کتایم (PAKKUKATTAYAM) اور تلائیارکم (TALAI - YARIKKAM) کے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اس لیے کہ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ اگر انھیں ادائیگی پر مجبور کیا گیا تو ادائیگی سے اپنی نااہلیت کی بنا پر وہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔[330]

اچیوت رائے کے دورِ حکومت میں بھی مدینی وڈپرا (MADIYANI VADAPARRU) کے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے اور ان ٹیکسوں کی وصولی ایک افسر جو رایپا نایکر (RAYAPPA NAYAKKAR) کے نام سے معروف تھا، تیروپت لور (TIRUPPATTUR) میں واقع اپنے کیمپ سے نہایت سختی سے کرتا تھا۔ (چونکہ) باشندگان کدمائی اور کانکائی کے ٹیکسوں کو، جو ان کے گاؤں پر واجب الادا تھا، ادا کرنے کے قابل نہ تھے۔ لہٰذا ان میں سے بعض نے اپنی آراضیاں تیروپووالائی کودی ادیا نائے نار (TIRUPUVALOI KUDI UDAIYA NAYANAR) کے مندر کے عہدیداروں کے ہاتھ فروخت کر دیں جبکہ دوسرے متعدد خاندانوں نے گاؤں چھوڑ دیا اس لیے کہ وہ اپنا ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔[331]

اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کے شمالی مشرقی حصہ پر افسران نے سختیاں کی تھیں اسی وجہ

Marfat.com

سے کوت الدا شیمے (KAVATALADA SIME) کے گوو داؤں (GAVUDAS) اور دوسرے لوگ جو حکومت کے افسروں کی زیادتیوں کو برداشت نہ کر سکے تو مسویا شیمے (MASAVAYA SIME) منتقل ہو گئے۔ لہٰذا منڈ لیشور سلکیا دیو سیکا تیرو مل راجہ مہا ارشو (MAHAMANDA LESVARA SALAK-AYADEVA CIKA TIRUMALARAJAHAHA ARASU) شاکھا 1454ء میں آدوانی (ADAVANI) آیا اور عوام کی تالیف قلب کی اور کاشتکاری اور پیشے کی مناسب شرطوں کی پیشکش کر کے انھیں کوتالا (KAVATALA) ضلع میں دوبارہ آبسنے کے لیے آمادہ کیا۔[332] 1533-34ء میں کنگنی پلّے شیمے (KANGANIPALLE SIME) کی محرفہ ذاتیں بھاری ٹیکسوں کی بنا پر ایک جماعت کی شکل میں اپنی اصل جائدادوں سے منتقل ہو کر پاکل شیمے (PAKALA SIME) اور کندیری پی شیمے (KUNDIRIPI SIME) چلی گئیں۔ حکومت نے اس سلسلہ فوری مداخلت کی اور ٹیکسوں کو معاف کر دیا۔[333]

وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانے میں تحصیل محاصل کی نوعیت کے بارے میں نونیز چند باتیں کہتا ہے وہ لکھتا ہے "اس وجہ سے آراضیات پر قابض لوگوں کے ظالم و جابر ہونے کی بنا پر عوام کو کافی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں . . . . جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ تمام آراضیاں بادشاہ کی ملکیت ہیں اور اسی کے ہاتھوں سے یہ سرداروں کے قبضہ میں آتی ہیں۔ یہ لوگ انھیں ایسے کاشتکاروں کے حوالے کر دیتے ہیں جو اپنے مالک کو 9/10 دیتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی کوئی زمینیں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ساری مملکت بادشاہ کی ملکیت ہے"[334] نونیز اپنے اس اندازہ اور بیان کہ تمام اراضیاں بادشاہ کی ملکیت ہوتی تھیں، دونوں ہی میں غلط ہو سکتا ہے۔ مورخ کے اس بیان پر سیول یوں تبصرہ کرتا ہے "یہ بیان خواہ درست ہو یا نہ ہو اس لیے کہ یہ ایک بیرونی ذریعہ سے ملا ہے، لیکن یہ بیان اس عام خیال کی زبردست تائید کرتا ہے کہ ہندو اقتدار کے زمانہ میں امراء جنوبی ہندوستان کی رعایا پر بڑی سختیاں کر رہے تھے۔ یہ دونوں کتابیں جو ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ لکھی گئیں، ان کی بعض عبارتیں یہاں پر کیے گئے اس دعویٰ کی توثیق کرتی ہیں کہ عوام کو بیس ڈالا گیا تھا اور وہ انتہائی غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے"[335]

سیول کا تبصرہ مبالغہ آمیز ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس ادب و کتبات کے ٹھوس شواہد موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ادوار میں ٹیکس بہت زیادہ تھے اور اس زمانہ میں لوگوں نے

Marfat.com

سخت مصیبتیں جھیلیں، لیکن ہمارا یہ سمجھ لینا درست نہ ہوگا کہ حکومت کی یہ زیادتیاں مستقل ہمہ گیر تھیں۔ بھاری ٹیکسوں اور افسران کے ظلم وستم کے خلاف شکایت کی وجہ، جیسا کہ خود کتبات میں مذکور ہے کنڑوں (KANNADAYAS) کا تسلط تھا۔ ساتوُں کا زمانہ عوام کی کلفت وپریشانی کا زمانہ تھا جب ٹیکس زیادہ تھے اور اس کے ساتھ شاید وصولی بھی سخت تھی۔ بعد میں بھی خود شاہی حکومت سے زیادہ گورنروں کے ذریعہ عوام پر سختیاں کی گئیں۔ یہ سختیاں خود محاصل کی اپنی نوعیت کی بہ نسبت اس طریقہ کار کی وجہ سے زیادہ محسوس کی گئیں جو محاصل کی وصولی کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔

یہ بات اس عہد کے چند کتبات سے واضح ہے۔ جنوبی آرکوٹ ضلع کے تیرووامّاتور (TIRUVAMATTUR) مقام کا ایک کتبہ دیودانا (DEVADANA) گاؤں سے وصول کیے جانے والے مختلف محاصل کی تفصیل پیش کرتا ہے اور مزید بتلاتا ہے کہ ان مختلف ٹیکسوں کی مجموعی سالانہ رقم صرف 12 پون تھی۔ جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کہتا ہے "اگر اس (رقم) کو اوسط مان لیا جائے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ نقد اور جنس کی شکل میں مختلف محاصل کی شرحیں بہت کم ہوتی ہوں گی۔"[336]

چنگل پت ضلع کے پیرونگر مقام کے ایک کتبہ مورخہ 15-1414ء میں جلاہوں، تیلیوں، اور دیگر تاجروں سے ان کے مقامی مندر میں ایک مستقل چراغ جلانے کے عوض لیے جانے والے ٹیکسوں کی ایک مجموعی رقم کے تعین کا ذکر ہے۔"[337]

میسور ریاست میں کولار ضلع کے بولباگل تعلقہ کے ایک دوسرے کتبہ میں مذکور ہے کہ مولوای ہری یپّا (BULUVAYI HARIYAPPA) نے ایک تاجر سن کپ سیٹی (SAN KAPA SETTI) کو ایک فرمان (SASANA) دیا جس میں اس کے ذریعہ دیئے جانے والے مختلف محاصل کے علاوہ 2 ہن کی مقررہ لگان کو اس شرط پر معاف کر دیا کہ وہ مولوائی کے مندر کو روزانہ دو پان بطور نذرانہ پیش کرے گا، یہ کتبات یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دیتے ہیں کہ جنس اور نقد کی شکل میں ادا کیے جانے والے محاصل کی مدّات گرچہ زیادہ تھیں لیکن محاصل کا بوجھ زیادہ نہ تھا اس لیے کہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف قسم کے رسمی اور دوسرے محاصل کو پابندی کے ساتھ نسبتاً معمولی معاوضوں میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ کتبات ہیں، جن میں بھاری ٹیکسوں اور اس کے نتیجہ میں عوام کو ہونے والی دشواریوں کا ذکر ہے جنھوں نے انھیں اس حد تک مجبور کر دیا تھا

Marfat.com

کہ یا تو وہ حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لیے اپنی آراضیاں فروخت کردیں یا جہاں وہ کچھ منتظم تھے، حکومت کے ساتھ اجتماعی مزاحمت کریں، یا جہاں لوگ اچھی طرح منتظم نہ تھے وہاں اس ضلع سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں مگر انھیں کتبات کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے کتبات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کی حکومت میں محاصل اتنے زیادہ سخت نہ تھے البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وجے نگر کے محاصل ½ کے قدیم تناسب کے مطابق ہوں گے اس لیے کہ متعدد بادشاہوں نے ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر ریاست کے محاصل بڑھائے اور اپنا حصہ انتہائی سختی سے وصول کیا۔ لیکن عوام پر عاید ٹیکسوں کی سختی کو مبالغہ سے بیان کرنا ایک رواج سا رہا ہے۔ درحقیقت عوام وصولی کے طریقہ کے مخالف تھے نہ کہ محاصل کی مدات یا ان کے بوجھ کے اس لیے کہ یہ وصولی کا طریقہ ہی ہے جو عوام کو بڑی حد تک محسوس کراتا ہے کہ محاصل سخت ہیں یا ہلکے۔

فصل ششم

اخراجات

تمام ہندو مملکتوں میں انتظامیہ پر حکومت کے نقد اخراجات کافی حد تک کم ہوا کرتے تھے۔ حکومت کی انتظامیہ روایتی انداز پر کام کرتی تھی اور ریاست کے تمام حکام کو نقد ادائیگی کی ضرورت نہ تھی۔ انھیں تنخواہ عموماً سرومان یون (SARVANAN YAMS) کے عطیات کی شکل میں دی جاتی تھی جن سے وہ حکومت کو کوئی محصول دئے بغیر فائدہ اٹھاتے تھے یا بعض محاصل ان کے حوالے کردئے جاتے تھے۔ اسی طرح حکومت کے ادنیٰ ملازمین کو انعامات خدمت اور مانیم (MANYAMS) عطا کردیئے جاتے تھے جن سے یہ لوگ بھی محصول سے مثنیٰ رہکر اپنی خدمات کے معاوضہ کے طور پر مستفید ہوتے تھے۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے ایک بڑی بری فوج رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر وہ اس کا انتظام کرتے تو ان کے مالی ذرائع کا ایک بڑا حصہ اس پر صرف ہو جاتا۔ امن عامہ (پادی کاول۔ (PADIKAVAL) کا اختیار عموماً مقامی لوگوں کو اجارہ پر دے دیا جاتا تھا جو اس حق کی حصولی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سے حکومت کو ملک میں نظم وضبط برقرار رکھنے کی اپنی ذمہ داری اور اس پر صرف ہونے والے کثیر اخراجات سے کسی حد تک چھٹکارا مل جاتا تھا۔ عدل وانصاف کا تعلق بھی، کم از کم

Marfat.com

عملاً مستقل طور پر حکومت ہی سے نہ تھا۔ دیوانی اور فوجداری دونوں ہی قسم کے جھگڑے عموماً مقامی طور پر برادری اور گاؤں کے سرداروں کے ذریعے طے پا جاتے تھے اور شاذونادر ہی شاہی عدالت تک پہنچتے تھے۔ چنانچہ حکومت کے خرچ پر قائم عدالتوں کی کوئی باضابطہ درجہ بندی نہ تھی۔ موجودہ زمانہ کے عہد وسطی میں تعلیم بڑی حد تک ایک نجی معاملہ تھا۔ ریاست نے عوام میں تعلیم کی ترویج کے لیے کوئی تفصیلی اقدام نہیں اٹھایا۔ مزید یہ کہ اس زمانہ میں تعلیم عامہ ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی اس لیے کہ پیشہ کا انتخاب ذات پات پر منحصر تھا۔ اس طرح ان چیزوں پر حکومت کے اخراجات زیادہ نہ تھے۔

اخراجات کی چند مدات، خصوصاً فوج، جس پر آمدنی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا، قابل توجہ ہیں آمکتامالیا دمیں درج ہے کہ "وہ رقوم جو ہاتھی اور گھوڑوں کی خرید اور ان کی غذا، سپاہیوں کی ضروریات، دیوتاؤں اور برہمنوں کی پوجا اور خود اپنے تلذذات پر صرف کی جاتی ہیں۔ انہیں اخراجات کا نام کبھی نہیں دیا جاسکتا"[339] کچھ تو بہمنی سلاطین کے ساتھ جنگوں کے مستقل اندیشہ کے سبب، کچھ ریاستوں میں موجود سرکش جاگیرداروں کی نافرمانی اور بغاوتوں کی وجہ سے اور کچھ ہر چہار جانب مملکت کی توسیع کی وجہ سے وجے نگر کی حکومت کے عسکری اخراجات بہت زیادہ تھے۔ نونیز لکھتا ہے کہ "اس ساٹھ لاکھ میں سے جو بادشاہ کو ہر سال محاصل سے ملتا ہے۔ وہ 25 لاکھ سے زیادہ نہیں لے پاتا، اس لیے کہ بقیہ رقم اس کے گھوڑوں، ہاتھیوں، پیادہ اور سوار فوجوں پر صرف ہو جاتی ہے جسے وہ پورا کرتا ہے"[340] مثال کے طور پر کرشن دیورائے نے اپنی فوج کو طاقت ور بنانے کے لیے زیادہ قیمتیں دیکر عربوں سے گھوڑے خریدے۔ وجے نگر کے سلاطین دارالسلطنت میں ایک مستقل فوج رکھتے تھے۔ جو ہمیشہ جنگ کے لیے تیار رہتی تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ تنہا یہ مد پر متوالی اخراجات کی کتنی بڑی رقم درکار ہوگی۔ لیکن یہاں ضمناً یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بادشاہوں کی یہ مستقل فوج ان زبردست افواج کا محض ایک حصہ ہوتی تھی جنھیں جنگ کے زمانہ میں اکٹھا کیا جاتا تھا کیونکہ موخرالذکر کی تشکیل میں صرف یہ باضابطہ مستقل فوج ہی نہیں، بلکہ جاگیرداروں سے لیے جانے والے رسالے بھی شامل ہوتے تھے۔ سرکاری اخراجات کی دوسری بڑی مد وہ تھی جو عوامی اوقاف اور خیرات پر صرف ہوتی تھی۔ کوئی مندر بادشاہوں کی توجہ سے بچتا نہ تھا، اور کوئی عوامی ادارہ ان کی نظر عنایت سے محروم نہ تھا۔ پورے جنوبی ہندوستان میں ایسے کتبات بکھرے پڑے ہیں جن میں وجے نگر کے بادشاہوں کی خیر خیرات کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے نئے مندروں کی تعمیر کی، بہت سے پرانے مندروں کو درست کرایا، پرانے عطیات کی تجدید کی اور مندروں میں تقریبات

Marfat.com

اور پوجا کا آغاز کرایا۔ بسا اوقات مندروں کی ضروریات اور مرمت کے لیے ٹیکسوں کو ان کے حق میں معاف کر دیا گیا۔ نونیز کے بیان کے مطابق ملی کارجونا نے اپنی مملکت کے محاصل کا پانچواں حصہ مندروں کو عطا کر دیا تھا[111]۔ اگرچہ بادشاہ بذاتِ خود ہمیشہ اتنے تعلیم یافتہ نہ ہوتے تھے جتنا کرشن دیو رائے تھا لیکن وہ تعلیم اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قدر کرتے تھے یہ شاہی دربار ہی تھے جہاں مختلف نظریات کے محققین پیچیدہ فلسفیانہ موضوعات پر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے جمع ہوتے اور مباحث قائم کرتے تھے حکمران بادشاہ ان مذاکروں میں دلچسپی لیتے اور صاحبانِ علم کی بیش قیمت تحائف اور محاصل سے مستثنیٰ گاؤں کے عطایا سے عزت افزائی کرتے تھے۔

وجے نگر کے مالیات پر دوسرا بار آب پاشی اور تعمیرات عامہ کا تھا وجے نگر کا دورِ اقتدار تالابوں اور جھیلوں کی تعمیر اور زرعی مقاصد کے لیے سینچائی کے بڑے بڑے کاموں کے لیے ممتاز تھا۔ بادشاہ مفاد عامہ کے ان بڑے بڑے کاموں کا بیڑا اٹھانے اور انھیں مکمل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے متعلقہ فنون، عمارت سازی، سنگ تراشی اور مصوری کی بھی انھوں نے کافی ہمت افزائی کی۔

ریاست کی مالیات کا ایک بڑا حصہ بادشاہوں کے حرم پر صرف ہو جاتا تھا تقریباً تمام غیر ملکی سیام جو وجے نگر آئے، وہ حرم کی تعداد اور اس کے مال و متاع پر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ شاہی محل میں عورتوں کی تعداد کے متعلق ہمیں مبالغہ آمیز بیانات ملتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرح کے حرم رکھنے کے اخراجات بلاشبہ بہت زیادہ ہوں گے۔ مزید یہ کہ یہ عہد ظاہری طمطراق اور نمائش کا تھا کافی رقم لباس، مشروبات، عورتوں اور بادشاہوں کے ذوق کی تسکین کے لیے بہت سے دوسرے غیر منفعت بخش مصارف پر برباد کر دی جاتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں عوامی خزانہ ہمیشہ خالی رہتا۔

موجودہ زمانہ میں نظام زر (MONETERY SYSTEMS) کی ترقی اور بینک کی سہولتوں میں اضافہ کی بنا پر قیمتی دھاتوں بالخصوص سونے کی ذخیرہ اندوزی کی ضرورت کم ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں چونکہ نظام زر ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا۔ لہٰذا ان ادوار میں نہ صرف عوام بلکہ حکومت بھی قیمتی دھاتوں کی ذخیرہ اندوزی کرتی تھی۔ کرشن دیو رائے اپنی آمکتا مالیاد میں بادشاہ کی آمدنی کو چار حصوں میں منقسم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک حصہ وسیع پیمانہ پر خیرات کے کاموں اور تفریح پر اور دو حصے ایک مضبوط و مستحکم فوج کے قیام پر خرچ کیا جانا چاہئے اور ایک حصہ خزانے میں داخل کیا جانا چاہئے[113]۔

یہ کہ وجے نگر کے بادشاہوں نے ایک بڑا خزانہ جمع کر رکھا تھا اس کی تصدیق پائس کے ذریعہ بھی ہوتی

Marfat.com

ہے جو یہ بتاتا ہے کہ بادشاہ کس طرح دولت جمع کرتے تھے ۔ وہ لکھتا ہے "یہاں کے سابق بادشاہوں نے گذشتہ بہت سالوں سے ایک خزانہ قائم کرنے کا رواج بنا لیا ہے ۔ اس خزانہ کو ہر (بادشاہ) کے مرنے کے بعد اس طرح مقفل اور سربمہر کر کے رکھ دیا جاتا ہے کہ نہ کوئی اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ کھول سکتا ہے نہ ہی مملکت میں تخت نشیں ہونے والے بادشاہ انھیں کھول سکتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں ۔ کہ ان میں کیا ہے ۔ انھیں اس وقت تک نہیں کھولا جاتا ہے جب تک بادشاہوں کو شدید ضرورت نہ پڑ جائے ۔ اس طرح اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مملکت کے پاس کافی وسائل موجود رہتے ہیں ۔ اس بادشاہ (کرشن دیو رائے) نے اپنا خزانہ سابق بادشاہوں سے مختلف انداز پر قائم کیا ہے اور وہ اس میں ہر سال ایک کروڑ پرداؤ جمع کرتا ہے اور اس میں سے وہ اپنے گھر کے اخراجات کے لیے جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے ایک پرداؤ زیادہ بھی نہیں لیتا ۔ علاوہ ان اخراجات کے اور ان کے جو اس کی بیویوں کے گھروں پر صرف ہوتے تھے ، جن کے بارے میں ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ تقریباً بارہ ہزار عورتیں اس کے پاس تھیں بقیہ رقم اس کے پاس باقی رہ جاتی ہے ۔ ان (تفصیلات) سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس مملکت میں کتنی زیادہ دولت ہے اور اس بادشاہ نے کتنا بڑا خزانہ جمع کر رکھا ہے"[343] اس زمانہ میں خزانہ اکٹھا کرنا ضروری تھا تاکہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بڑی بڑی غیر متوقع ضروریات کو پورا کیا جا سکے ۔ کبھی کبھی ناخوشگوار حالات میں عوام کی مشکلات کم کرنے کے لیے بھی اقدامات کرنے پڑتے تھے ۔ اس طرح یہ رقم صرف قومی مقاصد پر صرف کی جاتی تھی ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خزانے کے علاوہ جس میں سکے اور روپیے جمع کیے جاتے تھے ، دو اور خزانے بھی تھے ۔ ایک خزانۂ طلا تھا جس میں غالباً سونا جمع کیا جاتا تھا[344] اور دوسرا خزانۂ جواہر[345] جہاں ہیرے جواہرات اکٹھے کیے جاتے تھے ۔

Marfat.com

حواشی

باب سوم

1. گوشل ہندو ریونیو سسٹم (HINDU REVENUE SYSTEM)، ص 165
2. ایپی گرافیا کرناٹیکا، جلد 3، SR.6
3. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
4. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
5. 1914ء کا 54، رپورٹ 1915ء پیراگراف 44
6. 1918ء کا 91، رپورٹ پیراگراف 68

6 الف۔ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1920ء پیراگراف 79

ملاحظہ ہو (GLOSSARY) از ولسن (WILSON)، تحت لفظ مالا (MALA)

7. 1918ء کا 91، رپورٹ، پیراگراف 68
8. 1914ء کا 59، رپورٹ، 1915 پیراگراف 44 اور
9. ایپی گرافیا کرناٹیکا، 18، ص 139
10. 1921ء کا 510، رپورٹ، پیراگراف 43
11. 1921ء کا 321، مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1915ء، رپورٹ، پیراگراف 56، ایپی گرافیا کرناٹیکا، 4،
12. 1911ء کا 324، رپورٹ، پیراگراف 49، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محصول ایسے گھروں پر وصول کیا جاتا تھا جن میں احاطہ ہو۔
13. 1921ء کا 208، رپورٹ، پیراگراف 41۔
14. ایپی گرافیا کرناٹیکا، 11، چتردرگا (CHITRADURGA) -2

Marfat.com

15ـہ اپی گرافیا انڈیکا، 8، ص 304 جلد 2، 133-134

16ـہ 1919ء کا 585،

17ـہ 1888ء کا 73، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 2 نمبر 23

18ـہ 1897ء کا 55، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 6 نمبر 4

19ـہ اپی گرافیا انڈیکا، 18، ص ص 139-میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920ء، پیراگراف-79،

20ـہ 1918ء کا 103

21ـہ 1921ء کا 510، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 2 نمبر 23

22ـہ اپی گرافیا انڈیکا، 17، ص 112

23ـہ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 681، 1914ء کا 244، رپورٹ 1915ء، پیراگراف

24ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس۔ 1916ء، پیراگراف 96

25ـہ 1897ء کا 117، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، جلد 6 نمبر 71

26ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا، 1911ء کا 389، جلد 10

27ـہ اپی گرافیا کرناٹیکا، جلد 8، ص 304

28ـہ 1910ء کا 294

29ـہ 1887ء کا 35۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس جلد 1 نمبر 55

30ـہ 1897ء کا 118، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس جلد 6 نمبر 72

31ـہ 1923-24ء۔

32ـہ انسکرپشنز آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 711، پلن کرائی (PALANKARU)، جو پودوکوٹائی ریاست ہی میں ہے، کے ایک قیمتی کتبہ میں شورائی دیور (SURAI YADEVAR) معروف بہ کل شیکھر توندائی مانار (KULASEKHARA TONDAIMANAR) اور اس کے آدمیوں کا ایک حکم درج ہے جو اس نے اپنے باپ پکائی توندئی مانار (POCCAI TONDAIMANAR) کے حکم کی پیروی میں پالئی یورنادو (PALAI YURNADU) کے باشندگان کے نام جاری کیا تھا۔ اس میں ان لوگوں سے وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرح متعین کی گئی تھی۔ یہاں یہ فقرہ "ٹیکس اسی زمین پر جس پر فصل کاٹی گئی ہے۔"

Marfat.com

بہت زیادہ اہم ہے اور ہمارے لیے دلچسپ ہے اس لیے کہ اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ زمین کا ٹیکس زمین کی اسی حد پر وصول کیا جاتا تھا جس پر فصل کاٹی گئی ہو (انسکرپشنز آف دی پودو کوتائی اسٹیٹ 784) لیکن یہاں کرایہ کا ذکر ہے نہ کہ ٹیکس کا۔

33ھ اسی طرح حکومت تجارتی اشیاء کی اس مقدار پر ٹیکس کا مطالبہ کرتی تھی جو درحقیقت فروخت ہو چکی ہوں مثال کے طور پر عبدالرزاق کہتا ہے کہ "شعبۂ ٹیکس کے افسران اشیاء پر ٹیکس عاید کرتے ہیں" "جب ان کی بکری ہو چکی ہے" "لیکن اگر ان کی بکری نہیں ہو پاتی تو وہ ان پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس وصول نہیں کرتے۔"

34ھ 1927-28ء کا 21،

35ھ 1913ء کا 36

36ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، کولر، 39، اس اصطلاح کے مختلف معنوں کے لیے ملاحظہ ہو: (AKISANNAR GLOSSARY) از نرسنگ راؤ الل (NARSINGA RAO ULLAL) ، ص ص 164-165، شوشل اینڈ پولیٹیکل (SOCIAL AND POLITICAL) از سیلیٹور (لائف ان وجے نگرامپائر (LIFE IN VIJAYANAGAR EMPIRE) ، 2، ص 442۔

37ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، نن جن گود (NANJANGUD) ، 195۔

38ھ میسور گزٹ، جلد 1، ص 578

39ھ اس طرح کے چند اہم پیمائش آلات یہ تھے:۔ چنگلی پٹ ضلع میں تیرو پوکولی (TIRUPPAKULI) کا نادل ووکول (NADAL VUKOL) 1899ء کا 18، 1365؛ اسی ضلع میں تیرو پوکولی اور میلوتی واکم (MELITTIVAKKAM) مقام کا راج ویبھادن کول (RAJA VIBHADAN KOL) 1922ء کا 107، 1374؛ 1916ء کا 193، 39-1438ء، پودوکوتائی ریاست میں تیر دمیم (TIRUMAYYAM) تعلقہ کا 13 فٹ لمبی لکڑی پینی رندی کول (PANTIRANDADI KOL) انسکرپشنز آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 685، 1388ء؛ چنگلی پٹ ضلع میں تیروپالائی ونم (TIRUPPALAIVANAM) کا اور اس کے قرب وجوار کا گندراٹے گندن کول (GANDARAYOGANDAN KOL) (1928-29ء - 357، 390 .9)، نیلور

ضلع میں پرکور (PARACUR) مقام کا ماندیاس (MANDYAS .) (نیلور ڈسٹرک انسکرپشنز (NELLORE DISTRICT INSCRIPTIONS) ،1390-91ء پودوکوتائی ریاست میں کنان دار کویل (KINNANDAR KOYIL) مقام کا 16 فٹ لمبی لکڑی، پدی ناردی کول (PADINARADI KOL) انسکرپشنز آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 687، 92-1391، تنجور ضلع میں تیروائی یارو (TIRUVAIYARU) مقام کا راج ویھادن آلپدی نتدی کول (RAJA VIRHADAN ALAPA-DINATTADI KOL) ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، 5، (1894 کا 255،) نمبر 554، 1429ء، کوئمبتور (COIMBATORE) ضلع میں کولون جووادی (KOLUNJUVADI) کا اور اس کے قرب وجوار کا (اونجل پارائی شری وتدی (UNJALPARAI SARIVUTADI) (1893 کا 583)، جنوبی آرکٹ ضلع میں 30 اور 20 فٹ کا ایک پیمائشی آلہ (1916 کا 212)، چنگلی پت ضلع میں تیروپوکولی (TIRUPPUKKULI) مقام کا گندرگندن کول (GANDARAGANDAR KOL) (1916 کا 212)، جنوبی آرکٹ ضلع میں 15 فٹ لمبا مووایرون کول (MUVAYIRAVAN KOL) 29-1928 کا 249، پندرھویں صدی، پودوکوتائی ریاست میں کارائی پور (KARAIYUR) مقام اور اس کے اطراف میں مستعمل ایک نشان سے نشان زدہ تدی (TADI) (انسکرپشنز آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 715، 1477ء) جنوبی آرکٹ ضلع کا 34 فٹ لمبا معیاری آلۂ پیمائش (1916 کا 237، 1504ء)، نیلور ضلع میں مستعمل 32 فٹ لمبا ایک لکڑی (نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنز، چناپٹنا، 16، 1515ء)، 24 فٹ کا ایک پیمائشی لکڑی (1887 کا 51، (ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، 4، 5 میں نمبر 50، ص 54، 1535ء)

حاشیہ 40 1899 کا 18،

حاشیہ 41 1923 کا 107، 1916 کا 193

حاشیہ 42 29-1928 کا 357

حاشیہ 43 1918 کا 97، رپورٹ، 1918، پیراگراف 9،

حاشیہ 44 1916 247، رپورٹ، پیراگراف 64

حاشیہ 45 ملاحظہ ہو ہسٹوریکل اسکیچز آف میسور (HISTORICAL SKETECH OF MYSORE)،

Marfat.com

جلد ۱، ص ۹۵،

46 ساؤتھ کنارا مینوئل (SOUTH CANARA MANUAL) ص ص ۹۴-96

47 ساؤتھ کنارا مینوئل، ص 95

48 SOUTH CANARA LAND ASSESSMENT CASE MANUAL ص 84، 96 میں نقل کیا گیا ہے۔

49 ساؤتھ انڈین پالیوگرافی (SOUTH INDIAN PALEOGRAPHY) ص 112

50 REPORT ON FORTY YEARS PROGRESS IN BRITISH INDIA، ص 10

51 REPLIES TO SEVENTEEN QUESTIONS، از ایف ڈبلو ایلس، ص ۴،

52 (۱۰۰۰-۱۵۰۰ء) ECONOMIC CONDITIONS IN SOUTHERN INDIA، از اے اپاڈورائی (A. APPADORAI)، ۲- ص 674۔

53 میسور گزٹ (MYSORE GAZETT) ۱، ص 578

54 تفصیلی کیٹلاگ (CATALOGUE RAISONNE) از ٹیلر (TAYLOR) جلد 3، ص 39

55 ورتھما (VARTHEMA) از جونس (JONES)، ص 129

56 سیول، ح، س، ص 282۔

57 ایضاً، ص 373

58 انڈین اینٹیکوری، ایل، ص 143۔

59 الف نائیکس آف مدورا، از آر ستیہ ناتھ ایر، ص 293۔

59 (ب) قرنی سال (CYCLIC YEAR) دُندھوبھی (DUNDHUBHI) کے ایک شکستہ کتبہ کے مطابق، جس کی صحیح تاریخ ہمیں نہیں معلوم ہو سکی، اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کہ کوڈگتور (KODAGATTUR) کے علاقہ میں تالابوں کے نشیب میں پڑنے والی آراضی کے کاشتکار شری وارم (SORI VARAM) (یعنی مالک زمین کو پیداوار کا مساوی حصہ) دیا کریں گے اور تالاب کے باندھوں کو پتھروں اور مٹی سے مضبوط کرنے کے لیے ایک

Marfat.com

مقررہ فیس ادا کیا کریں گے۔ (۱۹۱۰ء کا 197) لیکن اس کتبہ میں پٹہ داروں کے ذریعہ مالک زمین کو ادا کیے جانے والی لگان کا تذکرہ ہے لہٰذا اگر ہم اس کتبہ کو وجے نگر کے عہد کا مان بھی لیں تو بھی یہ کتبہ ریاست کے ذریعہ وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کی شرح کے تعین کے سلسلہ میں کسی بڑی اہمیت کا حامل نہیں۔ اسی طرح 56-1555 میں اوبل رائے (AUBALA RAYA) نامی ایک شخص کو بعض اراضی کی پیداوار کے $\frac{2}{3}$ سے استفادہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور اس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ بقیہ حصہ کو یقیناً میل وارم (MELVARAM) کی حیثیت سے، اس مندر کو دے دے جس کے ذریعہ اس نے آل مورو (ALAMURU) میں اراضی خریدی تھی (۱۹۱۵ کا 66)۔ یہاں بھی زمین کی لگان کا ہی ذکر ہے اور کتبہ میں ٹیکسوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ش60 ۱۹۱۶ کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف ۴۴، اگرچہ یہاں دیگر ٹیکسوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً گودوں، پیشوں اور کارخانوں کے ٹیکس، لیکن ہم نے صرف زمین کے ٹیکسوں کی شرحوں کے جائزہ تک ہی خود کو محدود رکھا ہے اور دیگر ٹیکسوں پر بحث آیندہ فصل میں کی ہے۔

ش61 مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1915ء، ص ۴۴، کارپاشن (KARPASANA) (یعنی تر) اراضی میں سے جو آراضی تخم ریزی کے دوران مرجاتی ہو (نٹوپال) (NATTUPAL) جن اراضی کی فصلوں میں پالے پڑ جاتے (شاوی SAVI)، اور جن کی فصلوں کو کسی طرح سے نقصان پہنچتا (الیوو ALMU) کو شمار نہیں کیا جاتا تھا اسی طرح پن یانیر (PUNPAYIR) (یعنی خشک اراضی) میں سے بھی پال، شادی اور الیوو کو شمار نہیں کیا جاتا تھا اور بقیہ اراضی پر $8\frac{1}{2}$ تا ۱۰ کی رعایتی شرح سے ٹیکس لگایا جاتا تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مستثنیٰ آراضیات میں سے جن اراضی کو معائنہ کے وقت فصل کا ½ حصہ پیدا کرتے ہوئے پایا جاتا۔ ہر ایک کے مالک سے پیداوار کا ایک تہائی وارم (VARAM) کی حیثیت سے وصول کیا جاتا۔

ش62 1918 کا 91۔

ش63 تیرو ملائی تیروپتی دیواستھنم انسکرپشنس (TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPTIONS)، نمبر 201۔

چونکہ نقد ادا ٹیکسوں کے سلسلہ میں کتبہ مذکورہ بالا گاؤں سیتکوتائی جو عام طور پر شری نیواس گرام

Marfat.com

(SRINIVASAGRAMAM) کے نام سے معروف ہے، کے ترو تری کوٹگائی (SROTRIKUTTAGAI) کا ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کدماتی ٹیکس کا ایک حصّہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ پیداوار کا۔ اگر یہ موخرالذکر ہوتا تو نقد ادائیگی کا کوئی تذکرہ نہ ہوتا۔ نہ ہی یہ فرض کرلینا درست ہوگا کہ صرف نقد آمدنی کی ہی نہیں بلکہ غلّہ کی پیداوار کی بھی تقسیم ہوتی تھی۔

64ھ 1913ء کا 36۔

65ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوٹائی اسٹیٹ (INSCRIPTIONS OF THE PUDUKKOTTAI STATE.) 711۔

66ھ ایضاً، 819۔

67ھ 1916 کا 247، رپورٹ، پیراگراف 64۔

68ھ 1916 کا 721۔

69ھ اپی گرافیا کرناٹیکا۔

70ھ اپی گرافیا کرناٹیکا۔

71ھ 1913 کا 272

72ھ 1919 کا 585

73ھ 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44۔

74ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، بنگلور، 96۔

75ھ 1918 کا 91، رپورٹ 1918، پیراگراف 69۔

76ھ 1921 کا 335۔

77ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، یلندر، 62۔

78ھ 1921 203، رپورٹ 1922، پیراگراف 41

79ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، چنّارائے پٹنا (CHENNARAYAPATNA) 17۔

80ھ اپی گرافیا انڈیکا، 8 ص 304

81ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شکارپور، 241

82ھ 1916 کا 373، رپورٹ 1917، پیراگراف 47

83ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 18، کولر (KOLAR) 94

Marfat.com

۸۴ء 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنز، 4، نمبر 318، 1921 کا 335

۸۵ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا (SHIMOGA)، 30۔

۸۶ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 11، جگ لور (JAGALUR)، 2-1

۸۷ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920 پیراگراف 79، 7، شی موگا 30۔

۸۸ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 2، سورب (SORAB)، 344

۸۹ء 1914 کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف 44

۹۰ء میسور گزٹ از رائس، ا، ص 583

۹۱ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1926، نمبر 120

۹۲ء 1921 کا 203، پیراگراف 41، 1889 کا 87

۹۳ء 1890 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنز 4 نمبر 351

۹۴ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، بیلور (BELUR)، 75

۹۵ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 3،

۹۶ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا، 30

۹۷ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 10 چنتامنی (CHINTAMANI)، 40

۹۸ء 1910 کا 196

۹۹ء 1911 کا 324، رپورٹ، 1912، پیراگراف 49

۱۰۰ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 7

۱۰۱ء نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنز (NELLORE DISTRICT INSCRIPTIONS)

۱۰۲ء 1915 کا 18؛ 1919 کا 704

۱۰۳ء 1892 کا 242، اپی گرافیا انڈیکا 4، ص 232

۱۰۴ء 1894 کا 121، ساؤتھ انڈین انسکرپشنز 5، نمبر 41، 1916 کا 373، رپورٹ 1917، پیراگراف 47

۱۰۵ء ملاحظہ ہو۔ نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنز از بٹر ورتھ اور وینو گوپال چٹی (BUTTER WORTH AND VENUGOPAL CHETTY)، ص، 947۔

۱۰۶ء ایک ٹیکس جو وقتاً فوقتاً متعین کی ہوئی شرح کے مطابق تجارت کے منافع پر سوداگروں، تاجروں،

Marfat.com

دوکانداروں، خوردہ فروشوں، تجارتی ایجنٹوں اور گاؤں یا شہر کے ان تمام باشندوں سے وصول کیا جاتا تھا جو تجارت میں لگے ہوئے تھے۔ ولسن (انڈین گلوسری) (INDIAN GLOSSARY) ؛ ص 549)

107ے 1913 کا 223

108ے اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232

109ے اپی گرافیا کرناٹیکا، 12،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "گا" سے مراد گدیانا (GADYANA) اور "ما" سے مراد مانا (MANA) ہے۔

110ے 1892 کا 242، اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232 دوسرے کتبہ کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بیلور، 75

111ے سیول، ر، س، ص ص 363 - 364

112ے اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بیلور، 75

وجے نگری (VIJAYANAGARI)، ہستی ناوتی (HASTINAVATI)، دورسمدرم (DORASAMUDRAM)، گوتی، پینوگونڈی (PENUGUNDI)، آدونی (ADAVANI)، ادے گیری، چندراگیری، مولوائی (MULUVAYI)، کانسی (KANCI)، پدویدو (PADVIDU)، پدرون گپتن (GADURANGAPATTANA)، منگورو (MANGALURU)، بارکورو (BARKURU)، ہون ناوورو (HONNAVARU)، چندوورا (CANDAVURA)، آرگا (ARAGA)، چندرگتی (CANDRAGUTTI)، انی گیرے (ANNIGERE)، ہولی گیرے (HULIGERE)، نیدوکلو (NIDUGALLU)، چم تن کلو (CINATANAKALLU)، تریاکلو (TARIYAKALLU)، اَنیوددشری (ANEVIDDASARI)، کل ہیا (KALUHYA)، تیل کلبی (TELAKALAMBI) اورشنگاپتن (SINGAPATTANA)۔

1606ء کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ مملکت کے مغربی حصوں میں تقریباً 42 چنگی خانے تھے۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8،

Marfat.com

113 ایپی گرافیا کرناٹیکا، شی موگا، 30

114 میسور گزٹ ازرائس، ا، ص ص 583 – 584

115 سیول، ح، س، ص 366 ایک وینٹم (VENTEM) تقریباً ا $\frac{7}{20}$ -

116 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 5، چنّارائے پٹنا (CHENNARAYAPATNA) 174 -

117 ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، بیلور، 75، ننگ من گلا (NAGAMANGALA) 22، وغیرہ -

118 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44 - یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکورہ بالا ٹیکسوں میں صرف وہی ٹیکس شامل نہ تھے جو لوگوں پر ان کے پیشوں کے لیے عاید کیے جاتے تھے۔ بلکہ وہ ٹیکس بھی تھے جو ان کے پیشوں میں مستعمل اوزاروں اور سامانوں پر عاید کیے جاتے تھے۔ مثلاً کمہار پر عاید شدہ ٹیکس ایک ایسا ٹیکس تھا جو صرف اس کے پیشے پر ہی نہیں بلکہ تیرگائی (TIRI - GAI) یا اس کے چاک پر بھی تھا جس کا وہ استعمال کرتا تھا۔ لیکن گوپی ناتھ راؤ نے تیری گائی آئیم (TIRIGAIYAM) کی اصطلاح کا مطلب وہ ٹیکس بتلایا ہے جو مونڈیری گائی (MUNDIRIGAI) کا جو یا انگور کی عام شراب کی فروخت پر عاید کیا جاتا تھا (ایپی گرافیا انڈیکا، 17، ص 117) یہ واضح طور پر غلط ہے جو ٹیکس حجاموں پر عاید تھا اس میں اس کے استرے کریوی (KARUVI) کا ٹیکس بھی شامل تھا۔ دھوبی اپنے اس پتھر کے لیے بھی ٹیکس ادا کرتا تھا جسے وہ اپنا کام کرتے وقت استعمال کرتا تھا۔ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ کل لایم (KALLAYAM) غالباً پہاڑیوں سے تراش کرلائے جانے والے پتھروں پر ایک ٹیکس تھا (حوالہ بالا)۔

119 میسور ایپی گرافی رپورٹس، 29 - 1928، پیراگراف 69

120 1918 کا 91، رپورٹ، پیراگراف 68

121 1910 کا 293

122 1910 کا 294

123 1914 کا 59، رپورٹ، 1915، پیراگراف 44

124 ایضاً، انسکرپشنس آف دی پدوکوتائی اسٹیٹ، 687

125 انسکرپشنس آف دی پدوکوتائی اسٹیٹ 753

126 1921 کا 450، 1922 کا 460

Marfat.com

۱۲۷ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، DR. 57

۱۲۸ مندر کے نقارچیوں پر عاید ایک ٹیکس۔ ایچ۔ کے۔ شاستری کا خیال ہے کہ وہ مندر کے نقارچی تھے لیکن ہلزش (HULTZSCH) کا خیال ہے کہ وہ نچلے طبقے کے مسلمان تھے۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ا، ص 82، این۔ کرشن شاستری کا خیال زیادہ معقول ہے۔

۱۲۹ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰،

۱۳۰ 1913 کا 30، رپورٹ، پیراگراف 54

۱۳۱ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920، پیراگراف 79

۱۳۲ ایضاً۔

۱۳۳ 1917 کا 216، رپورٹ، پیراگراف 68

۱۳۴ 1397 کا 22۔

۱۳۵ نیلور ڈسٹرکٹ انسکرپشنس،

۱۳۶ 1887 کا 52۔ الف

۱۳۷ 1913 کا 177

۱۳۸ 1914 کا 59، رپورٹ 1915، پیراگراف 44

۱۳۹ ایپی گرافیا کرناٹیکا 4،

1913 کا 30، رپورٹ، 1913، پیراگراف 54

۱۴۰ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، ہوس کوٹ (HOSKOTE) 103۔الف

۱۴۱ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 24۔

۱۴۱ الف۔ ایضاً

۱۴۲ ایضاً 784

۱۴۳ ایضاً 733

۱۴۴ ایپی گرافیا انڈیکا 17، ص 112

۱۴۵ 1918 کا 103، رپورٹ، پیراگراف 69

۱۴۶ ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، بیلور، 75،
ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ (ELLIOT) جلد 4، ص 111

Marfat.com

۱۴۷ے اپی گرافیا کرناٹیکا ، 6

۱۴۸ے کوندوجو حجام، جو ٹیکس کی معافی میں ذریعہ بنا تھا، غالباً بادشاہ کے پاس کافی اثر ورسوخ رکھتا تھا، تیلگو نظم نیرن کوشوپاکھیانم (NIRANIKASOPAKHYANAM) کا مصنف، شاعر ردریا (RUDRAYYA) شہر وجے نگر آیا تھا اور کوندوجو کہ اثر ورسوخ کی بنا پر اس نے درباری شعراء کی حسد وجلن کے باوجود بادشاہ سداشیو سے شرف باریابی حاصل کیا تھا۔ حجام کی طرف اپنی ممنونیت کے اظہار کے لیے شاعر نے اس کی مدح میں ایک نظم لکھی تھی جو اب تک موجود ہے رمیسور اپی گرافی رپورٹس، 1926، پیراگراف 43

۱۴۹ے اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۱ ، مولاکمورو (MOLAKAMURU) ، 6

۱۵۰ے ۱۹۱۱ کا 293 ، رپورٹ 1912 ، پیراگراف 51۔

۱۵۱ے ۱۹۱۴ کا 59 ، رپورٹ، 1915 ، پیراگراف ۴۴

۱۵۲ے 1918 کا 91،

۱۵۳ے ۱۹۱۱ کا 293،

۱۵۴ے 1908 کا 364،

۱۵۵ے 1921 کا 284 ، رپورٹ، 1922، پیراگراف ۴۱

۱۵۶ے ۱۹۱۴ کا 365 ، انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ ، 695 نمبر ۱۹۱۱ کا 324

۱۵۷ے 1921 کا 203 ، رپورٹ، 1922، پیراگراف ۴۱

۱۵۸ے 1887 کا 87 ، 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۴ نمبر 318

۱۵۹ے 1889 کا 89

۱۶۰ے اپی گرافیا انڈیکا ، 8، ص 304

۱۶۱ے ایضاً

۱۶۲ے اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۱ ، چتردرگا 20

۱۶۳ے 1890 کا 20 ، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۴ ، نمبر 343

۱۶۴ے 1912 کا 272

۱۶۵ے انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 707

۱۶۶ے 1909 کا 440

Marfat.com

167 ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، شی موگا، 71

168 1897 کا 116

169 1920 کا 329

170 ایپی گرافیا کرناٹیکا 7،

171 میسور گزٹ، ا، ص 548

172 سیول ح، س، ص 389

173 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920ء، پیراگراف 79

174 1921 کا 510، رپورٹ، 1932، پیراگراف 43، 1920، 1911، پیراگراف 51

175 ایپی گرافیا انڈیکا 17، ص 112

176 سی، پی 22-1921 کا 8

177 1921 کا 510، رپورٹ، 1922، پیراگراف 43 [redacted] 37، رپورٹ، 1917، پیراگراف 47

178 1921 کا 129

179 تراونکور آرکیولوجیکل سیریز (TRAVANCORE ARECHOEOLOGICAL SERIES) 5، حصہ، ص 205، اگرچہ یہ کوتانی یم محض ایک فوجی ٹیکس تھا اور غالباً کوتانی لگائی ہی تھا، لیکن تراونکور آرکیولوجیکل سیریز کے مصنف اے۔ ایس۔ رام ناتھ ایر کا خیال ہے کہ یہ غالباً ایک خاص ٹیکس تھا جو کوتانی گیہوں بونے کی صلاحیت رکھنے والی اراضی پر چند یم کی شرح سے لگتا ہے۔

180 1916 کا 373، رپورٹ، 1917، پیراگراف 47

181 ایپی گرافیا انڈیکا 8، ص 304

182 1911 کا 324، رپورٹ، 1912، پیراگراف 49

183 1889 کا 89، ساؤتھ انڈین انسکرپشنز 11، نمبر 318، 1906 کا 241

184 1920 کا 331

185 سیول۔ ح، س، ص 281

186 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1927، پیراگراف 105، کودی کلیانم (KUDIKALYANAM) شادی کے بعد دولہا کے گھر جانے والی بارات کا جلوس ہے۔ ویواہ پنم (VIVAHAPANAM)

Marfat.com

کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو 1921 کا 120 -

187ء اپی گرافیا کرناٹیکا 9، مگدی (MAGADI) ، 17

188ء اپی گرافیا کرناٹیکا 11، ہولل کر (HOLALKERE) ، 17

189ء اپی گرافیا کرناٹیکا 4، ہیگا دادیونکوٹ (HEGGADADEVANKOTE.) ، 60

190ء 1916 کا 373

191ء اپی گرافیا کرناٹیکا 4

192ء 1915 کا 48

192ء الف اپی گرافیا کرناٹیکا 4،

193ء 1913 کا 30، رپورٹ، پیراگراف 54

194ء 1910 کا 221،

195ء میسور اپی گرافی رپورٹس، 1913، پیراگراف 59

196ء 1887 کا 117

197ء اپی گرافیا کرناٹیکا 12، مدگیر 31-

198ء 1917 کا 717، رپورٹ 1918، پیراگراف 72، ان میں سے چند یہ تھے:-
گھنگیری راجیہ (GHANGIRI RAJYA) ، کندن ولو (KANDANAVOLU)
گھنڈی کوٹا (GHANDIKOTA) ، استھلا، سدھاوتا (SIDDHAVATTA)
سدھاپورشیم (SIDDHAPURASIME) ، چندرگیری راجیہ ناگ
من گلا شیم (NAGAMANGALASIME) ، مولا راجیہ (MULA RAJYA)
اور رائے درگا راجیہ (RAYADURG RAJYA)-

199ء اپی گرافیا کرناٹیکا 12، مولا کنور (MOLAKANVAR) 64

200ء اپی گرافیا کرناٹیکا 9، مگدی (MAGADI) ، 17

201ء اپی گرافیا کرناٹیکا 4، چنارائے پٹنا 97، انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 711، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920، پیراگراف 79-

202ء اپی گرافیا انڈیکا 8، ص 304

203ء اپی گرافیا کرناٹیکا 5 منجر آباد (MANJRABAD) ، 66

Marfat.com

204ھ میسور گزٹ ازرائس (RICE) ا ص ص۔ 584۔585

205ھ 1897 کا 55، ساؤتھ انسکرپشنس 5، نمبر 4

206ھ اپی گرافیا انڈیکا، ص 304

207ھ 1921 کا 510، رپورٹ، 1922، پیراگراف 43

208ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 3

209ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، شی موگا، 71

210ھ 1918 کا 96، رپورٹ، پیراگراف 69

211ھ 1893 کا 581، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 5، نمبر 257

212ھ 1887 کا 87

213ھ ایضاً

214ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1913، پیراگراف 56

215ھ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1916، پیراگراف 96

216ھ 1921 کا 335

217ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 730

218ھ 1914 کا 365

219ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 746

220ھ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، پیراگراف 79

221ھ 1913 کا 79، رپورٹ، ص 72

222ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، کولر 54

223ھ 1914 کا 365، پودوکوتائی اسٹیٹ انسکرپشنس 695

224ھ 1890 کا 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 4، نمبر 351

225ھ اپی گرافیا انڈیکا 3، ص 304

226ھ 1917 کا 275

227ھ 1910 کا 221، رپورٹ، 1911، پیراگراف 51

228ھ 1913 کا 276، رپورٹ 1914، پیراگراف 29

Marfat.com

229ء 1913 کا 30، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

230ء اپی گرافیا انڈیکا 18، ص 142

231ء 1912 کا 226، رپورٹ، 1915، پیراگراف 54

232ء 1916 کا 230، رپورٹ، 1916، پیراگراف 60

233ء انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 730

234ء 1905 کا 511، رپورٹ، 1906، پیراگراف 48

235ء 1915 کا 510

236ء 1913 کا 176

237ء اپی گرافیا کرناٹیکا 5، حسن (HASAN)، 22

238ء مدراس اپی گرافی رپورٹس، 29-1928، پیراگراف 69

239ء اپی گرافیا کرناٹیکا 4

240ء اپی گرافیا کرناٹکا 4، ہنگادادیونکوٹ 94

241ء 1917 کا 697

242ء اپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلی، 15

243ء اپی کرناٹیکا 3، میسور، 28

244ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1928، نمبر 36

245ء اپی گرافیا کرناٹیکا 5، من جن گود (NANJANGUD)، 52
اپی گرافیا کرناٹیکا، 11، چترادرگا (CHITRADURGA)، 2 بھی ملاحظہ ہو۔

246ء اپی گرافیا انڈیکا 18، ص 142

247ء 1912 کا 226، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

248ء آمکتامالیاد، کھنڈ 4، اشلوک 236

249ء سیویل۔ ح۔ س، ص 365

250ء 1922 کا 189

251ء 1918 کا 96

252ء ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 1، نمبر 55، اپی گرافیا انڈیکا 18، ص 304، اپی گرافیا انڈیکا 3،

Marfat.com

ص 73

253ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ا، نمبر 62، ا، 21 ملاحظہ ہو۔

254ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 726

255ھ 1890 کا 28، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۴، نمبر 351

256ھ 1912 کا 553، رپورٹ 1913، پیراگراف 56، 1912 کا 367 بھی ملاحظہ ہو۔
ایپی گرافیا کرناٹیکا 2، سورب (SORAB) 229 جہاں سورن آدایم اور دوشادایم، کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دوشا کا مطلب غلّہ ہے لہٰذا بظاہر اس کا اشارہ جنس کی شکل میں آمدنی کی طرف ہے۔

257ھ MINUTS OF SIR THOMAS MUNRO، ص 6، مکتوب مورخہ 31 مئی 1801ء۔

258ھ ملاحظہ ہو ساؤتھ کناڑا مینوئل، ص 96

259ھ ملاحظہ ہو منٹس آف سر تھومس منرو، ص 15، مکتوب مورخہ یکم مئی 1801ء

260ھ یہ بیان اگرچہ ساؤتھ کناڑا مینوئل کے مصنف کا ہے لیکن یہ قابل اعتراض ہے کیونکہ ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ چولا اور وجے نگر کے ابتدائی بادشاہ درست اور باضابطہ طریقے پر پیمائش کرایا کرتے تھے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مملکت کے مختلف پیمائشی آلات میں مقامی طور پر ہمیشہ اختلاف رہا کرتا تھا۔

261ھ ساؤتھ کناڑا مینوئل، ص 96

262ھ ایپی گرافیا انڈیکا، 17، ص ص 110--117

263ھ 1916 کا 246، رپورٹ، پیراگراف 66، 1917 کا 680 بھی ملاحظہ ہو۔

264ھ منٹس آف سر تھومس منرو، ص ص 37-236، مکتوب مورخہ 31 دسمبر 1824ء

265ھ 1917 کا 259

266ھ مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1918، پیراگراف 69

267ھ 1914 کا 59 رپورٹ 1915 پیراگراف 44۔

268ھ 1912 کا 309، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

269ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، ہوس کوٹ 149

Marfat.com

270ء ایگریرین سسٹم آف مسلم انڈیا (AGRARIAN SYSTEMS OF MOSLEM INDIA) ص 12،
مسلمانوں کے دور میں اس نظام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ریلیشنس آف گولکنڈا (RELA
TIONS OF GOLKONDA) از متھ ولڈ، ص ص 11، حاشیہ۔

271ء ایضاً، ص 12، حاشیہ 2

272ء سیول، ح، س، ص ص 366، کذا، ص 62

273ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلّی (TIRTHAHALLI) ، 15 قابل ذکر ایک دوسری
مثال کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً، 4، یلندور (YALANDUR) ، 62

274ء 1924 کا 145۔

275ء یہ (ٹیکس) غالباً گاؤں کے محاصل ہوا کرتے تھے۔

276ء A JOURNAL THROUGH CANARA, MYSORE AND MALABAR. جلد ا ص 269

277ء FROM AKBAR TO AURANGZEB ص ص 272 — 273

278ء 1922 کا 681 رپورٹ 1923، پیراگراف 83

279ء 29-1928 کا 211

280ء 29-1928 کا 215

281ء 1910 کا 264 رپورٹ پیراگراف 51

282ء سیول ح. س. ص ص 81 — 82

283ء ایضاً، ص 389

284ء ایضاً ص ص 385-384

285ء لیکن مذکورہ بالا بیان کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی براہ راست ثبوت نہیں
ہے۔ چونکہ ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیا جانا سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں رائج
تھا اور بعد میں حکومت نے بہت سے مقامات پر محاصل کی وصولی کو اپنے ہاتھ لے لیا تھا۔
لہٰذا ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ گاؤں کی اسمبلیوں کے انحطاط کے ساتھ ہی محاصل کو اجارہ پر
دیئے جانے کا نظام زیادہ وسیع پیمانہ پر اپنایا گیا۔

Marfat.com

286؎ 1912 کا 422، رپورٹ 1913، پیراگراف 52

287؎ 1913 کا 36

288؎ سیول ح، س، ص 365

289؎ اپی گرفیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA) 9 ہوس کوٹ (HOSKOTE)، 50

290؎ 1912 کا 389 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی تین سالوں میں ٹیکسوں کی شرحوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا تھا۔

291؎ 1921 کا 307

292؎ 1925 کا 380

293؎ 1920 کا 629

294؎ 1915 کا 548

295؎ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، SR 105، اپی گرافیا کرناٹیکا 11، 7 - JL.

296؎ 1912 کا 309، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

297؎ اپی گرافیا کرناٹیکا، 9 ہوس کوٹ 149

298؎ 1922 کا 207، اسی طرح کے ایک افسر کے حوالہ کے لیے 1919 کا 693 بھی ملاحظہ ہو۔

299؎ 1916 کا 172 رپورٹ 1916، پیراگراف 140

300؎ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 699

301؎ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگرچہ مملکت وجے نگر کے متعدد حصوں میں ٹیکسوں کی وصولی کے لیے اجارہ کا اصول اسی زمانہ میں اپنا لیا گیا تھا جب کہ سبھا کو فروغ حاصل تھا اور وہ حکومت کے لیے ریاست کے محاصل وصول کیا کرتی تھی لیکن یہ محض چند ہی مقامات پر رائج تھا لیکن جب گاؤں کی اسمبلیاں زوال پذیر ہونے لگیں تو فطری طور پر ریاست کے محاصل کو اجارہ پر دیئے جانے کے نظام کو ان دیہاتوں میں بھی رائج کر دیا گیا۔

302؎ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ہولکرے (HOLALKERE)، 111

303؎ 1926 کا 340، رپورٹ پیراگراف، 43

304؎ 30-1928 کا 514، رپورٹ، پیراگراف 62

Marfat.com

305ھ 28-1927 کا 412

306ھ 1921 کا 204، رپورٹ، پیراگراف 41

307ھ 1918 کا 109، رپورٹ، پیراگراف 69

308ھ 1911 کا 293، رپورٹ، پیراگراف 51

309ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس (MYSORE ARCHAEOLOGICAL REPORTS) پیراگراف 79

310ھ 1916 کا 120

311ھ سیول، ح، س، ص 389

312ھ سترھویں صدی میں ہمیں تراونکور (TRAVANCORE) میں رسیدوں کا حوالہ ملتا ہے۔ تراونکور ریاست میں ک الف 873 (K.A. 873) کی ایک دستاویز کی دو نقلوں میں رسیدوں کے دیئے جانے کا تذکرہ ہے۔ محولہ کتبہ میں درج ہے کہ "جب میل وارم (MELVARAM) اور پاٹم (PATTAM) کے ٹیکسوں ادا کیا جائے گا تو گذشتہ سال کی رسیدوں کو دکھا کر رسید حاصل کر لی جائیگی" (ناخدائیک ... یوم تلدئیک کوری یوم کاٹی (NANDAIKKURIYUM --- TALAIKKURIYUM KATTI) ترا... آرکیولوجیکل رپورٹس 5، نمبر 71 اور 72 ص ص 211 اور 215) یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ وجے نگر... رسیدیں دیا جانا کیوں معروف نہ ہوگا۔

313ھ سیول۔ ح۔ س۔ ص 263

314ھ ایضاً۔ ص ص 281 - 282

315ھ ایضاً۔ ص 379

316ھ ایضاً۔ ص 389

317ھ MINUTES OF SIR THOMAS MUNRO، ص ص 38-237

318ھ 1916 کا 50، رپورٹ، پیراگراف 64

319ھ انسکرپشن آف پودوکوتائی اسٹیٹ 733

320ھ 1914 کا 59، رپورٹ 1915 پیراگراف 44

321ھ 1918 کا 92، رپورٹ۔ پیراگراف 68

Marfat.com

322ھ 1917 کا 216، رپورٹ، پیراگراف 68

323ھ 29-1928 کا 246 اور 254، رپورٹ۔ پیراگراف 79

324ھ کھنڈ چہارم، اشلوک 237

325ھ 1923 کا 370

326ھ 1921 کا 476، رپورٹ 1922، پیراگراف 46-1907 کی رپورٹ، پیراگراف 55 بھی ملاحظہ ہو

328ھ 1916 کا 247، رپورٹ، پیراگراف 64

327ھ 1913 کا 422۔

329ھ 1916 کا 246، رپورٹ، پیراگراف 66

330ھ 1921 کا 413، رپورٹ 1922، پیراگراف 57

331ھ انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 748

332ھ 1915 کا 492، رپورٹ 1916 پیراگراف 69

333ھ 1926 کا 340، رپورٹ، پیراگراف 43

334ھ سیول، ح، س، ص ص 373 اور 79

335ھ ایضاً ص 379، حاشیہ 2۔ آر سیول کی تصنیف INDIA BEFORE THE ENGLISH ص ص 58-36 بھی ملاحظہ ہو۔

337ھ 1922 کا 367

336ھ 1922 کا 32، رپورٹ، پیراگراف 45۔

338ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 10، مودبگل (MUDBAGAL) ، 20

340ھ سیول، ح، س، ص ص 74-373

339ھ کھنڈ 4 اشلوک 262 —

341ھ ، ایضاً، ص 304

342ھ کھنڈ 4 اشلوک 238

343ھ سیول، ح، س، ص 282

344ھ 1918 کا 380، اپی گرافیا کرناٹیکا 8، تیرتھ ہلی، 172

345ھ سیول، ح، س، ص 389، 1920 کا 387

Marfat.com

باب چہارم

قانون، انصاف اور پولیس

فصل اوّل

قانون

موجودہ دور میں قانون کا مطلب اصول وضوابط کا وہ مجموعہ ہے جسے حاکم بالادست نے اس سماج کے نظم ونسق کے لیے بنایا ہو جس پر وہ حکمرانی کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں قوانین مختلف کردار کے حامل تھے یہ مذہب واخلاق کے ساتھ اس قدر گتھے ہوئے تھے کہ انھیں زیادہ تر ملک کے مذہبی ادب میں پایا جاتا تھا۔ وید ایسے قوانین کے اصل ماخذ ہیں۔ ویوہار یا قانون سے ان میں ایک علاحدہ شعبہ کی حیثیت سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ چونکہ ان میں ہندوؤں کی زندگی کو منضبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور معینہ فرائض سے غفلت برتنے پر ان کے لیے سزائیں تجویز کی گئی ہیں، ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے بعض حصے قانون سے متعلق ہیں۔ دھرم شاستروں کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں صرف قوانین سے بحث کی گئی ہے کیوں کہ یہ تالیفات ایسی ہی ہیں جو بڑی حد تک ویدوں پر مبنی ہیں اور جنھیں منو اور نارد جیسے مقننین نے ہندو معاشرے کی ہدایت کے لیے لکھا تھا۔ یہ مقننین بھی رائج قوانین کے محض مدوّن تھے نہ کہ ان کے واضع۔ پوران اور مہابھارت جیسے رزمیات بھی ادب کی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور انھیں بھی مستند تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔

رسم ورواج قانون کا دوسرا ماخذ تھا۔ دھرم شاستر جو کہ ویدوں پر مبنی ہیں ملک کے مروجہ قوانین کی محض تدوینیں ہیں۔ یہی رواج لوگوں کا سداچار (SADACARA) ہے۔ ہندوستان میں قوانین کی نوعیت کا تعین کرتے وقت ان کے مدوّنین نے لوگوں میں رائج قدیم رسم ورواج مخصوص

Marfat.com

علاقوں کے اخلاق و عادات نیز مختلف ذ ن اور قبیلوں کی روزانہ کی زندگی کے معمولات کو پیش نظر رکھا ہندو معاشرہ وقت کی رفتار کے ساتھ ترقی پ یر ہوا ہے ، لہٰذا تنوع اس کی اصل خصوصیت ہے ۔ یہ مختلف قسم کے سماجی گروہوں پر مشتمل ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اس کے عمل کی رہنمائی اور نگرانی کے لیے خود اپنے قوانین ہیں ۔ چونکہ (قوانین کی) تدوین عوام کے رسم و رواج پر مبنی ہوتی تھی لہٰذا مدونین کو مختلف سماجی گروہوں کے مختلف رواجی قوانین کو پیش نظر رکھنا پڑتا تھا لیکن ایک ازدواجی قانون کو قانون کی حیثیت اسی وقت حاصل ہوتی تھی جب وہ ملک کے منصوص یا مقدس قوانین کے خلاف نہ ہوں ۔ اگر کوئی اختلاف پایا جاتا تو موخر الذکر کو فوقیت دی جاتی یہ بات کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ رسم و رواج بھی بدل جاتے ہیں ۔ مدونہ قوانین کی ان نئی تعبیرات یا تطبیقات سے ظاہر ہے جو بعد کے مفسرین نے کی ہیں اس طرح کی تشریحیں سماج کے تجربہ کی روشنی میں بنیادی قوانین کی وضاحت کے لیے ضروری تھیں ۔ جیسا کہ ڈاکٹر جولی (DR. JULLY) کہتا ہے ۔ ہندوستان کے قانونی ادب کے آخری دور کی تشکیل ان تشریحوں اور باضابطہ تصانیف سے ہوتی ہے جن کا ارتقاء عہد وسطیٰ کی ابتدا سے اسمرتیوں (SMVTUS) سے ہوا ہے ایک نئے عہد کی پیداوار نیز بڑے بڑے حکمرانوں اور وزراء کے زیر اثر لکھی جانے والی ان جامع تصانیف نے رفتہ رفتہ اسمرتیوں کا رواج اس طرح ختم کر دیا کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قیام کے وقت گیارہویں صدی کا قوانین کا ایک ملخص میتاکسیرا (MITAKSARA) ہندوستان کے بڑے حصے میں ایک معیاری کتاب تھی ۔ اسی طرح ایک دوسری تشریح پراشر مادھویم ہے جو پراشر اسمرتی پر مادھو کی شرح ہے ۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں عدالتی تنظیم کے جائزہ کے لیے اس (کتاب) کی اہمیت پر ہم آگے بحث کریں گے ۔

یہ تھے ہندو قوانین کے ماخذ ۔ چونکہ انھیں انسان نے وضع نہیں کیا تھا اس لیے وہ اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم بھی نہیں کر سکتا تھا تو بس اسے ان کے احکامات کی تعمیل کرنی تھی ۔ ریاست جو اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ تھی ، اسے ان قوانین کو صرف نافذ کرتا تھا ۔ ہندو بادشاہ ، جو ریاست کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا ، بذات خود قوانین کا واضع نہ تھا ۔ وہ قوانین کا اتنا ہی پابند ہوتا تھا جتنا کوئی اور شخص ۔ مزید براں وہ ان قوانین کا پشت پناہ تھا ۔ بادشاہ کا فرض تھا کہ وہ موجودہ قوانین کو اپنی رعایا پر نافذ کرے ۔

ڈنڈ یا سزا کے استعمال کی اہمیت کو مانو نے بڑے پرزور انداز میں واضع کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ ڈنڈ ہی ہے جو رعایا پر حکمرانی کرتا ہے ۔ یہ صرف ڈنڈ ہی ہے جو تمام لوگوں کی حفاظت کرتا ہے ڈنڈ بیدار

Marfat.com

رہتا ہے جب کہ دوسرے سوتے ہیں۔ چنانچہ عالموں کے مطابق ڈنڈ بذاتِ خود دھرم ہے[2]۔ "وجے نگر کے بادشاہوں نے ڈنڈ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سماج میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے سزا ایک لازمی شرط ہے کرشن دیو رائے اپنی آمکتا مالیادا میں رقم طراز ہے" بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ لگاؤ، عورت اور مرد کے درمیان مناسب تعلقات، جوگی کا اپنے قوا اندریاؤں (INDHIYAN) کو زیر کرنا، نیچی ذاتوں کا اونچی ذاتوں کے لوگوں کا ادب واحترام کرنا، نوکر کا اپنے آقا کے مفادات کی حفاظت کرنا، آپ جان لیجئے کہ یہ ساری باتیں (آخر میں) بادشاہ کی سزا کے خوف کا نتیجہ ہیں[3]۔ "قوانین کے نفاذ کے لیے بادشاہ کو وسیع اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ یہی مصنف بادشاہ دوسری جگہ لکھتا ہے" یہ ضروری ہے کہ ایک بادشاہ اپنے احکامات کو نافذ کرے جنگل کے آبھیر (ABHIRAS) اور بھلا (BHILLAS) بھی تیر کے نشان اور دھاگے کے ٹکڑے سے اپنے احکامات نافذ کر لیتے ہیں لہٰذا اس سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ ایک بادشاہ (سارو بھاوما (SARVABHOUMA) اپنے احکامات کو نافذ کر سکے[4]۔" اس طرح حاکم اعلیٰ کو اتنا اختیار ہونا چاہئے کہ وہ عوام پر قوانین کو نافذ کر سکے۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے مطابق ریاست کا پہلا فرض سماج کا تحفظ اور مملکت کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے درمیان مفادات کی کشمکش کو روکنا تھا اس کا حصول دھرم کے احکامات پر چل کر ہی ممکن تھا۔ کرشن دیو رائے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ دھرم کی پابندی کس قدر ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے" ایک تاجدار بادشاہ کو ہمیشہ دھرم کو پیش نظر رکھ کر حکومت کرنی چاہیے . . . . . . اپنے دھرم پر دانشمندی کے ساتھ چل کر آپ اپنے تہرے قرضوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں[1]۔" اور ایک دوسری جگہ وہ لکھتا ہے" جب کوئی بادشاہ ورگ، دھرم (مذہب)، ارتھ (دولت) اور کام (محبت) سب کی طرف یکساں توجہ دے رہا ہو تو اگر اس وقت وہ کسی وجہ سے دھرم کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے تو یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کہ جو پانی دوسرے کھیتوں کی آبپاشی کے لیے تھا اس میں سے بچ رہنے والے پانی سے اناج کے کھیتوں کو پر کر کے انھیں اور زرخیز بنا دیا جائے یہ بات حکمراں کی مسرت ہی کا باعث بنے گی[2]۔" کسی مملکت پر حکمرانی کرنے کے سلسلہ میں جو گناہ ہوتے ہیں اس کے بارے میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن کرشن دیو رائے اس شبہ کے ازالہ کے لیے آسان جواب دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ" اگر کوئی بادشاہ مفاد عامہ کے تحت کام کرتا ہے اور اس کی انجام دہی کے دوران بدعنوانی کرنے والوں کو سزا دیتا ہے تو وہ محض دھرم کے راستہ پر چل رہا ہے اور کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہے[3]۔" بادشاہ مزید لکھتا ہے" حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ایک شخص کو دھرم کا تابع کہا جائے درآنحالیکہ وہ خطا اور قتل کرتا ہے ایک شخص کو ناکتخدا

Marfat.com

(برہمچاری) کہا جائے (گو کہ وہ ایک بیوی رکھ لیتا ہے اور اپنی محبت میں معتدل ہے) ایک شخص کو سچا کہا جائے حالانکہ وہ (خاص حالات میں جس کی اجازت دھرم نے دی ہے) جھوٹ بولتا ہے۔ اسے روزہ دار کہا جائے اگرچہ وہ کھاتا ہے (اگر وہ اعتدال پسند ہو) ایک شخص کو بہادر کہا جائے حالانکہ وہ لڑنے سے گریز کرتا ہے (ان لوگوں کے خلاف جن سے اسے لڑنا نہ چاہیے) ایک شخص کو امیر کہا جائے اگر وہ (مناسب مقاصد کے لیے) روپے صرف کر دیتا ہے۔[7]

وجے نگر کے زمانہ کے بعض مخصوص قوانین کا کچھ خاکہ ہمیں ملتا ہے، مثلاً بغاوت کے قانون، تمادی کے قانون اور وہ قانون جو خدمت کے انعامات سے استفادے سے متعلق تھے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ریاست یا بادشاہ کے خلاف بغاوت کو ایک بدترین جرم سمجھا جاتا تھا۔[8] اور جماعتوں (سنگھ) اور پوری قوم کے خلاف بغاوت کو اس سے بھی زیادہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یہ بات سربراہان مملکت بھی تسلیم کرتے تھے۔ بکا اول، جس نے جینیوں اور ویشنوؤں کے درمیان 1368ء میں مصالحت کرائی تھی، اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص بھی اس قانون (صلح) کی خلاف ورزی کرے گا وہ بادشاہ کا غدار ہوگا سنگھ کا غدار ہوگا اور سموداے (SAMUDAYA) کا غدار ہوگا۔"[9] اس طرح کی غداری کی سزا فوری موت تھی۔ کرشن دیو رائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ باغیانہ مزاج رکھنے والے لوگوں کی گردنیں فوراً اڑا دی جائیں۔[10] یہ تھا بغاوت کے قانون کا قدیم تصور۔

لیکن بسا اوقات لوگ اپنی جماعتیں بناتے تا کہ سربراہان مملکت یا ان کے نمائندوں کے ظلم و ستم کی مخالفت کر سکیں اور اس بات کو ملک کے خلاف ایک بغاوت تصور کرتے تھے کہ حکومت کے معمولی جبر و استبداد، کے آگے جھک جائیں۔ اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے وردھاکلم مقام کی ایک دستاویز کے مطابق اس مقام کے ولنگائی اور ادنگائی فرقوں نے ایک ساتھ جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ چونکہ بادشاہ افسروں اور جیوتیاؤں کے مالکوں کے ذریعہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے اور برہمنوں اور کانی یالن کے ذریعہ ان سے ٹیکسوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لہٰذا وہ نہ انھیں پناہ دیں گے اور نہ ان کے لیے حساب و کتاب لکھیں گے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص ان کے سمجھوتے کے خلاف کرے گا وہ ملک کا غدار ہوگا اور اس لیے اسے قتل کر دیا جائے گا۔[11] اس سے قبل اسی ضلع کے بینادم مقام سے دستیاب ایک اور کتبہ کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے جس کے مطابق ولنگائی اور ادنگائی ذاتوں کی 98 ذیلی ذاتوں نے جو چند اضلاع میں مقیم تھیں، دیگر امور کے علاوہ اس بات پر (بھی) ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ وہ ناجائز ٹیکسوں کو برداشت نہ کریں گی، نیز یہ کہ چند کاموں کو ناتودروہم (NATTUDIROHAM) قرار دیدیا جائے

Marfat.com

اور اسی کے مطابق ان پر سزا دی جائے[12]۔ اگرچہ نا تو دردوہم کی یہاں تعریف نہیں کی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ چند مخصوص کاموں کو ملک کے خلاف بغاوت کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے اور اسی کے مطابق اس پر سزا دی جاسکتی ہے۔ اس طرح بغاوت کے قانون کی تعبیر اس کو نافذ کرنے والی جماعت یا طاقت کے مطابق مختلف ہوا کرتی تھی۔ (چنانچہ) جبکہ بادشاہ یا حکومت اس عمل کو بغاوت کے مساوی سمجھتی تھی جو کسی اصول کے مطابق یا کسی قانون کا تابع نہ ہو، جو لوگ حکومت کے خلاف کچھ شکایتیں رکھتے ان کا یہ خیال تھا کہ ایسی حکومت کی اطاعت کرنا جو رعایا کے مفادات کا خیال نہ رکھتی ہو، قوم کے خلاف غداری ہے جو ان کے نزدیک برسراقتدار طاقت کے خلاف بغاوت سے کہیں زیادہ سنگین تھی۔

موجودہ زمانہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ بارہ سال کی مدت کے بعد جائداد پر سے ایک شخص کا دعوٰی اگر (اس دوران) جائداد کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو تو ضابطۂ تمادی کے تحت ختم ہوجاتا ہے۔ تقریباً یہی قانون وجے نگر کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ رہن رکھی ہوئی زمینیں مرتہن کے نام صرف بارہ سال تک رہ سکتی تھیں۔ شاکھا 1565ء میں تری رنگا سوم کے ایک ماتحت سدھارامیا نایک نامی ایک شخص نے یہ فرمان جاری کیا کہ وہ کاپو (KAPUS) جن کے قبضہ میں "رہن بربنائے تصرف" (MORTGAGE BY POSSION) بھوج آیکم (BHOGA-AYAKAM) کی بنیاد پر کسی مندر یا برہمن کی زمینیں ہوں، وہ ان زمینوں کو ان سے بارہ سال کے استفادہ کے بعد ان کے اصل مالکوں کو ان سے کسی روپے کا مطالبہ کیے بغیر لوٹا دیں، اور ساتھ ہی انھیں دوبارہ منتقلی سے متعلق نوشتہ بھوج پتر (BHOGA-PATRAM) بھی دلویں"۔ اس فرمان کو اس مقام (استھلا) (STHALA) کے رڈیون (REDDIS) اور کرنموں (KARNAMS) اور دوسرے لوگوں کی منظوری سے جاری کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کا خیال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون بظاہر اس لیے بنایا گیا تھا کہ ان اراضیوں کو طویل مدت کے لیے کاپوؤں کے نام منتقل ہوجانے سے روکا جاسکے جنھیں ان کے مالکان ان قرضوں کے عوض منتقل کردیا کرتے تھے جو رہن سے حق استفادہ (USAPRCHUARY) کے اصول پر دئے جاتے تھے اور قطعی طور پر مرتہن کے حق میں ہوتے تھے۔ آج بھی مندر کی زمینیں اکثر و بیشتر انھیں شرائط پر رہن رکھ دی جاتی ہیں جو ان مقاصد کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں جن کے تحت ان کے اصل معطیان نے انھیں دیا تھا[13]۔

چنگل پٹ ضلع کے تیرویو کولی مقام کے ایک کتبہ مورخہ 39-1438ء میں خدمت کے انعامات کی ناقابل انتقال (INALIONABLE) نوعیت سے متعلق قوانین کے بارے میں چند دلچسپ

Marfat.com

تفصیلات درج ہیں۔ اس کے مطابق خدمت کے انعامات کے طور پر عطا کردہ زمینوں کو ان کے پانے والے نہ تو فروخت کر سکتے تھے اور نہ ہی رہن رکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ اس قانون کی خلاف ورزی کریں تو انھیں وہی سزا بھگتنی ہوگی جو بادشاہ یا قوم کے غداروں کو دی جاتی تھی اس کے علاوہ وہ لوگ مندر کے خزانے کے افسران کے ذریعہ جرمانہ کے سزاوار بھی ہوں گے[111]۔

فصل دوم

عدالتیں

ہندوؤں کے قوانین کی ماہیت اور یہ بیان کر لینے کے بعد کہ وجے نگر کے سلاطین کس طرح ان قوانین کی روح کی پابندی کرتے تھے، ہم یہاں اس عہد کی عدالتی نظام کا جائزہ لے سکتے ہیں سب سے پہلا مسئلہ جو ہمیں درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ان عدالتوں اور قوانین کو جو قدیم ہندوستان میں رائج تھے، وجے نگر کے زمانہ میں کس حد تک باقی رکھا گیا۔ ولسن جس نے اس سوال کی تحقیق کی تھی اس نتیجہ پر پہونچا کہ وہ ضوابط جو قدیم ہندو عدالتوں کے لیے وضع کیے گئے تھے اور جہاں ان پر عمل کیا جاتا تھا: "اس عہد سے متعلق قرار دیئے جا سکتے ہیں جو اگر مانو کے مجموعہ قوانین کا ہم عصر نہ تھا تو اس کے بہت زیادہ بعد کا (بھی) نہ تھا[112]"۔ اس سلسلہ میں ماؤنٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے خیالات بھی بہت مفید ہیں۔ خود اپنے زمانہ کے نظام انصاف کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے: "مستقل عدالتوں کے ذریعہ انصاف کا باضابطہ انتظام جس کا مانو (کی کتاب) میں ذکر کیا گیا ہے اور جس طرح کی منفرد اختیارات کی حامل عدالتوں کا تذکرہ بعد کے مصنفین نے کیا ہے۔ کسی ہندو حکومت میں مشکل ہی سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ کہیں تو ان عدالتوں کی جگہ ان کمیشنوں نے لے لی ہے جن کی تقرری سرسری طور پر بادشاہ عموماً دربار کے لطف و کرم کے مقصد کے تحت کیا کرتے ہیں اور جو بسا اوقات ایسے اشخاص پر مشتمل ہوتے ہیں جو درباریوں کی پشت پناہی کے لیے موزوں ہوں۔ اور کہیں ان عدالتوں کی جگہ ثالثین کی جماعتوں (ARBITRATORS) نے لے لی ہے۔ جن کو پنچایت کہا جاتا ہے[113]۔" لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس سوال پر ایک مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم ہندو عدالتیں وجے نگر کے عہد حکومت میں بھی رائج رہیں۔ اس سوال پر ایک جدید

Marfat.com

مصنف چند دلچسپ خیالات پیش کرتا ہے۔ مادھو کی پراشر مادھویم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ رسالہ گرچہ پراشر اسمرتی پر مادھو کی تشریح ایک حصہ کے طور پر لکھا گیا ہے، لیکن حقیقتاً یہ اس سمرتی پر مبنی نہیں ہے اس لیے کہ پراشر میں قانون پر بالکل گفتگو نہیں کی گئی ہے، یہ کہ اس کمی کو مادھو نے اس موضوع پر دیگر اسمرتیوں میں جو کچھ کہا گیا تھا اسے اکٹھا کر کے پورا کیا، نیز یہ کہ اس کا مقالہ انھیں اسمرتیوں پر مبنی علم قانون (JURISPRUDENCE) کا ایک خلاصہ ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی کے اوائل میں مملکت وجے نگر کی بنیادیں ڈالنے میں مادھو آچاریہ کا بڑا ہاتھ تھا اور چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کو اپنے اقتدار کو دریائے کرشن کے جنوب تک بڑھانے میں کامیابی حاصل نہیں ہو پائی تھی، لہٰذا ہم بجا طور پر یہ فرض کر سکتے ہیں کہ جس طریقۂ کار کو وہ اپنی تصنیف میں بیان کر رہا ہے، وہ اس کے زمانہ میں کم از کم جنوبی ہندوستان میں رائج تھا۔

لیکن ان نتائج کو قبول کرنا مشکل ہے۔ یہ درست ہے کہ پراشر اسمرتی میں کوئی ایسا باب نہیں ہے جس میں ویوہار پر بحث کی گئی ہو اور مادھو نے اپنی تشریح میں ویوہار کی ایک فصل کا اضافہ کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اس ضمیمہ کے لیے اس نے قدیم مصنفین کی ان تصانیف سے مدد لی تھی جن میں قانون کے موضوع پر ابواب موجود تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں رائج رواجوں سے نہ تو کوئی نتیجہ اخذ کیا اور نہ ان سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ وہ مصنفین بھی جن کا وہ کثرت سے حوالہ دیتا ہے یا جن سے وہ استفادہ کرتا ہے، قدیم ہیں، گو یہ ممکن ہے کہ ان میں سے چند پراشر کے بعد کے ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں لکھا گیا جب مملکت وجے نگر کی بنیاد پڑی جس میں مصنف کا بڑا دخل تھا۔ لیکن مادھو نے حقیقی اور اضافی قانون (SUBSTANTIVE AND ADJEELWE LOW) کے اس قانونی رسالہ کو وجے نگر کے حکمرانوں کی عملی رہنمائی کے لیے نہیں لکھا تھا وہ وجے نگر کے دربار کا کوٹلیہ نہ تھا۔

اضافی قانون (ADJECTIVE LOW) کے بارے میں لکھتے ہوئے، مادھو، برہسپتی (BRHASPATI) کی سند پر باضابطہ عدالتوں کو اقامتی اور گشتی عدالتوں، بادشاہ کے زیر صدارت عدالتوں اور ان عدالتوں میں منقسم کرتا ہے جو بادشاہ کے مقرر کردہ ججوں کے زیر صدارت ہوتیں۔ رامیا پنتولو (RAMAYYA PANTULU) کا خیال ہے کہ بادشاہ عموماً اعلیٰ عدالتوں (SUPREME COURTS) کی بنفس نفیس صدارت کرتے اور یہ کہ وہ صوبائی عدالتوں کی صدارت کے لیے، جن کی وہ بذات خود صدارت نہیں کر سکتے تھے ججوں کا تقرر کرتے تھے[19]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے دربار

Marfat.com

میں ان سفارشات پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس زمانہ میں کشتی عدالتیں تھیں۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس اس بات کے لیے کافی ثبوت موجود ہیں کہ صوبائی گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود اپنی عدالتیں منعقد کرتے تھے اور انصاف کا نفاذ کرتے تھے جس طرح دارسلطنت میں بادشاہ کرتا تھا۔ اس حقیقت کا لحاظ کیے بغیر کہ آیا اس مقام میں کوئی جج اپنی عدالت منعقد کر رہا ہے یا نہیں۔

مادھو، کاٹیاین (KATYAYAN) کے حوالہ سے، دن کو آٹھ حصوں میں منقسم کرتا ہے اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ عدالتوں کو دن کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے حصے میں منعقد کیا جائے۔ لیکن نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ عوامی عدالت میں صرف دس یا گیارہ بجے دن میں آتا تھا۔ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وجے نگر میں عدالتیں صرف دوپہر میں منعقد کی جاتی تھیں نہ کہ صبح کے اوقات میں جس کی پراشر مادھویا میں تاکید کی گئی تھی۔

اس طرح دستیاب شواہد یہ بتاتے ہیں کہ وہ عدالتی نظام جو وجے نگر میں رائج تھا مختلف لحاظ سے ویسا نہ تھا جیسا مادھو کے ویوہار کاند میں تجویز کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ وقت کے ساتھ اس نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں آگئی ہوں۔ ان دشواریوں کے پیش نظر ہمیں پراشر مادھویا کے ویوہار کاند کو نہایت احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا۔

وجے نگر کے عدالتی نظام کی انتظامیہ کی کسی تفصیلی معلومات کے لیے ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے۔ اس عہد کے کتبات عوام کے ذریعہ کیے گئے چند جرائم کا تذکرہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان جرائم پر ان کو کس طرح کی سزائیں دی گئیں تاریخ نگاروں نے بھی مملکت میں صرف فوجداری کے مقدمات کے انفصال کی چند تفصیلات کی دریافت ہی میں مدد ملتی ہے ہمیں صحیح طور پر یہ نہیں معلوم کہ دیوانی کے مقدمات جن میں قانون کے تعین (LETERMINATION OF LOW) کا سوال بھی ہوتا تھا کس طرح طے کیے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات دیوانی بڑی حد تک ثالثی کے ذریعہ طے پاتے ہوں گے، اگرچہ اس طرح کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ہمیں مخصوص ججوں کا ذکر بھی ملتا ہے جیسا کہ دارالسلطنت میں بھی تھا۔ اس موضوع پر سر ایس۔ ایچ۔ مین (SIR.H.S.MAINE) کے خیالات کچھ اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگرچہ برہمنوں کا تحریری قانون بادشاہ اور جج کے وجود کو تسلیم کرتا ہے تاہم موجودہ دور میں بعض انتہائی عمدہ نظام حکومت رکھنے والی نیم آزاد دیسی ریاستوں میں بھی کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو ہماری عدالتوں سے ملتا جلتا ہو۔ دیوانی کے مقدمات ہر گاؤں کے سرداروں کے ذریعہ طے پاتے ہیں، بسا اوقات، جب ان مقدمات کا تعلق زمین سے ہو، تو ان

Marfat.com

عمال کے ذریعہ جن پر بادشاہ کے محاصل کی وصولی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ فوجداری سے متعلق جس نظام عدالت کا حوالہ ملتا ہے وہ امن و سلامتی میں سنگین رخنہ پیدا کرنے پر سرزنش کے لیے فوجی طاقت کے نفاذ پر مشتمل ہے۔ جس کو فوجداری کا قانون کہا جاتا ہے وہ فوج کی مدد سے نافذ کیا جاتا ہے[21] لیکن اس بیان کا آخری حصہ مشکوک ہے اگرچہ ممکن ہے کہ یہ بات اس زمانے کے لیے درست ہو جس میں اس نے اپنی کتاب لکھی، لیکن یہ بات وجے نگر کے زمانے کے لیے صادق نہیں آتی کیوں کہ اس زمانہ میں قوانین فوجداری کا نافذ کرنے والا کوئی فوجی نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف بادشاہ یا کوئی دوسری جماعت یا شخص ہوتا تھا جسے نفاذ کا اختیار دے دیا جاتا تھا۔

ایک شاہی دستور کے تحت چلنے والی تمام مملکتوں کی طرح وجے نگر کی مملکت میں بھی بادشاہ ہی سب سے بڑا جج ہوتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام مقدمات کا فیصلہ نہیں کرتا تھا جو اس کی عدالت میں پیش کیے جاتے تھے، بلکہ ایک جج ہوتا تھا جو بادشاہ کی جانب سے عدل گستری کرتا۔ یہ اسی افسر کے متعلق ہے جو عبدالرزاق لکھتا ہے" دنایک نامی ایک خواجہ سرا ایک شہ نشیں پر بیٹھتا ہے اور انتظام کی صدارت کرتا ہے اور اس کے نیچے چاروں طرف ایک صف میں گرز بردار کھڑے رہتے ہیں جس کسی کو کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تھا، وہ شاہی گرز برداروں کی صفوں کے درمیان آگے بڑھتا ہے اور چند معمولی تحائف پیش کر کے اپنے چہرے کو فرش پر رکھ دیتا ہے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنی شکایات بیان کرتا ہے۔ اس پر دنایک اپنے احکات جاری کرتا ہے جو اس ملک میں رائج انصاف کے قوانین پر مبنی ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کو ردّ و جرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا[22]۔ ایرانی سفیر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کے نفاذ کے لیے دارالسلطنت میں ایک جج ہوتا تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سلیٹور (SALETORE) کہتا ہے "عبدالرزاق کا دنایک بظاہر ایک دنایکہ یا فوجی کمانڈر تھا اور اگر ہم ایرانی سفیر کے بیان پر اعتماد کر لیں تو وجے نگر کے بادشاہ انصاف کے نفاذ کے فرض کو ایک فوجی افسر کے سپرد کر دیتے تھے یا اس شخص کے حوالہ جس میں سپہ سالار کی حیثیت سے کام کیا ہو۔ اگر حقیقتاً صورت حال یہی تھی تو وجے نگر کے ہندو حکمرانوں کے ذریعہ اس سے زیادہ سنگین غلطی کا ارتکاب ممکن نہ تھا اس لیے کہ اس طریقہ کار کا مطلب انصاف کے نفاذ کے سلسلہ میں قدیم واضعین قانون کے ایک نہایت اہم حکم کی خلاف ورزی ہوتا . . . . . . ایک دنایکہ یا فوجی کمانڈر کسی طرح بھی اس برہمن کا بدل نہ تھا جو اسمرتیوں کا عالم ہو یہ حقیقت ہے کہ عبدالرزاق (کا بیان) اس اعلیٰ افسر کے نام کے بارے میں جو عدل کا نفاذ کیا کرتا تھا بالکل واضح ہے، ایک شخص کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا

Marfat.com

ہے کہ واقعتاً وجے نگر کے حکمرانوں نے کم از کم اس عدالت کی تشکیل کے اہم مسئلہ میں، جسے چیف جسٹس کی عدالت کا نام دیا جا سکتا ہے، ڈنڈ کے قدیم تصور کے برعکس عمل کیا۔[23] لیکن یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ ڈنڈنایک کی اصطلاح لازمی طور پر ایک فوجی خطاب نہ تھا۔ ہوئے سالا اور وجے نگر کی مملکتوں میں یہ خطاب وہ شخص اختیار کیا کرتا تھا جس کو کچھ اہم انتظامی فرائض انجام دیتے ہوئے تھے اور یہ اس عملہ (CADRE) کی نشاندہی کرتا تھا جس سے کسی خاص شخص کا تعلق ہوتا تھا۔ یہ خطاب ایک فوجی کمانڈر کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا لیکن تمام ڈنڈنایک فوج کے افسران یا ایسے نہ تھے جو جنرل کی حیثیت سے کام کر چکے ہوں۔ خطابات کی اس یکسانیت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ "وجے نگر کے حکمرانوں نے ڈنڈ کے قدیم تصور کے برعکس عمل کیا۔"

یہ بات کہ پردھانی ہی عموماً چیف جج ہوا کرتا تھا، مندرجہ ذیل ثبوت سے ظاہر ہوتی ہے عبدالرزاق ایک جج کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جو اپنی عدالت منعقد کیے تھا بتلاتا ہے کہ وہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا۔ وہ کہتا ہے "جب دنایک اپنی عدالت سے باہر آتا ہے تو متعدد رنگیں چھتریاں اس کے آگے آگے لے جائی جاتی ہیں . . . . بادشاہ تک پہونچنے سے قبل اسے سات دروازوں سے گذرنا ہوتا ہے . . . . وہ ریاست کے معاملات سے بادشاہ کو باخبر کرتا ہے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس لوٹ جاتا ہے"[24] اگر جج پر بعض وزارتی ذمہ داریاں عاید نہ ہوتیں تو وہ بادشاہ کے پاس ریاست کے معاملات سے مطلع کرنے" نہ جاتا۔ کرشن دیورائے کے وزیر اعظم سالوا تمارانے نے دھرم پرتی پالکہ (DHARMAPRATIPALAKAH) کا خطاب اختیار کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر چند عدالتی ذمہ داریاں عاید تھیں اور شاید وہ دارالسلطنت کا چیف جج تھا۔ مدورا دربار کا عدالتی نظام جیسا ایک یسوعی (GESUTT) کے خط میں مذکور ہے، ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ وجے نگر کے زمانے میں صوبوں میں اور نایکوں کے علاقوں میں بھی عموماً شاہی نظام ہی رائج تھا پروانزا (PROENZA) اپنے مکتوب مورخہ 1665ء میں لکھتا ہے "پردھانی حریفوں کے دعوے ذاتی طور پر سنتا تھا جرح و تعدیل علانیہ ہوتی تھی . . . . . . وہ گورنر، ججوں اور تمام معزز اشخاص کو محل میں فوراً طلب کرتا تھا۔ وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ آتا تھا . . . . . گورنر گواہوں کو ڈراتا دھمکاتا ہے اور انھیں اپنی مرضی کے مطابق گواہی دینے پر مجبور کرتا ہے . . . . . تمام کارروائی مدورا بھیج دی جاتی تھی جہاں سے فیصلہ جلد ہی آجاتا تھا"[25] اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ عدلیہ پر پردھانی کا پورا اختیار تھا۔ ایک دوسری مثال میں مدورا نایک ویرپا اور ان کے پردھانی

آریہ ناتھ مدالیار (ARIYANATH MUDALIYAR) نے ایک خاص مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ایک جوری کی تشکیل کی۔[27] مذکورہ بالا مثالوں سے، جن میں سے دارالسلطنت اور دو مدورا کی ہیں، ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عموماً پردھانی ہی چیف جج ہوا کرتا تھا۔

بہر حال اگرچہ ایرانی سفیر ادعا کرتا ہے کہ دارالسلطنت میں صرف ایک ہی جج ہوتا تھا لیکن اس کے بیان پر مکمل طور پر یقین کر لینا مشکل ہے۔ مدورا نایکوں کے ماتحت گاؤں پر گفتگو کرتے ہوئے جون نیو ہوف (JOHN NIEVHOFF) کہتا ہے کہ ہر گاؤں میں دو جج ہوا کرتے تھے جن کی وہاں کے رہنے والوں میں بڑی عزت تھی۔[28] اگر اس کے کہنے کے مطابق ہر گاؤں میں دو جج تھے تو یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی وسیع و عریض مملکت کے دارالسلطنت میں صرف ایک ہی جج رہا ہوگا۔

لیکن ایک علیحدہ عدالت کی موجودگی جس میں کوئی ایک جج یا ججوں کی ایک جماعت صدارت کرتی تھی خود بادشاہ کو عدل کے نفاذ سے محروم نہیں کر دیتی تھی۔ بادشاہ بھی اپنے عوام کی شکایات سنتا تھا اور ان کا تصفیہ کرتا تھا۔ عدل و انصاف کے انتظام کے سلسلہ میں بادشاہ کے فرائض کے بارے میں کرشن دیورائے کے خیالات آمکتا مالیاد کے ایک بیان میں موجود ہیں۔ یہاں وہ کہتا ہے "اپنی رعایا کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا مقصد بناؤ۔ جب تم مصیبت زدہ لوگوں کی شکایات سنو تو انھیں سن کر ان کی تکالیف کا تدارک کرو۔ اپنے معاملات کو ذلیل لوگوں کے سپرد نہ کرو۔"[29] بعض مقدمات کا فیصلہ بادشاہ خود کرتا تھا (چنانچہ) جب اسے تیرو والور کے مندر میں یومیہ پوجا سے متعلق بعض بدانتظامیوں کی شکایات موصول ہوئیں تو اس نے مندر کے قابل سزا ملازمین کو برخاست کر دیئے جانے کا حکم دے دیا۔[30] بسا اوقات بادشاہ اپنے سامنے پیش کردہ مقدمات کی سماعت کا حکم ان افسروں کو دے دیتا تھا جو اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ 1545-46ء میں جب بادشاہ سداشیورائے توندائی منڈلم میں خیمہ زن تھا، اور مہاجنوں نے اسے رام ناد ضلع میں کوندگائی مقام کے باشندوں کے دو فریقوں کے درمیان جھگڑے کی اطلاع دی تو بادشاہ نے یہ ہدایت جاری کی کہ اس معاملہ کو سالوا نایک کی موجودگی میں تعلیم یافتہ لوگوں کی ثالثی کے ذریعہ طے کیا جائے اس کے نتیجہ میں تیرو وینگدپورم (TIRUVEINGADAPURAM) کے گاؤں کو چند ٹیکسوں سے بری کر دیا گیا۔[31] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص معاملات میں (بھی) بادشاہ کے پاس براہ راست اپیل نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے پاس اپیل صرف چند افسروں کے توسط سے ہی کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ تیرو واماتور (TIRUVAMATTUR) کے مندر کے خزانے کے معتمدین نے کرشن دیورائے کے پاس کرنکم منگو شیر (KARANIKKAM MENGOSAYYAR) اور سالوونا اری اپوکر

Marfat.com

(SALUA ARI YAVA NAYAKKAR.) کے توسط سے استغاثے بھیجے[33]۔ صحیح طور پر یہ جاننا مشکل ہے کہ ان دونوں افسروں نے اس اپیل کے سلسلہ میں کیا کیا۔ شاید صوبائی گورنروں کی حیثیت سے انھوں نے سفارش کی کہ مقدمہ کو آخری اپیل کے لیے بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے، یہ محض ایک صوبائی عدالت کی شاہی عدالت کے سامنے ایک اپیل تھی۔

اس نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں بادشاہ ایک جج کی حیثیت سے کام کرتا تھا، سلیٹور اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ وجے نگر کے عدالتی نظام میں یقیناً کچھ نہ کچھ انتشار رہا ہوگا۔ وہ کہتا ہے "ایرانی سفیر کے مطابق یہ دنایکہ تھا جو مملکت کی اعلیٰ ترین عدالت کی تشکیل کرتا ہے۔ نونیز کے خیال میں دنایکہ کے علاوہ بادشاہ بھی کام چلاؤ طور پر فیصلے کیا کرتا تھا۔ اگر وجے نگر میں حقیقتاً ایسا ہی تھا تو اس کا نتیجہ انتشار کے سوا کچھ نہ رہا ہوگا[34]۔ لیکن یہ تنقید بے بنیاد ہے اس لیے کہ یہ فرض کر لینا درست نہیں کہ بادشاہ اور جج دونوں ہی کا اختیار سماعت مشترک رہا ہوگا۔ جج کچھ مخصوص قسم کے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا جبکہ بادشاہ بعض دوسری قسم کے مقدمات طے کرتا ہوگا۔ بعض اوقات بادشاہ اپنی کاونسل کے ساتھ اپیل کی عدالت کی حیثیت سے کام کرتا ہوگا۔ اور کبھی کچھ دوسرے مقدمات کے سلسلہ میں اولین عدالت کی حیثیت سے مزید برآں یہ فرض کرنا قرین قیاس ہوگا کہ بادشاہ فوجداری کے مقدمات کی اور ایسے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا جو مخصوص مفادات سے متعلق ہوتے ہوں گے جیسے کسی مندر کے یا کسی اعلیٰ عہدیدار کے مفادات، جبکہ جج دیوانی کے دوسرے مقدمات کی سماعت کرتا ہوگا۔

نونیز ان قوانین کی مذمت کرتا ہے جو مملکت وجے نگر میں رائج تھے۔ وہ کہتا ہے "جس ملک میں اس طرح کے مندر پائے جاتے ہوں وہاں سوائے برہمنوں کے قوانین کے جو مذہبی پیشواؤں کا قانون ہے کوئی اور قانون ممکن نہیں[35]"۔ لیکن اس طرح کی صریح مذمت بالکل غیر مناسب ہے۔ اکثر بادشاہوں کو برہمنوں سے مشورہ لینا پڑتا تھا جو تنہا ایسے لوگ تھے جنھیں ملک کے قوانین کی صحیح واقفیت تھی فوجداری کے چھوٹے چھوٹے مقدمات کا فیصلہ تو بغیر کسی خاص دقت کے خود بادشاہ ہی موقع پر کر دیتے ہوں لیکن پیچیدہ مقدمات کے لیے برہمنوں سے مشورہ لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن اس بات سے ہمیں یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ قانون برہمنوں کا یا مذہبی پیشواؤں کا قانون تھا اس لیے کہ بادشاہ کا اس مقدس طبقہ سے مشورہ کرنا جسے قانون کی گہری واقفیت حاصل تھی کوئی غلط بات نہ تھی نونیز کی تنقید یقیناً بے جا ہے۔

دارالسلطنت کی عدالت کے طرز پر ہی، جہاں بادشاہ خود عدل وانصاف کرتے تھے، مملکت میں مختلف درجوں کی ماتحت عدالتیں قائم تھیں، جہاں سے عدل کا نفاذ کیا جاتا تھا۔ صوبائی عدالتوں کی صدارت

Marfat.com

بادشاہ کے نمائندے یا گورنر کرتے جو بادشاہ کے نام پر اور اس کی جانب سے ان مقدمات کا فیصلہ کرتے جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے۔ مثال کے طور پر سالم ضلع کے ارگلور مقام سے دستیاب ایک دستاویز کے مطابق تیرو ملائی نایک نامی ایک شخص نے جو اس صوبے کا گورنر تھا جس میں یہ گاؤں واقع تھا، تیرو کامیشورم ادیانائے نار (TIRUKAMESVARBI UDAIYA.NAYANAR) کے مندر میں پوجا کے حق سے متعلق ایک فیصلہ کیا تھا[3]۔ اسی طرح انعامات کی بعض اراضیوں کی تقسیم کے سلسلہ میں جب اودورو (AVUDURU) کے گاؤں کے اگرہاریکوں (AGRAHARIKAN) اور کرنموں کے درمیان ایک جھگڑا ہوا تو انوگوندو ینگلپا (ANUGUNDA VENGALAPPA) نامی ایک شخص نے جو غالباً شاہی حکومت کا ایک افسر تھا، نزاعی اراضی کو اچھی، بری اور اوسط درجہ کی زمین میں منقسم کر کے دونوں فریقوں کے درمیان از سر نو تقسیم کر کے جھگڑے کو طے کیا[4]۔

مملکت کے دور افتادہ مقامات میں ان باضابطہ عدالتوں کے علاوہ چند عوامی عدالتیں بھی تھیں جنھیں ان مقدمات کے انفصال کا اختیار حاصل تھا جو ان کے حلقہ اختیار میں رونما ہوتے۔ مثال کے طور پر گاؤں کے اسمبلیوں، مندر کے متمدین (مختلف) ذاتوں کے سرداروں کی خود اپنی عدالتیں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے مقامی رسم ورواج نے، جنھیں صرف مقامی لوگ ہی سمجھ سکتے تھے، اس طرح کی عدالتوں کے وجود کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ مقامی عدالتیں ہی مقامی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کر سکتی تھیں اس لیے کہ انھیں اہل مقدمہ کے رسم ورواج اور ان حالات کی گہری واقفیت ہوتی تھی جن کے تحت ایک مقدمہ کے لیے اسباب پیدا ہوتے تھے الغرض وجے نگر کے زمانہ میں دیہی عدالتیں تھیں جن کی صدارت گاؤں کے مہاجن کرتے تھے۔ برادری کی عدالتیں تھیں۔ جن کی صدارت برادری کے سردار کرتے تھے اور ایسی عدالتیں تھیں جن کی صدارت مندر کے متمدین کرتے تھے۔ نیز ہم پیشہ لوگوں کی عدالتیں تھیں جن کی صدارت ان کے نمایاں اشخاص کرتے تھے ان عدالتوں کو وہ تمام عدالتی حاکمانہ اختیارات حاصل تھے جو ایک باضابطہ عدالت کے جج کو حاصل ہوتے تھے۔

تنجور ضلع کے آودائیار گوئل (AVUDAIYAR KOYIL) مقام کی ایک دستاویز سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح گاؤں کی اسمبلیاں اپنے عدالتی فرائض کو انجام دیتی تھیں اس دستاویز کے مطابق اس گاؤں کی اسمبلی نے تیرو پیرون دورائی (TIRUPPERUNDURAI) میں واقع شولا پانڈیہ وناگرا بروما نا (VINNAGAR EMPERUMANAR)

Marfat.com

کے مندر کو تیرونامتوکانی (TIRUNAMATTUKKANI) کے طور پر ان دو قطع زمین کا ایک عطیہ دیا جسے اس (اسمبلی) نے تیروپوتور (TIRUPPUTTUR) کے آندان پلائی (ANDANPILLAI) نامی شخص سے اس کی بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کی بنا پر ضبط کر لیا تھا۔[37]
جب دیہی اسمبلیوں کا زوال ہوا تو ان کی جگہ آیگاروں (AYAGARS) کی جماعت نے لی اور ان کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور انھیں چند عدالتی اختیارات بھی حاصل ہو گئے۔ اسی طرح جب اننت پور ضلع کے ایک گاؤں میں گودیکا (GOUDIKA) کے اختیارات و فرائض کے بارے میں ان وان گودا (ANNAVAN GAUDA) اور سیگا مودھائیا (CIGA MUDHAIYA) نامی اشخاص کے درمیان ایک جھگڑا ہوا تو یہ مقدمہ دھرم آسن (DHARAMASANA) (دیہی عدالت) کے سامنے پیش کیا گیا، جو گاؤں کے ممتاز اشخاص اور بارہ دیہی ملازمین (آئے گار AYAGARS) پر مشتمل تھی۔ انھوں نے سیگا مودھائیا کے حق میں فیصلہ سنایا۔ ان کے اس فیصلہ کو ہرتی (HORATI) کے سردار سراجے پراجا (SARAJAYAPARAJA) نے تسلیم کر لیا اور گودیکا، مودھائیا کو بخش دیا۔
اس مقدمہ میں جو طریقہ کار اپنایا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ دیہی افسران کو مقدمات کے فیصلے کی اجازت حاصل تھی لیکن یہ اس مقام کا اعلیٰ افسر تھا جو فیصلے کا نفاذ کرتا تھا۔[38] پدوکوتائی ریاست کے کوتائیور مقام کا ایک بے تاریخ کا کتبہ چند برادریوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کی کچھ تفصیلات دیتا ہے۔ کتبہ کی عبارتیں (کچھ) مٹ گئی ہیں لیکن ہمیں اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کانانادو (KANANADU) عرف ویرو دراج بھینکرولن آدو (VIRUDORAJA BHAYAN ARAVALANADU) میں واقع کوتائیور کے کمہاروں کے چند فرقوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کا اندراج ہے۔ یہ تصفیہ ایک ایسی اسمبلی میں ہوا تھا جو اہل مقدمہ کے یک جدی رشتہ داروں کے علاوہ ضلع کے باشندوں (مندر کے) معتمدین اور اس مقام کے دستکاروں پر مشتمل تھی یہ ایک نمائندہ اجتماع تھا۔[39] یہ بات کہ کبھی کبھی مندر کے عہدیدار بھی فیصلے کرتے تھے پدوکوتائی ریاست ہی میں واقع نی واسل (NEYVASAL) مقام کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس میں درج ہے کہ ان لوگوں نے ایک ایسے مقدمے کی سماعت کی جس میں ایک شخص نے مندر کا ایک ہیرا چرا لیا تھا چنانچہ اسے سزا دی گئی۔ مندر کے حکام نے مسروقہ ہیرے کی قیمت چکانے کے لیے مجرم کی زمین فروخت کر دینے جانے کی بھی توثیق کر دی۔[40]

اس زمانہ میں مندر کے طریق عمل کی نگرانی کے لیے مخصوص افسروں کا تقرر کیا جاتا تھا اور جب

Marfat.com

کبھی ان مندروں میں کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تو یہ افسران ان معاملات کی چھان بین کرتے اور ان کا فیصلہ کرتے۔ آنی گوندی (ANEGONDI) کے وتپ پر (VITTAPPAR) نامی ایک شخص کو تیروودی پور کے مندر میں بادشاہ کے افسر کی حیثیت سے اپنی تقرری کے بعد اس مندر کے ایک زبردست جھگڑے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جیسے ہی اس نے اپنا عہدہ سنبھالا" اس نے دیکھا کہ پدی ایلار(PADI YILAR) اسبھٹّل ایلار (ISABHATTALI YILAR) اور دیوردادی یار (DEVARADI YAR) نے اس مندر میں کام بند کر دیا ہے اور یہ کہ ان کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے گذشتہ دو کوششیں۔ جو پیرمبربولی یور (PERUMBARRAPULI YUR) سید مبرم (CIDAMBARAM) کے موادلی یار (MUDALI YAR) اور اس کے بعد مندر کے متعدین نے راج نارائن شمبو ورائن (RAJANARAYNAN SAMBUVARAYAN) کے پانچویں سال تھیں ناکام ثابت ہوئیں۔ وتپ پر (VITTAPPOR) نے ویرشولا انوکر (VIRASOLA ANUKKAR) اور کیکولر (KAIK-KALAR) سے اس ہڑتال کا سبب دریافت کیا اور شری ردروں (SRIRUDRAN) ، شری ماہیشوروں (SRIMAHASVALAN) ، اسبھٹّل ایلار اور ردیوردی یار کی ایک میٹنگ تیروودی پور کے مندر کے دیاکرن دان تنتپ (VYAKARONDANNANTAPA) میں بلا کر ایک باضابطہ بنا دیا جس پر انھیں مندر کی ملازمت کے سلسلہ میں چلنا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ قطعی طور پر حل نہ ہو سکا اس لیے کہ تین سال بعد (شاکھا 1293 سنہ میں) کمپن ادریار کے احکامات کے تحت ان لوگوں کو پھر ایکبار پھر اسی منتپ میں اکٹھا ہونا پڑا جس کی صدارت اس بار تونائی ایر ندامبی گونگرایر (TUNAIYIRUNDANAMBI KONGRAYAR) نامی ایک افسر نے کی۔ گذشتہ موقعہ کے مقابلے میں اس بار زیادہ نمائندے جمع ہوئے جس میں متعدین اور ضلع کے نمائندے (ناتار NATTAR) بھی شامل تھے اور اس مسئلہ کا فیصلہ صرف اسبھٹّل ایلار اور ردیوردائے یار ہی کے درمیان نہ ہوا بلکہ بالواسطہ اس کا تعلق شوکتیل ایلار ، (SOKKATTALYILAR) موتک کارر (MUTTUKKARAR) ، ویرانکر (VIRANUKKAR) (ویرشولا انوکر کا تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے) اور کیکولر (KAIKKALAR) سے بھی تھا جو تمام کے تمام کسی نہ کسی حیثیت سے تیروودی پور کے مندر کے ملازم رہے ہوں گے۔ جن نکات کا تصفیہ ہوا وہ بہت سے تھے اور متعدد ایسی تفصیلات پر مشتمل تھے جن کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ مندر میں منائی جانے والی تقریبات کے موقعوں پر اسبھٹّل ایلار دیوتا کے مندر میں خدمت انجام دیں گے اور دیوردا ایلار دیوی کے مندروں

Marfat.com

میں لیکن جب دیوتاؤں کو جلوس کی شکل میں مندر کے باہر سڑکوں پر مانٹپوں (MANTAPAS) میں باغات میں، تالابوں میں اور دوسری مقدس جگہوں پر لیجایا جائے گا اور جب چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کی، جس میں عالم و بزرگ تیرووادوور نائنار (TIRUVARAUUR NAYANAR) مانکاواشگر (MANIKKAVASGARA) کی تیرووماوادی (TIRUVAMBAVAI) کے سماعت کے وقت کی شبیہ بھی شامل تھی، کی سڑکوں پر نمائش کی جائے گی تو طریقہ کار کچھ مختلف ہوگا۔ اس دلچسپ کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ جن مخصوص افسران کو مندروں کی نگرانی کے لیے بادشاہ کی جانب سے مقرر کیا جاتا تھا انھیں بھی عدالتی فرائض انجام دینے ہوتے تھے۔

جو مسائل عوام کے سماجی اور مذہبی رسم و رواج کو متاثر کرتے ان کا تصفیہ خاص افسران کرتے تھے جنھیں سمیاچار (SAMAYACARS) یا داسری (DASARIS) کہا جاتا تھا۔ ان کی تقرری حکومت کی جانب سے محتسب (CENSORS) کی حیثیت سے کی جاتی تھی یہ عہدہ تمام بڑے شہروں میں اجارہ پر دیا جاتا تھا اور اس کی وصولی کو سمیاچار کی حیثیت سے عوامی کھاتوں میں جمع کردیا جاتا تھا۔ کوئی مذہبی تقریب یا شادی ان سمیاچاروں کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دی جاسکتی تھی۔ جب پینوگوند (PENUGONDA) اور بودی پت (BODIPET) کے ردیوں کے درمیان آپس میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں ایک جھگڑا ہوا اور جب اس معاملہ کو رام رایل اور ریکا رایل کے پاس لے جایا گیا تو انھوں نے اس معاملہ کی تفتیش کی اور اس کے تصفیہ کے لیے اپنے گرو تاتاچاریہ (TAT-ACARYA) کو بلا بھیجا۔ تاتاچاریہ نے اس مقدمہ کی تفصیلات کا جائزہ لیا اور سوجن کولا ([illegible] - KULA) کے سرداروں کو کچھ اعزازات دئے جس کے بدلہ میں انھوں نے شادی کے موقعوں پر چند خاص ادائیگیوں کا وعدہ کرلیا۔ اس کے بعد شادیاں اسی کے مطابق انجام دی گئیں۔ کرشن دیورائے نے شت مرسن گوترا ([illegible]) کے ایک شخص وینکٹ تاتائے راج (VENKATA TATA YARAJA) کو اس بات کا اختیار دیا تھا کہ وہ ان تمام ذاتوں کے طرز عمل کا جائزہ لے جو اپنا تعلق رامانج ([illegible]) سے بتاتی ہیں اور جو مذہبی اور سماجی معاملات میں کوتاہی کے مرتکب ہوں ان کی سرزنش کرے۔ اس طرح وجے نگر کے زمانہ میں مذہبی معلمین بھی کچھ ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے جو سماجی اور مذہبی نوعیت کے ہوتے تھے۔

آخر دور میں وجے نگر کے ان نایکوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو اپنے اپنے علاقوں میں نیم آزاد حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں پولیس اور عدلیہ کے تمام اختیارات حاصل تھے۔ وہ اپنی عدالتیں

Marfat.com

خود منعقد کرتے اور ان مقدمات کا فیصلہ کرتے جو ان کے سامنے پیش ہوتے۔

فصل سوم

عدالتی طریقۂ کار

(الف) مقدمات دیوانی۔ عدالتی طریقہ کار کی صحیح نوعیت کے متعلق ہمیں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ جو کچھ تھوڑا بہت دستیاب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقدمات دیوانی کا فیصلہ عموماً عدالتیں کرتی تھیں یہ تصفیہ مقدمہ کے قانونی نکات کی تفصیلی اور غیر جانبدارانہ تنقیح سے زیادہ پنچایتی فیصلوں پر مبنی ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی جائیداد کی وراثت کے حق کے ایسے پیچیدہ مقدمے بھی مقامی رؤسا پنچایت کے ذریعہ طے کر دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مدورا سے دستیاب تانبے کی ایک تختی کی دستاویز مورخہ 1533ء میں جو دو بھائیوں کے درمیان اس جھگڑے کے تصفیہ کا ذکر ہے کہ ان میں سے بڑا کون تھا جب چھوٹے بھائی شنا ودر آوار تمیشی نایکیر (SINNAVADAVADA TUMMISI NAYAKKAR) کو دنکائی نایکروں اور پولی گاروں (POLYGARS) کے اٹھارہ افراد پر مشتمل ایک اسمبلی نے چھوٹا قرار دے دیا تو بڑے بھائی رام رائے تو توشی نایکر نے اسے کچھ اراضی دے دی۔ اسی طرح جب 1363ء میں ہدورناد (HEDDURNAD) کے عوام اور مندر کے آچاریوں کا شوریوں (SIRIS) کے ساتھ ان اراضیوں کے حدود کے بارے میں کچھ نزاع ہوئی جو ہدرناد کے تڈتالا (TADATALA) مقام میں واقع پارشوادیو (PARSVADEVA) مندر کی ملکیت تھیں، تو وزیر اعلیٰ ناگنّا (NAGANNA)، چندار اشوں (ARASUS) اور جین ملپّا (JAIN MALLAPPA) نے اس کا فیصلہ پنچایت کے ذریعہ کیا۔ ان لوگوں نے ان تینوں شہروں کے عمائدین اور اٹھارہ کمینوں کو لایا اور آرگاکاودی (ARAGACAVADI) میں تحقیقات کیں۔ انھوں نے ناد (NAD) سے یہ تسلیم کرایا کہ یہ اراضیات مندر کی ہیں سابق رسم و رواج کے مطابق ان کے حدود کا تعین کیا اور اس سلسلہ میں انھیں ایک فرمان (SASANA) دیا۔ تمکور (TUMKUR) ضلع میں سیرا (SIRA) تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق بادشاہ اس پر اس طرح حکومت کرتے تھے۔ اگر اس علاقہ میں ذات بات سے متعلق کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو، تو وہ فریقین کو اپنے پاس

Marfat.com

بلوائیں گے اور انھیں مشورہ دیں گے اور چونکہ انھیں سزائیں دینے کا اختیار حاصل ہے، لہٰذا فریقین کو ان کے مشوروں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یہ کارروائی ان کے لیے بلامعاوضہ ہوگی۔[46]

لیکن جب بادشاہ یا باضابطہ عدالتیں مقدمات کی سماعت کرتیں تو وہ ان کی حقیقت کا پتہ لگاتیں، دستاویزات کا جائزہ لیتیں، گواہوں کے بیانات سنتیں اور تب اپنے فیصلے سناتیں۔ رام ناد ضلع کے شری ولی پتور (SRIVILLIPUTTUR) مقام کے ایک قیمتی کتبے مورخہ 1577ء میں درج ہے کہ جب دیوی شودی کودتانا کیار (SUDIKUTTA NACCIYAR) اور دیوتا پد کا شو وتانائے نار (PADI KKASU VAITTA NAYANAR) کے مندروں کی اراضی کے حدود کے سلسلہ میں ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ویریا نایخر۔ اریہ ناتھ مدلیار اور بعض دیگر افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نے کیا۔ تصفیہ کے لیے جو دن مقرر کیا گیا تھا اس سے ایک دن قبل فریقین کے نام مقدمہ کے لیے جمع ہونے کا حکم جاری کیا گیا۔ فریقین اپنے کھاتے اور رجنا یکم (JINAPAKAM) میمو (MEMOS) اپنے ساتھ لائے دونوں فریقوں کے دعوؤں کی تحقیقات کی گئیں۔ اراضیوں کا معائنہ کیا گیا اور پھر آخیر میں یہ احکامات جاری کیے گئے کہ ایرتائی کریشل کولم (IRATTAI KARISAL KULAM) ناکیار (NACCIYAR) کے مندر سے متعلق رہے گا اور مالائیدان (MALAIDAN) کا تالاب شیو کے مندر سے متعلق ہونے کی حیثیت سے ادی یار کولم سے ملحق کر دیا جائے ناکیار کے مندر کی اراضیوں کے حدود کے تعین کے لیے مناسب جگہوں پر پتھر نصب کر دیے گئے۔[47]

اس سلسلہ میں تیرو ویدائی مرودور (TIRUVIDAI MARUDUR) سے دستیاب ایک کتبہ ہمارے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کے مطابق دو گاؤں، آونم (AVANAM) اور شترآدی (STIRADI)، کو ابتدا مرودپر تیرونا متوکانی (MARUDAPPAR TIRUNAKATTUKKANI) کے طور پر اس مقام کے مندر کو عطا کیا گیا تھا لیکن بعد میں ان پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور وہ پند آروادائی (PANAI RAVADAI) ہو گئے۔ جب رام راج وٹل دیو مہاراج، تیرو ودی TIRUVADI (تراونکور) میں مقیم تھا، اس وقت تیر مبل بھٹر (TIRUMAL BHATTAR) (VIRUPAKALA BHATTAR) اور منگم کاتار (RANGAMARI ATTAR)، مندر کے دو ملازمین نے متعدد بار اس سے درخواست کی کہ ان گاؤں کو مندر کو لوٹا دیا جائے۔ لہٰذا اس نے تولی نایںار (TULINAYANAR) اور ایک متی رائی وانگی ایلنگایر (ETTIRAI VAINGI ILINGAYAR) (مہروں کی جانچ پڑتال کرنے والا (؟) جو موجودہ زمانہ کے افسران ماحصل سے

Marfat.com

ملتا جلتا تھا) کو اس بات کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا کہ کیا دونوں گاؤں کی حدبندی کرنے والے لیتھروں پر مرودپّر (MARUDAPPAR) کے نشانات موجود ہیں۔ وہ جلد ہی واپس آیا اور بیان کیا کہ ان پر اس کے نشانات موجود ہیں۔ جنانچہ ان کے ثبوت پر تل دیو نے فیصلہ کیا کہ یہ گاؤں مندر کے ہیں اور انھیں ان کو واپس لوٹا دیا۔[۴۸] اس کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ شاہی افسران حقیقت حال کی دریافت کے لیے کس طرح تحقیقات کیا کرتے تھے۔

دستاویزی ثبوت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ بادشاہ یا سردار اس مقدمہ سے متعلق جو ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، تمام متعلقہ دستاویزات کے معائنہ سے نہ چوکتے تھے۔ مثال کے طور پر موجودہ پدوکوتائی ریاست کے کانن آدو اور آمنتور (AMANTUR) پدائی پرّو میں واقع گاؤں کے پلاروں اور پرائی یاروں (PARAI YARS) کے درمیان ایک تنازع جب مقامی حاکم رگھوناتھ رائے توندمانار (RAGHUNATHA ROYA TONDAMANAR) کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس نے تیکت تور (TEKKATTUR) ویرکچھیلائی (VIRACEILAI) اور لمبلاکودی (LAMBALAKUDI) کے مندروں میں موجود ان کتبات کا معائنہ کیا جو اس مقدمہ سے متعلق تھے اور (تب) اپنا فیصلہ سنایا۔[۴۹]

اسی طرح جب 1576ء میں تیوہاروں کے جلوس کے دوران بیرواداؤں (BIRUDAS) کو لے جانے سے متعلق بدوگل وارو (BADUGULAVARU) اور پلی ناتی وارو (PALINATIVARU) کے درمیان کا ایک جھگڑا ویسنواؤں (VAISNAVAS) و دیاؤں (VODEYAS) کے سامنے پیش کیا گیا جو کانچی (KANNCI) کے سردار اور تجار تھے، تو انھوں نے پتھر کی ایک سابقہ دستاویز کی سند پر بدوگل دارو کو رعایتوں کی ایک طویل فہرست عطا کی جس میں کنکوماوسترم (KANKUMAVASTRAM) بھی شامل تھا۔[۵۰] ایک شخص کو گودا کا عہدہ دینے کے لیے یہی طریقہ کار مہانایک آچاریہ ہراتی امدی رنگپا نایک آیا (MAHANAYAKA CARYA HARATI DIMADI RANGAPPA NAYAKA AYYA) کے (بیٹے) ہنگ ہٹی نایک (HANGAHATI NAYAKA) کے خاندان، رشتہ داروں اور دیگر لوگوں نے بھی اپنایا تھا ویر بلال رائے (VIRA BALLALA RAYA) نے تانبے کی تختی پر لکھے ہوئے ایک فرمان (شاسن) کے ذریعہ نادگودیکا (NADGAUDIKA) ایک خاص شخص کو عطا کیا تھا لیکن دو تالابوں کے مودی گودا نامی شخص نے دعویٰ کیا کہ نادگودیکا اس کا ہے اور اپنے چند آدمیوں کو تمکور (TUMKUR)، بھیج دیا جہاں انھوں نے ایک جعلی دستاویز (ولے۔ VOLE) تیار کی اور اسے ہنگ ہٹی نایک اور دوسروں کے سامنے اس بات کے ثبوت کے لیے پیش کیا کہ گودیکا اسی کا ہے اور دعویٰ کیا کہ اس کا دعویٰ ثابت ہے۔

Marfat.com

لیکن مہانایک آچاریہ نے وِلے کی صحت کی تحقیق کے لیے اپنے آدمیوں کو محل سے بھیجا جنھوں نے یہ فیصلہ سنایا کہ یہ وِلے جعلی ہے اور اس وجہ سے گودیکا اس کو واپس نہیں ملا۔ چنانچہ حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی مشترک گودیکا یا اس کا بدل نہ رکھا جائے۔ اور دیوتا ملی کنت بال کرشن (MELIKUNTE BA-LKRSNA.) کے من در کے بڑے پجاری کی موجودگی میں پتھر کا ایک فرمان نصب کر دیا۔

تیرو ملی نایک نامی ایک شخص نے جس طرح ایک مندر کے تنازع کا فیصلہ کیا تھا وہ یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ تنازع سالم ضلع کے ارگلور مقام میں واقع تیروکامیشورم ادیانایار کے مندر میں پوجا کے حق سے متعلق تھا۔ مندر کے منتظمین کی جانب سے ایک شکایت تیرو ملی نایک کے سامنے پیش کی گئی جس نے اپنے آخری احکامات کا خلاصہ اور اس سے مندر کے منتظمین (استھانیکوں) کو مطلع کرتے ہوئے کہا: "(۱) الف عرصہ سے مہینے کے تیسوں دن مندر میں عبادت کی رعایت سے فائدہ اٹھاتا آرہا ہے حالانکہ حقیقتاً اسے صرف پندرہ دن کا حق حاصل تھا اور پندرہ دن "ب" نامی ایک دوسرے شخص کے تھے۔ (2) لہٰذا الف نے بغیر کسی وجہ کے "ب" کے حق کا جو فائدہ اٹھایا ہے وہ تصفیہ کا متقاضی ہے (3) شق (۱) میں دئے گئے بیان کے آخری حصہ کی تائید میں مندر میں ایسی دستاویزات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ "ب" کے پندرہ دنوں کو (جو اس نے اب ترک کر دیئے اور جس کا فائدہ الف نے اٹھایا ہے) احکامات کے تحت "بے دعویٰ" (ایرنگل IRANGAL) شمار کیا گیا تھا (۴) پندرہ دنوں کی اس رعایت میں سے، جسے بے دعویٰ قرار دیدیا گیا تھا، تم نے (اپنی ذمہ داری پر) 7½ دن ایک تیسرے شخص "ج" کے ہاتھوں فروخت کر دئے ہیں اور اسے پیغام بھی دے دیا گیا ہے (۵) ایسا کر کے تم نے الف کو حاصل اس حق سے محروم کر دیا ہے جس سے وہ پچھلے آٹھ یا دس پشتوں سے استفادہ کرتا آیا تھا۔ (۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلہ پر ناتار استفادہ کے مسئلہ کا تصفیہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں اس لیے کہ الف لاولد ہے (۹)۔ اور اس بات پر بھی راضی ہو گئے ہیں کہ وہ فریقین کو بلائیں کہ وہ خود کو الف کے ساتھ ان کے سامنے پیش کریں۔ (7) آپ متولیان کو بھی (... ... احکامات کے) تحت، موجود رہنا ہے تاکہ مقدمہ کی سماعت کر سکیں، (ناتار کے ذریعہ) اپنے فیصلے کو عمل جامہ پہنا سکیں نیز (ناتار کے ذریعہ) سماعت کے دوران مندر کی اس پوجا میں شریک رہیں، جو باہر کے لوگ ادائیگی کے بعد کرتے ہیں۔ (8) چونکہ الف نے اسی زمانہ میں، جب میں ارگلور میں تھا، مجھ سے اپیل کی تھی کہ میں ان کے مقدمہ کی خود سماعت کروں اور ایک منصفانہ فیصلہ صادر کروں لہٰذا میں نے اور ناتار نے مل کر فریقین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے مقدمہ کو مہاجنوں کے سامنے پیش کریں اور اس کے لیے حکم جاری کر دیا۔

Marfat.com

(۹) ہمارے حکم کی تعمیل میں کولتور (KULATTUR)، آلم بلم (ALAN BALAN)، شدائین یتو (SADAI YAN-PATTU) اور موتی یارکورکسی (MUTTIYAKURCCI) کے اگرہاروں (AGARHARAS) کے مہاجنوں نے فریقین کے بیانات سنے اور یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ الف صرف پندرہ دنوں کی مراعات ہی کا موروثی حقدار رہا ہو، لیکن متنازع فیہ حصّہ کو باہر کے ایک فرد "ج" کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہ تھا جب کہ طویل استفادہ کی بنا پر خریداری کا حق سب سے پہلے الف کو حاصل تھا۔ (۱۰) لہٰذا مہاجنوں کے اس فیصلے کے مطابق ہم حکم دیتے ہیں کہ الف پہلے کی طرح پورے تیس[30] دن استفادہ کرتا رہے اور تم لوگوں نے جو پیغام "ج" کو دیا ہے اسے منسوخ کر دیا جائے[31]

مندرجہ بالا مقدمہ میں مظلوم پجاری کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے جس عدالتی طریقہ کار کو اختیار کیا گیا اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مظلوم فریق کو گورنر یا بادشاہ سے استغاثہ کا حق حاصل تھا۔ جب گورنر یا بادشاہ بذات خود مقدمہ کا فیصلہ نہ کر سکے تو اس نے ناتار کی مدد طلب کی۔ لیکن جب یہ بااثر جماعت بھی مقدمہ کا فیصلہ نہ کر پائی تو شاید اس بنا پر کہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ تھا اور اس میں انتہائی اہم قانونی نکات ملوث تھے۔ قرب و جوار کے گاؤں کے مہاجنوں سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی درخواست کی گئی جسے انھوں نے یہ فیصلہ کر کے حل کیا کہ مندر کے منتظمین کو پوجا کے اس حق کے فروخت کا اختیار نہ تھا جو اصلاً تو "ب" کا تھا لیکن اس سے اس کی کنارہ کشی کی بنا پر "الف" کو مل گیا تھا اور آٹھ یا دس پشتوں سے اسے حاصل رہا تھا۔ اور اس طرح اس نے (الف نے) پوجا کی انجام دہی کا ایک قانونی حق حاصل کر لیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عوامی عدالتوں سے باضابطہ عدالتوں میں، جو بادشاہ کی عدالت ہوا کرتی تھی، اپیلیں کی جا سکتی تھیں۔

اگرچہ بشری شواہد (HUMAN EVIDENCE) کو بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن بسا اوقات بعض ان مقدمات کے تصفیہ کے لیے روحانی مدد (DIVINE HELP) بھی حاصل کی جاتی جن میں بڑی قانونی اور تکنیکی پیچیدگیاں ہوتی تھیں اور جنھیں بآسانی حل کرنا مشکل ہوتا یا جس مقدمہ کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لیے تشفی بخش ثبوت فراہم نہ ہوتے یا جہاں کوئی فریق اس بات کا مطالبہ کرتا کہ عدالت کو محض بشری شواہد کے جائزہ پر اکتفا نہیں کرنی چاہیے۔ ایسے اس طرح کے مقدمات میں جسمانی ابتلا (ORDEAL) کا سہارا لیا جاتا تھا۔ اگر وہ فریق جسے جسمانی ابتلا میں ڈالا جاتا زیادہ زخمی نہ ہوتا یا ایک مخصوص مدّت کے اندر اس کا زخم ٹھیک ہو جاتا تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا کہ اس نے اپنا مقدمہ جیت لیا اور گر اس کا عکس ہوتا تو کہا جاتا کہ وہ مقدمہ ہار گیا۔ پدوکوتائی ریاست کے میلتانیم (MELLATANIYAM)

Marfat.com

مقام سے دستیاب ایک غیر مورخہ دستاویز میں ایک تصفیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو گاؤں کے پرائیروں (PARA-YARS) اور پلاروں PALLARS کے درمیان چند مراعات سے تنہا فائدہ اٹھانے کے ایک تنازع کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ویرشنو نایکہ VIRA SINNU NAYAKKAR نامی ایک شخص نے اس تنازع کا فیصلہ یوں کیا کہ فریقین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ہاتھ کھولتے ہوئے گھی میں ڈبوئیں جس میں پلاروں کو کوئی گزند نہیں پہونچی۔ میسور ضلع میں یلندور جاگر YELANDUR JAGIR کے ایک کتبہ میں چند ذاتوں کے ایک جھگڑے کا تذکرہ ملتا ہے جس کا فیصلہ اس طریقے پر ہوا تھا۔ اس کتبہ میں درج ہے کہ رام راج نایک کے زمانہ میں کمہاروں کے سرداروں نے اس مضمون کی ایک دستاویز جاری کیا۔ "جب حجاموں اور دھوبیوں نے یہ کہا کہ کمہاروں کے لیے پنجوں اور ناخن کو تراشنے کی اور اوپری پوشاک (غالباً شادی کے موقعوں پر) پہننے کی اجازت نہیں ہے تو کمہاروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ انھیں اس کی اجازت ہے اور انھوں نے ہردن ہلی HARADANA HALLI میں دیوتا دیویاں لنگیشور DIVYALINGESVARA کے سامنے اپنے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے گھی میں ڈبونے کی آزمائش کے ذریعہ کامیابی حاصل کی۔" ہرتی پور تعلقہ کے ابن ہولی ABBIN HOLE مقام سے دستیاب 1667ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دل لو DUBBALALU کے شینابو واؤں (S[illegible]) اور کمبیا KAMBAYA کے بیٹے مودورنگا (MUDDURANGA) نیز چار دیگر اشخاص نے (جن کے نام مذکور ہیں) اپنی بیویوں، بیٹوں، قبیلے کے لوگوں، وارثوں اور چار گاؤں کے ساونتوں کی منظوری سے گودا ابن ہول استھلا (GODA ABBINHOLE STHALA) کے شینالوؤں کو یعنی گورنا (GAURANNA) کے بیٹے سداشیوما (SADASIVAYYA) اور دوسرے افراد (چار، جن کے نام مذکور ہیں) کو مندرجہ ذیل جے ریکھا پتریکا (JAYAREKHA PATTRIKA) (فتح کی سند) عطا کی تھی۔ جب ہم نے اگلی (AGALI) مدو ویدو (MADDUVEDU) رتنا ولو (RATNAVALLI) اور قرب وجوار کے دوسرے گاؤں کے گوداؤں، شینواؤں، سیٹوں اور پٹار سوامیوں (PATTARASWAMIS) پر مشتمل اسمبلی کے سامنے اس بات کو پیش کیا کہ گودا استھلا (GODA STHALA) کے شنبوگ (SHANBOG) سے متعلق کان آچی ہمارا ہے تو فیصلہ تمہارے حق میں ہوا تھا۔ اسمبلی کے فیصلے کو تسلیم نہ کر کے ہم نے تجویز کیا کہ اس جھگڑے کا تصفیہ کودی ہلی (KODIHALLI) کی دیوی ایلما (ELLAMMA) کے روبرو کھولتے ہوئے گھی میں ہاتھ ڈبو کر کیا جائے۔ چنانچہ سردار کے حکم سے ہرتی کے سدایا دیورو (SADAYA DEVARU) اور دیگر لوگوں نے (جن کے نام مذکور ہیں) گھی منگوایا اسے کھولایا اور ہمارے سامنے رکھا اور جب ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ "کان آچی ہمارا ہے" ہاتھ اس میں ڈالا تو ہاتھ جل گیا اور ہم مقدمہ ہار گئے جبکہ تم زخمی نہ ہونے

Marfat.com

سے مقدمہ جیت گئے۔ لہٰذا ہم یہ جیا ریکھا تمھیں دیتے ہیں۔ انصاف تمھارے حق میں ہے۔ خدا کرے کہ تم شنبوگ کے عہدے سے اس وقت تک مستفید ہوتے رہو جب تک چاند اور سورج باقی ہیں[55]۔

نیکولوڈی کونیتی جسمانی آزمائشوں کے بارے میں مندرجہ ذیل خیال کا اظہار کرتا ہے: "فوجداری کے الزامات میں جہاں جرم کو ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ موجود نہ ہو، حلف اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ حلف اٹھانے کے تین طریقے ہیں۔ پہلے وہ شخص جسے حلف اٹھانا ہوتا ہے۔ بت کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور بت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ حلف اٹھانے کے بعد وہ سرخ تپتی ہوئی لوہے کی کسی شئے کو، مثلاً کدال کو اپنی زبان سے چاٹتا ہے اگر وہ زخم سے محفوظ رہ جاتا ہے تو اسے بے گناہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ دوسرے بھی پہلے قسم کھا لینے کے بعد، اسی لوہے کو یا لوہے کی سرخ تپتی ہوئی پلیٹ کو لے کر بت کے سامنے چند قدم چلتے ہیں اگر اس کا کوئی حصہ جل جاتا ہے تو اسے مجرم کی حیثیت سے سزا دی جاتی ہے اور اگر محفوظ رہ جاتا ہے تو جرم پر دی جانے والی سزا سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ حلف کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور وہی سب سے زیادہ عام ہے۔ کھولتے ہوئے روغن سے بھرا ہوا ایک برتن بت کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ شخص جو عاید کردہ الزام سے اپنی برأت کی قسم کھاتا ہے، اپنی دو انگلیاں روغن میں ڈبوتا ہے جنھیں بعد میں فوراً ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ اس کو ہٹایا نہ جا سکے۔ تیسرے روز پٹی کھولی جاتی ہے۔ اگر انگلیوں پر کوئی زخم نظر آتا ہے تو ملزم کو سزا دی جاتی ہے اور اگر اس پر زخم ظاہر نہیں ہوتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے[56]۔"

جسمانی آزمائش کا طریقہ جنوبی ہندوستان میں تقریباً انیسویں صدی کے آغاز تک جاری رہا جب مثال کے طور پر تنجور کے مراٹھ بادشاہ سرفوجی (SARFOJI) کے زمانہ میں، ایک مخصوص گاؤں میں تلیاری (TALAYARI) کے حق سے متعلق دو اشخاص کے درمیان تنازع کا تصفیہ جسمانی آزمائش کے ایک طریقہ کے ذریعہ کیا گیا تھا[57]۔

دوسرا نکتہ جو یہاں جائزہ کا مستحق ہے وہ چند افراد کی ایک جماعت کے ذریعہ بعض مقدمات کی سماعت ہے۔ یہ سماعت اس خاص افسر کی درخواست پر ہوتی تھی، جس کے حلقہ اختیار میں وہ مخصوص مقدمہ پڑتا ہو اور تنہا وہی اس مقدمہ کی سماعت کا حق رکھتا۔ مختار جماعت (DELEGATED BODY) دریافت طلب مسائل (LAWS OF UPARHES) کے مطابق ہی مقدمہ کی سماعت کرتی ہے اور کسی فیصلہ پر پہونچتی ہے اور پھر فیصلہ اس افسر کے سپرد کر دیتی ہے جس نے اسے فیصلہ کے لیے مقدمہ کی سماعت کا اختیار دیا ہے اس طرح اس (جماعت) کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور وہ کسی مقدمہ کی سماعت محض ایک مختار ثانی

Marfat.com

ہوئی جماعت کی حیثیت سے ہی کرتی ہے۔ ارگلور کا کتبہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ کی ایک مثال ہے۔ یہ مہاجن ہی تھے جنھوں نے اس مقدمہ کی سماعت کی تھی، جس میں مندر کے حکام نے الف کے حاصل کردہ حق کو "ج" کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا اور انھیں مہاجنوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ حاکم صوبہ تیرو ملی نایک ہے جس کے پاس اس سے قبل کہ وہ معاملہ کی چھان بین کے لیے مہاجنوں سے درخواست کرے، اپیل کی گئی تھی۔ محض ان مہاجنوں کے فیصلے کے مطابق ہی اپنا فیصلہ سنا دیا جنھیں اس نے جوری کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ اس طرح یہ مہاجن مقدمہ کے حقائق کی تفتیش کے لیے محض ایک جوری کی حیثیت رکھتے تھے، وہ جج نہ تھے۔[95]

(ب) فوجداری کے مقدمات:۔ ہمیں اس طریقہ کار سے متعلق بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں جس کے مطابق شاہی عدالت اور صوبائی یا مقامی۔ دونوں ہی طرح کی عدالتوں میں فوجداری کے مقدمات کی سماعت ہوا کرتی تھی۔ لیکن جو مواد ہمارے پاس ہے وہ زیادہ نہیں ہے لہٰذا ہم قطعی طور پر اس طریقہ کار کے بارے میں زیادہ نہیں بتا سکتے جن کے مطابق فوجداری کے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی لیکن مندرجہ ذیل تفصیلات قابلِ ذکر ہیں۔ نونیز کہتا ہے "جب کوئی زیادتی کا شکار ہوتا ہے اور اپنے مقدمہ کو بادشاہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے اظہار کے لیے کہ اس کی مصیبت کس قدر سنگین ہے زمین پر منھ کے بل لیٹ جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے اگر اتفاقاً وہ بادشاہ سے اس وقت گفتگو کرنا چاہتا ہے جب وہ گھوڑے پر سوار جا رہا ہو، تو وہ ایک بھالے کے دستہ کو لیتا ہے۔ اس میں ایک شاخ کو باندھ دیتا ہے اور اسی حالت میں وہ چیختے ہوئے سیدھے چلا جاتا ہے۔ لوگ اس کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں اور وہ بادشاہ کے سامنے اپنی شکایت پیش کرتا ہے اور شکایت کو اسی وقت اسی جگہ بلا کسی دقت و پریشانی کے حل کر دیا جاتا ہے اور بادشاہ ان سرداروں میں سے جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں، کسی ایک کو حکم دیتا ہے کہ ملتجی جو کچھ چاہتا ہے اسے فوراً پورا کیا جائے ...... اگر کوئی ڈاکہ زنی بھی ہوئی ہے تو آپ کوئی چھوٹا سا تحفہ اور اس شخص کا حلیہ دے دیں جس نے آپ کے یہاں چوری کی ہے۔ وہ جادوگروں کے ذریعہ فوراً ہی پتہ لگا لیں گے کہ آیا چور شہر میں ہے یا نہیں اس لیے کہ اس ملک میں بڑے طاقتور جادوگر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین میں چور بہت کم ہیں۔[96]

اگرچہ جادوگروں کی موجودگی کا ذکر پہلی نگاہ میں مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات غیر ممکن نہیں ہے کہ بادشاہ لوگوں کے اس طبقے سے مشورہ کرتے ہوئے جو جادوگری سے واقفیت کی بنا پر

Marfat.com

دعویٰ کرتے تھے کہ وہ گمشدہ اشیاء اور ان اشخاص کا نشان و پتہ جانتے ہیں جنھوں نے ان اشیاء کو چرایا ہے۔ جب ہم آج بھی کچھ ایسے اشخاص پاتے ہیں جو جادو کی کسی طاقت کے ذریعہ گمشدہ اشیا کا پتہ لگالیتے ہیں تو نونیز کے بیان پر یقین کر لینا مشکل نہیں ہے سیاسی جرائم سے نمٹتے وقت، خواہ وہ حقیقی ہوں یا مشتبہ، بادشاہ بسا اوقات بیک وقت ایک مدعی، پولیس کے آدمی اور ایک منصف کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایسا ہی اس وقت ہوا جب کرشن رائے نے اپنے معتمد وزیر سالو واتما اور اس کے بیٹوں کو اس شبہ پر اندھا کر کے جیل میں ڈال دیا کہ انھوں نے اس کے بیٹے تیرومل کو قتل کر دیا اگر اس سنگین جرم کا فیصلہ (اگر حقیقتاً سالو واتما کا اس میں کوئی ہاتھ تھا) کسی ایسی سرکاری عدالت پر چھوڑ دیا جاتا جس میں (خود) بادشاہ کا کوئی دخل نہ ہوتا تو شاید انھیں جیل میں ڈالنے سے قبل الزام قتل کو ثابت کرنا پڑتا اور اگر یہ ثابت نہ ہو پاتا تو بادشاہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ وزیر اور اس کے بیٹوں کو قید میں ڈال دیا جائے۔ لہٰذا یہ طریقہ کار جس کے مطابق بادشاہ نہ صرف مدعی تھا بلکہ ایک جج اور قانون کا نافذ کرنے والا بھی، وجے نگر کی مملکت میں فوجداری کے عدالتی نظام کے کسی پسندیدہ پہلو کو اجاگر نہیں کرتا۔

بادشاہ ان عہدہ داروں میں سے محض ایک تھا جو فوجداری کے عدالتی نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ دیہی اسمبلیاں، مندر کے حکام اور صوبائی گورنر بھی فوجداری کے مقدمات کا تفصیلی جائزہ لیتے، شواہد کو پرکھتے اور فیصلے صادر کرتے۔

بسا اوقات فوجداری کے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے پنچایتی فیصلے کا بھی سہارا لیا جاتا۔ ویرسا ین ادایا کے زمانہ میں پدوکوتائی ریاست کے کوی لور (KAVILUR) مقام کے آرائی یروں (ARAIYARS) کے دو فریقوں کا مقامی جھگڑا پنچایتی فیصلے کے ذریعہ طے کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں جو دو فریق تھے ان میں سے ایک تیرکل ارائن (TERKILARAIYAR) نامی ایک شخص اور اس کا رشتہ دار تھا اور دوسری جانب ودکل ارائن (VADAKKILARAIYAR) نامی ایک شخص کے خلاف تھے۔" کہا جاتا ہے کہ ودکل ارائن نے پہلے تیرکل ارائن کے ایک رشتہ دار (غالباً بہنوئی) کو قتل کر دیا تھا اور انتقام میں موخرالذکر نے خود اسے قتل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد ودکل ارائن کے رشتہ داروں نے تیرکل ارائن کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور موخرالذکر کی جماعت کے چند لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس (جانی) نقصان کی تلافی کے لیے ودکل ارائن کے گروہ نے اپنے چند آدمی دوسرے فریق کے حوالے کر دئے اور دونوں فریقوں نے کولن دائی نایکر (KULANDAI NAYAKKAR)

Marfat.com

کے مندر کے معتمدین اور رمان ارکل (PANARKAL) کو مخاطب کرتے ہوئے ایک معاہدہ کیا کہ وہ آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ تیرکل اراٹن اور اس کے رشتہ داروں نے فیصلہ کہ وہ میلائک کوتائی (PELAIKKOTAI) ، پیرمپولی یور (PERUMPULIYUR) وغیرہ کے گاؤں میں، جن میں ودکل اراٹن کے رشتہ دار آباد ہیں، کبھی کوئی زیادتی نہ کریں گے، جبکہ ودکل اراٹن کے رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ وہ ولن آدو (VALLIRADU) کے ضلع میں جہاں تیرکل اراٹن کے رشتہ دار آباد ہیں، کبھی کوئی جارحیت نہ کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ معاہدہ کی کسی خلاف ورزی کی صورت میں وہ ، یعنی فریقین جج (تانم اماگا (TANAPURAGA) کی حیثیت سے بیٹھیں گے اور خلاف ورزی کرنے والے کی اراضیاں مندر کے لیے دیودانا (DEVADANA) کی حیثیت سے قرق کریں گے جس کے لیے خود خلاف ورزی کرنے والے کو بادشاہ کو ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ جرمانے بھی وصول کیے جائینگے جو اسمبلی اور بادشاہ کو دئے جائیں گے۔[66]

چنگل پٹ ضلع کے تیرک کلی کنرم (TIRUKKALIKUNRAM) مقام کی ایک قیمتی دستاویز سے اس طریقہ کار سے متعلق چند دلچسپ تفصیلات کا انکشاف ہوتا ہے جس کے مطابق مندر کے حکام نے چوری کے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ کتبہ میں موجود تفصیلات کے مطابق آئین دان AINAN نامی ایک شخص نے دیوتا کو نراوان پیرومال (TUNARVAN-PERUMAL) کے بار سے پرامادی (PRAMADI) کے سال ۱۵۰ پون (PON) چرائے تھے میکاول (ELYKAVAL) نے مندر کے معتمدین کے سامنے یہ شکایت پیش کی کہ مذکورہ شخص آئین دان اس کمرے میں نقب لگاکر داخل ہوگیا جس میں بار رکھا ہوا تھا اور کچھ پون لے کر نقب کو گارے اور چونے سے بند کردیا۔ آخری سماعت کے وقت جو جج موجود تھے وہ تھے تیرو کاونم (TIRUKK... VANAM) کے شری رودرا مہیشور (MAHESVARAS) شینگیلن کیلان (SENIGILAONKILAN) ، تیروپ پلاوائی لودانیار و نیرابرنن (TIRUPPAILAVA YILUDAIYAR VENRU BARAGAM) ادتادیون (ADITTADAVAN) ، دھنوان امراپتی کاتار (DHANVAN AMARAPATI KETTAR) ، کرائیک کیلان پونم بلاکوتن (KARAIKKITAN PONNAMBALAKUTTAN) ، کیکولا (KAIKKOLAS) اور کیکول امودلی (KAIKKOLAMUDALI) لیکن سماعت کے دوران آئین دان بھاگ گیا۔ پھر اس کی جائداد کو جو خالی زمین کے چار ٹکڑوں پر مشتمل تھیں اور مندر میں پوجا کے دو قسم کے حقوق کو جو اسے حاصل تھے۔ ایک عام

Marfat.com

نیلام میں آٹھ سو پچاس پون میں فروخت کر دیا گیا اور اس رقم کو مندر کے خزانے میں جمع کر دیا گیا۔[61]
اس کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ مقامی حکام مثلاً مندر کے معتمدین بھی فوجداری کے مقدمات کی سماعت کے مجاز تھے، وہ مقدمات کا تفصیلی جائزہ لینے اور غور و فکر کے بعد اپنا فیصلہ سناتے تھے۔

بعض مقامات پر مقامی باشندوں (ناتار) کو فوجداری مقدمات کی سماعت کی اجازت حاصل تھی۔ پدوکوتائی ریاست کے نیدنگودی (NEDUNGUDI) مقام کے ایک کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ناتاروں نے ایک مقامی تنازع کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میں درج ہے کہ اون جنا ئپ پرو (UNJANAIPPARU)، ینامابرو (NIYAMAPPARU)، کلانی واشل پرو (KALANIVASA) (IPARU) اور آدلائی یور نادو (ADALAIYURNADU) کے باشندگان مجتمع ہوئے تاکہ ان تین عام افراد پر مقدمہ چلائیں جنھوں نے مالورایر (KALAVARAYAR) نامی ایک شخص کی فوج کی مدد سے اس علاقہ میں ایک فساد پھیلایا تھا اور لڑائی میں بیس آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جنھوں نے مجرمین کو سزا دی۔[62]

پوواٹلائیک کودی (PUVALAIKKUDI) مقام کے جو پدوکوتائی ریاست ہی میں ایک جگہ ہے، ایک ایسے ہی کتبے میں درج ہے کہ پونامراپدی (PONNAMARAPADI) اور تورور (TUVOR) کے باشندوں کے درمیان ایک تنازع کی بنا پر موخرالذکر نے کافی بیرونی مدد سے پونامراپدی کے گاؤں میں تباہی پھیلائی تھی۔ اول الذکر نے اپنی شکایات پوولائی کودی (PUVALAIKKUDI) کی اسمبلی کے سامنے پیش کیں ممبران نے جو آس پاس کے متعدد گاؤں کے باشندوں کی نمائندگی کرتے تھے اس شرط پر مصیبت زدہ فریق کی مدد کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے گاؤں کی چند اراضیاں مندر کو دے دیں۔[63]

فصل چہارم

تعزیرات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں تعزیرات کے عام قوانین بڑے سخت تھے۔ فوجداری کے جرائم پر جو سزائیں دی جاتی تھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے نونیز لکھتا ہے" جب ایک چور کوئی چوری کرتا ہے، خواہ وہ کتنی معمولی شے کیوں نہ ہو تو یہ لوگ چور کا ایک ہاتھ اور ایک پیر بلاتا کاٹ دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کوئی بڑی چوری کرتا ہے تو اس کی ٹھڈی میں ایک ہک لگا کر اسے پھانسی دے دی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی شریف عورت یا کسی دوشیزہ کی عصمت دری کرتا ہے تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی ہے اور اگر وہ اسی قسم کے دوسرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا بھی

Marfat.com

اسی قسم کی ہوتی ہے۔ وہ امراء جو غداری کرتے ہیں انھیں بھیجد یا جاتا ہے کہ ان کے پیٹ میں لکڑی کی میخیں ٹھونک کر ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ اور نچلے طبقے کے لوگوں کے لیے، خواہ انھوں نے کوئی جرم کیا ہو، وہ (بادشاہ ؟) فوراً بھرے بازار میں ان کا سر قلم کر دینے کا حکم دے دیتا ہے۔ یہی حکم (کسی کو) قتل کر دینے کے سلسلہ میں بھی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ قتل کسی ڈوئل DUAL کا نتیجہ ہو۔ . . . .

یہ عام قسم کی سزائیں ہیں لیکن اس سے زیادہ عجیب سزائیں بھی دی جاتی ہیں اس لیے کہ اگر بادشاہ چاہتا ہے تو کسی شخص کو ہاتھیوں کے سامنے ڈال دیئے جانے کا حکم دے دیتا ہے جو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ لوگ اس کے اتنے زیادہ مطیع ہیں کہ اگر آپ کسی سے بادشاہ کی طرف سے یہ کہہ دیں کہ وہ اپنی پیٹھ پر ایک پتھر رکھ کر دن بھر خاموش سڑک پر کھڑا رہے جب تک کہ آپ اسے رہا نہ کر دیں تو وہ ایسا ہی کرے گا۔[۱۱۳]

نونیز نے مرقع کشی کی ہے۔ اس کی تصدیق عبدالرزاق کے بیان اور عہد کے کتبات سے بھی ہوتی ہے۔ ایرانی سفیر لکھتا ہے "بسا اوقات یہ لوگ مجرموں کو ہاتھی کے قدموں کے نیچے ڈال دیئے جانے کا حکم دے دیتے ہیں تاکہ وہ اسے اپنے گھٹنوں، سونڈھ اور دانتوں سے مار ڈالے۔[۱۱۴] مثال کے طور پر پدوکوتائی ریاست کے نیواشل (NEYVASAL) مقام کے ایک کتبہ مورخہ ۱۵۱۶ء میں ایک مندر کے ہیروں کی چوری اور اس پر دی جانے والی سزا کا ذکر ہے مجرم کو قید کر دیا گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس کی زمینیں ضبط کر لی گئیں اور آخر میں خود اس کو گاؤں ہی سے باہر نکال دیا گیا۔ دستاویز کے بعد کے حصہ میں درج ہے کہ مندر کے حکام نے زمین کی اس فروخت کی توثیق کر دی جو چوری ہو جانے والے ہیروں کی قیمت چکانے اور مخبرین کو انعامات دینے کے لیے ان لوگوں نے کی تھی جن کی حیثیت مجرموں ہی جیسی تھی۔[۱۱۵] مجرموں کو اذیت پہونچا کر مار ڈالا جاتا تھا مثال کے طور پر تانادار دلاور (TANADAR DILAVAR) نامی ایک شخص کو، جو دبی شیٹی (DUBBI SETTI) میں کسانوں اور دیگر لوگوں کے بچّوں کو قتل کر دیا کرتا تھا، اذیت پہونچا کر مار ڈالا گیا۔ اس طرح کے معاملات میں ریاست مظلوم فریق کے نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ گودیا (GAUDAYYA) نامی ایک شخص ان لوگوں میں سے ایک تھا جسے مذکورہ تانادار دلاور نے قتل کر دیا تھا چنانچہ اس کے بچوں کو نتر گودت (NETTARAGODAGE) کی حیثیت سے سکا گنگوسا (GIKKA GANGUR) دیا گیا۔[۱۱۶] اس ضمن میں نورت (NUVART) نے گولکنڈہ کے وزرا اکنا (AKKANNA) اور مدنا (MADANNA) کو اذیت دے کر مار ڈالے جانے کے بارے میں جو بیان قلم بند کیا ہے وہ

Marfat.com

نہایت دلچسپ ہے[68]۔

لیکن نونیز کے بیان کی تصدیق کرنے والے ان شواہد سے ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں تعزیری قوانین یکساں طور پر بڑے سخت تھے نیز یہ کہ معمولی چوری پر بھی ایک شخص کو قطع اعضاء کی سزا دی جاتی تھی۔ ہمیں یہ بھی ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ ملک کا قانون اس بات کی اجازت دیتا تھا کہ شہریوں سے برتاؤ میں امتیاز برتا جائے۔ تمام لوگ قانون کی نظر میں برابر نہ تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نونیز کے بیان کے مطابق، بادشاہ کے قاتل سالو واتما اور اس کے بیٹوں کو ان کے سنگین جرم پر قتل نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ برہمن تھے بلکہ انھیں محض قید کر دیا گیا اور راندھا کر دیا گیا۔ لیکن جہاں مجرموں کو قتل کر دیئے جانے کا حکم ہوتا، کرشن رائے چاہتا تھا کہ کچھ باتوں کا لحاظ کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے "جن لوگوں کو سزائے موت دی گئی ہو، انھیں تین بار (رحم) کی اپیل کرنے کا موقع دو۔ لیکن جن لوگوں کا بچ جانا تمہارے اوپر کسی مصیبت کا باعث بنے ان کا فوراً قتل کر دیا جانا مناسب ہے[69]۔" اس طرح صرف وہی غدار اشخاص اپیل کا کوئی موقع پائے بغیر قتل ہوں گے جن کا وجود ریاست اور بادشاہ کے لیے زبردست خطرہ کا باعث ہو۔

اگر نونیز کے بیان پر یقین کر لیا جائے تو وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں انسانی قربانیاں کم نہ تھیں۔ باقاعدہ قید خانے تھے جہاں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ جب کسی انسانی قربانی کی ضرورت محسوس کی جاتی تو ان قیدیوں کو جو موت کی سزا کے مستحق ہوتے، قتل کر دیئے جانے کا حکم دے دیا جاتا تھا۔ اس طرح جب کرشن دیو رائے سے یہ کہا گیا کہ اس کی سینچائی کی زبردست اسکیم کی کامیاب تکمیل کے لیے دیوتاؤں نے چند انسانی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے تو اس نے ان تمام لوگوں کو وہاں بلا بھیجا جو اس کے قیدی تھے اور موت کے مستحق تھے۔ اور ان کا سر قلم کر دیئے جانے جانے کا حکم دیدیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرشن رائے نے جو اصول اپنی کتاب آمکتا مالیاد میں درج کئے ہیں ان پر وہ اس حد تک کاربند رہا جتنا عملاً ممکن تھا۔ جو لوگ سزائے موت کے مستحق تھے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ اس نے اسی وقت تک نہیں کیا جب تک وہ اپنی آبپاشی کی عظیم اسکیم کے تکملہ کے لیے انسانی قربانی کی ضرورت کے تحت مجبور نہ ہو گیا (اس وقت تک) اس نے محض ان کو قید کر دینے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ مجرمین کو سزائے موت دیے جانے کا تذکرہ عبدالرزاق نے بھی کیا ہے۔ جن سازشیوں نے دیو رائے دوم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان کے بارے میں بتلاتے ہوئے وہ کہتا ہے "ان لوگوں کی یا تو زندہ کھال اتار لی گئی یا زندہ جلا دیا گیا یا کسی دوسرے طریقے سے مار ڈالا گیا۔ اور ان کے خاندان کو نیست و نابود

Marfat.com

کر دیا گیا نیز اس شخص کو بھی مار ڈالا گیا جس نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا تھا[21] ۱۶۵۱ء کے ایک یسوعی کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح بعض جرائم پر مجرم کے مرتبے اور وقار کا لحاظ کیے بغیر سزائے قید دی جاتی تھی گوئری رو (GUERRIRO) لکھتا ہے "یہ معاملہ اس بنا پر اہم ہے کہ یہ مملکت کے اس گورنر اعلیٰ (CHIEF GOVERNAR) کے ساتھ پیش آیا جس نے بادشاہ کے اس عطیہ کی شدید مخالفت کی تھی جو اس نے کلیسا کے منتظمین کو ان گاؤں کے محاصل سے دینے جانے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ یہی وہ شخص تھا جس پر بادشاہ کے سامنے الزام لگایا گیا کہ اس نے شاہی محاصل اور خزانے کی چوری کی ہے۔ چنانچہ اسے نہایت بے عزتی کے ساتھ اپنے عہدے اور حیثیت سے برطرف کر دیا گیا۔ اور جب اس سے بادشاہ کی اس انگوٹھی کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی قیمت پچاس ہزار بگوڈا تھی تو اس نے الزام سے انکار کیا اور اپنے والدین کی قسم کھائی کہ اس نے انگوٹھی ہرگز نہیں لی۔ لیکن متعدد گواہوں کی بنیاد پر اسے انگوٹھی اور تین بگوڈا کی چوری کا ملزم ٹھہرایا گیا چنانچہ اب وہ قید ہے[22]۔

بہر حال قتل جیسے سنگین جرائم پر بھی محض معمولی سزا دیا جانا خلاف معمول نہ تھا جنوبی کنارا ضلع میں بسرور مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1663-65ء کے مطابق دھرم پٹن کے نکھر دوارو (NAKHRA GODAVARU) (تاجرین) نے سیٹی فرتہ کے دو آدمیوں کے قتل کا تاوان یوں ادا کیا کہ اپنے وصول کردہ ہر دس ہونو (HONU) (سونا) میں سے ایک کے حساب سے عطیہ کے طور پر دیا ایسا ان لوگوں نے پدوکیری (PADUVAKERI) کے متعدد شیٹی کاروں کی خواہش پر بطور پرائشچت (PARAYASHITTA) اس زمانہ میں کیا تھا جب تمن ادیا (TIMMANADEYA) بارکورو راجیہ (BARAKURURAJYA) میں حکمرانی کر رہا تھا[23]۔ ۱۶۸۰ء میں چند گاؤں کے باشندوں نے فیصلہ کیا کہ ان تین اشخاص میں سے جو ملورائن (MALAVARAYAN) نامی ایک شخص کے تعاون سے فساد کا باعث بنے تھے اور بیس آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا، ہر ایک کو ایک ما (MA) زمین کے ٹیکس سے بری دیودان (DEVADANE) کے طور پر مقامی مندر کو عطیہ میں دینی چاہیئے[24] چند جرائم پر برادری سے قطع تعلق یا خارج کر دیئے جانے کی سزا دی جاتی تھی۔ ایسے معاملات میں ملزم کی جائداد بھی مندر کے حق میں ضبط کر لی جاتی تھی[25]۔

چند جرائم پر جرمانے عاید کر کے سزا دی جاتی تھی۔ پدوکوتائی ریاست میں پلن کرائی (POLAN-KARAI) مقام کی ایک دستاویز میں چند جرائم پر عاید جرمانوں کی شرحیں درج ہیں۔ یہ شرحیں دس پنم مقرر تھیں[26]۔ کدور ضلع میں کوپا تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق چکنا نایک (CHIKKANNA NAYAK) نامی ایک شخص پر اس کے ایک جرم کے لیے 30 وراہ کا جرمانہ عاید کیا گیا تھا[27]۔ پدوکوتائی ریاست میں

Marfat.com

رن گیام (RANGI YAM) مقام کے ایک کتبہ میں جس کی عبارتیں مٹ گئی ہیں ایک سمجھوتے کا ذکر ہے جو پونم راپدی نادو (PONNDIRAPODINADU) کے راش شنگا منگلم ٹن پرو (RASASENG - AMANGALAM TEPARRU) کے باشندگان نے اس شخص کو سزا دینے کے سلسلہ میں کیا تھا جو کسی پر حملہ کر کے اسے مار ڈالے۔ شرح یہ مقرر کی گئی کہ مقتول مرد ہو تو پانچ پنم اور اگر عورت ہو تو دس پنم بھومیشور نائنار (BHUMISVARA NAYANAR) کو ادا کیا جائے[18]۔

اگر ریاست کی جانب سے کسی خاص شخص کے ساتھ کوئی بے انصافی ہو جاتی تو ریاست اس کا معاوضہ ادا کرتی۔ مثال کے طور پر 1582ء میں کلادی رام جیا (KELADI RAMA RAJ - AYYA) نے پتن ہلی بھدری گودا (PUTTANAHALLI BHADRA GOUDA) کو ایک امبلی (UMBALI) عطا کیا تھا جو مندرجہ ذیل تھا۔ "چونکہ ہم لوگوں نے آنکھیں بے نور کر دی ہیں (یا تمہارا کھلیان لیا ہے) لہٰذا ہم پتن ہلی کے سامنے واقع میدان میں 5 کھنڈوگا (KHANDUGAS) زمین تمہیں عطا کرتے ہیں[79]"۔

وجے نگر کے زمانہ میں عدلیہ کا جو نظام تھا اس کے بیان سے بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ عوام کے ساتھ عدل و انصاف برتا جائے خواہ سرکاری عدالت کے جج ہوں یا مملکت کے مضافات کی دیہی اسمبلیاں۔ ان کے سامنے جو مقدمات پیش کیے جاتے ان کے تمام پہلوؤں کی چھان بین کی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ قانون تعزیرات کا ضابطہ چند مقدمات کے سلسلہ میں نہایت سخت رہا ہو۔ لیکن یہ محض اس طرح کی سخت سزاؤں کا خوف ہی تھا جس نے عوام کو قانون پسند شہری بنا دیا تھا۔ ڈوارٹ پار بوسا جو مملکت وجے نگر میں احساس تحفظ و سلامتی کی توثیق کرتا ہے۔ لکھتا ہے "تمام لوگوں کے ساتھ انتہائی انصاف اور عدل کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نہ صرف حکمرانوں کی طرف سے، بلکہ عوام بھی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پیش آتے ہیں مملکت وجے نگر اکیلی ایسی مملکت نہ تھی جہاں قانون تعزیرات سخت تھا۔ یورپ میں تو اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک فوجی قوانین نہایت سخت تھے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں تو فوجداری کے قوانین کا سخت ہونا ناگزیر تھا۔

فصل پنجم

پولیس کی تنظیم

ملک میں امن و سلامتی برقرار رکھنے کے لیے ایک کارگذار پولیس عملہ کی تنظیم ریاست کا ایک

Marfat.com

فریضہ ہے۔ مملکت وجے نگر میں پولیس کی تنظیم کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔

وجے نگر کے زمانہ میں پولیس کا عملہ دو قسموں کا ہوا کرتا تھا۔ ایک وہ جس کا انتظام ریاست کرتی تھی اور دوسرا وہ جس کا انتظام اپنے اپنے حلقوں میں عوام کرتے تھے۔ پہلا حکومت کو جوابدہ ہوتا تھا اور دوسرا عوام کو دارالسلطنت میں ایک خاص پولیس عملہ اور بھی تھا جس کی تنظیم مملکت کے دور دراز علاقوں میں سرکاری پولیس عملے کی تنظیم سے تقریباً ملتی جلتی تھی۔ پولیس کا یہ عملہ اپنے زیر اختیار حلقے میں امن وسلامتی کے قیام اور جرائم کی تفتیش کا ذمہ دار تھا۔ ان کی فرائض کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرزاق لکھتا ہے "ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ان سات دیواروں کے اندر واقع ہونے والے تمام واقعات وحوادثات سے اپنے آپ کو باخبر رکھیں اور ہر اس چیز کو برآمد کریں جو گم ہو گئی ہو یا جسے چرا لیا گیا ہو ورنہ ان پر جرمانے عاید کر دیئے جاتے ہیں"[82] ایرانی سفیر یہ بھی لکھتا ہے کہ کس طرح ایک بار ایک چوری کے سلسلہ میں جو ان کے علاقے میں ہوتی تھی ان کی سرزنش کی گئی۔ وہ لکھتا ہے "چند غلام، جنھیں میرا ساتھی اپنے ہمراہ لایا تھا بھاگ کھڑے ہوئے اور جب معاملہ (ان کے) منتظم اعلیٰ (PREFECT) تک لایا گیا تو اس نے اس علاقے کے چوکیداروں کو جہاں انتہائی غریب لوگ آباد تھے، یہ حکم دیا کہ وہ یا تو انھیں (غلاموں کو) کو لاکر پیش کریں یا جرمانہ ادا کریں جو بالآخر انھوں نے رقم معلوم کرنے کے بعد ادا کیا"[82] نونیز نے بھی اسی طرح کا نظام قلمبند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر بادشاہ سے کوئی یہ شکایت کرتا کہ اسے فلاں فلاں صوبے میں اور فلاں فلاں سڑک پر لوٹ لیا گیا ہے تو بادشاہ فوراً اس صوبے کے سردار کو بلا بھیجتا ہے خواہ وہ دربار ہی میں کیوں نہ ہو اور اگر سردار چور کو گرفتار نہ کرتے تو (خود) سردار کو گرفتار کیا جا سکتا تھا اور اس کی جائداد ضبط کی جاتی تھی وہ مزید لکھتا ہے کہ اسی طرح اعلیٰ سرکاری افسر (CHIEF BAILIFF) بھی دارالسلطنت میں ہونے والی چوریوں اور ڈکیتوں کے لیے جوابدہ تھا۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بہت کم چوریاں ہوا کرتی تھیں[83]۔ بیلیف (BAILIFF) اور پری فیکٹ (PREFECT) ایک ہی افسر کے مختلف نام تھے جسے ہم موجودہ سیاسی اصطلاح میں پولیس کمشنر (یا) کوٹلیہ کا ناگرک (NAGRIKA) کہہ سکتے ہیں[84]۔ دیو رائے دوم کے زمانہ میں اس کا دفتر دارالسلطنت میں دارالضرب (MINT) کے بالمقابل تھا۔ اس کے ماتحت بارہ ہزار پولیس کے سپاہی تھے، جن میں سے ہر ایک کو حکومت کی طرف سے ہر ماہ 3 پنم ملتا تھا۔

لیکن مملکت کے جن صوبوں میں ناین کر (NAYANKARA) کا نظام رائج تھا۔ وہاں اپنے اپنے علاقوں میں امن وسلامتی برقرار رکھنے کے ذمہ دار نایک تھے وہ خود پولیس کے فرائض انجام نہیں دیتے تھے بلکہ اس کام کے لیے کچھ لوگوں کا تقرر کرتے تھے جنھیں کاول گار (KAVALGAR) کے نام

Marfat.com

سے جانا جاتا تھا۔ اس نظام کے آغاز کی نشاندھی اس پالیسی سے کی جا سکتی ہے جس میں ایک چور کو پکڑنے کے لیے ایک چور کو متعین کیا جائے۔ یہ کاول گار عموماً جرائم پیشہ قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے برادری کے افراد کو چوری سے باز رکھیں اور اپنے اپنے علاقوں میں چوری کیے ہوئے مال و اسباب کو واپس کریں۔ اس خدمت کے بدلے انھیں اپنی گذر اوقات کے لیے زمین تفویض کی جاتی تھی۔ کاول گار خود اپنے ماتحت ہر گاؤں کے لیے ایک تلائی یاری (TALAI YARI) کا تقرر کرتے تھے۔ یہ مقامی پولیس کے سپاہی اگر اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دیتے تو سزا کے مستحق ہوتے۔ مثال کے طور پر چنگل پٹ ضلع میں تیر وودری پور مقام کے ایک کتبہ میں مذکور رہے کہ کچھ اگم بدائی یار (AGAMBADAI YARS) ملازمین جو تعداد میں 48 تھے اور پدوور (PADUVUR) کے سردار کی ماتحتی میں کام کر رہے تھے گاؤں میں رہتے تھے اور بہت دنوں سے اس کی حفاظت کر رہے تھے لیکن بعد میں جب انھوں نے چند غیر واضح اسباب کی بنا پر اپنے فرائض سے بے توجہی برتی اور عوام کے لیے کافی نقصان کا باعث بنے تو ان کی سزا کی گئی[86]۔

چند مقامات پر کاول گار خود گاؤں والوں کو جوابدہ تھے گاؤں والے عام طور پر پولیس کے فرائض (POLICING) جسے پادی کاول (PADIKAVAL) کہا جاتا تھا، کے حق کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ پودو کوتائی ریاست کے کلتور تعلقہ میں واقع تین گودی (TENNANGUDI) مقام کے ایک شکستہ حال کتبہ کے مطابق ودکو نادو (VADAKANADU) میں واقع انل واشل (ANNALVASAL) مقام کے باشندوں نے گاؤں میں پاری کاول کے حق کو ۰۰۱ اشک کریم (SAKKARAPANAM) میں فروخت کر دیا تھا[87]۔ اسی طرح جب کچھ کلاولایک کا بر (KALLAVELAIKKARAS) نے ایک اسمبلی میں پناہ لینی چاہی جو جمبوکیش ورم (JAMBUKESVARAM) اور شری رنگم کے لوگوں کے چند مخصوص گروہوں پر مشتمل تھی۔ تو انھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ان کی اراضیوں اور جانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔ اس ذمہ داری کے معاوضہ میں انھیں اجازت دی گئی کہ وہ اٹھارہ ذاتوں (پدی نین بھومی شیے ایار PADINEN BHUMI SAMAY ATTAR) کے ہر خاندان سے ایک پنم سالانہ اور ہر شادی کے موقع پر ایک انگوٹھی وصول کر سکتے ہیں[88]۔

علاقے کے ذی اثر کاول گاروں کو حق (کاول گاری) دیا کرتے تھے رام ناد ضلع میں واقع تیروک کلک کودی کے چار زمینداروں نے کاول (KAVAL) کے حق کو تینوں گاؤں کے چوکیداروں کو دے دیا تھا، یہ حق ایک بنڈل سوکھی گھاس اور ان زمینداروں کی اراضی کی ہر ما پر ایک کورونی (KURUNI) دھان پر مشتمل تھا جو چوکیداروں کے ہر گروہ کو علٰحدہ علٰحدہ دیا جاتا تھا۔ اسی میں ان (زمینداروں) کے باجگذاروں پر واجب

Marfat.com

الاداتمام دیگر رواجی خدمات (کاریہ کرم) (KARYAKARAMA) بھی شامل تھے[89]۔ مثال کے طور پر اسی گاؤں کے ایک کتبہ کے مطابق سالووا نایک اور اپاپلی (APPAPILLAI) نامی اشخاص نے ایک مضافاتی گاؤں کو تباہ حال میں پایا۔ اس کے اسامی گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور نئے اسامی وہاں آکر آباد ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ چونکہ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو آکر گاؤں کو دوبارہ آباد کرے، لہٰذا ان لوگوں نے شکادیور ویٹو وکا تم (SAKKADEVER VETTUVAKKATTAM) عرف شیاپدائی تانگی (SAYAPADAITANGI) اور راس کے بھائی شیروکاتون (SIRUKATTAVAN) نیز تمپانایک کے دولہ بجنتوں کو بلا بھیجا اور یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ ان لوگوں نے گاؤں کے لیے اسامی فراہم کیے ہیں اور اسے از سر نو آباد کیا ہے۔ لہٰذا اول الذکر دو افراد کو اس خاص گاؤں پر جو مندر (تیرو ملائی TIRUMALAI) کے گرد واقع ہے، پادی کاول (PADIKAVAL) کا حق حاصل ہوگا (تاکہ) وہ کاشتکاری کر کے اور مندر کو اس کے عام ٹیکس مثلاً کاتوموکائی (KATTUMUKKAI) می شم (MISAM)، مکمل پیر دو غیرہ ادا کر کے وہاں کے رواجی نوعیت کے عطیات اور فیس کو وصول کریں۔ انھیں بعض دوسرے حقوق اور ذمہ داریاں بھی عطا کی گئی تھیں[90]۔

مثال کے طور پر پودوکوتائی ریاست کے کورتور تعلقہ میں واقع تیرو ون گائی واشل (TIRUVA-NGAIVASAL) مقام کی ایک نامکمل دستاویز میں مذکور ہے کہ تیرو ون گائی واشل کے مندر کے منتظمین اور باشندگان نے ایرومبلی (IRUMBALI) کے سردار کو اپنے گاؤں کے تالاب کی مرمت کے لیے پدی کاول کے حقوق عطا کر دیئے تھے[91]۔

مملکت کے بعض حصوں میں کاول گاروں کا سردار ارشو کاول گار کے نام سے معروف تھا۔ تورائی یور، اریالور اور اداشیار پالائی یم کے ارشو کاول گاران مقامات کے پولی گر (POLIGAR) بھی تھے[92]۔

جنوبی ہندوستان کے بیشتر پولی گروں کی جاگیریں کاول گاری کے حق کے طور پر ان کے تصرف میں تھیں۔ بلاری ضلع کے گزیٹر (BELLARY DISTRICT GAZETTEER) میں درج ہے کہ کاول گاروں کو مندرجہ ذیل طریقے پر اجرتیں دی جاتی تھیں "کاول گار بھی تنخواہ پانے والے حکام تھے اور انہیں مندرجہ ذیل تنخواہیں ملتی تھیں۔

(1) لگان سے مستثنیٰ یا معمولی زراشتنی (QUIT RENT) پر ایک گاؤں (2) ان کے حلقہ اختیار کے ہر گاؤں میں لگان سے مستثنیٰ زمین کا ایک حصہ (3) ہر ہل یا بونے گئے بیج کی مقدار پر غلے کی صورت میں ایک وظیفہ (4) کاشتکاروں سے ان کے ہلوں پر اور تجارسے ان کے گھروں، دوکانوں اور کرگھوں پر ایک نقد وظیفہ (5) علاقہ سے ہو کر گذرنے والی اشیاء پر ایک معمولی چنگی (6) اسی طرح کی ایک اور چنگی جو میلوں،

Marfat.com

ہفتہ واری بازاروں اور صرافوں سے نقد، اور دوسرے بیوپاریوں سے (جنس کی شکل میں) لی جاتی تھی[13]۔

جیسا کہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کاول گار اپنے ماتحت ہر گاؤں میں تلاری یاروں کا تقرر کرتے تھے۔ انھیں ان کی خدمات کا معاوضہ نقد اور جنس دونوں شکلوں میں ادا کیا جاتا تھا، یہ معاوضہ اس کے زمین کے علاوہ تھا جو بغیر لگان انھیں دی جاتی تھی۔

اس طرح پولیس کی تنظیم سے متعلق اپنے انتظامات بڑی حد تک عوام خود ہی کر لیتے تھے۔ حکومت پولیس کے عملے کے محض ایک حصہ ہی کا انتظام کرتی جسے ہم شہری اور ضلعی تنظیمیں قرار دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مملکت وجے نگر میں پولیس کا انتظام حالات کے بالکل مطابق تھا اور مملکت میں تحفظ و سلامتی برقرار رکھ سکا، تاہم جس طرح کاول گروں کو ان کے زیر انتظام علاقوں میں ہونے والے مبینہ جرائم کے الزام میں سزائیں دی جاتی تھیں وہ نہایت سخت تھا۔ لیکن چونکہ خود کاول گاروں کا جرائم پیشہ قبائل میں کافی اثر و رسوخ ہوتا تھا اور قبائلی لوگوں پر ان کا کچھ نہ کچھ قابو بھی تھا لہٰذا عمومی طور پر اس نظام کا مفید اثر پڑا۔

Marfat.com

حواشی

باب چہارم

1. HINDU LOW AND CUSTOM، ص 3
2. مانو 7، 18
3. کھنڈ، 4، اشلوک 277
4. آمکتا، کھنڈ، 4، اشلوک 206 جنگلی قبائل میں یہ رواج تھا کہ وہ ایک اجازت نامہ جاری کیے کرتے تھے جس کے بغیر ان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا مشکل تھا۔
5. ایضاً، 4، اشلوک 285 اور 282
6. ایضاً، اشلوک 284
7. ایضاً، اشلوک 278
8. کرشن دیورائے کے زمانہ کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ اس میں مذکورہ عطیہ کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا اسے بادشاہ کے قدموں کا غدار سمجھا جائے گا۔ (میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1918ء، پیراگراف 110) 1371ء کی ایک دوسری دستاویز کے مطابق اس شخص کو جو کسی خاص مندر میں پوجا کے اخراجات ادا نہ کرے اسے ایک ایسا غدار سمجھا جانے گا جو اسی نادو (NADU) کے بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش میں ملوث ہو۔ جس میں وہ پیدا ہوا ہے (اپی گرافیا کرناٹیکا۔ ا۔ دوسرا ایڈیشن۔ ص 55)
9. اپی گرافیا کرناٹیکا، 2
10. آمکتا، کھنڈ، 4، اشلوک 243
11. 1918ء کا 92، رپورٹ 1918ء، پیراگراف 68

Marfat.com

12۔ (ANLEQUIRY) ص ص 93-94، 1929-1928 کا 246 اور 254 رپورٹ پیراگراف 79۔

13۔ 1917 کا 691، رپورٹ، 1918ء، پیراگراف 77

14۔ 1916 کا 193، رپورٹ، 1916، پیراگراف 60

15۔ ہسٹری آف انڈیا از مل MILL، جلد 1، ص 213

16۔ ہسٹری آف انڈیا نواں ایڈیشن، ص ص 90-91 ہندو عدالتوں سے متعلق دلچسپ تحقیقات کے لیے کول بروک (COLE BROOKS) کی (MISC. ESSAYS) جلد 2 ص ص 490-500 بھی ملاحظہ ہو۔

17۔ جے، رامیا پنتولو (J. RAMYYA PANTULU) کواٹرلی جرنل آف آندھرا ہسٹریکل ریسرچ سوسائٹی جلد 2 ص ص 105-106۔

18۔

19۔

ایضاً، ص 18، کواٹر جرنل آف آندھرا ہسٹریکل ریسرچ سوسائٹی جلد 2 ص 109

20۔ سیول، ح، س، ص 372

21۔ VILLAGE COMMUNITIS IN THE EAST AND WEST.، ص 71

22۔ ہسٹری آف انڈیا از ایلیٹ، 4، ص 108

23۔ SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VIJAYANAGAR EMPIRE.، جلد 1، ص 329

24۔ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 108

25۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 9، (MAGADI)، 11، جلد 3

26۔ برٹرانڈ HA MISS IN DUBADURE (BERTRAND)

ص ص 178-181 بحوالہ آر ستیہ ناتھ ایر کی نائیکس آف مدورا، ص 242

27۔ 1926 کا 582، رپورٹ 1927، پیراگراف 92

28۔ ستیہ ناتھ ایر، ح، س، ص 241

29۔ کھنڈ، 4، اشلوک 205

30۔ سورسز از ایس، کے، اینگر، ص 155

Marfat.com

سے 31 1923 کا 2، سیدل ر، ح، س، ص 380 بھی ملاحظہ ہو۔

سے 32 1922 کا 13

سے 33 SOCIAL AND POLETICAL LIFE VIJAYNAGAR EMPIRE. جلد ا، ص ص 370-371

سے 34 سیویل، ر، ح، س، ص ص 304-305

سے 35 1913 کا 413، رپورٹ 1914، پیراگراف 26۔

سے 36 مدراس اپی گرافی رپورٹس، سی پی (C.P) 13-1912 کا 11

سے 37 1925 کا 509

سے 38 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1917-1916 کا 19

سے 39 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 915

سے 40 ایضاً 867

سے 41 1912 کا 196، رپورٹ 1913، پیراگراف 51

سے 42 اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، ص 82

سے 43 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1918، پیراگراف 110

سے 44 برگس (BURGES) ایس۔ سی۔ پی (S.C.P) شمارہ 20 ص ص 107-108

سے 45 اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، (تیرتھ ہلی) 197

سے 46 اپی گرافیا کرناٹیکا، 12 سیرا 79

سے 47 1926 کا 582، رپورٹ، 1927، پیراگراف 92

سے 48 1895 کا 140، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس۔ 5، نمبر 704

سے 49 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 976

سے 50 مدراس اپی گرافی رپورٹس 13-1912 چناپٹن 13، (CHENNAPATNA) [illegible] پیراگراف

سے 51 اپی گرافیا کرناٹیکا 12، سرا (SIRA) 84

سے 52 1913 کا 430 رپورٹ 1914، پیراگراف 26۔

سے 53 انسکپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 929

سے 54 اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، یلندور 2

سے 55 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1918، پیراگراف 116

Marfat.com

سے 56 INDIA IN THE FIFTEENTH CENTARY از میجر (MAJOR) ص ص 31-32

سے 57 مدراس اپی گرافیا رپورٹ، 1924، پیراگراف 64

سے 58 1913 30 رپورٹ 1914 پیراگراف 26

سے 59 سیویل، ح، س، ص ص 380-381

سے 60 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 683

سے 61 1894 کا 185، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 479

سے 62 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 818

سے 63 ایضاً 779

سے 64 سیویل، ح، س، ص ص 383-384

سے 65 ایلیٹ، ح س، 4، ص 111

سے 66 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 867

سے 67 اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، سی آئی، 69

سے 68 ملاحظہ ہو۔ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1915ء، دوسری پلیٹ (PLATE) ص 117 کے مقابل۔

سے 69 اَمکتا کھنڈ 4، اشلوک 243

سے 70 سیول، ح، س، ص 365

سے 71 ایلیٹ، ح، س، 4، ص ص 116-117

سے 72 ہراش نے اپنی (ARVIDU DYNASTY) 1، ص 469 میں حوالہ دیا ہے۔

سے 73 1927-28 کا 404

سے 74 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 818

سے 75 اپی گرافیا کرناٹیکا 6،

سے 76 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ

سے 77 اپی گرافیا کرناٹیکا، 6،

سے 78 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 913

سے 79 اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، ایس۔بی 232 (S.B. 232)

Marfat.com

80 باربوسا، ۱، ص 202

81 ایلیٹ، ح، س، ۴، ص 112

82 ایضاً ص 112

83 سیول، ح، س، ص ص 380-381

84 ارتھ شاستر، جلد دوم، باب 36

85 ایلیٹ، ح، س، ۴، ص 111

86 1912 کا 240

87 انسکرپشنس آف دی پودوکوٹائی اسٹیٹ 751، 1465 میں قحط اور سوکھا پڑ جانے کی وجہ سے اسی ریاست میں واقع میلور (MELUR) کے باشندگان کے ذریعہ پادی کاوں کے حقوق کی ایسی ہی فروختگی کے لیے ملاحظہ ہو۔ ایضاً 801

88 1914 کا 368

89 1916 کا 61

90 1916 کا 48، رپورٹ 1916، پیراگراف 83

91 انسکرپشنس آف دی پودوکوٹائی اسٹیٹ، 680

92 THE TRICHINOLOPY GAZETTEER از F.R. HIMINGWAY ص 255، کاول گار نظام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو THE INDIA POLICE از J.C. CURRY ص ص 247-248 اور THE LAND PIRATES OF INDIA از W.J. HATCH ص ص 108-112-

93 بلاری ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص 197

Marfat.com

باب پنجم

فوجی تنظیم، جنگ و جدل اور سفارت

فصل اوّل

طاقت

ازمنہ وسطیٰ میں ایک طاقتور فوج ایک مضبوط و مستحکم مملکت کی ایک لازمی خصوصیت تھی۔ اور یہی (فوجی) طاقت تھی جس کی مدد سے وجے نگر کی ایک چھوٹی سی ریاست جو دریائے تنگ بھدرا کے کناروں پر قائم کی گئی تھی، شمال سے ہونے والے مسلم حملوں کا کامیابی کے ساتھ دفاع کر سکی اور ایک وسیع و عریض مملکت بن گئی۔

ہندوستانی فوجیں عام طور پر تعداد کے اعتبار سے کافی بڑی ہوا کرتی تھیں اور ہر وہ غیر ملکی سیاح جو ہندوستان آیا، ان کی تعداد سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ پلینی (PLINY) اور پلوترک (PLUTERCH) کے پیش کردہ بیانات کے مطابق چندرگپت موریہ کی فوج جنگی رتھوں کے علاوہ، 9,000 ہاتھیوں، 39,000 گھوڑوں اور 6,00,000 پیادوں پر مشتمل تھی[1]۔ مملکت وجے نگر میں بھی تعداد کے اعتبار سے فوج بہت بڑی تھی۔ فرشتہ کہتا ہے کہ جب بکاروں نے 1366ء میں اڈونی کی طرف پیش قدمی کی تو اس نے 30,000 گھوڑوں، 3,000 ہاتھیوں اور 1,00,000 پیادوں پر مشتمل ایک فوج اکٹھا کی تھی[2]۔ نیکولو دی کونتی (NICOLO DEICONTI) جو 1421ء میں وجے نگر آیا تھا، اس کا تخمینہ ہے کہ ہندو فوج میں 9,00,000 آدمی تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے[3]۔ عبدالرزاق کا جو اس شہر میں (اس کے) 21 سال بعد آیا، لکھتا ہے کہ وجے نگر کی فوج گیارہ لاکھ (11,00,000) سپاہیوں اور 1000 سے زائد "کوہ تمثال دیو پیکر" ہاتھیوں پر مشتمل تھی[4]۔ روسی سیاح اتھنسی یوس نکیتن (ATHANASIUS NIKITEN) جو 1468ء اور 1474ء کے درمیان گل برگ

میں مقیم تھا، وجے نگر کی فوج کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ 3000 ہاتھیوں 1,000,000 پیادوں اور 50,000 گھوڑوں پر مشتمل تھی جبکہ گلبرگ کے سلطان محمد کی فوج 575 ہاتھیوں، 7,00,000 پیادوں اور 1,90,000 گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ ورتھما (VARTHEMA) کے بیان کے مطابق وجے نگر میں 40,000 گھوڑ سوار تھے۔ دوارٹ باربوسا (DUARTE BARBOSA) وجے نگر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بادشاہ ہمیشہ 900 ہاتھی اور 20,000 سے زائد گھوڑے ہمیشہ (اپنے پاس) موجود رکھتا تھا۔ اور اس کے پاس 1,00,000 سے زائد سوار اور پیادہ دونوں طرح کے سپاہی تھے جنھیں وہ تنخواہ دیتا تھا۔ پائز (PAES) کی کتاب میں بھی وجے نگر کی فوج کے متعلق چند دلچسپ معلومات موجود ہیں۔ کرشن دیو رائے اور اس کی فوجوں کے متعلق بتلاتے ہوئے پائز لکھتا ہے کہ "یہ بادشاہ ہمیشہ دس لاکھ جنگجو سپاہی رکھتا ہے جن میں زرہ بکتر سے مسلح 35000 ہزار سوار بھی شامل ہیں یہ تمام کے تمام اس سے تنخواہ پاتے ہیں اور وہ ان سپاہیوں کو ہمیشہ ایک ساتھ تیار رکھتا ہے تاکہ جب ضرورت ہو تو انھیں کہیں بھی بھیجا جا سکے"۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بار بادشاہ نے بچاس سالاروں کو 50,000 سپاہیوں کے ساتھ بھیجا اور ان میں زیادہ تر سوار تھے۔ وہ آگے لکھتا ہے "اس (بادشاہ) کے پاس بہت سے ہاتھی ہیں اور جب بادشاہ ان تین بادشاہوں سے جو اس کی سلطنت کی سرحدوں پر ہیں اپنے کسی ایک حریف کے سامنے اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ بیس لاکھ سپاہیوں کو میدان میں اتار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان علاقوں کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ پر ہیبت ہے"۔ نونیز کا اندازہ ہے کہ وہ فوج جس کی قیادت کرشن دیو رائے نے 1519ء میں رائچور کی جنگ میں کی تھی 7,03,000 پیادوں، 32,600 گھوڑوں اور 551 ہاتھیوں پر مشتمل تھی اس کے علاوہ اس کے ساتھ ملازمین، تجار اور دیگر لوگ نیز "عوام کا ایک جم غفیر بھی تھا جو رائچور کے قریب اس سے آملا تھا"۔ رائے واک کمو (RAYEVACAKAMU) میں درج ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کرشن دیو رائے کی مہم میں 120 گھتم (GHATTAMS) ہاتھی، 60,000 سواروں اور 5,00,000 پیادوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی۔ کرشن رائے وجے مو (KRSNA RAYA VIJAYAMU) کے مطابق کرشن رائے کی فوج 10,00,000 پیادوں 6,000 سواروں اور 200 ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ رام راج کی فوج بھی کافی بڑی تھی۔ فرشتہ کے مطابق وہ 70,000 سواروں اور 90,000 پیادوں پر مشتمل تھی لیکن اگر (ایک) نامعلوم مورخ کی بات پر یقین کر لیا جائے تو وہ اور بھی زیادہ بڑی تھی اور 1,00,000 سواروں اور 3,00,000 پیادوں پر مشتمل تھی۔ کوٹو (COUTO) اور فرانی سوسا (FARAIYSOUSA) گھوڑوں کی تعداد کے سلسلہ میں مذکورہ بالا بیان سے متفق ہیں لیکن ان کا تخمینہ ہے کہ صرف پیادہ

Marfat.com

سپاہیوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی۔[16]

لیکن یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ آیا وجے نگر کی مستقل شاہی فوج کی تشکیل اسی عظیم فوج کے دستوں سے ہوتی تھی یا اس میں جاگیرداروں سے لی جانے والی فوجیں بھی شامل تھیں لیکن دوارٹے باربوسا ایک محتاط تخمینہ کے مطابق وجے نگر کے بادشاہوں کی تربیت یافتہ فوج کی تعداد ایک لاکھ بتلاتا ہے جس میں صرف سواروں کی تعداد بتیس ہزار تھی اس تعداد کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا معقول ہے کہ بیشتر غیر ملکی سیاحوں کی دی ہوئی مبالغہ آمیز تعداد فوج کی اس باقاعدہ تعداد کو نہیں بتاتی جو عام طور پر بادشاہ خود رکھتے تھے بلکہ فوج کی اس تعداد کو بتاتی ہے جو جنگ کے موقع پر اکٹھا کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر عظیم فوج جو رائچور کی طرف روانہ ہوئی تھی محض مستقل فوجوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ اس میں جنگ کے موقع پر جاگیرداروں کی طرف سے دی جانے والی فوجیں بھی شامل تھیں۔ نونیز کے مطابق کرشن دیورائے کے پاس پچاس ہزار تنخواہ یافتہ سپاہیوں کی ایک مستقل فوج تھی جن میں چھ ہزار سوار تھے جو محل کے محافظ دستے کی تشکیل کرتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ بھی دو سو سوار رکھتا تھا جو محل کے محافظ دستے کا ایک حصہ تھے۔ ان کے فرائض یہ تھے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلیں ان کے علاوہ بیس ہزار نیزہ باز اور ڈھال بردار نیز تین ہزار مزید افراد اصطبلوں میں ہاتھیوں کی دیکھ بھال کے لیے بادشاہ کی ملازمت میں اور تھے۔[17] دوارٹے باربوسا اور نونیز نے جو تعداد دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل فوج اس بڑی فوج کا ایک حصہ ہوتی تھی جو میدانِ جنگ میں لائی جاتی تھی۔ وجے نگر کے حکمران ان غیر مستقل فوجوں پر بھروسہ کرتے تھے جو فوج کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتی تھیں۔

فصل دوم

فوجی بھرتی

فوج میں بھرتی کے لیے وجے نگر کے حکمرانوں نے دو مختلف طریقے اپنائے تھے۔ پہلا براہ راست بھرتی کا تھا جس کے مطابق فوج میں سپاہیوں کی بھرتی بادشاہ براہ راست کرتے اور خود اپنے خرچ پر ان کی دیکھ ریکھ کرتے۔ جبکہ دوسرا طریقہ بالواسطہ بھرتی کا تھا جس کے مطابق جاگیردار اپنے

Marfat.com

بالادست بادشاہوں کو فوجی دستے مہیا کرتے ہوتے۔ جبکہ اول الذکر طریقہ سے بھرتی کی ہوئی فوج ریاست کی باضابطہ مستقل فوج کی تشکیل کرتی تھی مؤخرالذکر فوج بڑی حد تک ایک غیر مستقل فوج تھی جسے جاگیرداروں فوری اطلاع پر مہیا کرتے۔

بادشاہ کی مستقل فوج کی بھرتی بڑی احتیاط کے ساتھ کی جاتی۔ ڈوائٹے باربوسا اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ فوج کے لیے کس طرح لوگوں کو منتخب کیا جاتا تھا لکھتا ہے "فوجی حکام ایک آدمی کو فوج کے لیے منتخب کرتے وقت اسے برہنہ کر دیتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ شخص کتنا لمبا ہے، اس کا نام کیا ہے، وہ کہاں پیدا ہوا تھا اور اس کے ماں اور باپ کا کیا نام ہے اور اس طرح اس کا تقرر کر لیتے ہیں بغیر اس بات کی رخصت دیئے کہ وہ اپنے وطن جا سکے اور اگر وہ بغیر رخصت لیے چلا جاتا ہے اور بعد میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا جاتا ہے[19]"۔ لیکن اگرچہ فوج میں بھرتی کے لیے بڑی احتیاط برتی جاتی تھی اور نظم وضبط کی بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی تاہم سپاہیوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ "خود اپنے ضابطوں کے مطابق" زندگی گزار سکیں[20]۔ نونیز دیورانے کی اس فوج کے متعلق بتلاتے ہوئے جو رانجو رگٹی تھی لکھتا ہے کہ "تمام (سپاہی) مساوی طور پر مسلح تھے۔ ہر ایک خود اپنی اپنی وضع کے مطابق[21]"۔ سپاہیوں کو "خود اپنے ضابطوں کے مطابق" رہنے اور خود کو اپنے اپنے رسم ورواج کے مطابق مسلح ہونے کی اجازت دے دینے کا طریقہ کچھ ایسے فوائد کا حامل تھا جو اس طریقہ کے نقصانات کی تلافی کرتے تھے۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ شاہی فوجوں میں سپاہیوں کے مختلف گروہوں اور گوناگوں طبقات کی موجودگی جن میں سے ہر ایک خود اپنے رسم ورواج پر چل رہا ہو، ان کے درمیان ایک یکساں نظم وضبط کے نفاذ میں معاون نہ تھی بلکہ اس کے ذریعہ جماعتوں اور فرقوں یا قبیلوں کو اپنی اپنی حب الوطنی کی نمائش کا موقع ملتا تھا۔ اس طریقہ میں سپاہیوں کی اپنی قبائلی خصوصیات جوں کی توں باقی رہتیں جس سے انھیں جنگوں میں اپنی بہادری کے مظاہرے کا بہت پورا پورا موقعہ ملتا۔ فوجی تنظیم کو منضبط کرنے والے قوانین وضوابط میں اس طرح کا تنوع یقیناً مسلح سپاہیوں کی بہتر کارگزاری کا باعث تھا یہ بات ذہن نشین رہے کہ سپاہیوں قبائل یا فرقوں کی بنیاد پر فوجی دستوں کی یہ تقسیم برطانوی ہندوستان کے فوجی دستوں میں آج بھی رائج ہے۔ باربوسا کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ گو قطعی طور پر وہ یہ نہیں کہتا، کہ سپاہیوں کو بڑی مشکلوں سے چھٹیاں دی جاتی تھیں لیکن یہ پالیسی شاہی مفاد کے لیے بہت زیادہ مفید نہ رہی ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں سپاہیوں میں جنگ کے لیے زیادہ جوش اور ولولہ نہ رہتا ہوگا۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ وجے نگر کی فوج کا ایک بڑا حصہ جاگیرداروں کے ذریعہ فراہم کیے

Marfat.com

گئے فوجی دستوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ مملکت بہت سے اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع کو ایک مقررہ خراج اور شاہی دربار کے لیے فوجیوں کا ایک مخصوص دستہ مہیا کرنے کے عوض ایک سردار کے سپرد کر دیا گیا تھا جسے نگر کی فوجوں میں جاگیرداروں کے ذریعہ مہیا کئے گئے فوجی دستوں کے متعلق بتلاتے ہوئے نونیز لکھتا ہے "اس ملک کے بادشاہ جتنے سپاہی اکٹھا کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کی مملکت میں یہ (سپاہی) موجود ہیں اور ان کے پاس اتنی دولت ہے جس سے وہ انھیں تنخواہ دے سکتے ہیں۔

اس بادشاہ چتاراؤ (CHITARAO) کے پاس ایسے پیادہ سپاہی ہیں جنھیں اس کے امراء تنخواہ دیتے ہیں اور وہ پابند ہیں کہ چھ لاکھ فوجیوں کو ملازم رکھیں اور ۲۴ ہزار گھوڑوں کا انتظام کرنا بھی انھیں امراء کے ذمہ تھا[22] بیشتر امراء بھی بادشاہ کے ماتحت کسی نہ کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے۔ نونیز ایک فہرست دیتا ہے جس میں چند ایسے امراء کا ذکر ہے جو اچیوت رائے کے زمانہ میں عہدوں پر فائز تھے اور ان فوجی دستوں کا بھی جو وہ بادشاہ کو فراہم کرتے تھے۔

نام	پیادے	سوار	ہاتھی
سلوانایک (SALVANAYQUE)	30,000	3,000	30
اجپرچتی میا (AJAPARCATIMAPA)	25,000	1,500	40
گپ نایک (GAPANAYQUE)	20,000	2,500	20
لیپاپایک (LEPAPAYQUE)	20,000	1,200	28
نروار (NARVARA) (ہیروں کا خزانچی)	12,000	600	20
چیناپنایک (CHINAPANAYQUE)	10,000	800	صفر
کرشناپنایک (CRISNAPANAYQUE)	7,000	500	صفر
بج پنایک (BAJAPANAYQUE)	10,000	800	15
ملّاپنایک (MALLAPANAYQUE)	6,000	400	صفر
ادپنایک (ADAPANAYQUE)	8,000	800	30
بج پنایک (BAJAPANAYQUE)	10,000	1,000	50[23]

اس ماخذ سے ہمیں چندان امراء کے فوجی دستوں کی تعداد کا بھی ایک خاکہ ملتا ہے جو کرشن دیورائے کے ساتھ رائچور کی جنگ میں شریک تھے۔

Marfat.com

نام	پیادے	سوار	ہاتھی
محافظ دستہ کا سردار	30,000	1,000	6
ترم بیچر (TRIMBICARA)	50,000	2,000	20
تیماپنایک (TIMAPANYQUE)	60,000	3,500	30
ادپنایک (ADAPANAYQUE)	100,000	5,000	50
چون دمرا (CONDAMARA)	120,000	6,000	60
چمارا (CAMARA)	80,000	2,500	40
اگیم درہو (OGENDRAHO)			
شہر بسنگا کا گورنر	30,000	1,000	10
تین خواجہ سرا	40,000	1,000	15
پان کا منتظم	15,000	200	صفر
چومبر برچا (COMARBERCA)	8,000	400	24 / 20

بادشاہ ہی ان فوجی دستوں کی تعداد متعین کرتا تھا جو سرداروں کو بادشاہ کو فراہم کرنی ہوتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان فوجی دستوں میں سے ہر ایک کی تعداد میں بادشاہ مقتضائے حال کے مطابق تبدیلی کرسکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگرچہ عام حالات میں ادپنایک (ADAPONAAYQUE) سے 8,000 سپاہیوں 800 گھوڑ سواروں اور 30 ہاتھیوں کے انتظام کی توقع کی جاتی تھی۔ لیکن وہ رائچور 100,000 پیادوں، 5,000 سواروں اور 50 ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج لے کر گیا تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دستوں کی تعداد جو جاگیرداروں کو مہیا کرنے ہوتے تھے بسا اوقات جنگ کے مواقع پر بڑھادی جاتی تھی۔ بہرحال یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ افسران شاذونادر ہی فوجوں کی مقررہ مقدار ملازم رکھتے تھے۔ نونیز اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ سلوانایک نے کافی دولت جمع کرلی تھی اس لیے کہ اس نے کبھی پوری فوج برقرار نہیں رکھی۔ لیکن بادشاہوں کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ اپنے امراء کی جائداد کو ضبط کرلیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات بادشاہ فوجی ذمہ داریوں کے سلسلے میں اپنے امراء سے بڑی سختی سے پیش آتے تھے۔ مثال کے طور پر ادپنایک کو مجبور کیا گیا کہ وہ فوجی دستہ سے عام طور پر مہیا کرنا پڑتا تھا اس سے کئی گنا زیادہ بڑا دستہ میدان جنگ میں لائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسے اپنے دستوں میں ایسے آدمیوں اور جانوروں کو بھرتی کرنا پڑا جنھوں نے کبھی جنگ کی صورت نہ دیکھی ہوگی۔ ایسی صورت

Marfat.com

میں وجے نگر کی فوج میں ایسے غیر مستقل فوجیوں کی موجودگی اس کی تعداد میں اضافہ کے باوجود یقیناً اسے کمزور بنا دیتی ہوگی۔ اس بارے میں اردن (IRVIN) کا تبصرہ بالکل مناسب ہے عمومی طور پر ہندستانی فوجوں کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے "اٹھارہویں صدی کے وسط تک، جبکہ فرانسیسی اور انگریز ایک منضبط اور باقاعدہ پیادہ فوج کی زبردست برتری کا مظاہرہ کر رہے تھے، ہندوستانی پیادہ سپاہی کی حیثیت رات کے پہردار اور کیمپ یا راستہ میں اسباب کی حفاظت کرنے والے چوکیدار سے بس کچھ ہی زیادہ تھی"[27] گو بظاہر یہ ہندو فوجی کیمپ کی کمزوری کی ایک مبالغہ آمیز تصویر ہوتی ہے لیکن ہندو فوجوں میں غیر مستقل فوجیوں کے بارے میں یہ تبصرہ بالکل ہوگا۔

مذکورہ بالا فہرست سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فوجی دستوں کی جس تعداد کو ہر امیر سے بادشاہ کو بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، اس کے تعین میں کوئی مقررہ تناسب یا اصول نہیں برتا جاتا تھا نیز یہ کہ جس تناسب سے کسی ایک جاگیردار سے اپنے پیادہ سپاہیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں پر مشتمل دستوں کو بھیجنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا اس کا کسی دوسرے جاگیردار کے ذریعہ بھیجے جانے والے فوجیوں کے تناسب سے کوئی ربط نہیں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر گون دمرانے ۰۰۰،۰ 12 پیادہ سپاہی ۰۰۰ گھوڑے اور ۲۰ ہاتھی فراہم کیے تھے جبکہ محافظ دستہ کا سردار ۰۰۰،۰ 30 پیادہ فوجی ۰۰۰۱ گھوڑے اور ۲ ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج لے گیا تھا، لیکن ہمارے پاس موجود شواہد اس مسئلہ کا کوئی آسان حل نہیں پیش کرتے بہر حال یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وجے نگر کے بادشاہ جاگیرداروں پر فوجی دستوں کی تعداد کے تعین میں مطلق العنانی کا رویہ اختیار کرتے ہوں گے اس لیے کہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ جنگ کے موقع پر ان میں سے ہر ایک سے مطالبہ کیا جاتا ہو کہ وہ زیادہ فوجی دستے مہیا کرے۔ یہ سمجھنا درست ہوگا کہ ملک میں امن و سکون کے زمانہ میں اس سلسلہ میں چند اصولوں کی پابندی کی جاتی ہو اس لیے کہ اگر مملکت اس طرح کے ظلم و استبداد سے چلائی جاتی تو اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کامیابی کے ساتھ مسلم حملوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تین سو سال تک فروغ پاتی رہے۔

کہا جاتا ہے کہ جاگیرداروں کا یہ طبقہ جو بادشاہ کی فوجی خدمت کے رشتے سے بندھا ہوا تھا۔ امرم (AMARAM) حق ملکیت کی بنیاد پر، شاہی زمینوں پر متصرف ہوتا تھا اور اسی وجہ سے کتبات میں امرنایکوں کے نام سے معروف تھا۔ کتبات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں درج ہے کہ فوجی خدمت کے عوض جاگیرداروں کو اراضیاں عطا کی جاتی تھیں۔ ان کے فوجی فرائض کی عام نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنگوں کے لیے پیادہ اور سپاہیوں، اور ہاتھیوں کو مہیا کرنے کے

Marfat.com

ذمہ دار ہوا کرتے تھے مقررہ خدمت انجام نہ دینے پر ان امرموں کو ان کے عطا کرنے والے واپس لے سکتے تھے۔ اس عہد کے کتبات سے یا ادب سے ہمیں پیادوں، سواروں اور ہاتھیوں کی اس تعداد کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا جو ہر امرنایک کو فراہم کرنا ہوتے تھے[29] لیکن ان لوگوں کی حیثیت اور ذمہ داریوں میں بہت زیادہ فرق ہوا کرتا تھا[30]۔ یہ فوجی یا جاگیرداران اپنی اپنی زمینوں کو فوجی خدمت کی انھیں شرائط پر چھوٹے چھوٹے سرداروں کے سپرد کردیا کرتے تھے۔ پودوکوتائی ریاست کے ایک کتبہ میں اسی قسم کے ایک نظام کا تذکرہ ملتا ہے۔ اسی ریاست کے اونائی یور (UNAIYUR) مقام کی ایک دستاویز میں زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جیسے شورائیکودی (SURAIKUDI) کے سردار وینگل اپّاوشیالے دیو (VENGALAPPA VISAYALAYADEVA) نے کورندن (KURUNDAN) عرف تیرن جووتی (TERINJUVETTI) کو دیا تھا جو کوندم پیرائی (KURUN - DAMPIRAI) مقام کی فوج کا کمانڈر ایک پدائی پّرو (PADAIPPARRU) تھا۔ کمانڈروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مذکورہ بالا سردار کو اپنی زمینوں کا ٹیکس ادا کریں اور اس کی فوج میں خدمت انجام دیں[31]۔

یہاں ان ماتحت سلاطین (SUBORDINATE KINGS) کا تذکرہ بھی مناسب ہے جو بادشاہ کے لیے فوجی خدمت انجام دینے کے پابند تھے۔ یہ اپنی اپنی سلطنتوں میں نیم آزاد حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن بادشاہ کے مطیع ہوتے تھے۔ بنک پور (BANKPUR)، گرسوپ (GARSOPE) اور چند دیگر مقامات کے سلاطین ایسے ہی تھے۔ نونیز کا خیال ہے کہ اپنی نیم آزادی کے باوجود وہ شاہی دربار میں کسی مخصوص وقار کے حامل نہ تھے۔ ان میں چند کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ بنگاپور (BENGAPUR) کے اس بادشاہ کے علاوہ جو بادشاہ ماتحت ہیں وہ یہ ہیں مثلاً گسوپا (GASOPA) کا بادشاہ بکنور (BACUNOR) کا بادشاہ، کالیکو (CALLICUT) کا بادشاہ اور بتیکل (BATICALA) کا بادشاہ اور جب یہ لوگ بسنگا (BISNAGA) کے دربار میں آتے میں تو انھیں بادشاہ یا دوسرے امرا ایک سردار سے زیادہ وقعت نہیں دیتے[32]۔ لیکن انھیں شاہی دربار کی جانب سے ایک رعایت حاصل تھی یعنی وہ دربار میں جانے پر مجبور نہ تھے جب تک کہ انھیں بلایا نہ جائے[33]۔

دارالسلطنت میں ایک مخصوص فوجی دستہ ہوتا تھا جسے نونیز "بادشاہ کے حفاظتی دستہ" کے نام سے پکارتا ہے۔ یہ دستہ پیادہ اور سوار سپاہیوں اور ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس فوجی

Marfat.com

دستہ کی تعداد کا ہمیں کوئی علم نہیں ،لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی بڑا ہوتا تھا کیونکہ نونیز لکھتا ہے کہ "بادشاہ (کرشن دیورائے) اپنے حفاظتی دستہ میں سے چھ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے جو پوری مملکت میں منتخب تھے ،ڈھال بردار تھے ،اور تیرانداز تھے ،اور تین سو ہاتھی رائچور کے میدان جنگ میں لایا تھا"[34]۔ اس دستہ سے وہ دو سو سوار بھی متعلق تھے جنھیں ہم شاہی خدمت پر مامور شاہی باڈی گارڈ (GATTEANAN TROOPERS) کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر مامور تھے۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو جانے کے بعد ان دو سو سواروں کی گنتی کرتا اور اگر کوئی غائب پایا جاتا تو اسے سخت سزا دی جاتی اور اس کا اثاثہ ضبط کر لیا جاتا۔ باڈی گارڈ کی اس جماعت کو بادشاہ تنخواہ دیتا تھا انھیں زمینیں نہیں عطا کی جاتی تھیں[35]۔ ان معزز سپاہیوں کا مقابلہ ہم بجا طور پر مغل دربار کے ان احدیوں کے ساتھ کر سکتے ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور صرف اسی کے مطیع ہوتے تھے نہ کہ کسی اور کے۔ ایک احدی کے لیے ایک معمولی سوار کے مقابلہ میں کارگزاری اور عام لیاقت کا ایک بلند معیار قائم کیا گیا تھا[36]۔ ممکن ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں کے اس سوار رسالے سے بھی اسی بلند معیار کی توقع کی جاتی ہو[37]۔

نونیز "سرداروں" کے ایک اور طبقہ کا ذکر کرتا ہے جو بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔ یہاں مورخ کا ذہن خود واضح نہیں ہے وہ کہتا ہے "اس (بادشاہ) کی ضیافتوں اور مندروں کو خیرات دینے کے موقعوں پر ان تمام سرداروں کو جو اس طرح اس کے باجگزاروں (REVTERS) کے مانند ہیں ،دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور ان لوگوں میں ،جو ہمیشہ بادشاہ کے گرد و پیش رہتے ہیں اور جن کے ساتھ وہ دربار میں رہتا ہے ،دو سو سے زائد افراد ہیں۔ جن کو ہمیشہ بادشاہ کے پاس موجود رہنا پڑتا ہے اور اپنے فرائض کے مطابق سپاہیوں کی پوری تعداد برقرار رکھنی ہوتی ہے اس لیے کہ اگر وہ ان کی تعداد میں کوئی کمی پاتا ہے تو انھیں سخت سزائیں دی جاتی ہیں اور ان کی جاگیریں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ ان امراء کو کبھی اس بات کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی کہ وہ کسی شہر یا قصبہ میں قیام پذیر ہو جائیں اس لیے کہ وہاں رہ کر وہ اس کی دست رس سے باہر ہو جائیں گے۔ وہاں وہ محض کبھی کبھی آ جا سکتے ہیں"[38]۔ بظاہر یہاں نونیز ان باجگزار جاگیرداروں میں ،جو بادشاہ کے لیے بعض فوجی فرائض انجام دیتے تھے اور جنھیں فوجی خدمت کے عوض جاگیریں دی جاتی تھیں ،اور ان کے ان نمائندوں میں ،جن کو ہمیشہ دارالسلطنت میں موجود رہنا ہوتا تھا ،اشتباہ پیدا کر رہا ہے۔ ہمارے پاس کوئی اور ثبوت نہیں ہے جس سے اس بات پر روشنی پڑ سکے کہ

Marfat.com

ان "سرداروں" کو دارالسلطنت میں مقیم رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن ایسے کتبات بڑی تعداد میں موجود ہیں جن میں مملکت کے مختلف حصوں سے متعلق ہونے کی بنا پر، ان عطیات کا تذکرہ ہے جنھیں نایکوں نے اپنے ان اضلاع سے دیا تھا جو خود انھیں فوجی خدمت کے عوض عطا کیے گئے تھے گو کہ چند ایسے کتبات بھی ملتے ہیں جن میں ان عطیات کا ذکر ہے جنھیں ان نایکوں کے نمایندوں نے دیا تھا۔ خود نونیز کہتا ہے "وہ لوگ جو شہر میں ہیں اور وہ جو کہیں اور ہیں، ہر ایک اپنا ایک سکریٹری (دربار میں) رکھتا ہے"[39] اور اس طرح وہ اشارہ کرتا ہے کہ کچھ لوگ دارالسلطنت سے باہر بھی رہتے تھے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ نونیز جاگیرداروں اور ان کے نمایندوں کے درمیان اشتباہ پیدا کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ صرف موخر الذکر ہیں جو مستقل طور پر دارالسلطنت میں رہتے تھے۔ یہ حقیقت کہ باجگزار سردار ہمیشہ حتیٰ کہ امن کے زمانہ میں بھی، اپنا ایک نمائندہ اپنی طرف سے دیے جانے والے فوجی دستوں کے ساتھ دارالسلطنت میں رکھا کرتے تھے مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہو جائے گی اکثر و بیشتر یہ شاہی پالیسی تھی جس پر مملکت کے صوبوں میں بھی عمل کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر مدورا 72 پالائی بموں (Palaiyams) میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کو ایک پالائیدار (Palaiyakars) کے سپرد کیا گیا تھا جس کو مدورا کے نایک حاکم کو ایک مقررہ محصول اور فوج کا ایک متعین حصہ مہیا کرنا ہوتا تھا۔ ان فرائض کے علاوہ ان کو مدورا کے قلعہ کے 72 برجوں میں سے کسی ایک برج کی حفاظت کے لیے دارالسلطنت میں فوجیوں کی ایک متعین تعداد بھی بھیجنی ہوتی تھی۔ پالائیگار دارالسلطنت میں اپنے آدمیوں کا تقرر خود کرتے تھے۔ ان نمائندوں میں سے ہر ایک نایک حکمراں کے تئیں اپنے مالک کی وفاداری کے لیے بطور یرغمال ہوتا تھا۔ وجے نگر کے شاہی دربار میں بھی یہی نظام رائج رہا ہوگا۔ اس طرح یہ سردار جنھیں نونیز کے مطابق ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ جو اپنے فرائض کے مطابق سپاہیوں کی پوری تعداد میں موجود رہتے تھے اور جنھیں شہروں یا قصبات میں جا کر مقیم ہونے کی اجازت نہ تھی، غالباً باجگزار جاگیرداروں کے فوجی نمایندے تھے نہ کہ خود باجگزار۔ یہاں دو سوسے نالد کے الفاظ جو نہ صرف باجگزاروں بلکہ ان کے نجی فوجیوں کو بھی شامل کرتے ہیں خصوصی طور پر دلچسپ ہیں۔

اس طرح وجے نگر کی فوج میں بھرتی مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی۔ یہ کہ فوج مختلف مقاصد کے لیے درکار ہوتی تھی اور شاید فوجیوں کا ایک طبقہ جو ایک خاص مقصد کے لیے ہوتا تھا، کسی دوسرے فرض پر مامور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

یہاں ان امور کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو فوجوں کی بھرتی میں اثر انداز ہوتے تھے۔
وجے نگر میں برہمنوں کو فوج میں ایک اہم مقام حاصل تھا وہ محض قلعوں کے انچارج ہی مقرر نہیں کیے جاتے تھے بلکہ ان کو فوجوں کی قیادت پر بھی مامور کیا جاتا تھا۔ کرشن دیو رائے اس بات پر زور دیتا ہے کہ صرف برہمنوں ہی کو قلعوں کا انچارج بنایا جانا چاہئے۔ وہ کہتا ہے "وہ بادشاہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان کی نیند سو سکتا ہے جو اپنے قلعدار ایسے برہمنوں کو مقرر کرے جو اس سے وابستہ ہوں"۔ . . "ایک برہمن کی خدمات بھی (نہایت) ضروری ہیں۔ لہٰذا یہ درست ہے کہ وہ انھیں پوری طرح بھرے ہوئے قلعوں، پوری طرح مسلح فوجوں اور زمین کا انچارج بناتا ہے[14]"۔ ایک دوسری جگہ اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ برہمنوں کو قلعوں کا انچارج کیوں بنانا چاہئے وہ اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ "اپنے دستوں کو ان برہمنوں (سپہ سالاروں) کے سپرد کر دو جن سے تم بخوبی واقف ہو۔ انھیں کمزور نہ رکھو بلکہ اتنے مضبوط دستے ان کے حوالے کرو کہ ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف نہ سما سکے . . . اس لیے کہ ایک برہمن خطرات کے موقعوں پر بھی اپنی جگہ پر اٹل رہتا ہے اور اپنی خدمت انجام دیتا رہتا ہے اگرچہ اسے ایک چھتری یا شودر کا ماتحت ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ ایک بادشاہ کے لیے ہمیشہ یہ بات قرین مصلحت ہے کہ وہ ایک برہمن کو اپنا افسر مقرر کرے[15]"۔ وجے نگر کی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں جہاں برہمنوں کو جنرل یا صوبائی وائسرائے بنایا گیا عظیم وزیر مادھواچاریہ (MADHA - VACARYA) کے بھائیساین (SAYANA)، مادنّا (MADANNA)، لکّن (LAKANNA) اور سالوواتما اس سلسلہ کی بہترین مثالیں ہیں۔ برہمن فوجی دستوں کے سردار اور قلعوں کے نگراں ہونے کے علاوہ وہ جنگوں میں فوجی دستوں کے قائد بھی ہوا کرتے تھے یہ حقیقت تنجور ضلع میں واقع تیرو کدائیور (TIRUKKODAIYUR) مقام کے ایک قیمتی کتبے مورخہ وشیا (VAISYA) ورش (VARSA) 22-1521ء سے جو کرشن دیو رائے کے زمانے کا ہے پوری طرح ثابت ہے دستاویز میں درج ہے کہ تیرو کدائیور کے آپت سہاین (APATSAHAYAN) نامی ایک برہمن نے ایراک چور (IRA - CCUR) (بیجاپور میں رائچور) کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور کرشن دیو رائے کو خوش کیا[16]۔ یہ شواہد قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ وجے نگر کے زمانہ میں برہمن قلعوں کے محافظ اور فوجوں کے قائد دونوں ہی حیثیتوں سے جنگ میں حصہ لیتے تھے۔ باربوسا کے بیان کے مطابق جنگ میں حصہ لینے والوں میں بہت سے وہ سردار (KNIGHTS) بھی ہوتے تھے جو اپنی تنخواہیں لینے ملک کے مختلف گوشوں سے شاہی دربار میں جمع ہوتے تھے۔ اس بیان سے بھی کہ "تاہم (وہ) خود اپنے

Marfat.com

رسم و رواج کے مطابق زندگی گذارنا نہیں چھوڑتے ہیں[۵۳]۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کی فوجوں میں مملکت کے مختلف قوموں کے سپاہی ہوا کرتے تھے۔ پائز کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کی فوجوں میں مسلمان سپاہی بھی موجود تھے[۵۴]۔

فصل سوم

فوج کے حصے

قدیم ہندوستان میں فوج چار حصوں میں منقسم ہوتی تھی یعنی پیادہ، سوار، ہاتھی اور جنگی رتھ۔ لیکن رفتہ رفتہ جنگی رتھوں کا رواج ختم ہوتا گیا اور ہرش کے زمانہ تک یہ بالکل غائب ہو گئے تھے۔ وجے نگر کے کتبات میں صرف دوسرے تین حصوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر شیمو گا ضلع میں واقع سورب (SOBAB) تعلقہ کی ایک دستاویز مورخہ ۱۳۴۷ء میں درج ہے کہ کدمبا (KADAMBA) کے بادشاہ کی فوج، سواروں، ہاتھیوں اور پیادوں پر مشتمل تھی[۵۵]۔ سنگماورم کے بترگنتا (BITRAGUNTA) کے عطیہ میں اس کو خوفناک ہاتھیوں کی فوج کے خلاف شیر ببر اور ہاتھیوں، گھوڑوں، اور آدمیوں پر مشتمل فوجوں کے سردار کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے[۵۶]۔ مسلمان سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ہنور (HUNAVAR) (HINAWAR) کا حکمراں سلطان جلال الدین، جو ہریب (HARYAB) (ہری ہر اول) کا باجگزار تھا، گھوڑوں اور پیادوں پر مشتمل ایک فوج رکھتا تھا[۵۷]۔ ہمیں اس زمانہ میں جنگی رتھوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن وجے نگر کے آخری دور میں فوج کے ایک حصہ کے طور پر توپ خانہ کا رواج عمل میں آیا جس نے فوج کو پھر چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔

لیکن سلیٹور (SALETORE) وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ وجے نگر کی فوج چھ حصوں پر مشتمل تھی۔ وہ کہتا ہے کہ "وجے نگر کے حکمراں غیر ارادی طور پر شکرا (SUKRA)[۵۸] کے عہد وسطی کے اقوال کی پیروی کرتے تھے نہ کہ قدیم ہدایات کی جن میں فوج کو چار معروف ناموں میں محدود کیا گیا ہے۔" اور اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے وہ دیورائے اول کے ایک کتبے اور رام راج کے بکھائر (BAKHAIR) کے ماخذ کا حوالہ دیتا ہے[۵۹]۔ زیر حوالہ کتبہ میں درج ہے کہ "دیورائے اول، اپنے باپ بادشاہ ہری ہر کے حکم کے بموجب ایک عرصہ تک ایک زبردست فوجی مہم کی قیادت کے بعد

فوج کے چھ حصّوں کی معیت میں فوراً شہر پہونچا"۔ لیکن یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کتبہ میں مذکور چھ "حصوں" سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی فوجیں چھ حصّوں میں منقسم تھیں۔ کتبہ میں صرف یہ مذکور ہے کہ وہاں فوج کی چھ قسمیں (ودھم (VIDHAM) تھیں نہ کہ چھ حصّے انگ (ANGA) تھے۔ کالی داس کی تصنیف رگھو ونسا (RAGHUVAMSA) میں چھ قسم کی فوجوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رگھو RAGHU اطراف وجوانب پر فتح پانے کی غرض سے اپنی چھ قسم کی فوجوں کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ یہاں جن فوجوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں موروثی مولا (MAULA)، کرائے کے (بھرتکا BHRTAKA) ہم پیشہ برادریوں (GUILDS) سے تعلق رکھنے والے کسی حلیف (متر) کے، کسی دشمن (امتر) کے اور جنگلی قبائل (آتوی ATAVI) کے فوجی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (یہ) زیر بحث کتبہ فوج کے ان دستوں کا ذکر کر رہا ہے جو ہندو فوج کو تشکیل دیتی تھیں نہ کہ اس کے حصّوں کا۔ رام راج کے بکھائیں رکھس تنگدی (RAKSAS TANGDI) کے میدانِ جنگ میں موجود ہندو فوجوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ ان فوجوں میں گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں، توپوں، بیلوں اور پیادہ سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اگرچہ وجے نگر کی فوجیں ان چھ حصّوں پر مشتمل ہوتی تھیں لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ یہ (سب) حصّے جنگوں میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ اونٹ اور بیل یقیناً اس اصل فوج کی مدد کے لیے ہوتے ہوں گے جو جنگوں میں حصّہ لیتی تھی۔ نونیز اس ہندو فوج کا ذکر کرتے ہوئے جو رائچور کی جنگ میں گئی تھی۔ کہتا ہے کہ اس میں بہت سے بار برداری کے ٹٹو، گدھے اور بیل تھے ہر طرح کے رسد اور دوسری وزنی اشیاء مثلاً خیمے اور دوسرا سامان لے جاتے تھے۔ اس طرح یہ محض اصل فوج کی مدد کا کام انجام دیتے تھے۔ ان تفاصیل کی موجودگی میں سیلٹور کے اس دعویٰ سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ وجے نگر کی فوجوں کے چھ حصّے ہوتے تھے۔

(۱) پیادہ فوج۔ فوجوں کا ایک بڑا حصّہ پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا، شاید اس کے بڑے ہونے کی وجہ، اگر اس زمانہ میں فوجوں میں بھرتی کے سلسلے میں کوٹلیہ کے ہدایات پر عمل کیا جاتا تھا، تو یہ یہ تھی کہ یہ فوج ویشیاؤں اور شودروں پر مشتمل تھی۔ جہاں تک وجے نگر کے فوجیوں کے لباس کا تعلق ہے، فرشتہ کہتا ہے کہ وہ عموماً میدانِ جنگ میں "بالکل برہنہ جاتے تھے اور اپنے جسموں پر تیل کی مالش کر لیتے تھے تاکہ انھیں آسانی سے پکڑا نہ جا سکے"۔ لیکن پائز بادشاہ کے ذریعہ فوجوں کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کے لباس بڑے قیمتی اور رنگ برنگے ہوا کرتے

Marfat.com

تھے[56] لیکن فوجوں کی پرشکوہ وضع وقطع اور اسلحہ بندی کا یہ زوردار بیان محض یہ ظاہر کرتا ہے رسمی مواقع پر جیسے مثلاً بادشاہ کے ذریعہ فوجی معائنہ کے وقت فوجی اپنے بہترین لباسوں میں آتے تھے اور یہ عین ممکن کہ عام سپاہی میدان جنگ میں ہلکے پھلکے لباس پہنتے ہوں[57]۔ وجے نگر کے فوجی جو ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ وہ تھے تلوار، ڈھالیں، تیر اور کمان، خنجر، دستوں والی جنگلی کلہاڑیاں، دستی اور چھوٹے منہ کی بندوقیں، نیزے، ترکی کمانیں، بم، بھالے اور آتشیں میزائلیں چھوٹی تلواریں اور پوگنارڈ (POIGNARDS) جو کمر میں لٹکائی جاتی تھی[59]۔ مودھوراوجیم (MADHURA - VIJAYAN) اور سالووابھی یودیم (SALUVABHYUDAYAM) میں کچھ ہتھیاروں کا ذکر ملتا ہے جیسے شستر (SASTRA) (خنجر، تلوار) شراسن (SARASONA) (تیر)۔ اسی (ASI) (تلوار) کرپن (KARAPANA) (ایک قسم کا خنجر)، کٹھاری کاسترم (KATHARI KASTRAMA) (ایک قسم کا تیر)، کارموکم (KARMUKAM) (کمان اور مدگر (MUDGARA) (ہتھوڑا، ہتھوڑے کی طرح کا ایک ہتھیار) دشمنوں کی تیروں سے بچاؤ کے لیے سپاہی پھلکا (PHALAKA) (ڈھال) کا بھی استعمال کرتے تھے۔ کبھی کبھی چمڑے کی ایک ڈھال بھی استعمال کی جاتی تھی[60]۔ ڈھالوں کا ذکر کرتے ہوئے نونیز کہتا ہے کہ وہ اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ جسم کی حفاظت کے لیے زرہ کی کوئی ضرورت نہ تھی[61]۔ کتبات میں کلہاڑی[62] اور خنجر[63] جیسے ہتھیاروں کے استعمال کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا (EPI - GRAPHIA CARNATICA) کی تیسری جلد میں چند جنگی ہتھیاروں کی تصویریں ہیں یہ ہتھیار ویر گلوں (VIRGALS) یا ان پتھروں پر نقش ہیں جو غالباً ۱۴۱۹ء کی کسی جنگ میں مارے جانے والے بہادروں کی یادگار کے طور پر نصب کیے گئے تھے۔ ان تصویروں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کو قتل کرنے کے لیے بڑے بڑے چاقوؤں کا استعمال کیا جاتا تھا نیز یہ کہ اس زمانہ میں فوج تلواروں کا استعمال بھی کرتی تھی[64]۔

(۲) سوار فوج: فوج کا دوسرا اہم حصہ سوار تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سلاطین وجے نگر کی سوار فوج بہت طاقت ور تھی اور صرف اسی کی مدد سے انھوں نے بہت سی جنگوں میں کامیابی حاصل کی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ عموماً اشوپتی (ASVAPATIS) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ خود کرشن دیورائے کہتا ہے کہ اس نے بیدر کے سلطان کے خلاف ایک جنگ سواروں کی مدد سے جیتی تھی[65]۔ بادشاہوں کی غیر ملکی پالیسی ان کی اس زبردست خواہش سے بہت زیادہ متاثر تھی کہ وہ ہرمز (ORMUZ) سے بڑی تعداد میں گھوڑے حاصل کر سکیں اس پالیسی کو اس حقیقت

Marfat.com

نے اور بھی ناگزیر بنا دیا تھا کہ کرناٹک کے گھوڑے کمزور اور دبلے پتلے ہوتے تھے جس کی بنا پر وہ تھکان کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے[66]۔

بادشاہ کے اخراجات کے متعلق کرشن دیورائے لکھتا ہے "روپیوں کے ان مصارف کو جو ہاتھیوں اور گھوڑوں کو خریدنے۔ انھیں کھلانے پلانے، سپاہیوں کی دیکھ بھال کرنے، دیوتاؤں اور برہمنوں کی پوجا پاٹ کرنے اور ایک شخص کے خود اپنے تلذذات پر صرف ہوتے ہیں کبھی اخراجات کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا[67]۔ دوسری جگہ وہ اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ بادشاہ کو اپنی آمدنی نصف حصہ فوج کے انتظام و انصرام پر خرچ کرنا چاہئے جس میں سے ایک بڑا حصہ گھوڑوں پر ہونے والے اخراجات کا ہے[68]۔ مثال کے طور پر کرشن دیورائے ہر سال ہرمز کے اور دیسی نسل کے تیرہ ہزار گھوڑے خریدتا تھا اور ان میں سے بہترین گھوڑوں کو وہ خود اپنے لیے مخصوص رکھ لیتا تھا[69]۔ وجے نگر کے بادشاہ گھوڑوں کی اتنی قدر کرتے تھے، اگر نونیز کے بات پر یقین کرلیا جائے تو، سالو وانر سمہا "انھیں زندہ یا مردہ" ایک ہزار پرداؤ کے عوض تین تین کے حساب سے خرید لیتا تھا اور ان میں سے جو گھوڑے سمندر میں مرجاتے اور ان کی صرف دم اس کے پاس لائی جاتی تو وہ اس کے عوض اتنی رقم ادا کرتا جیسے کہ وہ گھوڑا زندہ ہو[70]۔ اگرچہ غالباً یہ صرف ایک مبالغہ ہے لیکن اس سے اس قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے جو وجے نگر کے بادشاہوں کے نزدیک گھوڑوں کی تھی۔ باربوسا کے بیان کے مطابق گھوڑوں کی قیمت چار سو سے لے کر چھ سو چروزدو (CRUZADOS) تک ہوتی تھی[71]۔ لیکن نونیز ان کی قیمتیں مختلف بتلاتا ہے ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ ایک ہزار پرداؤ میں ³⁄₁₁ گھوڑے خریدے جاتے تھے۔ جبکہ ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ ان کی ایک ہزار پرداؤ میں بارہ سے لے کر چودہ تک کی شرح پر ہوتی تھی[73]۔ چنانچہ جیسا کہ ڈیمز (DAMES) کا خیال ہے غالباً گھوڑے کی قیمت 78 اور 26 پونڈ، یا ہندوستانی روپے کے حساب سے ۱۱۷۰ اور ۳۹۰ روپے، کے درمیان گھٹتی بڑھتی رہتی تھی[74]۔

ان گھوڑوں پر بادشاہ کے نشان کا داغ لگا دیا جاتا تھا۔ اور ہر ماہ کی ضروری اشیا کے ساتھ انھیں سواروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور جب وہ مرجاتے تو مرنے والے گھوڑے کا رکھوالا اس کی بادشاہ کے نشان لگی ہوئی کھال کو گھوڑوں کے منتظم اعلیٰ کے پاس لے جاتا تاکہ اس کے بدلے اسے دوسرا گھوڑا دیا جاسکے[75]۔ سردار (SCOTT) کو خود اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا ایک سائیس اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز نیز روزانہ کی ضروری اشیا بہم پہونچائی جاتی تھیں۔ اگر وہ اس (گھوڑے) کو مناسب طریقہ سے نہیں رکھتا تو اس سے اس گھوڑے کو لے لیا جاتا اور اس

Marfat.com

کے بدلے دوسرا اس سے کمتر درجے کا دیا جاتا۔[76]

گھوڑوں پر مکمل ساز لگایا جاتا تھا۔ ان کی پیشانیوں پر (لوح کی) پلیٹیں لگائی جاتی تھیں۔ سوار رسالے کے سپاہی ایک روئی دار چوغہ پہنتے تھے جو کچے سخت چمڑے کی پرتوں کا بنا ہوتا تھا اور جس میں لوہے کی پلیٹیں لگی ہوتی تھیں جن سے وہ کافی مضبوط ہو جاتے تھے۔ ان کے سروں پر ریاست کی چھتریاں نصب ہوتی تھیں۔

(3) ہاتھی۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کی جنگوں میں ہاتھی بڑے کام آتے تھے اور وجے نگر کے بادشاہوں نے بھی انھیں جنگ میں بکثرت استعمال کیا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ دیورائے دوم کے دربار میں ایک ہزار سے زائد کوہ تمثال دیو پیکر" ہاتھی تھے۔ نکیتن (NIKITAN) کے مطابق ہاتھیوں کے سونڈھوں سے دھار دار تلواروں کو باندھ دیا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھ (گویا) ایک قلعہ لے کر چلتا تھا جس میں بندوقوں اور تیروں سے مسلح بارہ زرہ پوش آدمی ہوتے تھے[79] لیکن ورتھما ہیں یقین دلاتا ہے کہ ہر ہاتھی پر صرف چھ آدمی جاتے اور جنگ میں ان کی سونڈھوں سے لمبی لمبی تلواریں بندھی ہوتی تھیں[80]۔ ان (تفاصیل) سے نونیز کے بیان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنگی ہاتھیوں کے ہودوں میں ہر جانب سے چار چار آدمی جنگ کرتے تھے اور یہ کہ ان کے دانتوں سے تیز چاقو بندھے ہوتے تھے جس سے وہ سخت نقصان پہونچاتے تھے[81]۔ پائز بھی کہتا ہے کہ تین یا چار آدمی جنگی ہاتھیوں کی پشت سے لڑتے تھے اور وہ بیان کرتا ہے کہ ہاتھی مخمل اور طلائی جھول اور گھنٹیوں سے آراستہ ہوتے تھے اور یہ کہ ان کے سروں پر بھوتوں اور بڑے بڑے درندوں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں[82]۔

(4) توپ خانہ۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان کی جنگوں میں توپ خانہ کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف وجے نگر کے زمانہ میں ہی جنگوں میں اس کے استعمال کا آغاز ہوا۔ یہاں اس بات کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جنوبی ہندوستان میں بارود کے استعمال کا آغاز کب ہوا۔ 1368ء میں بکا اول اور بہمنی سلطان کے درمیان جنگ کے بیان میں تحفۃ السلاطین میں توپوں اور قلعہ شکن آلات کا تذکرہ ملتا ہے[83]۔ برگس (BRIGGS) کا قیاس ہے کہ ممکن ہے مسلمانوں نے 1368ء میں توپیں مغرب سے حاصل کی ہوں کیونکہ کریسی (CRESRY) کی جنگ میں ایڈورڈ سوم (EDWARD III) نے پندرہ سال پیشتر ان کا استعمال کیا تھا[84]۔ اس طرح اگر مسلم تصنیف پر یقین کر لیا جائے تو یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ 1368ء میں توپوں کا استعمال عمل میں آیا تھا۔

Marfat.com

لیکن قدیم نیتی (NITI) ادب کی تصانیف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو توپوں کے استعمال سے واقف تھے۔ مثلاً شکرا آچاریہ (SUKRACARYA) ان کا تذکرہ کرتا ہے[85] شکرا کا عہد مشکوک ہے لیکن چونکہ اسے عہد وسطی کا ایک مصنف شمار کیا جاتا ہے اور یہ حقیقت کہ وہ توپوں کا تذکرہ کرتا ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس عہد میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔

کتباتی ثبوت میں بھی وجے نگر کے زمانہ میں آتشیں اسلحوں اور توپوں کا ذکر ملتا ہے شموگا ضلع کے ساگو تعلقہ کی ایک دستاویز مورخہ 1661ء (؟) میں درج ہے کہ مہاپربھو بائیکا گودا (BAYICA GAVUDA) نامی ایک شخص ندن گیری نادراجہ (NADANGIRINED RAJA) کو بارود مہیا کرتا تھا۔[86] وجے نگر کے عہد میں توپوں کے استعمال کا ثبوت نونیز کی کتاب سے بھی ملتا ہے۔[87] اس کے بیان کے مطابق کرشن دیورائے رائچور کی جنگ میں بہت سی توپیں ساتھ لے گیا تھا آمکتا مالیادہ میں یہی بادشاہ ان قلعوں کا ذکر کرتا "جن میں فوجیں رکھی گئی تھیں اور انجن فراہم کئے گئے تھے" ممکن ہے ان (انجنوں) میں توپیں بھی شامل ہوں۔

فصل چہارم

فوج کا کوچ اور جنگ

اس زمانہ کے ادب اور کتبات سے ہمیں اعلانِ جنگ فوجوں کے کوچ کرنے اور ان کی لڑائی کے متعلق چند دلچسپ تفصیلات ملتی ہیں۔

باربوسا کہتا ہے کہ بادشاہ اپنی کونسل میں اس بات کا فیصلہ کرتا تھا کہ جنگ کے لیے روانہ ہونے کی ضرورت ہے۔[89] نونیز بھی کرشن دیورائے کی کونسل کا تذکرہ کرتا ہے جس میں اس نے بیجاپور کے سلطان کے خلاف مہم پر روانہ ہونے سے قبل مشورہ کیا تھا۔[90]

بادشاہ پہلے دشمنوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا تھا۔ مثال کے طور پر سالوواَبھی یدم کہتا ہے کہ نرسمہا نے ادے گیری کی فتح کے لیے ایک مہم کے آغاز کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ اس فیصلہ کا عام اعلان کرا دیا جائے۔[91] ٹھیک مہم پر روانگی سے قبل باجگزار جاگیرداروں کو دربار میں بلوایا گیا اور انھیں بیش قیمت تحائف دیئے گئے۔ دارالسلطنت میں انھیں ایک ضیافت بھی دی گئی۔[92] اس

Marfat.com

کے بعد ایک مقدمتہ الجیش دشمنوں کے علاقہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کرشن دیورائے نے اپنی فوجوں کے ایک حصہ کو ہدایت کی کہ وہ دشمنوں کے علاقے میں تین آمدوں (ANIADAS) تیس میل) کے بقدر آگے بڑھ جائیں اور وہاں کے آدمیوں، مویشیوں، بھیڑوں اور بکریوں کو لے لیں تاکہ وہ دشمنوں کو دستیاب نہ ہوسکیں[93]۔ اس (بیان) کی ایک طرح سے نونیز کے بیان سے توثیق ہوجاتی ہے جو رائچور کی طرف جانے والے مقدمتہ الجیش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے" اس جم غفیر سے تین یا چار فرسخ آگے تقریباً پچاس ہزار آدمی چلے جاتے ہیں جو گویا جاسوس ہوتے ہیں، انھیں پیش قدمی والے علاقہ میں جاسوسی کرنی ہوتی ہے اور ہمیشہ (اصل فوج سے) کچھ دور رہتے ہیں[94]۔ خود بادشاہ اس کے کچھ دنوں بعد روانہ ہوتا۔ اپنی روانگی سے قبل وہ اپنے چڑھاوے چڑھاتا اور قربانیاں پیش کرتا تھا[95]۔ باربوسا اس بات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ کس طرح بادشاہ اپنی جنگوں پر روانہ ہوتے تھے۔ اس کے مطابق ایک مقررہ دن بادشاہ ایک ہاتھی یا پالکی پر سوار ہوکر ایک کھلے میدان میں آتا تھا جیسے کہ وہ تفریح کے لیے آیا ہو۔ اس کے سوار پیادے اور متعدد ہاتھی جو تمام کے تمام نہایت قیمتی لباسوں میں ملبوس ہوتے قطار در قطار اس کے ساتھ ہوتے۔ اس کے بعد وہ ایک گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور جس ملک سے جنگ کرنی ہوتی اس کی جانب ایک تیر چلاتا۔ پھر وہ بتلاتا کہ کتنے دنوں میں وہ جنگ کے لیے روانہ ہونے والا ہے[96]۔

ان مقدمات کے اختتام کے بعد فوجیں کوچ کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں بعد کے ادوار کی طرح فوجیں بہت تیز رفتاری سے کوچ نہیں کرتی تھیں۔ اگر باربوسا پر یقین کیا جائے تو وہ لوگ ایک دن میں صرف تین فرسخ چلتے تھے۔ اور جیسے ہی دن کا کوچ ہوتا، وہ کسی کھلے ہوئے میدان میں گھاس پھوس کا ایک شہر بنا لیتے اور سڑکوں کی ترتیب کے ساتھ گھر تعمیر کرتے۔ یہاں وہ تین دن قیام کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر وہ پڑاؤ کی دوسری جگہ کے لیے روانہ ہوجاتے۔ وہ اسی حساب سے کوچ کرتے رہتے یہاں تک کہ مقررہ مقام تک پہونچ جاتے[97]۔

بادشاہ اور اس کے سپاہیوں کا عارضی کیمپ ایک فوجی پڑاؤ سے زیادہ ایک ایسے شہر کا منظر پیش کرتا تھا جہاں جشن منایا جارہا ہو۔ پورا کیمپ متعدد سڑکوں میں بٹا ہوتا تھا۔ ان میں بازار بھی ہوتے تھے جہاں سے زندگی کی تمام ضروریات حاصل کی جاسکتی تھیں بلکہ عیش وعشرت کے سامان جیسے ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھر بھی بکتے تھے فوج میں پیشہ ور پھیری والے اور صناع بھی ہوتے تھے۔ بادشاہ خود ایک ایسے خیمے میں قیام کرتا تھا جو خاص طور پر اس کے لیے بنایا جاتا تھا۔ یہ بڑی بڑی جھالردار

Marfat.com

جھاڑیوں سے گھرا ہوتا تھا اور اس میں صرف ایک جانب سے داخلہ ہوتا تھا۔ وہ محافظ جو باہر ہوتے تھے متعین جگہوں پر رات بھر چوکیداری کے فرائض انجام دیتے تھے، جاسوس بھی کام میں لگے رہتے تھے وہ رات بھر پورے کیمپ کا دورہ کرتے اور اس تاک میں لگے رہتے کہ کسی جاسوس کو پکڑ لیں[98]۔ فوج کے ساتھ بہت ہی عوامی عورتیں بھی ہوتی تھیں اور جو فوج رائچور کے لیے روانہ ہوئی تھی اس میں ایسی بیس[20] ہزار عورتیں تھیں۔ فوجوں میں ہزاروں آدمی ایسے بھی ہوتے تھے، جو اپنے ساتھ مشکیزے رکھتے تھے اور لڑتے والوں کو پانی بہم پہونچاتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیاس سے مرجائے۔ فوج میں بہت سے تاجرین بھی ہوتے تھے جن کے پاس ہر طرح کا سامان ہوتا تھا[99]۔ فوجوں میں تاجرین کی موجودگی کا ثبوت کتبات میں ملتا ہے۔ چتوڑ ضلع میں تیرو ملائی مقام کے ایک نامکمل کتبے میں ایک فوج میں ایک تاجر کی موجودگی کا تذکرہ ملتا ہے[100]۔

فوجوں کی صف آرائی کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ نونیز ہمیں بتلاتا ہے کہ رائچور کی جنگ میں کرشن دیورائے نے "اپنی فوجوں کو سات حصوں میں منقسم کیا تھا[101]۔ رکھس تنگڈی (RAKSAS TANGDI) کی جنگ میں ہندو فوج تین حصوں میں منقسم تھی۔ میمنہ تیرومل کے حوالے تھا۔ میسرہ وینکٹ آدری کے سپرد تھا جبکہ قلب لشکر خود رام راج کی کمان میں تھا[102]۔

فوج بہت سے دستوں (UNITS) میں منقسم ہوتی تھی۔ رام راجیہ مو (RAMRAJIYAMU) کے مطابق جب بکارا جو رام راجو، کندن ولو (KANDANA VOLU) کرنول (KURNUL) کے قلعہ کے خلاف روانہ ہوا، جو اس وقت سوائی (SAVAI) (عادل خان) کے قبضہ میں تھا، اور اس کا محاصرہ کیا، تو کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس کی فوج کا ہر دستہ ایک ہاتھی، بیس[20] گھوڑوں، ساٹھ تیر اندازوں، ساٹھ شمشیر زنوں، اور ساٹھ نیزہ بازوں پر مشتمل تھا۔ اس طرح کے تقریباً ساڑھے تین ہزار دستے تھے لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ تعداد واقعی درست ہے[103]۔

اس عصر کے کتبات سے ہمیں اس زمانہ میں رائج لڑائی کے طریقوں کے متعلق تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں[104]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست بدست لڑائی کا رواج عام تھا۔ ایک دستاویز میں درج ہے کہ سالووانر سمہانے دست بدست لڑائی کے دوران ایک فوجی سے تلوار (کتھاری) (KOTHORI) چھین لی تھی اور اسی بنا پر وہ کتھاری سالووا کے نام سے پکارا جانے لگا تھا[105]۔ مدھورا وجیم میں بھی اسی طرح کی ایک دست بدست لڑائی کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو راجا گمبھیر (RAJAGAMBHIRA)

Marfat.com

کے قلعہ کے باہر کیمپ اور شمبو ورائے کے حکمراں کے درمیان ہوئی تھی[۱۰۵]

اس زمانہ کی جنگوں کا ایک خصوصی رواج یہ تھا کہ ان عارضی شہروں کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا جو فوجوں کے لیے اس کی روانگی کے راستوں میں تعمیر کیے جاتے تھے۔ بربوسا اس رواج کا تذکرہ کرتا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ایک اعلان جاری کرتا تھا جس میں محلوں، قلعوں، مندروں اور چند مخصوص جاگیرداروں کے مکانوں کو چھوڑ کر جن کی چھتیں چھپر کی بنی ہوتی تھیں، پورے شہر کو جلا دینے کا حکم ہوتا تھا تاکہ تمام لوگ اپنے بال بچوں اور اسباب کے ساتھ حاضر ہو جائیں[۱۰۶]۔ ڈیمس بتلاتا ہے کہ بربوسا کا یہ بیان کتنا مضحکہ خیز ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر یہ ایک ذہن کاتب کا اضافہ ہے وہ مزید کہتا ہے کہ بربوسا نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ نہیں کہ بادشاہ اپنے دارالسلطنت کو نذر آتش کر دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ جب وہ کوچ پر ہوتا ہے تو دوسرے کیمپ کے لیے روانہ ہونے سے قبل وہ گھاس پھوس سے بنی جھونپڑیوں والے عارضی شہر کو، جو اس کی فوج کے قیام کے لیے تعمیر کیا جاتا تھا۔ نذر آتش کر دیتا تھا[۱۰۷]۔ کتبات اس دلچسپ مسئلہ پر براہ راست کوئی روشنی نہیں ڈالتے[۱۰۸]۔

کرشن دیو رائے کی رائے ہے کہ بادشاہوں کو بذات خود دشمن کے ملک میں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور یہ کہ "مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے امراء میں سے کسی کا تقرر کر دے اور اسی کو اس کام کے لیے روانہ کرے[۱۰۹]"۔ بربوسا کہتا ہے کہ وجے نگر کا بادشاہ شاذ و نادر جنگ میں خود جاتا تھا بلکہ وہ اپنے سرداروں اور فوجوں کو بھیج دیتا تھا[۱۱۰]۔ عین ممکن ہے کہ بادشاہ اس وقت تک مہموں کی قیادت نہ کرتے ہوں جب تک وہ اس کے لیے مجبور نہ ہو جاتے ہوں۔ مثال کے طور پر راجپوت رائے، اگرچہ اپنے بیشتر صوبوں کو فتح کرنے کا سہرا راجپوت رائے خود اپنے سر باندھتا ہے لیکن بظاہر وہ خود میدان جنگ میں کبھی نہیں آیا تھا۔ جب چیلپا (COLLAPPA.) کی بغاوت فرد کی جا رہی تھی تو وہ سری رنگم میں عالموں کی صحبت میں اپنا وقت گذار رہا تھا[۱۱۱]۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ کرشن دیو رائے خود اپنے اس اصول سے مستثنیٰ تھا ایک چھوٹی سی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھی میدانِ جنگ میں وہ خود جاتا۔

رائے واش کو (RO YA VACAKAMU) سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک جنرل کو فوجوں کی قیادت کے حکم کے ساتھ ہی انھیں پان اور چھالیاں بھی دی جاتی تھیں۔ کرشن دیو رائے کو جب اپنے جاسوسوں سے اس ظلم و ستم کا حال معلوم ہوا جو مسلمانوں نے اس کی مملکت میں کیا تھا تو اس نے اپنے امر نایکم (AMOBANA YAKAB.) جنرلوں میں سے سردار پیم مسانی رام لنگا

Marfat.com

(PEMMASENI RAHALINGA.) کو طلب کیا اور اس سے مشورہ کیا کہ وہ ان حالات میں کیا رویہ اختیار کرے۔ رام لنگا نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ وہ اگر فوج کی کمان اس کے سپرد کر دیا جائے وہ جلد ہی دشمنوں کا استیصال کر دے گا۔ کرشن دیورائے نے اس رائے کو پسند کیا اور حملہ میں اس کی قیادت کے اظہار کے لیے اسے پان اور چھالیاں پیش کیں۔[13]

دورانِ جنگ اگر بادشاہ فوجوں کی قیادت خود کرتے تو وہ خود فوجیوں کو جنگ کے لیے برانگیختہ کرتے۔ اور اگر وہ خود موجود نہ ہوتے تو اس کام کے لیے کچھ لوگوں کا تقرر کر دیا کرتے فرشتہ کہتا ہے کہ رنگا اول نے برہمنوں سے درخواست کی کہ وہ اس کے فوجیوں کے سامنے وعظ دیں کہ مسلمانوں کو قتل کرنا ثواب کا کام ہے اس لیے کہ وہ ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو توڑنے اور گایوں کو ذبح کرنے والے تھے۔[14] جب کرشن دیورائے نے دیکھا کہ رائچور کی جنگ کے پہلے ہی مرحلے میں مسلمانوں نے اس کی فوجوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے تو اس نے اپنے سپاہیوں کو ان کی بزدلی پر سخت و سست کہا اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ انھیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے لہٰذا انھیں اپنے دستور کے مطابق میدانِ جنگ میں ہی مردانگی کے ساتھ جان دینا چاہئے۔[15] رکچس تنگدی کی جنگ میں رام راج کے بھائی تیرومل کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا تھا۔ جب اول الذکر کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنے سپاہیوں کی ہمت افزائی کے لیے اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہوا اور "گوریدا، گوریدا" (GURIDA, GURIDA.) کا کئی مرتبہ نعرہ لگاتے ہوئے متحدہ فوجوں پر اپنے آدمیوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔[16]

فصل پنجم

قلعہ اور محاصرہ

ازمنہ وسطیٰ کی جنگوں میں قلعے ایک نمایاں رول ادا کرتے تھے، کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جس میں چند قلعے نہ ہوں جہاں غیر ملکی حملوں کے دفاع اور اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے فوجی دستوں کا تعین کیا جاتا تھا مراٹھوں کے عہد میں بھی جنگ کے زمانہ میں قلعوں کو بڑی اہمیت

Marfat.com

حاصل تھی۔ دفاع کے لیے ان میں زبردست فوجیں رکھی جاتی تھیں غیر معمولی اخراجات اور بے شمار زندگیوں کو ضائع کرنے کے بعد ہی مغلوں نے ان میں بہت سے قلعوں کو زیر کیا تھا۔ اور ان پر مشقت طویل ماہ و سال کا تو خیر ذکر ہی کیا جو ان کے زیر کرنے میں صرف ہوئے تھے۔ سلاطین وجے نگر کو بھی قلعوں کی ضرورت اور اس کے فوائد کا احساس تھا۔ جہاں یہ نہ تھے وہاں انھوں نے اس طرح کے قلعوں کو تعمیر کیا۔ اننت پور ضلع میں گتی کے قلعہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ گتی درگا مشہور و معروف بادشاہ بکا کی ساری دنیا پر اقتدار کے پہیے میں ایک دھوری کی حیثیت رکھتا تھا۔[117]

قلعوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہیں استھلا درگا (.STHALADURGA) (زمین پر تعمیر کردہ قلعہ)، جل درگا (.JALADURGA) پانی سے گھرا ہوا قلعہ)، گیری درگا (GIRIDURGA) (پہاڑی پر واقع قلعہ) اور ون درگا (.VANADURGA) (جنگل کے بیچ میں بنا ہوا قلعہ[118])۔ ہر جگہ قلعہ نہ ہوتے تھے۔ دارالسلطنت اور مملکت کے بعض مخصوص مقامات ہی پر قلعہ ہوتے تھے۔ دوسری دفاعی لائن جنگل اور پہاڑ ہوتے تھے۔ وہ دشمنوں اور قزاقوں کے حملوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ یہ بات کہ مملکت کی سرحدوں پر واقع قلعوں کے آس پاس جنگل لگا دئے جاتے تھے۔ آمکتامالیادسے ثابت ہوتی ہے جس میں کرشن دیو رائے کہتا ہے "۔ ان جنگلوں کو بڑھاؤ جو تمہارے سرحدی قلعوں (گدی دیش .GADIDESA) کے آس پاس ہیں۔ اور ان تمام جنگلوں کو کٹوا دو جو تمہاری مملکت کے درمیان واقع ہوں۔ تبھی تم قزاقوں کے فتنہ سے محفوظ رہ سکو گے[119]"۔ پاس کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کی سرحدوں پر بہت سے قلعے تھے نیز یہ کہ ان کے قریب جنگل لگے ہوئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ وجے نگر اور اڑیسہ کی دونوں مملکتوں کے مشرق میں بڑے گھنے جنگل تھے جو دونوں سمتوں میں ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتے تھے۔[120]

قلعے ان علاقوں میں بھی تعمیر کیے جاتے تھے جنھیں تازہ فتح کیا جاتا تھا یا جہاں بعض باغی قبائل رہتے تھے۔ اس زمانہ کے کتبات میں پدائی پرّو کا تذکرہ ملتا ہے جس کے لغوی معنی ایک فوجی چوکی یا چھاؤنی کے ہیں۔ مثال کے طور پر پدوکوتائی ریاست میں واقع کیرانور مقام سے دستیاب ایک کتبہ مورخہ ۱۵۵۱ء میں درج ہے کہ یہ مقام ایک پدائی پرو تھا۔[121] عموماً ان تمام فوجی مراکز میں جہاں کچھ فوجیوں کو رکھا جاتا تھا ایک قلعہ ہوتا تھا۔ بظاہر ان قلعوں کے اخراجات کے لیے کوتائی پنم (.KOTTAI PANAM) نامی ایک ٹیکس لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔[122]

Marfat.com

اس زمانہ کے کتبات سے ہمیں قلعوں کے اجزا کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں۔ یہ حصے تھے خندق پشتہ جھریرے کا ستون، وندمہ، فصیل اور دھس[123]۔ فصیل کی اہمیت ایک کتبہ میں بیان کی گئی ہے اس میں درج ہے کہ سنگا راجہ (SINGA RAJA.) نامی ایک شخص نے راجا گمبھیر نامی ایک فصیل بنوائی تھی اور اسے وہ ایک نہایت ضروری فصیل (اوسر د کوتل (KOTTALA.) قرار دیتا تھا[124]۔ توپیں نصب کرنے کے لیے خصوصی فصیل بھی بنائی جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض زیادہ اہم اور فوجی اہمیت رکھنے والے مقامات پر دو قلعے ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر کولار (KOTAR.) ضلع میں مالور (MADUR.) تعلقہ کے ایک کتبہ میں مذکور ہے کہ 1436ء میں سنگا راجہ نے گوپا راجہ (GOPA RAJA.) کے حکم سے تیکل (TEKAL.) کے اندرونی اور بیرونی دونوں قلعوں کی تعمیر کی[125]۔ بعض قلعوں میں دو طرفہ دفاعی استحکامات کیے جاتے تھے۔ تیکل کا قلعہ ایک ایسا ہی قلعہ تھا اسی مالور تعلقہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دیو رائے مہارائے کے زمانہ میں اور جب گوپا رائے تیکل شہر پر حکمرانی کر رہا تھا۔ سنگا راجہ نے دفاعی استحکامات کی دو لائنیں تعمیر کرائی تھیں[127]۔ بہت سے قلعوں میں مینار بھی ہوا کرتے تھے۔ چیتل درگ ضلع میں بیری پور تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق کندہلی (KANDHALLI.) کے قلعہ میں چار مینار تعمیر کئے گئے تھے[128]۔ عموماً قلعہ خود ایک شہر ہوتا تھا اس کے اندر مختلف ذاتوں کی بستیاں ہوتی تھیں۔ جنوبی آرکٹ ضلع میں تیرو ودی (TIRUVADI) مقام کے ایک کتبہ مورخہ 37-1536ء میں اس مقام کے قلعہ میں ایک برہمن سڑک کا ذکر ملتا ہے[129]۔ اس طرح کی سڑکوں کے ذکر سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ قلعہ میں ہر ذات کے لیے ایک علیحدہ حصہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قلعوں میں مندر بھی ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر چندر گیری کے ایک کتبے مورخہ 1537ء میں اس مقام کے قلعہ کے اندر دو مندروں کا تذکرہ ملتا ہے[130]۔

پائز کہتا ہے کہ پورا ملک بے شمار شہروں اور قصبات سے پوری طرح آباد تھا۔ یہ شہر اور قصبات صرف مٹی کی دیوار سے گھرے ہوتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ان دیواروں کو اینٹوں سے بنانے کی اجازت نہ تھی کہ مبادا وہ بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائیں[131]۔ لیکن غالباً یہ بات صرف معمولی شہروں کے سلسلہ میں درست ہے اور فوجی چھاؤنیوں پر لاگو نہیں ہوتی۔

محاصرہ کے طریقہ کار کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں تاہم اس زمانہ کے ادب اور کتبات سے مندرجہ ذیل تفصیلات اکٹھا کی جا سکتی ہیں۔ بعض مواقع پر بادشاہ یا جنرل جو کسی قلعہ کو فتح کرنا چاہتا تھا، اپنا بگل دشمن کے قلعہ میں پھینک دیتا تھا اور قلعہ کو فتح کرنے

Marfat.com

کے بعد اسے واپس لاتا تھا۔ ریاست میسور کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ یہ وہ طریقہ کار تھا جس پر کٹھاری سالووا عمل کرتا تھا۔[131] نونیز نے کرشن دیورائے کے رائچور کے محاصرہ کی ایک دلچسپ اور واضح تفصیل دی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ طریقہ اس زمانہ میں قلعوں کو فتح کرنے کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقوں میں سے ایک ہو۔[133] جب پوری طرح مستحکم کیے ہوئے کسی شہر یا قلعہ تک پہنچنا اس کے آس پاس کی دریاؤں میں سیلاب کی وجہ سے مشکل ہو جاتا تھا، تو پانی کو نئے راستوں کی طرف موڑ دینے کی کوشش کی جاتی تھی جب کرشن دیورائے اس شہر کے محاصرہ کے لیے روانہ ہوا جہاں کتور (CATAIR) کے علاقہ کا سردار رہتا تھا۔ تو اس میں اسے ناکامی ہوئی اس لیے کہ شہر پانی سے گھرا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے دریا کو "پچاس مختلف راہوں" میں موڑ دیا جس کے نتیجہ میں اصل دریا کا پانی صاف ہو گیا اور کرشن دیورائے قلعہ بند شہر کی دیواروں تک پہونچنے میں کامیاب ہو گیا۔[134]

رائے واشکو اس سلسلہ میں چند دلچسپ تفصیلات پیش کرتی ہے کہ کسی مخصوص قلعہ پر قبضہ کے بعد کیا کیا جاتا تھا۔ اس کے مطابق کرشن دیورائے نے شہر احمد نگر کے مضافات پر بآسانی قبضہ کر لیا اور دشمن کے سواروں سے شہر کے باہر ایک زبردست جنگ لڑی۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمنوں کے ۷،۰۰۰ سوار مارے گئے اور بادشاہ نے مکمل فتح حاصل کی۔ قلعہ میں مقیم فوج نے خیال کیا کہ وہ کرشن کے محاصرہ کا دفاع نہ کر سکیں گے لہٰذا قلعہ پر حملہ سے بچنے کے لیے انہوں نے اسے خالی کر دیا اور اپنے علاقہ میں لوٹ گئے۔ اس طرح کرشن دیورائے نے نہایت آسانی سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حکم دیا کہ تمام استحکامات کو برباد کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جہاں استحکامات قائم کیے گئے تھے وہاں رینڈی کے بیج لگائے جائیں۔[135]

لیکن ان مثالوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قلعوں کو فتح کرنے کے لیے مختلف طریقوں کو اپنایا جاتا تھا اور اس کے لیے کوئی سخت یا ناقابل تبدیل اصول ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ کس طرح ایک قلعہ پر قبضہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جو طریقے اپنائے جاتے تھے وہ حالات پر منحصر ہوتے تھے۔

فصل ششم

فوجی تنظیم

فوج کا محکمہ حکومت کے بہت سے شعبوں میں سے ایک تھا اور وجے نگر کے زمانہ

Marfat.com

میں اس کو کند آچارا (KANDACARA.) کہا جاتا تھا[136] فوجی محکمہ اور فوج کے مختلف افسروں کے بارے میں ہمیں کتبات سے بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فوجی محکمہ کا سربراہ ایک اعلیٰ افسر ہوا کرتا تھا جسے سینا پتی[137]، سروسینا ادھیکاری[138] اور دلوائے (DALAVAYY.) کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ وہ فوجی محکمہ کی انتظامیہ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ وزراتی کونسل کا ایک ممبر ہوتا ہو۔ یہاں ایک ڈنڈ نایک اور ایک دلوائے کے درمیان فرق کو بتانا ضروری ہے۔ ڈنڈ نایک کا خطاب عمومی حیثیت رکھتا تھا جس کے حامل حکومت کے بہت سے افسران ہوا کرتے تھے جبکہ دلوائے کا خطاب ایک خصوصی خطاب تھا جو فوج کے انچارج افسران کو حاصل ہوتا تھا[140]۔

جہاں تک فوج کے معمولی افسروں کا تعلق ہے، نونیز ان میں سے دو کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان میں ایک محل کے محافظ دستہ کا کمانڈر ہوتا تھا اور دوسرا گھوڑوں کا منتظم اعلیٰ (CHIEF MA-STER.)[141]۔ ہاتھیوں کے انچارج افسر کے متعلق وہ کچھ نہیں بتلاتا۔ چونکہ فوجی تنظیم بڑی حد تک جاگیردارانہ اصول پر مبنی تھی لہٰذا ہمیں فوجی افسروں کے مختلف مرتبوں کا تذکرہ نہ تو کتبات میں ملتا ہے اور نہ ادب میں۔ لیکن غیر ملکی سیاحوں کے بیان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوجی کمانڈر کا مرتبہ گھوڑوں کی اس تعداد پر مبنی ہوتا تھا جن کے رکھنے کی ان کو اجازت تھی۔ پائز کہتا ہے کہ "ان میں سے چند آدمی جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے پاس دو یا تین گھوڑے ہیں جب کہ دوسروں کے پاس ایک سے زیادہ گھوڑا نہیں ہے[142]" ۱۴۴۷ء کے ایک کتبہ میں ایک ایسے سردار کا تذکرہ ملتا ہے جس کے پاس ایک ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ پیادے تھے[143]۔

سپاہیوں کو عموماً شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی اس بات کی توثیق غیر ملکی سیاحوں کی تصانیف سے ہوتی ہے۔ لیکن مصنفین نے تنخواہ کی ادائیگی کے وقت کے بارے میں جو تفصیلات دی ہیں، ان میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالرزاق کہتا ہے "سپاہیوں کو تنخواہ ہر چار ماہ پر ملتی ہیں اور کسی کے پاس صوبوں کے محاصل میں سے دی ہوئی کوئی جاگیر نہیں ہے[144]"۔ پائز کہتا ہے کہ بادشاہ (کرشن دیو رائے) نے اپنے فوج کا معائنہ کیا اور سب کو تنخواہیں دیں اس لیے کہ یہ سال کا آغاز تھا اور ان کے یہاں رواج یہ تھا کہ تنخواہیں سال بہ سال ادا کی جائیں[145]۔ لیکن نونیز سپاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے (جن میں سوار، نیزہ باز، ڈھال بردار، ہاتھیوں کے اصطبلوں پر متعین افراد، سائیس، گھوڑوں کو تربیت دینے والے، اور اہل حرفہ مثلاً لوہار، معمار، بڑھی اور دھوبی شامل ہیں)، کہتا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو اس کے ملازم ہیں اور جنھیں وہ روزانہ تنخواہ دیتا

Marfat.com

ہے۔ وہ انھیں محل کے دروازے پر ان کی تنخواہیں دیتا ہے[168]۔ یہ ممکن ہے کہ جو سپاہی شاہی ملازمت میں تھے انھیں ان کے ضروریات کے لیے روزانہ صرف ان کا یومیہ الاؤنس دیا جاتا تھا نہ کہ ان کی تنخواہیں۔ اگر نونیز کا مطلب اپنے بیان سے یہ ہے کہ سپاہیوں کی تنخواہیں بھی انھیں روزانہ دے دی جاتی تھیں تو شاید وہ غلطی پر ہے۔ لیکن عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کے درمیان اختلاف کی توجیہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ کرشن دیو رائے کے زمانہ سے سپاہیوں کو تنخواہ دینے کے طریقے میں ایک تبدیلی عمل میں آئی نیز یہ کہ سالانہ ادائیگی کو سال میں تین ادائیگیوں پر ترجیح دی گئی۔

پھر بھی غیر ملکی تاریخ نگار ہیں جو ہمیں تنخواہوں کی اس رقم کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں جو سپاہیوں کو ملتی تھیں۔ بربوسا کے مطابق سپاہیوں کی ماہانہ تنخواہ چار سے لے کر پانچ پرداؤ تک تھی جس کے متعلق ڈیمس کا اندازہ ہے کہ وہ ایک پونڈ دس شلنگ اور ایک پونڈ سترہ شلنگ اور چالیس کے درمیان تھی، یا ہندوستانی روپے کے حساب سے تین روپے آٹھ آنے اور اٹھائیس روپے کے درمیان تھی۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ "اس رقم کو موجودہ دور میں بھی کم نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اور سولہویں صدی کے شروع میں، اگر اسے دوسری رعایتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ پیسے کی بہتات تھی"[167]۔ پائز بھی ہمیں حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کی سالانہ تنخواہ کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرتا ہے۔ وہ بتلاتا ہے کہ بادشاہ کی فوجوں کا معائنہ کیا جاتا تھا جس میں سپاہیوں کی شناخت کی جانچ کی جاتی تھی اور انھیں تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ اس کے مطابق حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کی تنخواہیں چھ سو اور ایک ہزار پرداؤ کے درمیان تھیں اس طرح اعلیٰ ترین فوجی افسر کی سالانہ تنخواہ تقریباً ۶۷ ہزار روپے ہوتی تھی جو ان غیر معمولی رعایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جن سے وہ مستفید ہوتے تھے بہرحال تسلیم کرنا پڑیگا کہ کسی طرح بھی کم نہ تھی[169]۔ جو لوگ فوجوں کو ضروری اشیاء فراہم کرتے تھے، حکومت اس کے معاوضہ میں انکو زمینیں دے دیا کرتی تھی۔ ایک کتبہ مورخہ 1558ء میں، جو چیتل درگ ضلع کے کاورے (KAURE) مقام سے دستیاب ہوا ہے، زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو پہلے تو فوجیں رکھنے کے لیے دی گئی تھی لیکن بعد میں لگان سے مستثنیٰ قرار دے کر کاورے گاؤں کے لیے ہول کودج (LAL KODAGE) اور اوراکودج (URAKODAGE) لگان کی حیثیت سے رام پاگوڈا کو دے دی گئی۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اراضیوں کی لگان ادا کیے بغیر، ان

Marfat.com

سے سارے گاؤں والے مستفید ہو سکتے تھے اس شرط پر کہ وہ فوج کے لیے چارہ مہیا کرینگے[149]۔
۱۲۶۲ء کے ایک دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ مہامنڈل ایشور پرتاب راجے
(MAYI KOTTA - نے مائی کوتا پورا (MAHAMANDALE'S VARA PRATAPA RAJA.)
PURA.) کے ڈیسائی پدا سپپا ریڈی (PEDDA CEPPAPPA REDDI.) کو خدمت گذاری
کا ایک مانیہ (MARYA.) عطا کیا گیا تھا۔ اس نے لکھا ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ جو زمینیں فی الحال
سمدر۔کل آچارا (SAMUDRA-BOTACARA.) میں تمہارے عوام کے تصرف میں ہیں۔
وہ ہمارے گھوڑوں کے لیے گھاس مہیا کرنے کی خدمت کے عوض تمہارے عوام کے لیے،
خواہ وہ کہیں رہیں، مندرجہ محاصل سے مستثنیٰ رہینگی تمہیں اس بات کی آزادی ہے کہ تم اپنی
اپنی جگہوں پر زمینوں کی اچھی طرح کاشت کرو اور جو بھی فصل تم پیدا کرو اس سے تمام مندرجہ
حقوق کے ساتھ، فوج کی کسی مزاحمت کے بغیر نسلاً بعد نسلٍ مستفید ہوتے رہو[150]"

ہر سال مہانومی تیوہار کے اختتام پر بادشاہ پوری فوج کا معائنہ کرتا تھا غالباً فوجوں
کے معائنہ کا یہ رواج وجے نگر کے دورِ حکومت سے قبل ہندوستان کی ہندو مملکتوں میں
رائج نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رواج مسلمانوں میں تھا اور شاید اپنے شمالی پڑوسیوں
کی نقل میں وجے نگر کے حکمراں فوجوں کا سالانہ معائنہ کرتے تھے۔ پائز جو بادشاہ کرشن دیو رائے
کے اس طرح کے معائنوں میں سے ایک کا عینی شاہد تھا، اس کا ہو بہو نقشہ کھینچتا ہے۔ تمام سپاہی
گھوڑے، ہاتھی اور فوجی افسران دارالسلطنت کے قریب اپنے قیمتی لباسوں میں اکٹھا ہوتے
تھے۔ بادشاہ اپنی نہایت ہی اعلیٰ پوشاک میں انتہائی شور و غوغا اور جوش خروش کے دوران
اپنے سپاہیوں کے درمیان سے ہو کر ایک خیمہ میں داخل ہوتا تھا۔ جو فوج کے ایک طرف نصب
کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ چند مخصوص رسمیں ادا کرتا اور پھر دوبارہ سپاہیوں کی اسی بھرپور خوشی
و مسرت اور پرجوش نعروں کے دوران واپس لوٹ جاتا[151]۔ نونیز یہ بتلاتا ہے کہ جب بادشاہ فوج
کے دوسرے کنارے پر پہونچتا تھا تو وہ تین تیر چلاتا تھا، جن میں ایک یدل چاو (YDALL-
ACAO.) کی طرف، دوسرا کوتامولوکو (COTAMULOCO) کے بادشاہ کی طرف اور تیسرا ابرتگالیوں
کی طرف اور بادشاہ کا طریقہ یہ تھا جس میں تیر سب سے زیادہ دور تک جاتا تھا۔ اسی سمت
کے بادشاہ کے خلاف جنگ کرتا تھا[152]۔ بربوسا بھی اس رواج کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہا جاتا
ہے کہ یہ رسم ان رسموں میں ایک تھی جس پر رایان (RAYES) اپنے دشمنوں سے اعلانِ جنگ

Marfat.com

کرتے وقت عمل کرتے تھے[153]۔ لیکن پائز اس رواج کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا حالانکہ وہ اس طرح کے معائنوں میں سے ایک کا عینی شاہد بھی تھا۔ لہٰذا نونیز اور بربوسا کے بیانات پر یقین کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ ہو سکتا ہے کہ ان تین تیروں کے چلائے جانے کے بارے میں صرف ایک عام تصور ہو۔

یہاں فوجی راستوں کے بارے میں چند باتیں کہنا مناسب ہوگا۔ قدیم اور عہد وسطی کے ہندوستان میں راستے دو مقصد سے تعمیر کیے جاتے تھے۔ تجارت کی سہولت کے لیے اور فوجوں کے جانے کے لیے۔ وجے نگر کے چند کتبات میں فوجی شاہراہوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ 1524ء کے ایک کتبہ میں ڈندنیاداری (DANDINADARI.) اور ڈنڈمارگ (فوجی شاہراہ) کا ذکر ملتا ہے[154]۔ سداشیو رائے کے زمانے کی دو دستاویزات میں بھی، جو بلاری ضلع کے ہلیگرے (HALE - GERA.) مقام سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ڈنڈودوا (DANDUDOVA.) (فوجی راستہ) کا تذکرہ ملتا ہے[155]۔

وجے نگر کی ہندو فوج گو اپنی تعداد میں بہت بڑی تھی لیکن کارکردگی میں کم تھی۔ اسی بنا پر دیو رائے دوم نے اپنی فوج میں چند اصلاحات کیں۔ فرشتہ ہمارا واحد ماخذ ہے جو فوجوں کی اس از سر نو تنظیم کے بارے میں بتلاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس (دیو رائے دوم) نے اپنے امرا اور سربرآوردہ برہمنوں کی ایک عام مجلس شوریٰ طلب کی۔ اس نے کہا کہ اس کا کرناٹک کا علاقہ وسعت، آبادی اور مالیات میں بہمنی مملکت کے علاقوں سے کہیں زیادہ ہے اسی طرح اس کی فوج بھی تعداد میں بہت زیادہ ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ ان اسباب کو معلوم کیا جائے جن کی بنا پر مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور اس کو انھیں خراج دینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا . . . کہ مسلمانوں کی برتری کے دو اسباب ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کے تمام گھوڑے قوی و مضبوط ہیں اور کرناٹک کے دبلے پتلے کمزور جانوروں کے مقابلہ میں زیادہ تکان برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بہمنی مملکت کے سلطان ہمیشہ اپنے پاس بہت تیر اندازوں کی ایک بڑی جماعت رکھتے ہیں جبکہ رائے نے ان میں سے صرف چند کو اپنی فوج میں رکھا ہے۔

اسی پر ڈی۔ رائے (DEE-RAY) نے مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں لیے جانے کا حکم دیا، انھیں جاگیریں عطا کیں، بیجانگر (BEEJA NUGGAR.) شہر میں ان کے لیے ایک مسجد تعمیر کرائی اور حکم جاری کیا کہ اپنے مذہب کی بجاآوری کے سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ نیز اس نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کے تخت کے سامنے ایک قیمتی میز پر ایک قرآن

Marfat.com

رکھ دیا جائے تاکہ مسلمان اپنی شریعت کے خلاف کسی گناہ کا ارتکاب کیے بغیر اس (رائے) کی تعظیم بجالاسکیں۔ اس نے تمام ہندو سپاہیوں کو فن تیر اندازی کی تعلیم بھی دلوائی۔ اس سلسلہ میں اس نے اور اس کے افسروں نے اتنی محنت کی کہ بالآخر اس کے پاس دو ہزار مسلمان اور ساٹھ ہزار نہایت ماہر تیر انداز ہندوؤں کی ایک جماعت اکٹھا ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اسی ہزار سوار اور دو لاکھ پیادے بھی تھے جو رواج کے مطابق نیزوں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔[156]

وجے نگر کی ہندو فوج میں مسلمانوں کی شمولیت کا ثبوت دوسری دستاویزات سے بھی ملتا ہے۔ پائز کرشن دیو رائے کی فوج کے بارے میں بتلاتے ہوئے کہتا ہے! "مور (.MOORS) ایک شخص کو انھیں ہرگز نہ بھولنا چاہئے۔ اس لیے کہ فوج کے معائنہ کے وقت وہ بھی اپنی ڈھالوں، برچھیوں اور ترکی کمانوں، نیز بہت سے بموں، بھالوں اور توپوں کے ساتھ وہاں موجود تھے اور مجھے ان میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو بہت ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان ہتھیاروں کو کس طرح استعمال کیا جائے۔[157] 1430ء کی ایک دستاویز کے مطابق دیو رائے دوم کی ملازمت میں دس ہزار تورسکا (.TARUSKA) سوار تھے۔[158] 41-1440ء کے ایک دستاویز میں احمد خاں نامی ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے جو بادشاہ ویر پرتاپ دیو رائے دوم کا ملازم تھا اور اس نے ایک کنواں تعمیر کیا تھا۔[159] سداشیو رائے کے ایک کتبہ کے مطابق بادشاہ نے عین الملک[160] نامی ایک شخص کی درخواست پر برہمنوں کو ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم تھے ایک نامعلوم تاریخ نگار کہتا ہے کہ رام راج اس عین الملک کو اپنا بھائی کہتا تھا۔[161]

لیکن یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بظاہر اتنا اتحاد تھا، لیکن اس دور میں مسلمانوں کو ہندو فوج میں بھرتی کرنا ایک نہایت خطرناک قدم تھا جو دیو رائے دوم نے اٹھایا تھا۔ اگرچہ بادشاہ نے ہندو فوجوں میں ان کی بھرتی بڑے نیک نیتی سے کی تھی، لیکن بالآخر یہ پالیسی تباہ کن ثابت ہوئی جیسا کہ اس کا ثبوت رکسس تنگدی کی جنگ کے دوران ایک نازک موقعہ پر وجے نگر میں ملازم دو مسلمانوں کے غدارانہ رویہ سے ملتا ہے ان کی غداری کی اطلاع ہمیں سیزر فریڈرک (.CAESOR FREDRICH) سے ملتی ہے اگر اس کا تفصیلی بیان موجود نہ ہوتا تو اس تاریخی جنگ میں ہندوؤں کے شکست کے

Marfat.com

حقیقی اسباب سے ہم ناواقف رہ جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "یہ چاروں بادشاہ اس شہر اور بیجانگر (BEJ-ANAGER.) کے بادشاہ پر غداری کے بغیر فتح نہیں پا سکتے تھے۔ بیجانگر کا یہ بادشاہ غیر مسلم تھا اور اس کے دیگر بہت سے کپتانوں میں دو نہایت ممتاز تھے اور وہ مور تھے اور ان میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں ستر ہزار اور اسی ہزار آدمی تھے۔ ان دونوں کپتانوں نے ان چاروں بادشاہوں کے، جو مور تھے، ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ان سے ساز باز کی کہ وہ خود اپنے بادشاہ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ بیجانگر کے بادشاہ نے اپنے دشمن ان چاروں بادشاہوں کی فوجوں کو کوئی وقعت نہ دی اور ان سے جنگ کے لیے شہر سے باہر میدان میں نکل آیا۔ چنانچہ جب فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو جنگ محض تھوڑی دیر جاری رہی۔ یہ چار گھنٹے بھی نہیں چلی۔ اس لیے کہ جب جنگ شباب پر تھی، دونوں کپتانوں نے اپنا رخ اپنے بادشاہ کے خلاف کر لیا اور اس کی فوج میں ابتری پھیلا دی جس سے اتنی زیادہ گھبراہٹ پھیل گئی کہ وہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔[162]

انگوٹل ڈو پیرن (ANQUETIL DUPERRON) بھی اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور لکھتا ہے "بادشاہ جس کا ساتھ جنگ کے دوران دو مسلم سرداروں نے چھوڑ دیا تھا مارڈالا گیا۔[163]

یہاں اس بات کا جائزہ لینا مناسب ہوگا کہ وجے نگر کے زمانہ میں کوئی فوجی کاؤنسل بھی ہوتی تھی یا نہیں۔ ہمارے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں ایک عام کونسل ہوتی تھی جس سے بادشاہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ محض فوجی کاؤنسل نہ تھی۔ امن کے زمانہ میں یہ کاؤنسل مملکت کے عام انتظامات کی طرف توجہ دیتی تھی۔ کاؤنسل کے ممبر ممتاز افراد ہوتے تھے لہٰذا ریاست کے فوجی اور غیر فوجی سبھی معاملات میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ فرشتہ، دیو رائے دوم کے زمانہ میں وجے نگر کی فوجوں کی از سر نو تنظیم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بادشاہ نے "اپنے امرا اور سربرآوردہ برہمنوں کی ایک عام کاؤنسل طلب کی"[164] اس سے ظاہر ہوتا ہے اس کی کاؤنسل کے اراکین (ان) مسائل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ نونیز بھی کرشن رائے کی کونسل کا تذکرہ کرتا ہے جس سے اس نے بیجاپور کے سلطان کے خلاف اپنی مہم شروع کرنے کے قبل مشورہ کیا تھا۔[165] لیکن بادشاہ اپنی کاؤنسل کے دیئے ہوئے مشوروں کے کس حد تک پابند تھے؟ اگرچہ جنگ کے مواقع پر بادشاہ اپنی کاؤنسل سے رائے لیتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے مشوروں پر عمل کرنے کے لیے پابند نہ تھے تمام باتیں بادشاہ کے عزم پر منحصر تھیں۔ اگر وہ اتنا طاقتور ہوتا کہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے، تو وہ یقیناً ان پر

Marfat.com

عمل پیرا ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ابراہیم عادل شاہ نے وجے نگر سے بیجاپور کے علاقہ میں بھاگ کر جانے والے ایک شخص سایڈ مرکر (CIDE MERCAR.) کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا تو کرشن دیو رائے نے "اپنی کاؤنسل کے بڑے بڑے سرداروں کو بلوایا" اور ان سے کہا کہ وہ اس سے اس کا پورا پورا انتقام لینے کا عزم کر چکا ہے اور ان سے کہا کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ کاؤنسل کے اراکین کی ان دلیلوں کو کہ مجوزہ جنگ کا سبب نہایت معمولی ہے، اس نے ان سنی کر دیا۔ چنانچہ اپنے زبردست احتجاج کے باوجود بادشاہ کو اپنے فیصلہ پر اٹل دیکھ کر وہ اسے مشورہ دینے لگے کہ اس کو اپنی اس مہم کے لیے کون راستہ اختیار کرنا چاہئے بادشاہ نے ان کے مشورے کی معقولیت کو دیکھ کر اسے قبول کر لیا اور کوچ کے لیے تیار ہو گیا[55]۔ نونیز کے اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ بادشاہ کونسل کے اراکین کا مشورہ اس وقت قبول کرتے تھے جب وہ ان کو پسند ہوتے تھے۔

وجے نگر کی فوجیں اپنی زبردست تعداد اور بہتر تنظیم کے باوجود اپنے مسلم پڑوسیوں کی فوجوں کے مقابلہ میں غیر موثر تھیں۔ ممکن ہے کہ سپاہی انفرادی طور پر بہادر رہے ہوں ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ اچھے جنگ آزمودہ سپاہی بھی ہوں لیکن ایک منظم جماعت کی حیثیت سے وہ غیر موثر تھے۔ دیورائے دوم نے اپنی فوج کی کارکردگی بہتر بنانے کی خاطر چند اصلاحات کی تھیں لیکن وہ ناکافی تھیں اس نے محض شاہی فوج کی تنظیم نو پر اکتفا کیا اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ وجے نگر کی فوجوں میں جاگیرداروں کی طرف سے فراہم کیے جانے والے فوجی دستے بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس کی اصلاحات صوبوں تک نہ پہونچ سکیں یہاں کے لوگ جنگ سے بس ذرا پہلے اپنے اپنے ہلوں کے پھالوں کو تلواروں کے پھل میں بدل لیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو وہ پھر کھیتوں میں لگ جاتے۔

جب فوجوں کی تنظیم جاگیردارانہ بنیاد پر ہو تو وہ مضبوط و مستحکم نہیں ہو سکتیں۔ جہاں مرکزی حکومت اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ اپنے احکامات کو نافذ کرا سکے وہاں مرکز گریز رجحانات کا غالب آجانا یقینی ہے۔ جب کبھی حکم دیا جاتا ہے فوجی دستے نہیں بھیجے جاتے اور بسا اوقات مملکت کے صوبے محل کی سازشوں اور ذاتی جھگڑوں میں حصّہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ وینکٹ دوم کی موت کے بعد جب دارالسلطنت میں جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت جاگیردارانہ نظام کی کمزوری پوری طرح عیاں ہو گئی چنانچہ مملکت کے صدر مقام سے

Marfat.com

نسبتاً دور ہونے کی بنا پر مدورا وجے نگر کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ مدورا کے نایک حکمرانوں نے وجے نگر کی محکومی کے جوئے کو اتار پھینکنے کی بار بار کوششیں کیں اس طرح شاہی پالیسی کے ساتھ جاگیرداروں کا تعاون نہ تو پرخلوص تھا اور نہ مستقل۔ مزید براں فوجی تنظیم کی جاگیردارانہ بنیاد ہمیشہ ہی خطرات کا سرچشمہ تھی۔ جاگیردار یا فوجی دستے فراہم کرنے والے ماتحت سرداروں کے پاس خود اپنی ایک مستقل فوج اور بہت سے چھوٹے ماتحت جاگیردار ہوا کرتے تھے جو اسی کو جوابدہ تھے نہ کہ مرکز میں بادشاہ کو۔ بڑے بڑے جاگیردار خود بادشاہ کی مخالفت کر سکتے تھے بغیر اس اندیشہ کے کہ خود اس کے ماتحت جاگیردار اس کے خلاف بادشاہ کا ساتھ دینگے۔ مملکت میں فوجی تنظیم کی کمزوری کا یہ ایک سبب تھا۔ جب مرکز میں یکے بعد دیگرے کمزور بادشاہ ہوتے اور صوبوں میں مضبوط اور لائق حکمراں، تو مملکت میں اتحاد و ہم آہنگی ناپید ہو جاتی تھی۔ یہ جاگیردار مرکزی حکومت کی موجودگی کو بالکل نظرانداز کر کے ایک دوسرے کے آپس میں برسرپیکار رہتے اور علاقوں میں فوجیں لے کر چڑھ دوڑتے۔ ایک ایسے نظام میں فوجی تنظیم کی کارکردگی موثر نہیں رہ سکتی تھی۔

مزید براں طوائفوں (COURTEZANS.) کی بڑی تعداد باضابطہ طور پر فوجوں سے وابستہ رہتی تھی، اور اس حقیقت نے ہندو فوجوں کی کارکردگی گھٹانے میں کچھ کم کردار نہ ادا کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ یہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ نے لوگوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال بھی ساتھ لے جائیں۔ اس خیال کے ماتحت کہ "جب ان پر بیوی بچوں اور مال و اسباب کی ذمہ داری ہوگی تو وہ بہتر طریقے پر جنگ کریں گے"۔ لیکن یہ خیال غلط تھا اس لیے کہ حقیقتاً میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی سپاہیوں کے دلوں میں ہمت نہیں پیدا کر سکتی تھی، بلکہ اس سے ان کی نااہلیت میں مزید اضافہ ہی ہوا۔ جس فوج میں عورتیں کثیر تعداد میں ہوں اس کی تباہی عین متوقع تھی۔ لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ اس طرح کے ناموافق حالات میں محض ہندو نہیں لڑتے تھے اس لیے مسلمانوں میں بھی اس طرح کی کمیاں پائی جاتی تھیں۔

بحریہ:۔ وجے نگر کی بحری فوج کے بارے میں چند باتیں کہنا یہاں مناسب ہے: بحری فوج کا ایک محکمہ ہوتا تھا جو شاید پردھانی، یا زیادہ اغلب یہ ہے کہ کمانڈر انچیف کی قیادت میں کام کرتا تھا۔ یہ بحری فوج کے بغیر سیلون اور برما کے علاقوں کو مطیع کر لینا ممکن نہ تھا جیسا کہ وہ بظاہر کچھ عرصے تک رہے تھے، لیکن وجے نگر کے سلاطین اپنے اندرون ملک کے

Marfat.com

روزمرہ کے نظم ونسق میں اسقدر مشغول تھے کہ اپنی قومی پالیسی کے وسیع تر مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر وہ، دوسری بہت سی ہندو حکومتوں کی طرح اپنی مملکت میں بحری فوج کی تنظیم کو بہتر بنانے میں ناکام رہے جس آسانی سے پرتگالی ہندوستان میں داخل ہو گئے اور انھوں نے لوگوں کو پریشان کیا، خاص طور پر جنوبی ہندوستان کے ماہی گیری والے ساحلی علاقے میں، وہ بڑی حد تک بادشاہوں کے بحری بیڑے سے بے توجہی برتنے کی وجہ سے تھا۔ بلاشبہ عبدالرزاق کہتا ہے کہ مملکت میں تین سو بندرگاہیں تھیں[169] جہاں بڑی سرگرمی رہی ہو گی۔ لیکن ان سے مملکت کی محض تجارتی سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے نہ کہ بحری طاقت پر۔ سمندروں میں بحری قزاقی عام تھی اور وجے نگر کے بادشاہ اس پر قابو پانے میں ناکام رہے۔ یہ سب پورے طور پر مسلم ایک بحری فوج کے فقدان کی وجہ سے تھا۔

فصل ہفتم

جنگ کا کردار

قدیم ہندوستان میں محض زمین کی ہوس ہی جنگوں کا سبب نہ تھی۔ قدیم ہندو دھرم کے مطابق اگرچہ فریقین کے شدید جانی و مالی نقصانات کا لحاظ کیے بغیر جنگیں کی جاسکتی تھیں تاہم انھیں حق کے لیے ہونا چاہیے تھا۔ امن پسند برہمنوں اور کاشتکاری میں مصروف پرسکون کسانوں کو چھیڑنے کی اجازت نہ تھی۔ اپنے سفر کے دوران شمالی ہندوستان میں ان حالات کو دیکھ کر میگستھنیز بہت خوش ہوا تھا۔[170]

وجے نگر کے دربار میں "ملکی مالیات کے مقابلہ میں غیر ملکی فتح کا موضوع زیادہ مقبول تھا"[171] صرف حق کے لیے جنگ وجدل کے پرانے تصورات بلاشبہ لوگوں کے ذہنوں میں تھے مگر سوال یہ ہے کہ نظریات پر واقعی طور پر کس حد تک عمل کیا جاتا تھا۔ لیکن کرشن دیو رائے نے نہ صرف ایسے اصول ہی بنائے جو جنگی پالیسی کے سلسلہ میں بادشاہوں کی رہنمائی کر سکیں بلکہ بعض مسائل میں ان کے مطابق اس نے عمل بھی کیا۔

1366ء کی جنگ میں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیش آئی تھی، وجے نگر

Marfat.com

کے بادشاہوں نے "کینہ ورانہ سفاکی سے مردوں، عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا تھا" اور بہمنی سلطان محمد شاہ نے بھی ایسی ہی زیادتیاں کیں اور شیر خوار بچوں کو بھی نہ چھوڑا۔[171] ۱۴۱۷ء میں "ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور میدانِ جنگ میں ان کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا، اور سلطان کا خود اس کے ملک میں تعاقب کرتے ہوئے قتل و غارت سے علاقہ کو تہس نہس کر ڈالا۔ سلطان احمد نے ہندو بادشاہ سے اس کا انتقام لیا۔ اس نے وجے نگر کے علاقوں پر حملہ کیا، لوگوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور جب مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہونچ جاتی تو وہ تین دن قیام کرتا اور اس خونی واقعہ پر ایک جشن مناتا۔[172] رام راج نے مسلم علاقوں میں بے رحمی کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اس نے ان کی مسجدیں تباہ کیں، مسلم عورتوں کی عزت پر حملہ کیا اور انتہائی شرمناک تباہیاں پھیلائیں۔ عمارتوں کو نذر آتش اور مسمار کیا، مسجدوں میں اپنے گھوڑے باندھے اور مقدس مقامات میں اپنی گھناؤنی قسم کی عبادتیں کیں۔ لیکن حال کا ایک مصنف عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی جنگوں کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جنگ کی ان ہولناکیوں کے مقابلہ میں جو غیر ملکیوں نے ہندوستان میں مچائیں۔ خود ہندوستان میں جنگیں مہذب طریقے پر ہوا کرتی تھیں۔"[173] لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ شاستروں میں پائے جانے والے اعلیٰ آدرشوں کی پیروی نہ تو وجے نگر کے بادشاہوں نے اپنی عملی پالیسی میں کی نہ ان کے مسلم پڑوسیوں نے۔

لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، کہ کرشن دیو رائے بادشاہوں کی اس عمومیت میں ایک استثنےٰ تھا۔ دشمنوں کے حرم کی جو عورتیں اس کے قبضہ میں آجائیں وہ ان کے ساتھ عزت کا سلوک کرتا۔ وہ اپنی آمکتا مالیا دمیں لکھتا ہے "تم اپنے دشمنوں کے علاقوں اور قلعہ جات پر قبضہ کرو۔ لیکن اگر اتفاق سے دشمن کا حرم تمہارے ہاتھ لگ جائیں تو کوشش کرو کہ ان کی دیکھ بھال اس طرح کی جائے گویا وہ اپنے والدین کے ساتھ ہیں۔"[175] گجپتی کے خلاف اپنی جنگوں کے دوران کرشن دیو رائے نے بہت سے قیدیوں کو گرفتار کیا تھا جن میں اڑیسہ کے بادشاہ کی بیوی بھی شامل تھی۔ لیکن بعد میں اس سمجھوتے کے مطابق جو ان دونوں حکمرانوں کے درمیان ہوا تھا۔ کرشن دیو رائے نے گجپتی کی بیوی اس کو لوٹا دی۔[176]

کرشن دیو رائے لڑائی میں حصہ نہ لینے والوں کی زندگی کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتا تھا۔ رائچور کی جنگ کے فوراً بعد اسے اس بات کا سخت صدمہ ہوا کہ بہت سے لوگ بے رحمی سے مار ڈالے گئے۔ اس نے رحمدلی کی بنا پر یہ کہتے ہوئے فوجوں کو واپس ہو جانے کا حکم دیا کہ بہت

Marfat.com

سے ایسے لوگ مر گئے ہیں جو بے قصور تھے اور موت کے مستحق نہ تھے۔ اس حکم کی تمام کپتانوں نے فوراً تعمیل کی اور ہر ایک نے اپنی تمام فوجوں کو واپس بلا لیا۔[177] جنگ کے کامیابی کے ساتھ اختتام کے بعد اس نے بہت سے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جو جنگ میں قیدی بنائے گئے تھے۔ عام طور پر رہا کر دیا اور رائچور کے باشندوں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ شہر میں رہیں یا چلے جائیں اس نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کی تمام املاک سے دست کش رہے گا اور اس نے ان لوگوں کی سرزنش کی جنہوں نے لاوارث اموال کو لوٹنے کی کوشش کی۔[178]

جنگ میں کام آنے والے ممتاز سپاہیوں کی جانوں کا بدلہ مرنے والے کے خاندانوں کو زمین کے بڑے بڑے عطیات دے کر چکایا جاتا تھا۔ 1379ء میں سلّی نامی ایک شخص کو جو ملّی گودا کا بیٹا تھا، اس کی ان خدمات کے اعتراف میں جو اس نے جنگ میں لڑ کر اور جان دے کر انجام دی تھیں، ایک کودج (KODAGE) عطا کیا تھا۔[179] 1421ء میں رائے نایک نامی ایک شخص کے نایکوں کے ساتھ ایک جنگ میں مارے جانے پر اس کی یاد میں اس کے خاندان کو کچھ زمین عطا کی گئی تھیں۔[180] میسور ضلع میں واقع یلندور تعلقہ کے ایک کتبہ مورخہ 1564ء میں ایک سند کا تذکرہ ملتا ہے جو چامرس وڈیار (CAMORASA VODEYAR.) کو اس بنا پر عطا کی گئی تھی کہ سنجر خاں نے اس کے باپ دیویا گودا کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ اس سند میں اسے ہدی ناد (HADINAD.) کے علاقہ میں گنی گنور تھالا (GARIGNUR THALA.) رکت کودج (VAKTL KODAGE.) کی حیثیت سے عطا کیا گیا تھا۔[181] جنگوں میں نمایاں خدمت انجام دینے پر سپاہیوں کو فوجی خطابات کے انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ ان خطابات میں سے چند یہ ہیں۔ راگھوت تامن دان (RAGHUTTAMINDAN.)، آرش مارت تاندن[182] (ARAS- AMARTTANDAN)، سنگرام دیو (SANGRAMDEVA.) اور سمر موتیرن (SAMAR- AMUTTIRAN).[183]

ایک بات جس کا جائزہ لیا جانا یہاں ضروری ہے وہ وہ طریقہ کار ہے جس کے مطابق وجے نگر کے سلاطین مفتوحہ صوبوں کے نظم و نسق کے انتظامات کرتے تھے۔ "فتح بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں۔ فتح کو (نئی) ذمہ داریاں اور نئے علاقوں کے حصول کو ان کے تحفظ کے لیے ضروری انتظامات کی فراہمی متوازن کر دیتی ہے۔" منصفانہ جنگ کے اصولوں کے مطابق مفتوح

Marfat.com

حکمراں کو اس کی جگہ پر دوبارہ بحال کر دینا چاہئے لیکن فاتح کے ماتحت کی حیثیت سے، جہاں ایسا ممکن ہو۔ شمبو ورائے (SAMBUVARAYA.) سردار کو، جو پدائی ویدو کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا، شکست کھانے کے بعد اپنی جگہ پر دوبارہ بحال کر دیا گیا تھا، اگرچہ وہ شکست کھا گیا تھا۔ لیکن صرف وجے نگر کے بادشاہ کے ماتحت حکمراں کی حیثیت سے۔ اس کا ثبوت ادب اور کتبات میں موجود شواہد سے ملتا ہے۔ سالوو ابھی ادیم (SALUVAPHYUDAYAM.) اور راما بھی ادیم (RAMABHYUDAYAM.) میں درج ہے کہ شمبو ورائے کو اس کی شکست کے بعد پدائی ویدو کے بادشاہ کی حیثیت سے دوبارہ بحال کر دیا گیا تھا[184]۔ اس کی توثیق شمالی آرکٹ ضلع میں واقع مادم (MADAM) مقام کے ایک کتبہ سے بھی ہوتی ہے جس میں درج ہے کہ سومیا ڈنڈ نایک کے بیٹے گندر گولی ماریا نایک نے، جو کمپن دوم کا مہاپردھانی تھا، ونیرومان شمبو ورائے (VENRUMAN SAMBUVARA) کو شکست دیکر گرفتار کر لیا تھا اور راج گمبھیر ملائی (RAJA-GAMBHIRAMALAI.) پر قبضہ کر لیا تھا[185]۔ لیکن مدھوراوجیم (MADHURA VIJAYAM) کے مطابق سردار شمبو ورائے کو کمپن نے ایک ہی حملہ میں شکست دیدی تھی اور مار ڈالا تھا[186]۔ بظاہر یہ شاہی شاعرہ کا ایک مبالغہ آمیز بیان ہے جو غالباً اس نے اپنے بادشاہ کے کارناموں کی تعریف و تحسین کی خاطر پیش کیا ہے۔

کرشن دیو رائے کی بعض دستاویزات سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امت تور (UMMATTUR.) کے سردار گنگا راجہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے صوبہ دوبارہ باغی گورنر کے خاندان کے حوالہ کر دیا[187]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تیرک نامبی (TERA-KA NAMBI) صوبے کو جو غالباً گنگا راجہ کے علاقے کا ایک حصہ تھا۔ اپنے قبضہ میں رکھا اور سالوو تما کے بھائی گووند راجہ کو اس کا گورنر تقرر کیا[188]۔

فصل ششم

خارجہ پالیسی

ہر وسیع و عریض مملکت کو بہت سے اہم مسائل حل کرنے ہوتے ہیں انھیں میں سے

Marfat.com

ایک مسئلہ خارجہ پالیسی کا ہے اور اس کی نوعیت عموماً پیچیدہ ہوا کرتی ہے وجے نگر کی مملکت اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ اسے ایک موثر اور چوکس غیر ملکی پالیسی اختیار کرنی پڑتی تھی جو اس کی پوزیشن کو مستحکم کر سکے۔ شمال میں مسلمانوں، شمال مشرق میں گجپتیوں (GAJAPATIS)، مملکت کی سرحدوں پر آباد سرکش باجگذار جاگیرداروں، اور مشرق و مغرب کے ساحلی علاقوں پر پرتگالیوں کے درمیان گھرے ہونے کی بنا پر وجے نگر کے بادشاہ ایک مشکل سے دوچار تھے۔ مذہبی تشدد اور نسلی تعصبات یقیناً مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات پر کسی حد تک اثرانداز ہوتے تھے۔ لیکن یہ بات کہنی پڑے گی کہ وجے نگر کے بادشاہ اس معیار سے نیچے نہیں اترتے جو قدیم ہندوستان کے بادشاہوں نے اپنی غیر ملکی پالیسی کے لیے قائم کیا تھا۔

ان کی پالیسی کی ایک نمایاں خصوصیت سرحدی گورنروں کا تقرر تھا جن کی حیثیت سرحدوں کے محافظ کی ہوتی تھی اور جو وجے نگر کے علاقوں پر غیر ملکی حملوں کے مستقل اندیشے اور غیر ملکی پر ہونے والی بغاوتوں کے پیش نظر اس زمانے میں انتہائی ضروری تھے۔ اس طرح کی درمیانی (BUFFER) ریاستوں میں مغرب اور جنوب میں بنگاپور (BANGAPOR) گسوپا (GASOPA) بچنور (BACANOR) کلیپو (CALEÑ) بٹیکل (BATECALA) اور بہت سی دوسری سلطنتیں شامل تھیں۔ کرشن دیو رائے اس پالیسی سے متعلق جو پڑوسی ریاستوں اور ان کے افسروں کے ساتھ اپنائی جانی چاہئے، چند ٹھوس مشورے دیتا ہے وہ کہتا ہے "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرحد پر واقع غیر ملکی (دشمن کے) قلعداروں پر بآسانی غلبہ پالو گے تو مناسب یہ ہے کہ تم اس کو فتح کر لو۔ لیکن ایک غیر ملکی (دشمن کے) قلعہ کا قلعدار تمہارے کس کام کا جب خود تمہارے قلعہ کا حاکم تمہارا دشمن ہو؟ لہٰذا قلعہ کی حفاظت خود اسی کی خاطر کی جانی چاہیے"[159] اسی طرح جنگلی قبائل کو زیر کرنے کے سلسلہ میں اس بادشاہ کے مشورے نہایت کارآمد اور دانشمندانہ ہیں، نیم مہذب اور سرکش قبائل سے نمٹنے کے لیے وہ چاہتا ہے کہ ان کے نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے۔ وہ کہتا ہے کسی ریاست میں جنگل کے لوگوں (جنگلی قبائل) کی تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو بادشاہ کے لیے یہ کوئی معمولی دشواری نہیں ہوگی۔ بادشاہ کو ان لوگوں کے دلوں سے خوف و دہشت کو نکال کر انھیں اپنا بنانا چاہئے اس لیے کہ اس طرح کے لوگ بہت ہی کم ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ ان کا اعتماد اور عدم اعتماد، ناراضگی اور دوستی، سخت دشمنی اور گہری دوستی معمولی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں . . . انتہائی وحشی جنگلی قبائل کو سچائی کے ذریعہ

Marfat.com

دان کے ساتھ اپنے معاہدوں کو نبھا کر) مطیع بنایا جا سکتا ہے[190]۔ مملکت وجے نگر میں اسطرح کے بہت سے جنگلی قبیلے تھے مثلاً کورمبر (KURUMBORS.) اور ان کے نمٹنے میں بادشاہوں نے یقیناً کرشن دیورائے کے ان اصولوں کی پیروی کی ہوگی جو اس نے اپنی آمکتا مالیا دمیں پیش کیے ہیں، مملکت میں نظم وضبط کے قیام کے لیے اہم مقامات پر فوجی چوکیاں یا چھاؤنیاں (پدائی پرو) بھی قائم کی جاتی تھیں۔

وجے نگر کے بادشاہوں کی فوجی تنظیم میں ایک نہایت عمدہ نظام جاسوسی کا اضافہ بھی تھا۔ مملکت میں جاسوسوں کو ملازم رکھنے کا رواج ہندوستانی تاریخ کے نہایت قدیم ادوار میں بھی تھا اور جدید ترین ریاستیں بھی اس کی بہت ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ وجے نگر میں یہ خفیہ ایجنٹ ہر جگہ کا سفر کرتے تھے، دشمن ریاستوں کے حالات کے بارے میں خبریں جمع کرتے تھے اور انھیں بادشاہوں تک پہنچاتے تھے۔ کوٹلیہ کی ارتھ شاستر کی طرح آمکتا مالیا د میں بھی درج ہے کہ بادشاہوں کو اپنے وزرا، کی نگرانی کے لیے بھی جاسوسوں کا تقرر کرنا چاہئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود پسند ہو جائیں اور انھیں غیر ضروری باتوں پر عمل کرنے کا مشورہ دیں[191]۔ جاسوسوں کے ذریعہ دی گئی خبروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، اس کا ثبوت اسی تصنیف سے ملتا ہے جہاں مصنف لکھتا ہے کہ "کسی مخبر کو ابتدا ہی میں مسترد نہ کر دو بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر بار بار غور کرو۔ اگر اس کی اطلاع غلط ثابت ہو تو اسے الگ کر دو لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ کسی بھی طرح اس کی ہتک نہ ہو"[192]۔ جاسوسوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ دارالسلطنت میں قیام کریں، وہ زبانوں سے آشنا ہوں اور دوسرے ممالک کے جاسوسوں سے واقف ہوں۔ ان کی کوئی خاص علامتیں نہ ہوں اور انھیں بادشاہ کی جانب سے ان کی توقع سے زیادہ رقم ملے۔ کرشن دیورائے صاف صاف کہتا ہے کہ "ہر کس وناکس کو یہ پیشہ نہیں اختیار کرنا چاہئے"[193]۔

اس زمانہ کی جنگوں میں جاسوسوں کو استعمال کرنے کی تصدیق بہت سے مصنفین نے کی ہے۔ کرشن رائے وجے مو (KIRSNARAYA VIJAYAMU.) میں درج ہے کہ کرشن دیورائے نے اپنے شمالی پڑوسیوں کی سلطنتوں میں اپنے جاسوس بھیجے تاکہ ان کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اور وہ ان کی سرگرمیوں سے متعلق نہایت اہم خبریں لے کر واپس ہوئے۔ رائے واشکمو کے مطابق یہ جاسوس جنھیں کرشن دیورائے نے بھیجا تھا، دشمنوں کی طاقت وقوت اور ان مظالم کی خبریں لائے جو انھوں نے کرشن کی مملکت میں ڈھائے

Marfat.com

تھے[195]، ہندو فوجوں کے کوچ کا حال بیان کرتے ہوئے نونیز چند جاسوسوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کی حیثیت اسکاوٹ کی سی تھی اور جنھیں فوجوں کی پیش قدمی کی سمت کے علاقوں سے جاسوسی کرنی پڑتی تھی اور وہ فوج سے تین یا چار فرسخ آگے آگے چلتے تھے[196]۔

قدیم اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ پڑوس کی غیر جانبدار ریاستوں کو اعلان جنگ کی اطلاع دے دی جاتی تھی۔ وجے نگر کے حکمراں بھی اس دستور پر عمل پیرا تھے۔ اس کی واقفیت ہمیں کرشن دیو رائے کی جنگ سے متعلق پالیسی سے ہوئی ہے۔ نونیز کے مطابق اس نے شمال کے مسلم سلاطین کو ان حالات سے آگاہ کیا جو اس کے اور بیجاپور کے سلطان کے درمیان پیش آئے تھے نیز یہ کہ اس نے اس سے جنگ کا فیصلہ کیوں کیا۔ اس کا ان لوگوں نے جواب دیا جس میں اس کے رویہ کو درست قرار دیا اور حتی الامکان اس کی مدد کا وعدہ کیا[197]۔ نونیز خود ان اسباب کا تجزیہ کرتا ہے کہ کرشن دیو رائے نے ایسا کیوں کیا اور کہتا۔ "بادشاہ نے اپنی عیاری کی بنا پر انھیں خطوط لکھے تھے اس لیے کہ اس نے انھیں یہ تبلایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ انھیں اپنی طرف ملا سکے۔ کم از کم جہاں تک ان کی نیک خواہشات کا تعلق تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فوجوں کے سلسلے میں اسے ان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ اگر وہ یدلکاؤ (عادل شاہ ؟ YDALLCAO) سے جا ملے تو دربادشاہ) نے جو فتح حاصل کی تھی، اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتا[198]۔"

سفارتی نمائندوں کو جب کبھی ضرورت پیش آجاتی غیر ملکی درباروں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کا تقرر غیر ملکی درباروں میں "ایک مخصوص نوعیت کے ایک خاص کام" کو انجام دینے کے لیے کیا جاتا تھا۔ سفیروں کو کسی ایک دربار کی جانب سے مستقل طور پر ایک دوسرے دربار میں بھیجے جانے کا طریقہ موجودہ دور کی پیداوار ہے اور یہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں غیر معروف تھا[199]۔ سفیر کا عہدہ اگرچہ عارضی ہوا کرتا تھا لیکن انتہائی اہم ذمہ داریوں کا حامل تھا۔ اعلان جنگ اور اس کی اطلاع نیز امن کا فیصلہ یہ تمام باتیں انھیں سفارتی نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھیں۔

یہ سفراء جہاں بھی جاتے، ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی اس لیے کہ وہ اپنے اپنے بادشاہوں کے معتمد نمائندے ہوتے تھے۔ کرشن دیو رائے بالکل صحیح کہتا ہے کہ "ایک دشمن بادشاہ کی دوستی اس کے سفیر کی عزت افزائی کر کے اور اسے انعامات دے کر حاصل کی جاسکتی

Marfat.com

ہیتے ۲۰۱ اور بے عزتی کا سلوک جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اگر فرشتہ پر یقین کر لیا جائے تو جب محمد شاہ نے وجے نگر کے خزانے سے ایک مطالبہ کے ساتھ بکاروں کے دربار میں اپنا ایک سفیر بھیجا، تو اسے ایک گدھے کی پشت پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا گیا اور ہر طرح کے تمسخر اور حقارت کے ساتھ اسے واپس بھیجدیا گیا چنانچہ یہ بات جنگ کا موجب بنی۔ لیکن کرشن دیورائے عام طور پر اپنے مقولہ پر ہی عمل کرتا تھا۔ اس نے ان قاصدوں کو بھی بہت سے تحائف دیئے جو برار، بیدر اور گولکنڈہ کے سلاطین کے وہ خطوط لائے تھے جن میں انھوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ بیجاپور کے عادل شاہ کی مدد کریں گے تاکہ وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لے لے الّا یہ کہ کرشن دیورائے خود اپنی مرضی سے انھیں واپس دے دے ۲۰۲۔ کرشن دیورائے کے مطابق ایک سفیر کے ساتھ بے تکلف گفتگو ضروری تھی اور وہ کہتا ہے

"ایک بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دربار میں پڑوسی ریاستوں کے بادشاہوں کے سفراء سے آزادانہ طور پر تبادلہ خیال کرے اور نظم و نسق اور جنگ کے بارے میں ان سے گفتگو کرے تاکہ اس کے ساتھی اس کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکیں ۲۰۳"

سفیر ہمیشہ ایک نہایت معزز شخص ہوتا تھا۔ اس کی اہمیت اس کے مشن کی اہمیت کے ساتھ ہی بڑھ جاتی تھی۔ مثال کے طور پر بیجاپور کا سفیر جو وجے نگر کے بادشاہ کے پاس ایک نہایت اہم پیغام لے کر آیا تھا، اپنے ان تمام آدمیوں کے ساتھ آیا تھا جن کے ساتھ ان کے بگل اور نقارے بھی تھے ۲۰۴۔ اسے ہندو بادشاہوں نے کچھ تحائف بھی دیئے۔ جب عبدالرزاق دیورائے دوم کے دربار میں آیا تو اسے فنم (FANAMS.) کی کئی تھیلیاں اور وہ پان دیا گیا جو بادشاہ کے استعمال کے لیے مخصوص تھا ۲۰۵۔

وجے نگر کے بادشاہ غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ان کے درباروں میں سفیر بھیجتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد یا تو ان سے ربط پیدا کرنا ہوتا تھا یا پرانی دوستی کو تازہ یا مضبوط کرنا۔ ۱۳۷۴ء میں بکا اول نے چین کے منگ (MING.) بادشاہ تیتسو (TAILSU.) کے دربار میں اپنے شارح اعلیٰ (CHIEF EXPLAINOR.) کی قیادت میں نذرانوں اور بڑے بڑے تحائف کے ساتھ ایک دوستانہ سفارت بھیجی تھی۔ ان تحائف میں ایک ایسا پتھر بھی شامل تھا جس میں زہر کے اثر کو ختم کر دینے کی خاصیت تھی ۲۰۶۔ لیکن اس سفارت کے مقصد کا معلوم کرنا مشکل ہے حتیٰ کہ سفیر کا نام بتانا بھی مشکل ہے۔ ایرانی سفیر عبدالرزاق ۱۳۴۳ء

Marfat.com

میں وجے نگر آیا تھا۔ اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنے بادشاہوں کے تعارفی خطوط نہیں ہوا کرتے تھے ان کے ساتھ زیادہ عزت واحترام کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا تھا، گو خود عبدالرزاق کو بادشاہ کی خاصی توجہ حاصل رہی اس لیے کہ اس نے اسے اپنے یہاں کالی کٹ کے سمیری (SUMERI.) دربار سے بلایا تھا جن کے نام تنہا وہ تعارفی خط لایا تھا دیورائے کے دربار میں یہ خبر پھیل گئی کہ وہ ایران کے بادشاہ کا روانہ کردہ سفیر نہ تھا[207]۔ لہٰذا دیورائے دوم نے ایرانی بادشاہ شاہ رخ کے پاس ایک سفیر بھیجا جس کے ہمراہ تحائف وسوغات کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ "ہماری خواہش تھی کہ ہم آپ جلالت الملک کی خدمت میں شاہی تحائف ہدایا کے ساتھ اپنے نیک خواہشات بھیجیں لیکن بعض لوگوں نے بتایا کہ عبدالرزاق ملک معظم کا ملازم نہیں ہے[208]۔

یہ پرتگالیوں سے دوستی قائم رکھنے کی خواہش تھی جس کی بنا پر ہی وجے نگر کے بادشاہوں نے گوا میں مقیم ان کے وائسرایوں کے دربار میں اپنے سفرا بھیجے۔ ان کے لیے ان کی دوستی کی اہمیت کے دو اسباب تھے ایک تو یہ کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کی پوری اجارہ داری حاصل کر سکتے تھے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جنگوں میں ان کا تعاون تھا۔ 1511ء میں کرشن دیو رائے نے پرتگالی دربار میں اپنا سفیر بھیجا تھا "تاکہ پرتگال کے بادشاہ کے ساتھ مستقل دوستی قائم کی جاسکے"۔ اس کے جواب میں پرتگال کے بادشاہ نے بھی، جو خود بھی وجے نگر کے ساتھ دوستی کا خواہاں تھا، ایک سفیر بھیجا[209]۔ 1601ء میں وینکٹ دوم نے نئے پرتگالی وائسرائے آیرس ڈی سلادنا (SALADANA) کے پاس اپنے سفرا بھیجے۔ اس سفارت کا مقصد بادشاہ کی "یہ خواہش تھی کہ وہ پرتگال کے بادشاہ کا "شریک جنگ (BROTH IN ARMS) (حلیف) بن جائے"۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اکبر کے ممکنہ منصوبوں کے خلاف جو جنوبی ہندوستان کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اپنی پوزیشن مستحکم کرنا چاہتا تھا[210]۔ بادشاہ نے پھر اسی خواہش کی بنا پر کہ وہ برطانیہ کے ساتھ دوستی قائم کر سکے۔ مسولی پٹم میں مقیم انگریزی تاجروں کے پاس ایک سفیر بھیجا جس کے پاس سونے کے پتر پر لکھا ہوا ایک خط تھا جس میں اس نے اپنی گذشتہ غلطیوں کی معذرت چاہی تھی اور انھیں اجازت دی تھی کہ وہ پولی کٹ (PULICAT) میں ایک مکان تعمیر کر لیں[211]۔

Marfat.com

حواشی

باب پنجم

سے1 ملاحظہ ہو THE MAURYAN POLITY (V.R. R. DIKSHITAR) ص 190 از وی، آر، آر، دکشی تر۔

سے2 THE RISE از برگس (BRIGGS) 2 ص 314۔

سے3 INDIA از میجر (MAJOR) ص 6، سیول (SEWELL) ح،س،ص 82

سے4 ایلیٹ (ELLIOT) ح،س،4،ص 105۔

سے5 ملاحظہ ہو سیول، ح،س،ص 105۔

سے6 VARTHEMA، از جونس (JONES) ص 126، سیول، ح،س،ص 118

سے7 باربوسا (BARBOSA) جلد 1، ص ص 209 - 210۔

سے8 سیول، ح،س،ص 279۔

سے9 ایضاً ص 280۔

سے10 ایضاً ص 147 اور 326 - 327۔

سے11 گھتم (GHATTANA) کی اصطلاح سے مراد، جو سنکرت لفظ گھت (GHATE) کا مماثل ہے۔ جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ ہے۔ رائے واک کو کے مطابق ایک گھتم دس ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس طرح کرشن دیو رائے کی فوج میں تقریباً 1200 ہاتھی تھے۔

سے12 سورسیز (SOURCES) از ایس، کے، اینگر، ص 113۔

سے13 ایضاً ص 151۔

سے14 THE RISE، از برگس (BRIGGS) 3، ص 247۔

سے15 ایضاً ص 414۔

Marfat.com

سنہ 16 COUTO ، 8 ص 89 ، FARIAY SOUSA ، ج 2 ، ص 432 - ہراس
HERAS نے اپنی ARAVIDU DYNASTY ، ج 1 ، ص ص 200
201 میں حوالہ دیا ہے۔

سنہ 17 سیول ، ح ، س ، ص 381۔

سنہ 18 ملاحظہ ہو SCENES AND CHARACTERS FROM INDIAN HISTORY از سی ، ایچ پاین
(C.H. PAYNE) ، ص ص 156 اور 57 اور حواشی۔

سنہ 19 باربوسا ، 1 ، ص 212۔

سنہ 20 ایضاً ، ص 212۔

سنہ 21 سیول ، ح ، س ، ص 327۔

سنہ 22 سیول ، ح ، س ، ص 373۔

سنہ 23 ایضاً ، ص ص 384-389۔

سنہ 24 ایضاً ، ص ص 326-327۔

سنہ 25 ایضاً ، ص 385۔

سنہ 26 ایضاً۔

سنہ 27 ARMY OF THE MUGHALS ، ص 57۔

سنہ 28 امرم (AMARAM) سے مراد وہ زمین یا محاصل ہے جو ایک سردار فوجی خدمت
کے عوض اپنے ملازمین دیتا تھا۔ (TAMIL LEXICON) جلد 1 ، ص 102۔

سنہ 29 ولسن کا خیال ہے کہ ایک امرم کا ہر مالک ایک ہزار پیادوں کا کمانڈر ہوتا تھا۔ INDIAN)
GLOSSARY ، ص 21)

سنہ 30 ایک دستاویز میں کرشن دیورائے کے ایک دلوائے کا تذکرہ ملتا ہے جس اتھلا (STHALA)
میں واقع چند اراضیوں کا اپنے امراپدیا نایکتن (AMAR PADEYANA YAKATAN)
مالک تھا (ایپی گرافیا کرناٹیکا ، 5 ، HASSAN 13) اس اصطلاح کے لغوی معنیٰ خود اپنی
امرا فوج کے نایک کے ہیں۔

سنہ 31 انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 743۔

Marfat.com

32ھ سیول، ح، س، ص 374۔

33ھ ایضاً۔

34ھ ایضاً، ص 327۔

35ھ ایضاً، ص ص 371-372۔

36ھ JOURNAL OF INDIAN HISTORY، ص 288۔

37ھ اس ضمن میں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض اعتبار سے یہ سوار اور بادشاہ کے خدمت گذار مغل دربار کے امراء سے بھی کچھ مماثلت رکھتے تھے۔ برنیر (BERNIER) امراء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "دربار کا ہر امیر ایک خاص جرمانے کے تحت اس بات کا پابند تھا کہ وہ بادشاہ کی تعظیم بجالانے کے لیے دن میں دو بار دربار میں حاضر ہو، صبح دس یا گیارہ بجے، جب بادشاہ عدل گستری کے لیے وہاں بیٹھتا تھا اور شام کو چھ بجے۔ ہر امراء کو باری باری ہفتہ میں ایک مرتبہ چوبیس گھنٹے کے لیے قلعہ میں چوکیداری بھی کرنی پڑتی تھی۔

38ھ سیول، ح، س، ص 374۔

39ھ ایضاً، ص 374۔

40ھ آمکتا۔ کھنڈ ۴۰ اشلوک 261 اور 255۔

41ھ ایضاً، اشلوک 207 اور 217۔

42ھ 1906 کا 47، رپورٹ 1907، پیراگراف 59۔

43ھ باربوسا، 1، ص 212۔

44ھ سیول، ح، س، ص 277۔

45ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، سورب (SORAB) 375۔

46ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، ص 33۔

47ھ ابن بطوطہ، دی براڈوے ٹریولرس (THE BROADWAY TRAVELLERS) ایڈیشن ص 231۔

48ھ شکرا کہتا ہے "بادشاہ کو چاہیے کہ وہ ١٠ اپنے پیادوں کو سواروں کی تعداد کے مقابلہ میں چار گنا، بیلوں کو اپنے گھوڑوں کی تعداد کا $\frac{1}{5}$ اونٹوں کو $\frac{1}{8}$ ہاتھیوں کو اونٹوں کی تعداد کا $\frac{1}{4}$، جنگی رتھوں کو ہاتھیوں کی تعداد کا نصف اور توپیں رتھوں کی تعداد سے دوگنی تعداد میں رکھے۔" (شکرا نیتی (SUKRANITI)

Marfat.com

۴،۷،۱، ۴۱، ص 128 — SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN THE VIJAYA (
NAGAR EMPIRE.) ، (420 ،ص 128) لیکن تعجب ہے کہ شکراسات کا
تذکرہ کرتا ہے نہ کہ چھ کا۔ سیلٹور یہ خیال پیش کرکے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے "لیکن حقیقتاً شکرا ان دو حصوں کو قانونی جواز دے رہا ہے جن کا تذکرہ کوٹلیہ نے امدادی فوج کی حیثیت سے پہلے ہی کیا تھا۔ بیل اور اونٹ، اور اس نے ایک نئی چیز توپ خانہ کا اضافہ کر دیا جو ارتھ شاستر کے زمانہ میں نامعلوم تھا (ایضاً، ۱، ص 420)۔

۴۹ ؎ SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VIJAYANAGAR EMPIRE. ، ۱، ص 421۔

۵۰ ؎ نیلورانسکرپشنز، ۱، ص ص ۴ اور 7۔

۵۱ ؎ کھنڈ ۴، اشلوک 27۔

۵۲ ؎ ملاحظہ ہو سیلٹور، ح، س، ص ص 18-417۔

۵۳ ؎ سیول، ح، س، ص 33۔

۵۴ ؎ ارتھ شاستر، باب 2۔

۵۵ ؎ THE RISE از برگس (BRIGGS) ، 3، ص 137۔

۵۶ ؎ سیول، ح، س، ص 277۔

۵۷ ؎ ملاحظہ ہو سیول، ایضاً، ص 277 اور 2، جہاں وہ کہتا ہے "میں نے بہت سے موقعوں پر وجے نگر اور اس کے قرب وجوار میں لوگوں کی جماعتوں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھا ہے جن کی وضع قطع کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا تھا وہ روایتی ہے۔ وہ ایسے موٹے چھوٹے چغے اور پتلی مہری کے اونچے سوتی پائجامے پہنتے تھے جن کے رنگ گہرے سرخ بادامی ہوتے تھے جو صحرا کے کاموں کے لیے نہایت موزوں تھے لیکن وہ ہمارے انگریزی خاکی رنگ سے کچھ زیادہ گہرے رنگ کے ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے سنجیدہ لہجے میں مجھے بتایا کہ یہ رنگ بڑی حد تک زخموں سے رسنے والے خون کے دھبوں کو چھپا لیتا تھا۔"

۵۸ ؎ ایضاً، ص 277۔

۵۹ ؎ ایضاً، ص ص ۳۰۴ اور 328۔

۶۰ ؎ مدھوراوجیم، کھنڈ 6، اشلوک 22 اور ۲۴۔

Marfat.com

61ھ سیول، ح، س، ص 328 ۔

62ھ 1910ء کا 179۔

63ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، سورب 191۔

64ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 3، دیباچہ ص 34۔

65ھ آمکتا، کھنڈ 1، اشلوک 42۔

66ھ فرشتہ، از اسکوٹ، ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص 72۔

67ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 262۔

68ھ ایضاً، اشلوک 238۔

69ھ سیول، ح، س، ص ص 381 — 382

70ھ ایضاً، ص 307 پانڈے سلطنت (PANDAYAN KINGDOM) کے متعلق مارکوپولو (MARCAPOLO) کے اس طرح کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو — (THE PANDAYAN KINGDOM)، از کے، اے، نیل کانت شاستری (K. A. NIL KANT SASTRI) ص ص 192-193۔

71ھ ڈیمس کے اندازے کے مطابق تقریباً 2325 تا 3375 روپے تک، باربوسا، 1، ص 210۔

72ھ سیول، ح، س، ص 361 اور حاشیہ 2۔

73ھ ایضاً، ص 381۔

74ھ باربوسا، ص 210۔

75ھ سیول، ح، س، ص 381۔

76ھ باربوسا، 1، ص ص 210-211۔

77ھ سیول، ح، س، ص ص 275-277 گدے دار جبوں کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً ص 276۔

78ھ ایلیٹ، ح، س، 4، ص 105۔

79ھ انڈیا از میجر (MAJOR) ص 12۔

80ھ ایضاً، ص 51۔

81ھ سیول، ح، س، ص 328۔

82ھ ایضاً، ص 277۔

Marfat.com

83ھ " THE RISE "، ازبرگس (BRIGGS) 2، ص 312۔

84ھ ایضاً۔

85ھ شکر، 4، 2، اشلوک 60-63، سلیٹور، ح، س، ا، ص 431۔

86ھ اپیی گرافیا کرناٹیکا 68۔

متن کی عبارت یوں ہے۔ " (MADDINA SEVA YUM NADASITTUDA.)

ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو، جو دواؤں کی خدمت پر مامور تھا" یعنی" جو اپنے پیشہ میں ایک طبیب تھا"

87ھ سیول، ح، س، 328۔

88ھ کھنڈ 4، اشلوک 264۔

89ھ باربوسا، ا، ص 224۔

90ھ سیول، ح، س، ص ص 324-325۔

91ھ SOURCES ، از ایس، کے، اینگر، ص 91۔

92ھ ایضاً، ص 111، کرشن رائے کے استقبال کے حوالے کے لیے ص 130 بھی ملاحظہ ہو۔

93ھ ایضاً ص 111۔

94ھ سیول، ح، س، ص 328

95ھ ایضاً، ص 326، ساہتیہ رتناکرم SAHITYARATNA KARAM ، کھنڈ 14، ا، اشلوک 30-34۔

96ھ باربوسا، ا، ص 224۔

97ھ ایضاً، ص ص 227-228۔

98ھ سیول، ح، س، ص ص 332-334۔

99ھ ایضاً، ص ص 328-329۔

100ھ تیرو ملائی تیروپتی دیوستھنم انسکرپشنس- (TIRUMALAI TIRUPATI DEVAS DEVASTHANAM- INSCRIPTION.) ، ا، نمبر 236۔

101ھ سیول، ح، س، ص 336۔

102ھ ARAVIDU DYNASTY. ، از ہرس، ا، ص 204۔

Marfat.com

103. SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 102۔

104. رائس کے مطابق 1403ء کے ایک کتبہ میں لڑائی کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ملتا ہے جیسے سام برانی (SAMBRANI) کہا جاتا تھا اس میں درج ہے کہ ہانایک اچاریہ نے ایک لڑائی کا نظارہ کرنے کے لیے بایاں پیر آگے بڑھایا اور دایاں پیر سام برانی طریقے پر رکھا لیکن نگر جونا کوٹ (NAGAR JUNAKOTE.) کی ایک جنگ میں سینیا نامی ایک شخص اپنے مالک کے سامنے کندا بوا (CANDA BOVA) سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور دیوتاؤں کی دنیا اور دیوتاؤں کے قدموں میں پہونچ گیا۔ کتبہ میں مستعمل واقعی الفاظ یہ ہیں — YEDADA KALA SACIBALADA KALA SAMBRANI RANA. لیکن کناڑا کے متن میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ رائس نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ کناڑا کے متن میں سومبرانی رانا SUAMBRANI RANA. کا لفظ ہے اور لفظ "فیشن" FASHION کے اضافہ کی کوئی جواز نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا حوالہ دیا گیا ہے جو غالباً سومبرانی نام کے ایک مقام پر لڑی گئی تھی۔ (ملاحظہ ہو ایپی گرافیا کرناٹیکا (EPIGRAPHIA CARNATICA.) 11، 42

105. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1925، نمبر 111، لیکن نرسمہا کے عہد سے قبل بھی سالووا لوگوں کا خطاب کتھاری ہوتا تھا۔

106. کھنڈ 4، اشلوک 77-82۔

107. ربوسا، 1، ص 225۔

108. ایضاً، ص 225 حاشیہ۔

109. پدوکوتائی ریاست میں کیرانور (KIRANUR.) مقام سے دستیاب مورخہ 38-1537 کی ایک دستاویز میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک بددعا درج ہے از سیتم برم پر خدا کی لعنت ہو اس کے ان گناہوں کی وجہ سے جو اس نے گھاس پھوس سے بنی جھونپڑیوں کو جلا کر کیا ہے۔"
(சிகம்பரம் சிவாயி புன் ஒரு பிருக்கு வெஞ்சிலை நெரிப்பிட்ட பாவத்திலே போகக்கடவன்.)
(انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 744)۔ لیکن اس میں عارضی طور پر تعمیر کردہ فوجی کیمپوں کو نذر آتش کر دیئے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

Marfat.com

110۔ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 255۔

111۔ بربوسا، 1، ص 224۔

112۔ SOURCES. از ایس۔ کے۔ اینگر، ص ص 159 - 160۔

113۔ ایضاً، ص 112۔

114۔ THE RISE. از برگس، 2، ص 314۔

115۔ سیول، ر، س، ص ص 338 - 339۔

116۔ ARAVIDU DYNASTY، از ہراس (HEROS.)، 1، ص 208 HIS PILGRIMS. از سیزر فریڈرک، پرچاز (COESOR FREDERICK PURCHAS.) 9، ص 93۔

117۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 1، ص 167، 1903 کا 85۔

118۔ جرنل آف تیلگو اکاڈمی از رائے واشکو، 3، ص 30۔

119۔ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 256۔

120۔ سیول، ر، س، ص ص 243 - 244۔

121۔ انسکرپشن آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 690: یدائی پّرو کے جو معنی یہاں بتلائے گئے ہیں وہ مشکوک ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایک فوجی جاگیر MILITARY FIEB. سمجھی جائے۔ مصنف)۔

122۔ تراونکور آرکیولوجیکل سیریز TRAVANCORE ARCHACOLOGICAL SÈRIS. 5، ج 3، ص 205 ملاحظہ ہو۔

123۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 11، CHITALDRUG، 2۔

124۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MATUR، 1۔

125۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، CHANNARAYAPATNA، 160۔

126۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MATUR، 1۔

127۔ ایضاً، 4۔

128۔ اپی گرافیا کرناٹیکا، 11۔

129۔ 1921 کا 276۔

Marfat.com

130 1921 کا 276۔

131 سیول، ح، س، ص 237۔

132 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1924ء، نمبر 111۔

133 سیول، ح، س، ص ص 329-331 اور 343-344۔

134 ایضاً، ص 321۔

135 "SOURCES." از ایس، کے، اینگر، ص ص 114-115۔

136 "MYSORE GAZETT." از رائس، ا، ص 579، ایپگرافیا کرناٹیکا، 11، (JAGALUR.) 24، یہ اصطلاح دونوں لفظوں اسکندا (SKANDA) اور آچاریہ (ACARA.) سے مل کر بنا ہے جس کے معنی اسکندا، فوج کے دیوتا، یعنی جنگ کے دیوتا، کے عادات کے رواج یا طریقہ کے ہیں۔ کندا (KONDA.)، اسکندا کی پراکرت شکل ہے۔ رامائن ر 22-42، بھی ملاحظہ ہو جہاں ایک فوجی کیمپ کے معنی سید سکندھاوارا (SKANDHAVARA.) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

137 1889 کا 18۔

138 اپی گرافیا کرناٹیکا، 11۔

139 1924 کا 145، 1923 کا 309۔

140 اس مسئلہ کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو صفحات بالا 32-34۔

141 سیول، ح، س، ص 384۔

142 ایضاً، ص 283۔

143 1917 کا 33۔

144 ایلیٹ، ح، س، 4، ص 109۔

145 سیول، ح، س، ص 283۔

146 ایضاً، ص 381۔

147 باربوسا، ا، ص ص 210 اور 211۔

148 سیول، ح، س، ص 283۔

149 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1929 نمبر 11۔

Marfat.com

ﺍ۵۰ﻪ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 12، " TUMKUR. " ، 52 ـ

ﺍ۵۱ﻪ ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص ص 275 - 279 ـ

ﺍ۵۲ﻪ ایضاً، ص ص 378 - 379 ـ ﺍ۵۳ﻪ بربوسا، جلد ا، ص 224 ـ

ﺍ۵۴ﻪ ایپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۹، ص ص 133 - 134 ـ

ﺍ۵۵ﻪ ۱۹۱۹ کا 730 اور 731 ـ

ﺍ۵۶ﻪ فرشتہ از اسکوٹ (SCOTT.) ۱، ص 118، سیول، ح، س، ص 72 ـ

ﺍ۵۷ﻪ سیول، ح، س، ص ص 277 - 278 ـ

ﺍ۵۸ﻪ ایپی گرافیا کرناٹیکا 3 ، S.R. 15 ـ

ﺍ۵۹ﻪ ۱۹۰۴ کا 18 ـ

ﺍ۶۰ﻪ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۴، ص 231، اشلوک 64 - 68 ـ

ﺍ۶۱ﻪ " THE RISE. "، از برگس، 3، ص 381 ـ

ﺍ۶۲ﻪ " HIS PILGRIMS " ، از پرکاز، ۱۰، ص ص 92 - 93 ـ

ﺍ۶۳ﻪ " ARAVIDU DYNASTY. " ، از ہراس (HERAS) ، ۱، ص 212 حاشیہ

اور 2 THE ORIGIN, GROWTH AND DEETINS OF THE VIJAYANER EMPIRE.

از، سی، آر، کرشن مکارلو (KRISHNA MACHARLU.) بھی ملاحظہ ہو، (INDIAN -

ANTIQUARY) 52، ص ۱۱ ـ

ﺍ۶۴ﻪ فرشتہ از اسکوٹ، ا، ص 118، سیول، ح، س، ص 72 ـ

ﺍ۶۵ﻪ سیول، ح، س، ص 324 ـ

ﺍ۶۶ﻪ ایضاً، ص ص 324 - 325 ـ

ﺍ۶۷ﻪ باربوسا ۱۰، ص 225 ـ

ﺍ۶۸ﻪ سیول، ح، س، ص ص 301 - 302 ـ رائس ناوی یدھ پربھو (NAVIYADHAPRABHU.)
نامی ایک افسر کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے بحری فوج کا افسر اعلیٰ بتلاتا ہے۔
جس کتبہ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اس کی عبارت یہ ہے "شری مان ناوی یدپربھو منگلورو
ناگا گودرنگ شیٹی ادرا" (SRIMAN NAVIYADA PRABHU MANGATURU NAGA GAUDARA -
NAGA SETHI UDARA.)

Marfat.com

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ناوما کا پربھو منگلورو ناگا گودا کا بیٹا شتی اودرا (SATTI UDA - RA, SON OF MANGATURA NAGA GAUDA THE PRATHU OF NAVIYA.) یہاں ناویا (NAVIYA) کسی جگہ کا نام معلوم ہوتا ہے (ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، سورب (SORAB.) 468)۔

169ء ایلیٹ، ج، س، 4، ص 103۔

170ء HISTORICAL SKETEHES OF MYSORE. از وکس (WILKS.) ، 1، ص 13۔

171ء " THE RISE. "، از برگس، 2، ص ص 310 اور 316-319 ملاحظہ ہو۔

172ء ایضاً، ص ص 390-391 اور 402۔

173ء ایضاً، 3، ص ص 120-121، 239-243 اور 331۔

174ء INDIAN CUTTURE THE ROUGH THE AGES. از ایس، وی، وینکٹ ایشور (S.V. - VENKATES VARA.) ، 2، ص 172۔

175ء کھنڈ، 14، اشلوک 267۔

176ء سیول، ج، س، ص 320۔

177ء سیول، ج، س، ص ص 339-340۔

178ء ایضاً، ص ص 342-343۔

179ء میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 120۔

180ء ایضاً، 1923، نمبر 83۔

181ء ایپی گرافیا کرناٹیکا، 47، یلندور (YELANDUR.) ، 29۔

182ء 1928-29 کا 252۔

183ء 1928-29 کا 247۔

184ء " SOURCES. "، ایس، کے، اینگر، ص ص 31-32۔

185ء 1919 کا 267، رپورٹ، پیراگراف 37۔

186ء مدھوا وجیم، دیباچہ، ص 5۔

187ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 3، 6، ایضاً 5 بھی ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

188ء اپی گرافیا کرناٹیکا، 4، 3 اور 5 3 اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، - TIRUMALLADAL (NARSIPUR. ، 42 اور 73۔

189ء آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 286۔

190ء ایضاً، اشلوک 222 اور 225۔

191ء کھنڈ 4، اشلوک 265۔

192ء ایضاً، اشلوک 220۔

193ء ایضاً، اشلوک 279۔

194ء سورسیز (SOURCES.) از، ایس، کے، اینگر، ص 130۔

195ء ایضاً، ص 112۔

196ء سیول، ح، س، ص 328۔

197ء سیول، ح، س، ص ص 325-326۔

198ء ایضاً، ص ص 325-326۔

199ء "INTERNATIONAL LOW IN ANCIANT INDIA."۔
از: ایس، وی، وشو ناتھ، ص 64۔

200ء آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 225۔

201ء فرشتہ از، اسکوٹ (SCOTT.)، 1، ص 23، سیول، ح، س، ص ص 32-33

202ء سیول، ح، س، ص 349۔

203ء آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 259۔

204ء سیول، ح، س، ص 351۔

205ء ایلیٹ، ح، س، 4، ص 120، بیجاپور کے سفیر کو کرشن دیو رائے کے تحائف کے لیے ملاحظہ ہو سیول، ح، س، ص 352۔

206ء MEDIAEVAL RESEARCHES، از برٹز نانڈر (BRETSCHNEIDER.) جلد 2، ص 211، انڈین انٹی کوئری، جلد 40 ص 140۔

207ء ملاحظہ ہو ایلیٹ، ح، س، 4، ص ص 112-113، 120 اور 122۔

208ء ایضاً، ص 123۔

Marfat.com

ﮧ209 " STORIA. " از گجرناتس (GUBERNATIES.) ، ص 384 ، بحوالہ ARAVIDU DYNASTY ، از ہراس (HERAS) ، ا ، ص 58۔

ﮧ210 فادر فرانسسکو ریسیو (FR. FRONCESCO RICIO.) ، کا خط بنام فادر کلاو ڈیو اقویوا (FR. CLAUDIO AQUAVIVA) ، مورخہ چندر گیری 20 اکتوبر 1601 ملاحظہ ہو۔ ہراس ، ح ، س ، ا ، ص ص 582 - 583 اور 435۔

ﮧ211 HIS PILGRIMS ، از پرکاز ، 3 ، FLORIS. ، ص 336 - 337۔

Marfat.com

بابِ ششم

صوبائی حکومت

فصل اوّل

مملکت کی وسعت

جنوبی ہندوستان کی آخری عظیم ہندو مملکت وجے نگر، راجا راجا اوّل کے عہد سے لے کر کولوتنگا (KULOTTUNGA.) کے عہد تک کی چولا (CLOAS) مملکت کے علاوہ اپنے قبل کی تمام مملکتوں سے وسیع تر تھی۔ دیو رائے دوم کے عہد میں یہ مملکت تقریباً اپنے بام عروج پر پہونچ چکی تھی۔ موجودہ مدراس پریسیڈنسی کے مغربی ساحل اور انتہائی شمال مشرق کے چند علاقوں کو چھوڑ کر، پورا جنوبی ہندوستان اس کے زیر نگیں تھا۔ دیو رائے دوم کے عہد میں مملکت کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرزاق بیان کرتا ہے کہ یہ مملکت "سرندیپ کی سرحدوں سے لے کر گلبرگہ کی سرحدوں تک اور بنگال سے لے کر مالی بار (MALIBAR) تک، ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ بڑے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی[1]۔

شمال مغربی سمت میں مملکت 1391ء ہی میں گوا کی سرحدوں تک جا پہونچی تھی لسبن (LISBON) میں واقع ٹورڈو ٹومبو (TORRE DO TOMBO) کے دستاویزات میں پیتل کی تختی کی ایک سند کی نقل دستیاب ہوئی ہے جس میں درج ہے کہ 1391ء میں گوا کے سردار نے وجے نگر کے بادشاہ اور (اپنے) فرمانروا ویرہری یر (VIRA HERIER.) کے نام سے ایک عطیہ دیا تھا۔ شموگا ضلع میں واقع ہونولی (HONAVALI.) تعلقہ کی ایک دستاویز میں گوواپورور آدھیشور (GOVA PURAVARA DHISVARA.) (بہترین شہر گوا کے حاکم) کی حیثیت سے

Marfat.com

وترو سنت مادھورائے (VIRAVA SANTA MADHUVA RAYA.) نامی ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے[3]۔ چنانچہ اس طرح 1391ء ہی میں گوا وجے نگر کے زیرنگیں آچکا تھا۔ بکا اوّل کے بیٹے کمارکمپن نے جنوب میں مملکت وجے نگر کی توسیع کی۔ اس نے پدائی ویدو سلطنت کے حکمراں شمبو ورائے (SAMBUVA RAYA.) کو شکست دے کر اور جنوب میں مدورا سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ان علاقوں کو مملکت وجے نگر میں شامل کر لیا۔ 1385ء میں ہری ہر دوم کے بیٹے وترو پاکسا (VIRUPAKSA) نے جزیرہ سیلون پر قبضہ کر لیا اور پورے جنوبی ہندوستان میں مملکت کی توسیع کی[4]۔ جنوبی ہندوستان کے ان علاقوں کی فتح کے بعد مدورا کو ایک علیحدہ گورنر کا صدر مقام بنا دیا گیا اور مملکت کے اس حصے کے اس گورنر کو "جنوبی سمندر کے حاکم .. (HOBRL. OF)" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس عہدہ کا حامل پہلا گورنر لکنا ڈنڈنایک (LAKKANNA DA - NDNAYAKA.) تھا جو دیورائے دوم کا وزیر اعظم تھا[5]۔ چنگل پٹ ضلع میں واقع ونگر، مقام کے ایک کتبہ میں دیورائے کے سر اس بات کا سہرا باندھا گیا ہے کہ اس نے سیلون (ایلم تیرائی کنڈا JLAM TIRAI KANDA.) سے خراج وصول کیا تھا[6]۔ نونیز قطعی طور پر بیان کرتا ہے کہ دیورائے دوم نے نہ صرف یہ کہ سیلون سے خراج وصول کیا، بلکہ کولاؤ (COULLAO) (کوئلن QUILLON) ، پولی کیٹ (PULEACATE.) پولی کٹ (PULICAT) پیگو و (PEGUVU) اور تنکیری (TENNACARY) تیناسیرم (TENNASSERIM.) سے بھی[7]۔ لیکن مملکت کی قسمت میں بڑے مدوجزر آئے۔ جب مرکز میں کمزور بادشاہ ہوتے تو غیر ملکی حکمراں مثلاً گجپتی اور بہمنی سلاطین سلطنت وجے نگر پر چڑھائی کر دیتے اور اس کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیتے۔ سالوؤں کے زمانہ میں گجپتوں نے موجودہ نیلور ضلع کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تھا اور امتور (UMMATTUR) کے گنگا راجہ نے بغاوت کر دی تھی لہٰذا کرشن دیورائے نے بہت سے کھوئے ہوئے علاقوں کے دوبارہ حصول کے لیے اپنے آپ کو لگایا۔ امتور اس کے قبضہ میں آگیا، گجپتی کو شکست ہوئی اور بعد میں جو معاہدہ اس کے ساتھ ہوا اس کے مطابق دریائے کرشن کو وجے نگر مقبوضات اور گجپتی سلطنت کی درمیان سرحد قرار دیا گیا۔ جنوب کے ہندو بادشاہوں اور شمال کے بہمنی سلاطین کے درمیان متنازعہ کی جڑ رائچور پر قبضہ کر لیا گیا۔ کرشن دیورائے نے دور دراز کے ملک سیلون کی جانب بھی ایک مہم کی قیادت کی[8]۔ اس طرح مملکت اس کے زمانہ میں اپنی وسعت کی انتہا پر پہونچ گئی تھی۔

Marfat.com

کرشن دیورائے کے زمانہ میں مملکت کی وسعت کے متعلق پائز کہتا ہے "نرسمگا (NARSYNGA) کی اس سلطنت میں تین سو گراؤ (GRAOS) کا ساحل ہے اور ہر گراؤ تین میل (KEGU) کا ہوتا ہے جو پہاڑی سلسلہ سر (SERRA) کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے ۔ ۔ ۔ یہاں تک کہ آپ بلاگیٹ (بالا گھاٹ .BALLAGATE) اور چرماوڈل (CHARMAODEL) یعنی چولامنڈل (COLAMANDEL) پہونچ جاتے ہیں جو اسی سلطنت میں شامل ہیں۔ اور عرض میں یہ (مملکت) 6 ۷ اگراؤ ہے۔ ہر بڑا گراؤ ہماری ڈو فرسخ (PEIGU) کے برابر ہے۔ چنانچہ اس کے پاس چھ سو فرسخ کا ساحل ہے اور اس کے دوسری طرف تین سو اڑتالیس فرسخ ہے ۔ ۔ ۔ دوسری جانب بٹکلا (BATACALLA) (بھٹکل) سے لے کر اڑیہ (اڑیسہ) کی سلطنت تک۔

"اور یہ مملکت بنگال کی سرحد کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے اور دوسری جانب اڑیہ کی سلطنت کے ساتھ جو مشرق میں ہے اور دوسری جانب، شمال کی سمت میں دکن کی مملکت کے ساتھ ساتھ جو ان اراضیوں پر مشتمل ہے جو یدلکاؤ (عادل شاہ) کی ملکیت ہیں[9]۔

اچیوت کے عہد میں بھی مملکت جوں کی توں رہی۔ تیرووڈی (TIRUVADI) کے سلطنت کے توم بیسی نائکن (TUMBICCI NAYAKAN) کی بغاوت کو فرو کر دیا گیا ایک کتبہ میں درج ہے کہ اچیوت نے سیلون پر قبضہ کر لیا تھا[10]۔ نونیز بتلاتا ہے کہ سیلون، پیگو اور تنسیرم کے حکمراں بادشاہ کو خراج ادا کرتے تھے[11] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال میں اس نے اپنی مملکت کا ایک چھوٹا سا حصہ کھو دیا تھا۔ سدا شیو کے دور حکومت میں مملکت وجے نگر کی وسعت پہلے کی بہ نسبت زیادہ تھی۔ رام راج کم از کم بیجاپور اور گولکنڈہ کے سلاطین سے خراج وصول کرتا تھا، رکسس تنگڈی کی جنگ کے بعد بھی مملکت وجے نگر کی وسعت میں کمی نہیں آتی تھی گو اسے ایک دھچکا ضرور لگا۔

اس طرح اپنی عظمت و شوکت کے زمانہ عروج میں مملکت وجے نگر دریائے کرشن کے جنوب میں واقع پورے ہندوستان کو محیط تھی۔ لیکن مغربی ساحل پر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں موجود تھیں جو وجے نگر کے ماتحت نہ تھیں۔ بربوسا کہتا ہے کہ ان اونچے اونچے پہاڑوں کی وجہ سے جو مالابار کو اصل سرزمین سے جدا کرتے تھے، وجے نگر کے حکمراں ان (سلطنتوں) کو فتح نہ کر سکے[12]۔ اس طرح کالی کٹ وجے نگر کے زیر نگیں نہ تھا اور ۱۵۱۰ء میں اس مقام کے زیمورین (ZAMORIN) کے ہاتھوں البوقرق کی پسپائی کے بعد کرشن دیورائے نے

Marfat.com

کالی کٹ پر حملہ کرنا چاہا تھا اس لیے کہ پرتگالیوں! اور زیمورین کے درمیان تعلقات زیادہ خوشگوار نہ تھے[13]۔ عبدالرزاق بھی بتلاتا ہے کہ کالی کٹ کا سمیری (SUMERI) وجے نگر کا ماتحت نہ تھا لیکن اس کے ساتھ احترام سے پیش آتا تھا اور اس کی طاقت کی وجہ سے اس سے خائف رہتا تھا[14]۔ نونیز نے کالی کٹ کو جو وجے نگر کی باجگذاروں میں شامل کیا ہے اس سے ان کے درمیان عمومی قسم کے سفارتی تعلقات کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں ہوتا[15]۔

فصل دوم

مملکت کے حصّے

وجے نگر کے سلاطین نے اپنی وسیع وعریض مملکت کے انتظامی امور کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ انتظامیہ کو موثر بنانے کے لیے انھوں نے مملکت کو بہت سے صوبوں میں منقسم کر دیا تھا۔ جو عموماً راجیہ rajyas اور کبھی کبھی مبہم طور پر منڈلوں MANDALS کے ناموں سے معروف تھے۔ ہری ہراول اور بکا کے ابتدائی عہدوں میں بھی مملکت کے حصّوں کا تذکرہ کتبات میں ملتا ہے۔ مملکت کے مشرقی حصّے میں ادے گیری راجیہ تھا جس میں موجودہ نلور اور گودیا کے اضلاع شامل تھے[16]۔ اس سے کچھ مغرب میں بینو گونڈا راجیہ واقع تھا[17]۔ اس کے جنوب میں چندرگیری راجیہ تھا[18]۔ اس کے قریب ہی پدائی وید وسلطنت واقع تھی جو موجودہ شمالی آرکٹ اور چنگل پٹ اضلاع کے علاقوں پر مشتمل تھی[19]۔ تیرو ویدی راجیہ جس میں جنوبی آرکٹ، شمالی آرکٹ اور سالم اضلاع کے علاقے شامل تھے، پدائی وید وسلطنت کے جنوب میں واقع تھا[20]۔ وجے نگر کا ایک اور حصّہ مولووائی راجیہ (MULUVAYIRAJYA) تھا جس کا نام اس کے صدر مقام مول باگل (MULBAGAL) کے نام پر پڑا تھا اور وجے نگر کے زمانہ میں عام طور پر وائسرائے کا، جو بادشاہ کا سب سے بڑا لڑکا ہوا کرتا تھا، صدر مقام ہوتا تھا۔ اس میں موجودہ کولار، سالم، شمالی آرکٹ اور چتوڑ کے اضلاع کے حصّے شامل تھے[21]۔ موجودہ شموگا اور جنوبی کنارا کے کچھ علاقے اس میں شامل تھے جن کو شانتلیج ...۱ (۱،۰۰۰ SANTALIGE) کہا جاتا تھا[22]۔ اس سے کچھ اوپر آرگا (ARAGA) کا صوبہ تھا جس کا

Marfat.com

دارالسلطنت چندر گتی (CANDRAGUTTI.) یا گوتی (GUTTI) تھا اور شِنوگا اور شمالی کنارا کے اضلاع کے بیشتر حصّوں پر مشتمل تھا۔ مملکت وجے نگر کا ایک دوسرا صوبہ تولووا (TULUVA) تھا اور اس کا دارالسلطنت منگلور تھا۔[23] اگرچہ چودھویں صدی کے نصف آخر میں مملکت کے اصل حصّے یہی تھے، لیکن یہ ممکن ہے کہ مملکت کی تیزی کے ساتھ وسعت اور استحکام کی وجہ سے اس میں چند اور حصّوں کا اضافہ ہو گیا۔

پھر ان صوبوں کو بھی اضلاع، تعلقوں اور گاؤں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تقسیم کا پتہ ہمیں کتبات سے چلتا ہے لیکن ان میں مختلف مقاصد کے لیے مختلف تقسیموں کا تذکرہ ملتا ہے اور چونکہ ان میں سے بیشتر کا ذکر بلا کسی تسلسل و ترتیب کے ایک ہی کتبہ میں ہے اس لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کسی خاص نام سے کون تقسیم مراد ہے۔ جن تقسیموں کا تذکرہ کتبات میں ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ ولنادو (VLANADU)، کوٹم (KOTTAM)، پٹکا (PATYAKA)، وسیا (VISAYA)، نرورتی (NIRVRTTI)، ونتھے (VENTTE)، نادو (NADU)، شیمے (SIME)، کھروتم (KHARVATAM)، استھلم (STHALAM)، پرو (PARRU)، ایمبادین (AIMBADIN)، میلاگرام (MELAGRAM)، کاوری (CAVADI) وغیرہ وغیرہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ کون رتور (KUNVATTUR) نامی ایک گاؤں جین گونداچولا منڈلم (JAYANGONDA COLAMANDALAM) میں واقع پدائی ویدو راجیہ کے ایک ضلع آمور کوتم (AMUR KOTTAM) کے ایک سب ڈویژن موگندور نادو (MUGANDURNADU) میں تیرو کلو کونراپرو (TIRUKKALU KKUNRA PERRU) کے پیروم باکا شیرمائی (PERUMBAKKSIRMAI) مقام میں واقع تھا۔[24] جبکہ دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ چند گاؤں مگدائی منڈلم (MAGADAIMANDALAM) میں واقع میکن راول نادو (MEYKUNRA - VAL NAIDU) کے ایک ضلع کورکائی کورم (KORUKKAI KURRAM) کے ایک سب ڈویژن ولودیلم بٹوکاودی (VALUDILAM SATTUCCAVADI) کے مودیانورپرو (MUDIYNURPARRU) میں واقع تھے۔ کتبہ کے شروع میں درج ہے کہ یہ مگدائی منڈلم میں واقع تیرو ودی راجیم کے دریائے پنّار (PENNAR) کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔[25] گوڈیا ضلع میں واقع اپرلی مقام کے ایک کتبہ کے مطابق کہا جاتا ہے کہ کنتوری شیمے (CIRU - URSIME) اور پوٹلادرتی (POTLADARTI) شیمے کو مولک نادو (MULIKANADU) میں

میں شامل کر لیا گیا تھا جو گندی کوٹا شیمے (GANDIKOTA SIME) کا ایک سب ڈویژن تھا اور ادے گیری راجیہ کا ایک حصہ تھا[26]۔ یہاں ہمیں ایک شیمے میں ایک شیمے کا ذکر ملتا ہے۔ کولار ضلع کے سدلا گھٹا (SIDLAGHATTA.) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ ارمن استھلا (ARAMANASTHALA) میں واقع کمن ہلی (KAMANAHALLI) کا گاؤں کولالا (KOLALA) شیمے میں واقع تھا جو بیلوکاودی (BELURCAVADI) سے ملحق تھا[27]۔ دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ کودمبلی شیمے (KODAMBALLI SIME) ، پوشانا ناد (POYSANA NAD) میں واقع چناپٹن (CANNAPATNA) سے ملحق تھا[28]۔

اس طرح یہ حقیقت کہ یہ تقسیمیں کسی طرح ترتیب کے ساتھ درج نہیں ہیں یہ ناگزیر بنا دیتی ہے کہ تحقیق کی جائے کہ ان میں سے ہر ایک سے کیا مراد ہے۔ ان تقسیموں میں سب سے پہلے تحقیق کی مستحق منڈلم ہے۔ چند منڈلم یہ ہیں۔ جین گوند شولا منڈلم (JAYAINGON - DA SOLA MANDOLAM) ، نگاریلی شولا منڈلم (NIGARILI SOLAMANDALAM) ، توندائی منڈلم (TONDAIMANDALAM) ، مگدائی منڈلم (NAGADAIMANDOLAM) اور چولا منڈلم (COLAMANDOLAM) ابتداً یہ پھولاؤں کے عہد کی سیاسی تقسیمیں تھیں جنھیں بعد میں بھی اسی نام سے پکارا جاتا رہا اگرچہ یہ باضابطہ سیاسی تقسیمیں نہیں رہ گئی تھیں۔ وسعت کے اعتبار سے منڈلم ایک راجیہ کے مقابلہ میں، جو مملکت وجے نگر کی باضابطہ تقسیم تھی، زیادہ بڑا ہوتا تھا اگرچہ ایسے کتبات موجود ہیں جن میں ان راجیاؤں میں گورنروں کی موجودگی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن وجے نگر کے زمانہ کا ایک کتبہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں اس کا تذکرہ ہو کہ کوئی حاکم یا گورنر کسی منڈلم کا انچارج ہوتا تھا۔ کسی خاص ضلع یا مقام کا اس طور پر تذکرہ کہ وہ کسی خاص منڈلم میں واقع تھا، اتنا روایتی اور قدیم تھا کہ وجے نگر کے زمانہ میں اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ اور اسی ضمن یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ دور میں بھی جنوبی ہندوستان میں ان منڈلموں کا تذکرہ ملتا ہے اگرچہ موجودہ دور کی سیاسی تقسیم سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

منڈلم کے بعد راجیہ آتا ہے جو مملکت وجے نگر کی سب سے بڑی سیاسی تقسیم تھی۔ مملکت کی راجیوں میں تقسیم حکومت کے کسی سوچے سمجھے اور سائنٹیفک اصول سے زیادہ تاریخی واقعات اور مقامی خصوصیات پر مبنی تھی۔ پدائی ویدو کی سلطنت جو سردار شمبو ورائے سے حاصل کی گئی تھی، وجے نگر کے بادشاہوں نے اسے ایک صوبے کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ سلطنت مدورا کی

Marfat.com

فتح کے بعد مدورا کو ایک نئے گورنر کا صدر مقام بنا دیا گیا۔ تیرو ویدی راجیہ کو جو چولا مملکت کے کھنڈرات سے نمودار ہوئی تھی، ایک صوبہ قرار دے دیا گیا اس طرح کی تقسیمیں، جو تاریخی واقعات کی بنیاد پر عمل میں آئی تھیں، رقبے میں مساوی نہیں ہو سکتی تھیں جب راجیہ رقبہ میں بڑا ہوتا یا بعض وجوہ کی بنا پر کسی خاص اہمیت کا حامل ہوتا تو اسے شاید مہاراجیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا چندر گیری، پدائی ویدو اور آرگا، مہاراجیہ تھے[29]۔ مہاراجیہ اور راجیہ کا مقابلہ ان چھوٹے اور بڑے صوبوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں آج برطانوی ہندوستان منقسم ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنارا کے اضلاع میں پتھیکا (PITHIKA) (تخت شاہی) نامی ایک حصہ (بھی) تھا۔ اگر قیاس کی گنجائش ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ راجیہ کا ایک دوسرا نام یہ بھی تھا[30]۔ بظاہر مملکت میں راجیاؤں کی تعداد وقت کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند کی تشکیل انتظام حکومت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کی گئی تھی اسی طرح ان میں سے بعض کی اہمیت کم ہو جاتی تھی جیسے مثال کے طور پر 1529ء میں گتی (GUTTI) جو کرشن دیو رائے کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں ایک راجیہ تھا اس کا ذکر پینو گوندا راجیہ (PENUGONDA RAJYA) کے ایک سب ڈویژن کی حیثیت سے کیا گیا ہے[32]۔

تامل کے علاقہ میں راجیہ پھر اضلاع میں منقسم تھے جنھیں کوتم (KOTTAMS) کہا جاتا تھا اور کبھی کبھی کورم (KURRAM) کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ لیکن مملکت کے بعض حصوں میں کورم سے اوپر ولنا دو (VALANADU) نامی ایک اور تقسیم تھی۔ کوتم، نادوؤں میں منقسم ہوتے تھے جن کا مقابلہ موجودہ دور کے تعلقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان نادوؤں کے دیہی علاقوں کو پرو کہا جاتا تھا۔ لیکن ان اصطلاح کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہے اس لیے کہ اس کا استعمال بظاہر مختلف معنوں میں کیا جاتا تھا۔ تیرو ملائی کے ایک کتبہ کے مطابق شمبو کولپیرومال اگراہارم (SAMBU KULAPPERUMAL AGRAHARAM) یا راجہ گمبھیرا چتورویدی منگلم (RAJA GAMBHIRA CATURVEDI MAINGOLAM.) کا گاؤں جین گوند شولا منڈلم میں واقع پلاکونرا کوتم (PALAKUNRA KOTTAM) کے منڈائی کول نادو (MANDAIKULANADU) مقام میں واقع مورو منگل پرو (MURUMAINGOLAPARRU) میں واقع تھا[34] جب کہ دوسرے کتبے کے مطابق ایک مخصوص چتورویدی منگلم ایک ایسے نادو میں واقع بتایا گیا ہے جو ایک پرو یا ضلع میں تھا جو اسی جین گوندا شولا منڈلم میں واقع

Marfat.com

ایک کوتم کا ایک ڈویزن تھا۔[35] اس طرح ایک کتبہ کے مطابق کوتم کے ڈویزن نادو سے نیچے ایک اور ڈویزن تھا جسے پرو کہا جاتا تھا جبکہ دوسرے کتبہ کے مطابق پرو ایک ایسا ڈویزن تھا جو نادو سے بڑا لیکن کوتم سے چھوٹا ہوتا تھا۔ ان ڈویزنوں کی ترتیب کی اس ردوبدل سے ہمیں شبہ ہے کہ پرو کی اصطلاح سے واقعی کوئی سیاسی تقسیم مراد تھی۔ ممکن ہے کہ پرو سے محض ایک دیہی علاقہ مراد ہو یا کسی علاقہ کا کوئی حصہ جو بہت سے گاؤں سے مل کر بنا ہو۔

نادوؤں کو ایمبدین میلاگراموں (AIMBADIN MELAGRAMS) یا پچاس گاؤں کی اکائیوں میں منقسم کردیا جاتا تھا۔ اس طرح کی ہر اکائی میں ایک بڑا گاؤں (CHIEF VILLAGE.) ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ولودیلم بٹواوشادوی (VALUDILAM BATTU-VSAVADI) پچاس گاؤں کے ایک ڈویزن کا صدر مقام تھا۔[36] اس کے نیچے اگرموں (AGARAMS) یا منگلموں (MANGOLAMS) کا نمبر تھا جن کی حیثیت چھوٹی چھوٹی انتظامی اکائیوں کی تھی۔ ان میں ہر اکائی کے ساتھ چند گاؤں وابستہ ہوتے تھے جو تامل کے علاقہ میں پیدا گائی (PIDAGAI) کے نام سے معروف تھے۔

تامل کے علاقہ میں واقع بہت سے گاؤں تنی یور (TANIYUR) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ موجودہ شمالی آرکٹ ضلع میں کاویری پاکم جس کا دوسرا نام وکرم شولا چتورویدی منگلم (VIKRAMA SOLA CETURVEDI MAIGOLAM) تھا۔ پدوورکوتم (PALUVURKOTTAM) کا ایک تینی یونہ تھا۔[37] جنوبی آرکٹ ضلع میں واقع تیرووامانور (TIRUVAMITTUR) مقام وولورنادو (VAVALURNADU) کا تینی یونہ تھا۔[38] جبکہ اترمیرورور (UTTARAMERUR.) عرف راجندر شولا چتورویدی منگلم توندائی منڈلم میں واقع کالی یورکوتم (KALIYUR KO-TTAM) کا تنی یور تھا اس اصطلاح کے صحیح مفہوم کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سیاسی مقاصد کی حامل ایک آزاد انتظامی اکائی تھی اور اس کی حیثیت مملکت کے کسی بھی بڑے سب ڈویزن کے مساوی رہی ہوگی۔ اس وقت بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے جب ہم موجودہ زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ مدراس جیسے شہر کو اپنی آبادی اور اہمیت کی بدولت ایک ایسی آزاد حیثیت حاصل ہوگئی ہے جو کم از کم ایک ضلع کے مساوی ہے۔ تنی یور میں ایک مقامی خزانہ بھی ضرور ہوتا ہوگا جس کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے کسپا (KASPA) سے کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

جب ہم کرناٹک کے علاقہ کو لیں تو ہمیں وہاں مملکت کی بہت سی ذیلی تقسیموں کا ذکر ملتا ہے ہمیں نئے نئے نام ملتے ہیں جو نئی نئی تقسیموں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تامل کے علاقے کی مانند کرناٹک علاقے میں بھی بہت سے راجیہ تھے۔ کبھی کبھی انھیں پتھیکاؤں یا تخت شاہی کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ کولار ضلع میں واقع سدلا گھٹا تعلقہ کے ایک کتبے کے مطابق وہاں ایک شدلی پتھیکا (SADALIPITHIKA) ہوتا تھا جس میں موکوند وینتھے (MUKKUNDAVENTHE) شامل تھا۔[39]

دوسری اہم تقسیم وِنتھے (VENTHE) تھی جو وِسیا (VISAYA) اور نِروِرتی (NIRVRTHI) کے مختلف ناموں سے معروف تھی۔[40] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل کے کتبات میں مذکور کوتم کی قائم مقام تھی۔ یہ اضلاع شیموں میں منقسم تھے۔ مثال کے طور پر تکل پادو (TEKKAL-LAPADU) کو کہا جاتا ہے کہ یہ کما وسیا کے اڈنکا شیمے (ADDANKA-SIME) میں واقع تھا۔[41]

شیمے کے بعد استھلا کا نمبر تھا جو چند گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا۔ چیتل درگ ضلع میں واقع ہیری یور کی ایک دستاویز مورخہ 1589ء میں چند استھلاؤں کا اور گاؤں کی اس تعداد کا تذکرہ ملتا ہے جو ان میں سے ہر ایک میں شامل تھے اس میں مندرجہ ذیل فہرست دی گئی ہے۔[42]

ہری یور	استھلا	53 گاؤں	لکی ہلی (LAKKIHALLI.)	استھلا	7 گاؤں
بگانادو (BEGGANADU)	"	11 "	بس پٹن (BASAPATTANA.)	"	14 "
ہوشور (HOSUR)	"	21 "	ارلی ہلی (ARALI HALLI)	"	3 "
گوودن ہلی (GAVUDANHALLI)	"	10 "	تویندھی ہلی (TAVANIDHI HALLI)	"	12 "
کوروبر ہلی (KURUBARA HALLI.)	"	13 "	بکاپٹن (BAKKAPATTAN)	"	26 "
			ایکانور (IKKANUR)	"	11 "

اس طرح اس سلسلہ میں کوئی متعین اصول نہ تھا کہ ایک استھلا میں کتنے گاؤں شامل ہونے چاہئیں چند کتبات میں ایک ہی نام کے ایک استھلا اور ایک شیمے کا تذکرہ ملتا ہے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر بنگلور ضلع کے ڈوڈ بلا پور تعلقہ کے ایک کتبہ میں تیور سیمے اور تیور استھلا کا ذکر ہے[43] یہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیپور صرف ایک بڑے انتظامی ڈویژن کا ہی نہیں بلکہ ایک چھوٹے ڈویژن کا بھی نام ہوتا تھا جس طرح کے موجودہ زمانہ میں چنگلی پت صرف ایک ضلع ہی نہیں بلکہ ایک چھوٹی اکائی تعلقہ بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں استھلا کو سمت (SAMMAT) یا سموتا (SAMUTA) کہا جانے لگا[44]۔ اروید و حکمرانوں کے زمانہ میں ہوبلی (AOBALI) نامی ایک اور تقسیم کا آغاز ہوا جو چند گاؤں پر مشتمل ہوتی تھی اور شاید یہی وہ تقسیم تھی جو استھلا اور سمت کی قائم مقام بن گئی[45]۔

کنارا علاقہ کے بعض حصّوں میں کپن (KAMPANA) نامی ایک تقسیم نے استھلا کی جگہ لے لی تھی جہاں اس طرح کی تقسیم کی جاتی وہاں صوبے کو اٹھارہ اضلاع یا کمپنوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جیسا کہ گوا گتی (GOA GUTTI) (چندر گیری) کی سلطنت میں ہوا تھا[46]۔

استھلاؤں کو بظاہر پھر نادوؤں یا ولیتاؤں (VALITAS) یا وینتاؤں (VANITAS) میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ دلوائے اگراہارم (DALAVAY AGRAHARAM) کی تختیوں میں درج ہے کہ گنگو رپٹی (GANGAVARAPATTI) کو ہستناوتی ولیتا (HASTINAVATI - VALITA) میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ النگولا استھلا (ALANGULA STHALA) کے نیدونگولا نادو کا (NEDINGULANADUKA) میں واقع تھا جو دھاراپورا وینتا (DHARAPURA - VENTYA) کا ایک حصّہ تھا[47] لیکن یہ ترتیب بعض دوسرے موقعوں پر بالکل برعکس ہے۔ ایک کتبہ کے مطابق کوروگوداشیمے (KURUGODA SIME) مگنادو ونتھے MAGANADU VENTHE کا ایک سب ڈویژن تھا جو ہستناوتی ولیتا (HASTINAVATI VALITA) کا ایک حصّہ تھا[48]۔ ترتیب کی اس تبدیلی کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل ہے اور اسی لیے اس تقسیم کی صحیح نوعیت کے معلوم کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔

ہمیں مملکت کے بعض دوسرے حصّوں کا ذکر بھی ملتا ہے ماگنی (MAGANI) یا پورماگنی (PURAMAGANI) ان میں سے ایک ہے مثال کے طور پر آرگا سلطنت میں ہمیں شانتلیج ماگنی (SANTALIGE MAGANI) کا ذکر ملتا ہے[49] لیکن یہ ایک عام اصطلاح معلوم ہوتی ہے اور کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے وہ جاگیر جو ایک امرنایک کو دی جاتی امرماگنی کے نام سے پکاری جا سکتی تھی۔ دوسرا ڈویژن شاید مارجاوادی (MARJAVADI)

Marfat.com

کے نام سے معروف تھا۔ کدپا ضلع میں واقع رائے کوٹ مقام کے ایک کتبہ میں پینو گوندا اور ادے گیری کے مارجاوادیوں کا تذکرہ ملتا ہے[50]۔ مارجاواد، مہاراجہ وادی کا مخفف ہے جو موجودہ پورے رایلاشیما پر مشتمل ایک ضلع تھا۔ اس ضلع کا یہ نام اب تک ہے۔ وجے نگر کے زمانہ میں جو علاقہ قدیم مہاراجہ وادی میں شامل تھا، وہ پینو گوندہ اور ادے گیری دو راجیاؤں کے حصے میں چلا گیا۔ اسی لیے کبھی کبھی ان کا تذکرہ پینو گوندا مارجاوادی اور ادے گیری مارجاوادی کے ناموں سے ملتا ہے۔ کھروتا (KHARAVATA) کی اصطلاح ایک دوسری تقسیم کی نشاندہی کرتی ہے لوڈرس (LUDERS) کا خیال ہے کہ یہ ایک ایسے قصبہ کا نام تھا جہاں بازار لگتے تھے[51]۔

بعض مقامات پر مملکت کی تقسیم میں فوجی اور امن عام کے ضرورت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً ایک مضبوط قلعہ کو ایک ڈویژن کی بنیاد قرار دیا جاتا تھا اس کے ساتھ کچھ علاقہ ملحق کر دیا جاتا جس کا حاکم اعلیٰ ایک درگا ڈنڈ نایک ہوتا تھا اور اس کے ماتحت جو علاقہ ہوتا وہ سیاسی مقاصد کے لیے ایک ڈویژن ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر بنگلور کا تعلقہ میں ہمیں کنڈانور (KANDANUR.) درگا کی سلطنت کا تذکرہ ملتا ہے[52]۔ علاوہ ہمیں ادے گیری درگم کا ذکر ملتا ہے جس سے چند گاؤں بھی وابستہ تھے[53]۔ شاید یہ پدائی پروڑوں یا فوجی چھاؤنیوں کے مماثل تھے۔

کتبات میں کاودی (CAVADI) کی اصطلاح بھی ملتی ہے اس اصطلاح کے لفظی معنی ایک ہال یا ایک دفتر کے ہیں۔ کاودی سے بہت سے گاؤں وابستہ ہوتے تھے اور کبھی کبھی استھلا اور سیمے بھی اس سے متعلق ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر تماسمدر (TIMMA SAMUDRA) کا گاؤں تیدانا گنا (TIPPADANAGANNA) کے گدی کاودی (GADI CAVADI) سے وابستہ تھا[54]۔ تیروشیرامتور (TIRU SIRAMATTUR) استھلا، کولالا کاودی سے مربوط تھا[55]۔ 1428ء کے ایک کتبہ میں ملانادو (MALANADU.) کے میل موری (MELMURI) میں واقع سونے پوہنالور (SUNEPUHANALUR) کا تذکرہ راجہ راجہ شولانادو (RAJE RAJA SOLA NADU) کے ایک ڈویژن کی حیثیت سے کیا گیا ہے جو تیروک سیراپلی (TIRUCCI RAPALLI) کے راجیہ یا کاودی سے وابستہ تھا[56]۔

میسور ریاست کے ایک کتبہ میں ہمیں چند علاقائی تقسیموں کا ذکر ملتا ہے۔

کنگا وادی (GANGAVADI.) 96,000

Marfat.com

بن واسی (BANAVASI) 12,000

کلاشا (KALASA) 30,000 یا 1,000

شانتلج (SANTALIGE) 1,000

اور چند دیگر۔ ان اعداد کا مطلب بتانا مشکل ہے۔ وجے نگر کے زمانہ میں اس قسم کی انتظامی تقسیمیں نہ تھیں یہ ماضی کی باقیات تھیں۔ وجے نگر کے کتبات میں ان کا تذکرہ عوام کی قدامت پرستی کی وجہ سے ہوگا۔

فصل سوم

صوبائی تنظیم

(1) صوبائی گورنر: مملکت کا وہ حصہ جو براہ راست شاہی حکومت کے ماتحت ہوتا تھا صوبوں میں منقسم ہوتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک وائسرائے کا تقرر کیا جاتا تھا۔ عموماً شاہی خاندان کے افراد ہی ان صوبوں کے گورنر مقرر کیے جاتے تھے۔ ہری ہر اوّل کے زمانہ میں آرگا کے صوبہ کا گورنر ماریا تھا جس کا دارالسلطنت چندر گتی تھا[43]۔ کمپن اوّل ادے گیری راجیہ کا گورنر تھا[44]۔ بکا کا بیٹا کمپن، مولوواگل (MULUVAGIL) (مول باگل MULBAGAL) کا حکمراں تھا[45]۔ کہا جاتا ہے کہ ہری ہر دوم کا بیٹا ویروپاکسا (VIRUPAKSA)، توندیرا (TONDIRA)، چولا اور پانڈیا (PANDYA) کے علاقوں کا انچارج تھا اور اس نے سیلون بھی فتح کر لیا تھا[46] جبکہ اس کا بھائی دیورائے اپنی تخت نشینی سے قبل ادے گیری کا گورنر تھا[47]۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رام چندر ادیا (RAMACANDRA UDEYA) اس کا جانشین ہوا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مخالف بادشاہوں کو مطیع بنا لیا تھا اور اپنے حسن تدبیر سے اس نے مسلمانوں کو شکست دی تھی[48]۔ دیورائے کا ایک اور لڑکا ویر وجے رائے مولوواگل سلطنت کا حکمراں تھا[49]۔ اور جب وہ بادشاہ ہوگیا تو اس کا بیٹا شری گیری (SRIGIRI) اس کی جگہ وائسرائے بنا[50]۔ صوبوں کے وائسرائے کی حیثیت سے حکمراں خاندان کے شہزادوں کے تقرر کے اس دستور پر آرویدو سلاطین نے بھی عمل کیا۔ تیرومل نے اپنے بیٹے شری رنگا دوم کا دارالخلافہ کے صوبہ پینو گوند کے وائسرائے کی حیثیت سے تقرر کیا تھا پہلے اس نے ادے گیری راجیہ کے وائسرائے کی حیثیت سے

Marfat.com

فرائض انجام دیئے تھے جہاں سے اس نے کوندوید (KENDAVIDU) وینی کونڈپورا (VINIKONDPURA) اور دیگر قلعوں کو فتح کیا تھا[26]۔ تیرو مل بادشاہ کا ایک اور بیٹا راما شری رنگا ٹیم کا وائسرائے تھا بادشاہ تیرو مل کا چوتھا بیٹا وینکٹ دوم تامل کے علاقہ کا گورنر تھا جس کا صدر مقام چندر گیری تھا اور اس کی ماتحتی میں بہت سے جاگیر دار تھے[27]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سالوؤں اور تولوؤں کے یہاں کا رواج اس سے مختلف تھا۔ وہ صوبوں کے گورنروں کی حیثیت سے شہزادوں کا تقرر نہیں کرتے تھے۔ اس کی دو توجیہیں کی جا سکتی ہیں ایک مخصوص زمانہ میں شاہی خاندان کے افراد صرف چند تھے۔ اس لیے کہ سالو وانر سمہا کے صرف دو بیٹے تھے جبکہ نرسا نایک کے چار تھے پھر ان کے درمیان بھی سخت رقابت اور درباری سازشیں تھیں لہذا بادشاہ نے شاہی خاندان کے دوسرے افراد کو گورنری نہیں سپرد کی سلاطین وجے نگر کے پہلے خاندان کے شہزادوں نے جن کو صوبوں کا حکمراں بنا کر بھیجا جاتا تھا، ادیا (ODEY A) یا (تامل میں) ادے یار کا خطاب اختیار کیا تھا۔

لیکن جہاں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ممتاز اور تجربہ کار افسر نیکنامی کے ساتھ اور مرکزی حکومت کے مفاد کے مطابق اس عہدے پر کام کر سکتا ہے وہاں ایسے افسر کا صوبے کے گورنر کی حیثیت سے تقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے مقرر کردہ گورنروں کو عموماً ڈنڈ نایک کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اپنی دستوری حیثیت اور شاہی محل کے ساتھ اپنے تعلقات میں بظاہر ان کی حیثیت وہی تھی جو ان شاہزادوں کی تھی جو صوبائی وائسرائے ہوتے تھے۔

مملکت کے صوبوں کے گورنروں کو اپنے اپنے حلقہ اختیار میں مقامی قسم کی خود مختاری حاصل تھی۔ ان کی خود اپنی عدالتیں ہوتیں، ان کے اپنے افسران ہوتے، وہ خود اپنی فوجیں رکھتے اور اس وقت تک وہ مرکزی حکومت کی کسی مداخلت کے بغیر اپنے اپنے علاقوں پر حکومت کرتے رہتے جب تک کہ وہ شاہی حکمراں کے تئیں پابندی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے تھے اگر یہ صوبائی گورنر شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے تو وہ اپنے اپنے خاندانوں کے خطابات کو اختیار کر لیتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے یہاں جانشینی انھیں کے خاندانوں میں موروثی ہوا کرتی تھی۔ ہری ہر اوّل کے بھائی کمپن اوّل کی موت کے بعد جو ادے گیری کا گورنر تھا، اس کا بیٹا شنگاما (SAINGAMA) دوم اس کی جگہ پر گورنر بنا اور ادے گیری کے صوبے کے وائسرائے کی حیثیت سے اس نے بترا گونتا (BITRA GUNTA) کی جاگیر عطا کی[28]۔ ان

Marfat.com

گورنروں کا خواہ وہ شاہی نسل کے شہزادے ہوں یا وہ شاہی افسران جنھیں صوبوں کی گورنری عطا کی گئی تھی، مقتضائے حال کے مطابق ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں تبادلہ کر دیا جاتا تھا۔ بکا کا بیٹا ویروپنا یا ویروپاکسا اول آرگا صوبے کا گورنر تھا۔ ہمارے پاس اس کے زمانہ کے چند کتبات مورخہ 1362ء اور 1379ء موجود ہیں[69]۔ ایک کتبہ میں اسے اداگیری ویرو پنا یا ادے گیری ویروپنا کا نام دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں وہ ادے گیری راجیہ کا وائسرائے تھا[70]۔ مثال کے طور پر لکنا ڈنڈ نایک 1430ء میں مول باگل اور تیکل کے صوبوں کا گورنر تھا[71]۔ وہ وہاں دو برس رہا[72]۔ جس کے بعد اسے توندیرا کے صوبے میں منتقل کر دیا گیا جہاں اس نے "جنوبی سمندر کے بادشاہ (LORD OF THE SOUTHERN OCEAN) کے خطاب کے ساتھ 1440ء تک حکومت کی۔ 1438ء میں وہ ہمیں رمناڈ (RAMNAD) ضلع کے تیرو بتور تعلقہ سے ایک جاگیر دیتا ہوا نظر آتا ہے[73]۔ 1440ء میں ہم اسے باراکورو (BARAKURU) راجیہ میں پاتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں اس کا اس صوبے میں تبادلہ کر دیا گیا تھا[74]۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اسے دوبارہ مدورا صوبے میں منتقل کر دیا گیا تھا جہاں وہ "جنوبی سمندر کے بادشاہ" کے خطاب کے ساتھ حکمراں رہا[75] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گورنری کے لیے کسی مدت کی تحدید نہ تھی اس لیے کہ اس کا انحصار محض گورنر کی صلاحیت و قابلیت ہی پر نہ تھا بلکہ مقامی ضروریات پر بھی ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر اداگیری ویروپنا تقریباً اٹھارہ برس آرگا صوبے کا گورنر رہا جبکہ لکنا ڈنڈ نایک اس سے کم عرصہ کے لیے مختلف صوبوں کا وائسرائے رہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً گورنروں کی تقرری بادشاہ وزراء سے مشورے کے بعد کرتا تھا۔ چنانچہ جب بنواس (BANVAC) صوبے کے گورنر مادھومنترن کا 1391ء میں انتقال ہو گیا تو ہری ہر اول نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا کہ فوت شدہ گورنر کی جانشینی کے لیے بنواس کے صوبے میں کس کو بھیجا جائے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ ودیاشنکر کے شاگرد نرہری منترین کو صوبے کے گورنر کی حیثیت سے بھیجا جائے[77]۔

ان تقرریوں کے فرامین پر شاہی مہر ثبت ہوتی تھی۔ ملی کارجونا مہارائے کے زمانے کے کنارا کے ایک کتبہ مورخہ 1465-66ء میں بادشاہ کے مہا پردھان رام چندر دنایک نامی ایک شخص کے بارے میں درج ہے کہ وہ شاہی مہر کے تحت سلطنت کا نظم و نسق کر رہا تھا[78]۔

Marfat.com

گورنروں کی خود اپنی کاؤنسل ہوتی تھی جو بادشاہ کی کاؤنسل کے طرز کی ہوتی تھی اس عہد کے کتبات سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ کاؤنسل پردھانی[79]، اولائی دسکرٹیری[80]، دلوائے یا ڈنڈ نایک[81]، جیسا کہ کچھ کتبات میں یہ نام ملتا ہے، خزانچی[82]، سامنتا دھیکاری[83]۔ بعض دوسرے افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ ان وزراء کا انتخاب اور تقرر شاہی منظوری کے بعد خود متعلقہ گورنر کرتے تھے۔ ان وزراء میں سے چند تو انتہائی لائق منتظم ثابت ہوئے ماریّا کا وزیر مادھو منترین بڑا لائق و قابل تھا اور ماریّا کے لیے ویسا ہی تھا جیسا کہ شنکر کے لیے بھار گھانیز وہ اپنے آقا کے لیے "ایک ناخدا، تھا جو سلطنت کے سمندر میں جہاز رانی کر رہا تھا"[85]۔ اسی طرح سوپّا ڈنڈ نایک اور گوپّن ادیپار دو انتہائی ممتاز شخصیتیں تھیں جنھوں نے مدورا تک کے جنوبی ہندوستان کو وجے نگر کی حکومت کے زیر اثر لانے کے مشکل کام میں کمار کپین کی مدد کی تھی۔

صوبائی وائسرایوں کو مرکزی حکومت سے آزاد رہ کر خود اپنے سکے چلانے کا حق حاصل تھا۔ سیزر فریڈرک (CAESAR - FREDRICK) اس نظام پر بہت زیادہ متعجب ہوا اور وہ کہتا ہے "جب ہم کسی نئے گورنر کے علاقہ میں پہونچتے تھے جیسا کہ یہ روزانہ کرتے تھے، تو اگرچہ یہ سب کے سب، بیزنگر (BIZENEGER) کے بادشاہ کے باجگذار تھے لیکن پھر بھی ان میں سے ہر ایک نے تانبے کا ایک سکہ جاری کیا تھا۔ چنانچہ جو روپیہ ہم ایک دن لیتے تھے وہ دوسرے دن کام میں نہ آسکتا تھا"[85]۔ کتبات کے شواہد سے غیر ملکی تبصرہ نگار کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چند گدیانہ (GADYANA) بارا کور اور منگلور کے صوبائی صدر مقاموں سے جاری کیے گئے تھے اور کرشن شاستری نے اس بات سے یہ نتیجہ نکالا کہ صوبائی وائسرایوں کو خود اپنے نام کے سکے جاری کرنے کا اختیار حاصل تھا[86]۔ اسی طرح ہمارے پاس دیورائے دوم کے ماتحت وائسرائے لکّنا ڈنڈ نایک کا ثبوت موجود ہے جس نے اپنے نام کے سکے جاری کیے تھے۔ اس کے ایک تانبے کے سکے کی پشت پر ایک ہاتھی بنا ہوا تھا جس کے ایک حرف (ما) بنا ہوا تھا اور اس کے سیدھے رخ پر "من" "دن آئے"، کرو (MANA, DANAYA, KORU) کا مقولہ کندہ تھا جس سے غالباً لکشمن ڈنڈ نایک کا نام مراد تھا[87]۔ صوبائی گورنروں کو خود اس بات کا اختیار تھا کہ وہ نجی افراد کو سکے ڈھالنے اور نجی ٹکسال (ٹنکہ) چلانے کا حق دے سکتے تھے[88]۔ گورنروں کو نئے ٹیکسوں کو لاگو کرنے اور پرانے ٹیکسوں کو معاف کر دینے کا اختیار تھا چونکہ عموماً وہ شاہی محل کو صرف ٹیکس کی ایک معینہ رقم کو ادا کرنے کے ذمہ دار تھے لہذا ٹیکسوں کے نفاذ اور ان کے وصولی کے طریقوں

Marfat.com

کی جزیات پر ان کے ساتھ کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ اس طرح پکا کپن ادیار نے افسران اور ہٹل کوٹ (HATTOLKOTE) کے کیکو لاؤں (KAIKKOLAS) کو ایک سند عطا کی تھی جس میں اس نے ٹیکسوں کی ادائیگی اور ان جرمانوں کو جو کیکو لاؤں پر عاید کیے جاتے، معافی کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبائی وزرا، صوبے کے گورنر کی اجازت کے بغیر نہ تو جاگیر دے سکتے تھے اور نہ ٹیکسوں کو عاید یا معاف کر سکتے تھے۔ اس طرح ویر کمپن ادے یار کے ماتحت ایک افسر وتیّر (VITTOPPAR) نے گورنر کی منظوری کے بعد مادم باکم (MADAMBAKKAM) کا گاؤں مقامی مندر کو عطیہ میں دیا تھا[91]۔ لیکن چند کتبات ایسے بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کے چند افسروں نے گورنر سے ضروری اجازت حاصل کیے بغیر ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا۔ کمپن ادیار کے ایک ماتحت افسر گو پانگل نے کولو تونگا شولا نلور (KULOTTUNGA, SOLANALLUR) عرف برہمیشور (BRAHAMUSVARA) کی اراضی جو گاؤں پر مشتمل تھی، ان پر عاید ٹیکسوں کو معاف کر دیا تھا[92]۔ اسی کمپن کے ماتحت دو افسروں، مہا پردھانی سومیّا ادے یار اور خزانچی وتّاپین (VITTAPPAYYAN) نے میدیور - (MEY - DEVAR) کے نام، جو پولی ناد (PULINAD) کے ٹیکسوں کا انچارج تھا، ایک فرمان جاری کیا تھا کہ وہ اپنے ضلع سے ہو کر گذرنے والی اشیا پر جنس کی شکل میں عاید شدہ بعض چنگیوں کو کماری میں واقع وشنو کے مندر کے مفاد میں دیدے[93]۔ لیکن مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان افسروں نے جو عطیات دئے وہ اس اختیار کی بنا پر نہیں جو حکومت میں ایک منصب پر فائز ہونے کی بنا پر انھیں حاصل رہا ہو، بلکہ صوبائی حکومت میں وہ خود چند اضلاع کے انچارج تھے۔ جن کی آمدنی صوبائی گورنر نے انھیں ان کے عہدوں کی تنخواہ کے طور پر دی تھی۔ یہ ضلع کے حاکم ہونے کی حیثیت سے تھا کہ صوبائی گورنروں کے وزرا نے اپنے طور پر ٹیکس معاف کیے یا جاگیریں عطا کیں ان کے عطیات جب تک کہ انھیں گورنر کی اجازت سے نہ دیا گیا ہو، پورے صوبے میں لاگو نہیں ہو سکتے تھے ایسے عطیات کا منافع صرف اس ضلع تک محدود ہوتا تھا جو صوبائی گورنر کی ماتحتی میں ان کے تصرف میں ہوتا تھا۔

بہر حال جب کبھی صوبائی وائسرے عوام پر زیادتیاں کرتے تو شاہی حکومت عوام کی جانب سے مداخلت کرتی تھی۔ مثال کے طور پر دیورائے دوم کے عہد سے قبل وزرا ہر دور حکومت کے آغاز کے موقعہ پر دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں سے تعلق رکھنے والی تمام رعایا سے

Marfat.com

جبراً تحائف وصول کرتے تھے جس کے نتیجہ میں تمام رعایا پریشان ہوتی تھی لہٰذا وہ دوسرے مقامات میں منتقل ہو گئی۔ مندروں میں عبادت اور جشن بند ہو گیے اور ملک بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا کچھ لوگ جو بچ رہے تھے یا تو مر گئے یا مصیبتوں سے دوچار رہے۔ چنانچہ بادشاہ نے مداخلت کی اور اس طرح کی جبری وصولیابی کو ممنوع قرار دیا[93]۔ اس طرح شاہی حکومت مقامی حکومتوں میں اس وقت مداخلت کرتی تھی جب مقامی گورنروں کی طرف سے بدانتظامی یا زیادتی کی جاتی تھی یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وزرا، عوام پر زیادتیاں کرتے تھے یہاں ہمیں یہ فرض کرنا ہوگا کہ وزرا کی اصطلاح سے مراد افسران ہیں اس لیے کہ شاہی کونسل کے وزرا، ہی عموماً صوبائی گورنر بھی ہوا کرتے تھے۔

نونیز کہتا ہے کہ صوبائی گورنروں کو ہر سال ماہ ستمبر کے ابتدائی نو دنوں میں بادشاہ کو وہ ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے جو بادشاہ ان پر ہر سال متعین کرتا تھا[94]۔ اس کا جو مطلب ہے اس کا ذکر ہم اس سے قبل کی ایک فصل میں کر چکے ہیں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگرچہ معافیاں ہر مہینے دی جاتی تھیں لیکن ٹیکس کا تعین ستمبر ہی میں ہوتا تھا[95]۔

صوبائی گورنروں کو اپنے اپنے حلقہ اختیار میں نظم وضبط برقرار رکھنے کا ذمہ دار بھی قرار دیا گیا تھا اگر کبھی ان کی رعایا کا مال واسباب چوری ہو جاتا تو وہ پابند تھے کہ چور کو گرفتار کریں اور مالک کو اس کے چوری شدہ مال واپس کریں ورنہ بادشاہ انھیں سخت سزائیں دیتا[96]۔

گورنر چند اعزازات کے مستحق ہوتے تھے۔ انھیں ڈولیوں اور پالکیوں کے استعمال کی اجازت تھی جیسا کہ اس کا ثبوت نونیز کے بیان سے ملتا ہے[97]۔ اس عہد کے کتبات میں چند ایسے اعزازات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو انھیں بادشاہ کی جانب سے عنایت کیے جاتے تھے۔ کولار ضلع کے گوری بیدنور (GORIBIDNUR) تعلقہ کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ وجے نگر کے بادشاہ (دلی کارجونا) نے اپنے چند جاگیرداروں کو مندرجہ ذیل اعزازات عطا کیے تھے[98]۔ گھوڑا، چتر، چام را (CAMRA)، بھومی پینڈے (BHUMIPENDE) اور تین ہودہ والے ہاتھی۔ اسی طرح کوندویدو (CONDAVIDU) کے گورنر ندیلا اپا (NANDELA APPA) کو ایک پالکی اور دو کوڑیاں (CAURIS) استعمال کرنے کا حق عطا کیا گیا تھا[99]۔

صوبوں کے چند گورنروں کو شاہی ملازمت کے چند اہم عہدوں پر مقرر کیا جاتا۔ بادشاہ کے چند وزرا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی ایک یا دوسرے صوبہ کے گورنر تھے۔ مثال

Marfat.com

کے طور پر بکا اول کے وزیر مادھو منتری نے (جو اس سے قبل ماریا کا وزیر تھا جبکہ وہ کدمبا (KADAMBA) اور بنواس 12،000 کا وائسرائے تھا) ویر بکا بھوپتی کے حکم پر "مغربی سمندر تک (صوبے کی) حکومت قبول کر لی تھی[100]"۔ شموگا ضلع کے تیرتھ ہلی (TIRTHAHALLI) تعلقہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ ہری ہر دوم کا وزیر داخلہ مادھو منتری وجے نگر سلطنت کے مغربی حصّوں کا، جس میں آرگا بھی شامل تھا، گورنر تھا، ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وہ 1384ء تک جو کہ کتبہ کی تاریخ ہے، اس صوبے کا حکمراں رہا[101]۔ دیورائے اوّل کا مہا پردھانی، ناگنا ڈنڈ نایک مولو واگل سلطنت کا گورنر تھا[102]۔ دیورائے دوم کے وزیر اعظم لکنا ڈنڈ نایک نے مختلف صوبوں میں گورنر کے فرائض انجام دیے تھے۔ تقریباً 1430ء میں وہ مول باگل اور تیکل (TEKAL) کے صوبوں کا گورنر تھا[103]۔ بعد میں وہ مملکت کے جنوبی علاقہ کا گورنر ہوا اور "جنوبی سمندر کے بادشاہ" کے عہدے سے جانا جاتا تھا[104]۔ ملیکارجن رائے کا مہا پردھانی تمن ڈنڈ نایک مملکت کے ناگ منگلا (NAGMANGALA) علاقہ کا گورنر تھا[105]۔ کرشن دیورائے کے وزیر اعظم سالو واتما کو کوندوید پر قبضہ کے بعد اس کا گورنر بنا دیا گیا تھا[106]۔ بادشاہ کا رائے سم، کوندمرسیا (KONDMARASYYA) ادے گیری کا گورنر تھا[107]۔ نونیز کا سلو نایک (SALVANAYQUE) جو کتبات میں سالو وادیر نرسما نایک یا سالو وا ڈنڈ نایک کے نام سے معروف ہے، کچھ دنوں تک تیرو ددی راجیہ کا گورنر رہ چکا تھا اور نونیز کے بیان کے مطابق وہ کراما وڈل (CHERAMAODAL) ، نیگا پٹم، تنجور، بھوواناگیری، دیوی پٹنم، تیرو کوئل (تیرکوئی لور)، کابل اور سیلون کی سرحد پر واقع دیگر علاقوں کا حاکم تھا[108]۔ اس طرح اس بات کے ثبوت کے لیے بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ چند شاہی افسران صوبائی گورنر بھی ہوتے تھے اور وہ اپنے صوبوں پر اپنے نائبین کے ذریعہ حکومت کرتے تھے جنھیں کاریا کرتا (KARYAKARTAS) کہا جاتا تھا۔

نونیز چند صوبائی گورنروں، ان کی آمدنی اور شاہی حکومت کی جانب ان کے فوجی اور مالی فرائض کے متعلق مندرجہ ذیل بیان پیش کرتا ہے۔

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤ میں	فوجی خراج	مالی خراج
سلوا نایک، رچھوت رائے کا وزیر اعظم	11,00000	30,000 پیادے 3,000 گھوڑے	1/3

Marfat.com

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤں میں	فوج خراج	مالی خراج
		30 ہاتھی	
اچپرکتیا (AGAPARCATIMAPA) ادے گیری وغیرہ کا حاکم	800,000	25,000 پیادے 1,500 گھوڑے 40 ہاتھی	$\frac{3}{8}$
گپنایک (GAPANAYQUE) روسیل (ROSYL) کا حاکم	600,000	20,000 پیادے 2,500 گھوڑے 20 ہاتھی	$\frac{1}{4}$
لپنایک (LEPANAYQUE) ونگاپور (VINGAPOR) کا حاکم	300,000	20,000 پیادے 1,200 گھوڑے 28 ہاتھی	$\frac{4}{15}$
نرورا (NARVARA) اونڈجیما (ONDGEMA) کا حاکم	400,000	12,000 پیادے 600 گھوڑے 20 ہاتھی	$\frac{1}{2}$
سینپانایک (CIAPNAYQUE) کالے (COLAY) کی سرزمین کا حاکم	300,000	10,000 پیادے 800 گھوڑے	$\frac{1}{3}$
کرسنپانایک (CRISNAPANAYAQUE) آوسل (AOSEL) کا حاکم	20,000	700 پیادے 500 گھوڑے	$\frac{2}{20}$
بجپانایک (BAJAPANAYQUE) بوڈائل (BODIAL) کا حاکم	300,000	10,000 پیادے 800 گھوڑے 15 ہاتھی	$\frac{1}{30}$
ملپانایک (MALLAPANAYQUE) آولے (AVALY) وغیرہ کے علاقے کا حاکم	51,000	6,000 پیادے 400 گھوڑے	$\frac{1}{3}$
ادپانایک (ADAPANAYQUE) دروازے (GATE) کے علاقہ کا حاکم	400,000	8,000 پیادے 800 گھوڑے	$\frac{2}{15}$

Marfat.com

گورنر کے نام	آمدنی سونے کے پرداؤ میں	فوج خراج	مالی خراج
		30 ہاتھی	
بچپانایک، مومدوگل (MUMDOGUEL) کا حاکم	۴۰۰،۰۰۰	۱۰،۰۰۰ پیادے ۱،۰۰۰ گھوڑے 50 ہاتھی	۱۰۹ $\frac{3}{8}$

اگرچہ ہمیں ان خراجوں کے بارے میں جو اچیوت رائے اپنے بعض صوبائی گورنروں سے طلب کرتا تھا یہ ضمنی تفصیلات ملتی ہیں لیکن ہمیں اس واقعی اصول کی واقفیت نہیں ہوسکی جس کے مطابق ان سے یہ مطالبات کئے جاتے تھے۔ مذکورہ بالا چند گورنروں سے طلب کیے جانے والے خراجوں کے جائزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی مختلف ہوتے تھے۔ ادپانایک سے، جس کی آمدنی 3 لاکھ پرداؤ تھی یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ بادشاہ کے لیے پیادوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کی ایک مخصوص تعداد ملازم رکھے اور اپنی آمدنی کا $\frac{2}{5}$ حصہ خراج میں ادا کرے جبکہ لیپانایک سے، جس کی آمدنی بھی اتنی ہی تھی، نہ صرف یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ تقریباً اتنے ہی ہاتھی اور پیادے اور گھوڑے اس سے زیادہ بڑی تعداد میں ملازم رکھے بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنی آمدنی کا $\frac{4}{5}$ حصہ شاہی خزانے میں داخل کرے بہرحال اس غیر معمولی عدم تناسب کی ایک توجیہہ کی جاسکتی ہے۔ چونکہ صوبوں کے بیشتر گورنر حکومت کے کسی نہ کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے لہٰذا ان سے اسقدر مطالبہ کیا جانا چاہئے تھا کہ حکومت کو ادائیگی کے بعد ان کے پاس اتنی رقم بچ رہے جو حکومت کے لیے انجام دی جانے والی ان کی خدمات کا معاوضہ ہو۔ مثال کے طور پر ادپانایک بادشاہ کا مشیر اعلیٰ تھا جبکہ لیپانایک حکومت کے کسی ایسے عہدے پر فائز نہ تھا۔ اس صورت میں ریاست نے موخرالذکر سے جو زیادہ مطالبہ کیا تھا وہ قطعی درست تھا اس لیے کہ متعینہ خراج ادا کرنے کے بعد بھی اس کے پاس گورنر کی حیثیت سے اس کی تنخواہ کے طور پر کچھ نہ کچھ باقی بچ رہتا تھا۔ لیکن ادپانایک مملکت کے صدر مقام پر ایک افسر تھا اور ساتھ ہی وہ ایک صوبے کا گورنر بھی تھا اگر وہ دارالسلطنت میں اپنے عہدے کے فرائض انجام دیتا تھا تو وہ اپنے صوبے پر اپنے ایک نائب کی مدد سے ہی حکومت کرسکتا تھا اور اسی صورت میں یقیناً اسے اس کو تنخواہ دینی پڑتی ہوگی۔ اس طرح اسے دو کام انجام دینے پڑتے تھے۔ اگرچہ اس کے پاس بس ایک صوبہ تھا جسکی

Marfat.com

آمدنی کو وہ مرکزی حکومت کو اپنا خراج ادا کرنے کے بعد اپنے تصرف میں لاسکتا تھا تاہم چونکہ اس کو اس پر اپنے ایک نائب کی مدد سے حکومت کرنی پڑ رہی تھی جس کو اسے تنخواہ بھی دینی پڑتی تھی لہذا شاہی دربار کو ادا کیے جانے والے خراج میں اس کے ساتھ کچھ رعایت برتنی ضروری تھی۔ اس طرح حکومت کے اس مطالبہ میں، جو وہ ایک ایسے صوبائی گورنر سے کرتی تھی جو دارالسلطنت میں بھی ایک عہدے پر کام کرتا تھا اور اس مطالبہ میں جو اس گورنر سے کیا جاتا تھا جس کے پاس ایسا عہدہ نہیں ہوتا تھا کچھ نہ کچھ تفاوت کا پایا جانا ناگزیر تھا۔

یہ گورنر، جن میں وہ بھی شامل ہیں جو دارالسلطنت میں کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے۔ دارالسلطنت میں اپنا ایک نمائندہ رکھتے تھے۔ اس افسر کو نونیز "سکریٹری" کے نام سے پکارتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "سکریٹری" ہمیشہ دربار میں رہتا تھا اور یہ کہ محل میں ہونے والے تمام واقعات سے وہ اپنے آقا کو مطلع رکھتا تھا۔ چنانچہ وہاں کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کی انھیں فوراً اطلاع نہ ہو جاتی ہو۔[1]

بعض خاندانوں کے شاہی محل پر اثر و رسوخ کے بارے میں بھی چند باتیں کہنا یہاں مناسب ہوگا۔ بعض صوبائی گورنر جو دربار میں بھی کسی عہدہ پر فائز ہوتے تھے وہ اکثر شاہی خاندان پر بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتے تھے جس کے نتائج کبھی کبھی بڑے سنگین تھے سنگم (SANGAMA) بھائیوں نے جو ہوئے شالوں کے زمانہ میں خود ذی اثر جاگیردار تھے، رفتہ رفتہ طاقت و حیثیت حاصل کرلی اور بالآخر خود اپنے مفاد میں حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ملیکارجن اور ویر وپاکسا کمزور حکمرانوں کے زمانہ میں سالوا نرسمہا میں پورے شاہی اقتدار کو غصب کرلینے کی خواہش پیدا ہوئی اور بالآخر خود کو وجے نگر کے بادشاہوں کے دوسرے سلسلہ کا بانی بنا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اس کے کمزور بیٹے امدی نرسمہا کے دور حکومت میں نرسا نایک نے قوت و عظمت حاصل کرلی اور بالآخر اس کا لڑکا وجے نگر میں ایک "غیر خونی انقلاب" لانے میں کامیاب ہوگیا۔ اچیوت رائے کے دور حکومت میں سلاکا (SALAKA) بھائیوں کا اثر و رسوخ ہی وجے نگر کے دارالسلطنت میں محل کی متعدد سازشوں کا سبب بنا تھا۔ سداشیو کے دربار میں رام راج اور اس کے بھائیوں کو جو اثر و رسوخ حاصل تھا وہ اتنا مشہور ہے کہ یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں نا اہل سداشیو رام راج کے ہاتھوں میں بے بس قیدی تھا جس کو عوام میں سال میں صرف ایک بار دکھایا جاتا تھا

Marfat.com

پنے اقتدار کے زمانہ میں رام راج وجے نگر کی سیاست پر حاوی تھا اور اس نے شمال میں اپنے مسلم پڑوسیوں کو مغلوب کرلیا تھا۔ بہر حال یہ کہنا پڑے گا کہ مضبوط بادشاہوں کے ساتھ گورنر بے جا حرکتیں نہیں کر سکتے تھے۔ سالو واتما اپنی طاقت و لیاقت کے باوجود کرشن دیورائے کے کنٹرول میں رہا۔ محض اس شبہ پر کہ وہ اس کے بیٹے تیرومل کے قتل میں ملوث تھا اسے اندھا کر کے قید کردیا گیا اور اسی کا خاندان بھی برباد کردیا گیا۔ اس طرح طاقتور بادشاہوں کے دور میں وہ مطیع رہتے تھے لیکن کمزور بادشاہوں کے زمانہ میں وہ غیر معمولی طاقت، اثر ورسوخ اور عظمت حاصل کرلیتے تھے۔

(2) ناین کر نظام (NAYANKARA SYSTEM) وجے نگر کی صوبائی تنظیم کی دوسری اہم خصوصیات ناین کر نظام تھا۔ اس نظام کے مطابق بادشاہ کو زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا اور وہی زمین کو اپنے متوسلین یا وابستگان میں تقسیم کرتا تھا۔ عہد وسطی کے ہندوستان میں حکمراں بادشاہ کی خدمات کے معاوضہ میں جاگیریں عطا کی جاتی تھیں، اس طرح جب شمال کا کوئی شخص جنوب کے رہنے والوں پر اپنی حکومت قائم کرتا تھا تو اسے اپنے کو ایک جماعت سے مسلح رکھنا پڑتا تھا جو جنگوں میں اس کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس کے لیے جماعت کے لوگوں کو زمینیں عطا کی جاتی تھیں۔ جن لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے زمینیں ملتی تھیں انھیں نایک کہا جاتا تھا اگرچہ اس اصطلاح کو بعد میں مختلف عہدوں اور ذاتوں کے معنی میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنی اپنی جاگیریں پر بڑی آزادی کے ساتھ حکومت کرتے تھے۔ انھیں جو جاگیریں دی جاتی تھیں اس کے عوض انھیں دو فریضے انجام دینے پڑتے تھے ایک تو یہ کہ انھیں شاہی خزانے میں ایک متعین سالانہ مالی خراج ادا کرنا پڑتا تھا جو نونیز کے بیان کے مطابق عموماً ان کی آمدنی کا نصف ہوتا تھا۔ دوسرے یہ کہ انھیں بادشاہ کے لیے کافی تعداد میں پیادے ملازم رکھنے ہوتے تھے اور جنگوں میں اس کی خدمات انجام دینی ہوتی تھیں اچیوت رائے اور اس کے نایکوں کے بارے میں نونیز کہتا ہے۔" اس بادشاہ سیتاراؤ (CITARAO) کے پاس پیادہ سپاہی ہیں جنھیں اس کے امرا تنخواہ دیتے ہیں ان لوگوں کو چھ لاکھ یعنی چھ سو ہزار سپاہی ملازم رکھنے ہوتے ہیں اور یہی امرا جو بیس ہزار گھوڑے رکھنے کے بھی پابند ہیں۔ یہ امرا لگان داروں کے مانند ہیں جو بادشاہ کی طرف سے تمام

Marfat.com

اراضی کے مالک ہوتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو ملازم رکھنے کے علاوہ انھیں ان کے اخراجات بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں ہر سال شاہی ٹیکس کی حیثیت سے ساٹھ لاکھ کی لگان بھی ادا کرنی پڑتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ ان زمینوں پر ایک سو بیس لاکھ کی پیداوار ہوتی ہے جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس میں سے ساٹھ لاکھ انھیں بادشاہ کو دے دینے پڑتے ہیں اور بقیہ وہ سپاہیوں کو تنخواہ دینے اور ان ہاتھیوں کے اخراجات کے لیے روک لیتے ہیں جن کے رکھنے کے وہ پابند ہیں[114]" پائز بھی یہی تفصیلات پیش کرتا ہے۔ رقم کی مقدار جو ان نایکوں کو رکھنی ہوتی تھی، خود بادشاہ متعین کرتا تھا اور یہ (تعداد) عموماً اس آمدنی کے تناسب سے ہوتی تھی جو ان میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتی تھی[115]۔ وہ اپنے حلقہ اختیار میں امن و سلامتی کے نگراں اور جرائم کا پتہ لگانے کے ذمہ دار بھی ہوتے تھے۔ وہ اپنے علاقوں میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کرنے پر پابند تھے۔ بعض رسموں کے موقعوں پر مثلاً بادشاہ کے یہاں لڑکے یا لڑکی کی پیدائش یا اس کی (بادشاہ کی) سالگرہ کے موقعہ پر یہ امراء اسے" نقد اور قیمتی ہیرے و جواہرات کے بڑے بڑے تحائف" پیش کرتے تھے[116]۔ اس کے علاوہ ان سے یہ بھی توقع کی جاتی تھی کہ وہ سال نو کے دن بادشاہ کو بڑی بڑی رقمیں تحفہ میں پیش کریں۔ پائز کہتا ہے کہ" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس دن پندرہ لاکھ سونے کے پرداؤ کی نقد رقم بھی بادشاہ کو دیتے"[117]۔ نونیز کے مطابق امراء اس کے گھر روزانہ کھانے کی چیزیں بھی بھیجا کرتے تھے مثلاً چاول، گیہوں، گوشت اور پرندے دوسری تمام ضروری اشیاء کے ساتھ[118]۔

ان فرائض کی تعمیل میں کوتاہی سزا کا موجب بنتی تھی۔ نونیز کہتا ہے کہ اگر یہ سپاہیوں کی پوری تعداد برقرار نہ رکھتے یا اپنے فریضہ کے مطابق خراج ادا نہ کرتے تو ان نایکوں کی جاگیریں ضبط کرلی جاتیں اور خود انھیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں[117]۔ باربوسا کا بھی یہی خیال ہے کہ جب بادشاہ کسی بڑے جاگیردار یا اس کے رشتہ دار کو کسی جرم کا مرتکب پاتا تو وہ اسے فوراً طلب کرتا تھا اور اگر وہ" اپنی غلطی کا معقول عذر" پیش کرنے میں ناکام رہتا تو وہ کماحقہ اس کی سرزنش کرتا اور اس کی آمدنی میں سے نصف لے لیتا۔ اس کے بعد فوراً اسے برہنہ کرکے زمین پر لٹادیئے جانے کا حکم دیا جاتا پھر اس کی سخت پٹائی ہوتی۔ لیکن اگر وہ اتفاق سے بادشاہ کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تو بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے اس کی پٹائی کرتا۔ اس کی سزا کے بعد حکم دیا جاتا کہ اسے" نہایت باعزت طریقے پر ڈھول اور باجے کے ساتھ" اس کی پالکی میں اس

Marfat.com

کے گھر تک لے جایا جائے[118]۔ لیکن جسمانی سزا کا تذکرہ کسی اور مصنف نے نہیں کیا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ڈیمس (DAMS) کا خیال ہے، یہ کہانی بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے[119]۔

مملکت وجے نگر کا ذکر کرتے ہوئے ڈوارٹے باربوسا کہتا ہے "ان تمام قصبوں اور دیہاتوں میں ملحد آباد ہیں جن میں سے چند مور بھی ہیں۔ یہاں کے بیشتر مقامات جاگیرداروں کی ملکیت میں ہیں جو نرسنگو (NARSYNGUA) کے بادشاہ کی جانب سے ان کے پاس ہیں جو خود اپنے شہر میں اپنے گورنروں، لگان اور ٹیکسوں کے محصلین کو متعین کرتا ہے[120]"۔ سیاح کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو قسم کے صوبے ہوتے تھے ان میں سے ایک بادشاہ کی جانب سے جاگیردارانہ نظام کی بنیاد پر جاگیرداروں کے پاس ہوتا تھا اور دوسرے پر بادشاہ براہِ راست اپنے گورنروں یا نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرتا تھا۔ یہ دو قسم کے صوبائی افسران ہماری بیان کی ہوئی تقسیم کے نایک اور گورنر تھے۔

نایکوں کی دستوری حیثیت ایک صوبے کے گورنر سے مختلف معلوم ہوتی ہے گو دونوں کو چند ملتے جلتے فرائض انجام دینے ہوتے تھے (۱) گورنر صوبے میں بادشاہ کا نمائندہ ہوتا تھا اور بادشاہ کی جانب سے اس پر حکومت کرتا تھا جبکہ نایک محض ایک فوجی جاگیردار ہوتا تھا۔ اور اسے جاگیر میں جو ضلع دیا جاتا تھا وہ اصل میں اس لیے تھا کہ وہ اپنے مالی اور فوجی فرائض کو انجام دے سکے۔ (۲) نایک کو اپنی جاگیر میں نسبتاً زیادہ آزادی حاصل تھی۔ اس کے ضلع کے داخلی نظم و نسق میں بظاہر بادشاہ کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نایکوں کا ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں تبادلہ نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن ایک نایک کو اس کے سپرد کیے ہوئے ضلع سے برطرف کر دیا جانا خلافِ معمول نہ تھا۔ لیکن اس طرح کے واقعات میں اس کی برخواستگی کی وجہ بظاہر اس کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی ہوتی تھی یا بادشاہ کی یہ خواہش کہ وہ اپنے کسی دوسرے پسندیدہ شخص کو اس مقام پر متعین کرے لیکن کسی گورنر کی منتقلی یا برطرفی غالباً انتظامی ضرورتوں کے پیش نظر کی جاتی تھی۔ (۳) نایک کی ذمہ داریاں بڑی سخت ہوتی تھیں جنگلوں کی صفائی زراعت کا کرانا اور تہذیب و تمدن پھیلانا چند وہ زیادہ اہم کام تھے جو نایکوں کے سپرد کیے جاتے تھے اور جنھیں وہ انجام دیتے تھے (۴) گورنروں کو عموماً ڈنڈ نایک کہا جاتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ برہمن ہوتے تھے (۵) نایک کا عہدہ جو ابتدائی دور میں شخصی ہوتا تھا، امتداد زمانہ کے ساتھ

Marfat.com

ہی جب مرکز میں بادشاہوں کے اندر کمزوری اور زنانہ پن آگیا تو موروثی بن گیا۔

نایک شاہی صدر مقام پر دو طرح کے افسر متعین کرتے تھے ۔ان میں سے ایک تو دارالسلطنت میں تعینات اپنے آقا کی فوج کا انچارج ہوتا تھا۔نونیز نایکوں کی ایک مخصوص جماعت کا تذکرہ کرتا ہے جنھیں شہروں یا قصبات میں قیام پذیر ہونے کی زحمت کبھی نہیں اٹھانی پڑتی تھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ بادشاہ کی پہونچ سے دور ہو جائیں۔ لیکن جیسا کہ ایک سلسلہ میں پہلے ہی بتلایا جاچکا ہے نونیز کا یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر پائز کے بیان کے پیش نظر جو کرشن دیو رائے کے زمانہ کے امراء کی ایک جماعت کے متعلق بتلاتے ہوئے کہتا ہے "یہ سردار سلطنت کے امرا ہیں یہ جاگیردار ہیں اور مملکت کے شہر قصبات اور گاؤں ان کے تصرف میں ہیں[124]" بظاہر نونیز ان نایکوں کے درمیان، جو اپنے اپنے علاقوں پر حکمرانی کرتے تھے اور دارالسلطنت میں مقیم ان کے فوجی نمایندوں کے درمیان اشتباہ کر رہا ہے ۔ان نمایندوں کو گھر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اس لیے کہ وہ (دربار میں) اپنے اپنے جاگیرداروں کے وکیل اور ضامن ہوتے تھے ۔ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شاہی دربار کے یہ امراء محل کے برجوں کی حفاظت کرتے تھے جس طرح مدورا کے نایک کے دور میں پالائیگار (PALAIGAR) کیا کرتے تھے ۔لیکن اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ وہ یہ کام انجام دیتے تھے تو ہم غلطی پر نہ ہوں گے کیونکہ مملکت وجے نگر کی صوبائی تنظیم مرکزی تنظیم ہی کا ایک مختصر چربہ ہوتی تھی۔

دوسرا افسر جسے نایک شاہی دربار میں متعین کرتے تھے وہ استھاناپتی (STHANA-PATI) یا غیر فوجی نمایندہ ہوتا تھا جو دارالسلطنت میں اپنے آقا کے مفادات کی نمایندگی کرتا تھا۔نونیز اس افسر کے بارے میں مندرجہ ذیل بیان قلم بند کرتا ہے "بسنگا (BISNAGA) کی اس سلطنت کے سردار اور جاگیردار خواہ وہ دربار میں رہتے ہوں یا اس سے دور کہیں اور، ان میں سے ہر ایک کا ایک سکریٹری ہوتا ہے جو دربار جاتا رہتا ہے تاکہ اسے لکھ سکے اور مطلع کر سکے کہ بادشاہ کیا کر رہا ہے اور ان کا انتظام ایسا ہے کہ کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جس کی انھیں فوراً اطلاع نہ ہو جاتی ہو اور وہ شب و روز ہمیشہ دربار ہی میں رہتے ہیں[123]"

اس طرح رائے واشکمو کے مطابق مدورا کا وشوناتھ نایک وجے نگر میں ایک نمایندہ استھاناپتی رکھتا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے رائے واشکمو کی تصنیف کی جس میں اس نے کرشن

Marfat.com

دیورائے کے دورِ حکومت کے حالات لکھے[12] نونیز کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو صوبائی گورنر شاہی دربار میں کسی عہدے پر فائز ہوتے تھے اور جس کی بنا پر انھیں دار السلطنت ہی میں مقیم رہنا پڑتا تھا، وہ بھی اپنے مفادات کی نگرانی کے لیے بادشاہ کے محل میں اپنے "سکریٹری" رکھا کرتے تھے۔

وجے نگر کے زمانہ کا ناین کر نظام چند اہم باتوں میں ہمیں عہد وسطیٰ کے یورپ کے نظام جاگیرداری کی یاد تازہ کراتا ہے۔ لیکن یہ مشابہت محض چند ہی باتوں تک محدود ہے اس لیے کہ ناین کر نظام میں جاگیرداری کا اصول اس حد تک نہیں بڑھا تھا جتنا کہ یہ یورپ میں تھا۔

نظام جاگیرداری کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے "زمین پر حق ملکیت کی وساطت سے سماج کی ایک مکمل تنظیم"، جس میں بادشاہ سے لے کر ایک معمولی زمین دار خدمت اور تحفظ کے معاہدہ کے تحت ایک ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ آقا کو اپنے جاگیرداروں کی حفاظت اور جاگیرداروں کو اپنے آقا کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ تحفظ اور خدمت اس زمین کی نوعیت اور وسعت پر مبنی ہوتی ہے جو ایک یا دوسرے کے قبضہ میں ہوتی ہے ان ریاستوں میں جو وسیع ہو کر (مختلف) علاقوں تک پھیل گئی تھیں وہاں دفاع اور خدمت کے حقوق کے ساتھ حاکمانہ حقوق بھی عطا کئے جاتے ہیں جاگیردار اپنے لگان داروں کے ساتھ انصاف کرتا ہے یا اس کی مدافعت کرتا ہے لگان دار اپنے جاگیردار کو خوش رکھتا ہے اور اسکی خدمت کرتا ہے جن ریاستوں میں جاگیردارانہ طرزِ حکومت ترقی کی بلند ترین منزلوں پر پہونچ چکی ہوتی ہیں، سیاسی، مالی اور عدالتی سارے عوامی امور کا نظم و نسق محض ایک نام کے اشارے پر چلتا ہے[13]"۔ اس طرح جاگیردارانہ نظام کے دو پہلو تھے ایک سیاسی اور دوسرا معاشیاتی۔ اول الذکر کے مطابق جاگیردار اپنی جاگیروں کے حاکم ہوتے تھے، انھیں چند اختیارات حاصل تھے اور اس کے معاوضہ میں انھیں آقا کی خدمت انجام دینی پڑتی تھیں خود آقا سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے جاگیردار کی حفاظت کرے گا۔ جاگیردارانہ نظام کا معاشیاتی پہلو اس حقیقت پر مشتمل تھا کہ جاگیردار کی حیثیت و طاقت پوری طرح اس زمین کی مقدار سے وابستہ تھی جو اس کے قبضہ میں ہوتی تھی۔

ناین کر نظام میں بھی ہم یہی پاتے ہیں کہ زمین کا اصل مالک بادشاہ ہی ہوتا تھا۔ نونیز

Marfat.com

کہتا ہے "تمام زمین بادشاہ کی ہے اور اسی کی جانب سے جاگیردار اس کے مالک ہوتے ہیں . . . ان کی اپنی کوئی زمین نہیں ہے اس لیے کہ پوری مملکت بادشاہ کی ملکیت ہے"[126] عہد وسطیٰ کے یورپ کے باجگذار جاگیرداروں کی طرح نایک بھی ایک متعین سالانہ مالی خراج اور مقررہ فوجی دستے ملازم رکھنے کے عوض بادشاہ کی زمینوں کے بلاواسطہ یا بالواسطہ مالک ہوتے تھے۔ یہ لوگ بھی اپنی زمینیں انھیں شرائط پر جن پر وہ خود شاہی زمینوں کے مالک ہوتے تھے، چھوٹے چھوٹے لگان داروں کو دے دیتے تھے یہ طریقہ کار یورپ میں زمینوں کو چھوٹے لگان داروں کے حوالے کر دینے کے طریقہ (SUB INFEUDATION) کے مشابہ تھا۔

لیکن بعض دوسرے امور میں وجے نگر کا نایَن کر نظام یورپ کے مماثل نظام سے مختلف تھا۔ اوّل تو اس طریقہ میں جس طرح یہ وجود میں آیا تھا یورپ کے کا نظام جاگیرداری دو طرح کے حالات کا نتیجہ تھا۔ خود سپردگی کا عمل جس کے مطابق ایک چھوٹا زمیندار اپنے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے خود کو ایک جاگیردار کے سپرد کر دیتا تھا، اپنی زمین اس کے حوالے کر دیتا تھا اور جو اسے اپنی خدمات کے عوض بطور جاگیر اسے واپس ملتی تھی اس وعدہ پر کہ جاگیردار اس کا تحفظ کرے گا، اور بخشش کا عمل جس کے مطابق جاگیردار چند مخصوص خدمات کی انجام دہی کے عوض لگان داروں کو زمینیں عطا کیا کرتا تھا۔ لیکن نایَن کر نظام بادشاہوں کی ایک سمجھی بوجھی پالیسی کا نتیجہ تھا جس میں وہ فوجی خدمت اور ایک مقررہ مالی خراج کے عوض (کچھ) علاقے نایکوں کو جاگیریں دے دیتے تھے۔

دوم یہ کہ وہ سیاسی عنصر جو یورپ کے نظام جاگیرداری میں سب سے غالب تھا، نایَن کر نظام میں مفقود تھا۔ وجے نگر کا جو نایک، بادشاہ کی زمین کا مالک ہوتا تھا اس کا حق ملکیت اصل میں ایک فوجی جاگیر کی نوعیت کا ہوتا تھا جو امرام (AMARAM) کے نام سے معروف تھا مزید براں وجے نگر کے بادشاہ اس بات کے لیے بہت زیادہ تیار رہتے تھے کہ وہ نایکوں کو انتہائی کٹھن ذمہ داریاں سپرد کریں بہ نسبت اس کے کہ وہ ان کے مفادات کا تحفظ کریں جیسا کہ نونیز (بھی) کہتا ہے کہ اگر وہ اپنے فرائض کو بروقت انجام نہ دے پاتے تو وہ اس کے سزاوار قرار پاتے کہ انھیں تباہ کر دیا جائے اور ان کے مال و اسباب ان سے واپس لے لیے جائیں[127]۔ لیکن یورپ کے جاگیردارانہ نظام میں "رضاکارانہ لگان داری بڑھ کر پوری زندگی کی لگان داری میں تبدیل ہو گئی جس نے پھر وسعت پا کر موروثی قبضہ کی شکل اختیار کر لی تھی"[128]۔

Marfat.com

ایک دوسرا نکتہ جو ذہن نشیں رکھنے کے قابل ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ جبکہ عہد وسطیٰ کے یورپ میں پورا سماج زمین کے حق ملکیت کے رشتے میں گتھا ہوا تھا، وجے نگر کے زمانہ میں نایین کر نظام آبادی کے محض ایک حصّہ کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا تھا۔ زمینوں کو چھوٹے چھوٹے ذیلی لگان داروں کے سپرد کر دیئے جانے کے طریقہ کار کی تدریجی ترقی ہندوستان میں تکمیل کی اس منزل تک نہ پہنچ سکی تھی جتنی کہ یہ یورپ میں پہنچ گئی تھی۔ مزید یہ کہ جاگیردارانہ اصول یورپ کی طرح ہندوستان کے تمام مناصب میں نافذ نہیں تھا اس لیے کہ یورپ میں عدل و انصاف کے شعبہ میں بھی جاگیردارانہ اصول کو اپنایا گیا تھا۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وجے نگر کا نایین کر نظام ایک مکمل جاگیردارانہ تنظیم سے بہت پیچھے تھا۔

یہاں نایین کر نظام کی خوبیوں اور خامیوں کا ایک جائزہ بیجانہ ہوگا۔ زمین کے ان وسیع علاقوں کو جن پر اس وقت گھنے جنگل اور پتھریلی پہاڑیاں واقع تھیں یہ حوصلہ مند نایک اپنے تصرف میں لائے۔ وہاں شہروں کی تعمیر کی گئی، گاؤں آباد کیے گئے اور ان خطوں میں تہذیب و تمدن کی قندیلیں روشن کی گئیں آبپاشی کی بڑی بڑی سہولتیں بہم پہونچائی گئیں۔ ہندو تہذیب و تمدن کی ہر اچھی بات کی ترویج اور ہمت افزائی کی گئی۔ لیکن نایکوں کے ان کارناموں کی بنا پر ہم اس نظام کی بعض خرابیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے مدورا کے پالائی گاروں کے متعلق بتلاتے ہوئے کالڈ ویل (CALDWELL) یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "یہ بات مشکل ہی سے کہی جا سکتی ہے کہ غیر مہذب اور سرکش جاگیردار امراء، جیسا کہ عام طور پر پالائی گار ہوا کرتے تھے، کی ایک جماعت کی وساطت سے ملک پر حکمرانی کا خیال خوشگوار ثابت ہوا ہوگا اس لیے کہ ۱۸۰۱ء میں برطانوی اقتدار کی مکمل ماتحتی اور اطاعت قبول کر لینے کے زمانہ تک، اگر وہ مرکزی طاقت سے برسرِ پیکار نہ ہوتے تو وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہتے تھے۔ نیز ان لوگوں سے مرکزی حکومت کا خراج اور واجب الادا محاصل کا وصول کرنا شاذ و نادر ہی ممکن ہو پاتا تھا الّا یہ کہ فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا جائے جو وصولی کی غیر مقبولیت اور اس کے اخراجات دونوں ہی میں اضافہ کا موجب بنتا تھا۔ لیکن اسٹوارٹ پالائی گار نظام کی حمایت کرتا ہے اور لکھتا ہے "لیکن یہ تنقید ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے جاگیردارانہ اداروں پر بھی مساوی طور پر لاگو ہوتی ہے اور چونکہ یہ ادارے دنیا میں اپنے فروغ کے زمانہ میں اپنے مقاصد کو انجام دے رہے تھے لہٰذا یہ فرض کر لینا شاید درست ہوگا کہ اس نظام کے ذریعہ غیر ملکی دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور اندرون

Marfat.com

ملک امن وامان اور ترقی کی اس حد تک ضمانت مل گئی تھی جو کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہ تھی اگرچہ اکثر ظلم وتعدی اور بدانتظامی کا عنصر اس میں شامل رہتا تھا[12] لیکن اس کے یورپ کے نظام جاگیرداری پر مبنی قیاس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی اس لیے کہ (ہندوستان میں) یہ نظام مکمل طور پر جاگیردارانہ نہ تھا نیز اس کے دلائل میں (اس نظام) کی وکالت کا انداز ہے۔ اس نظام میں چند خرابیاں تھیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں اپنے علاقوں میں جو آزادی حاصل تھی اس سے انھیں مقامی نوعیت کے جھگڑوں اور خانہ جنگیوں میں حصہ لینے کا موقعہ مل جاتا تھا کبھی کبھی وہ مرکزی حکومت کی بالادستی کو بھی نگاہ میں نہیں لاتے تھے جب وہ نااہل بادشاہوں کے زمانہ میں کمزور ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ بڑے بڑے نایک جو اپنی زمینیں اپنے لگان داروں کے درمیان بالکل اسی طریقے پر تقسیم کر لیتے تھے جس طرح وہ خود انھیں بادشاہ کی جانب سے حاصل ہوئی تھیں انھیں ماتحتوں سے خود اپنے مفاد کے لیے خراج اور فوجی خدمت لیا کرتے تھے۔ اسی لیے جن نایکوں کو بڑے نایکوں سے زمینیں ملتی تھیں وہ بادشاہ کو جوابدہ نہ تھے چنانچہ جو نایک براہِ راست بادشاہ کو جوابدہ ہوتا تھا اگر وہ مرکزی حکومت کے خلاف کمربستہ ہوجاتا تھا تو اس کے ساتھ اس کے بہت سے ماتحت نایک ہوتے تھے جبکہ خود بادشاہ بالکل بے یار و مددگار ہوتا تھا۔ یورپ کے نظام جاگیرداری کا بھی یہ ایک کمزور پہلو تھا۔ مدورا کے پالائی گار نظام کے متعلق تبلاتے ہوئے ہراس (HERAS) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "مزید براں، اس بات سے تامل اور تیلگو سردار بلا امتیاز پلائی گار مقرر کئے جاتے تھے، یہ توقع کی جاتی تھی کہ رعایا اور ان کے غیر ملکی حکمرانوں کے درمیان ضروری اتحاد اور دائمی امن وامان کے قیام کے لیے مفید ثابت ہوگی یہ اس زمانہ کا اہم ترین سیاسی واقعہ تھا اس حقیقت کے باوجود کہ اس سے چھوٹے چھوٹے سرداروں کی ہمتیں بڑھتی تھیں اور مدورا کا شاہی اقتدار جس سے یہ سردار ابتدا ہی سے بہت حد تک آزاد تھے، کمزور ہورہا تھا اگر وہ مرکزی طاقت سے کچھ زیادہ باضابطہ طریقہ پر وابستہ اور منحصر ہوتے تو ممکن تھا کہ مدورا کی ریاست بہت سی ان مشکلات سے نجات پاجاتی جو پالائی گاروں کے باعث اٹھ کھڑی ہوئی تھیں"[13] وجے نگر کے نایَن کر نظام کے بارے میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ وجے نگر کی تاریخ کے بعض اہم مواقع جیسے متنازعہ فیہ جانشینی یا غیر ملکی حملوں کے وقت یہ نایک مرکزی حکومت کے جو رویہ اختیار کرتے تھے وہ اس تنظیم کی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے۔ مرکزی حکومت کا استحکام

Marfat.com

سی وقت متعین ہو سکتا تھا جب ان نیم آزاد نایکوں پر زیادہ قابو رکھا جاتا۔ لیکن جزوی طور پر نایین کر کی بنیاد پر انتظام حکومت کی تنظیم وقت کا تقاضا تھی اور نظم حکومت کی ایک زیادہ بہتر اسکیم کی کمی کی بنا پر ہی اس نظام کو اپنایا گیا تھا۔ یہ نظام اپنی خامیوں کے باوجود کافی حد تک اپنا مقصد پورا کر رہا تھا۔

3- ماتحت حلیف (SUBORDINATA ALLEIS) ماتحت حلیف ان قدیم ریاستوں کے حکمراں ہوتے تھے جن کو فتح کر لیا گیا ہو۔ مملکت کے مضافات کے بعض علاقوں میں چند حکمراں خاندانوں کے افراد کو اس بات کی اجازت حاصل تھی کہ وہ وجے نگر کے حکمراں کو اپنا سالانہ خراج ادا کر کے اپنی چھوٹی ریاستوں پر حکومت کرتے رہیں۔ شاہی حکومت کی مداخلت کے اندیشہ کے بغیر انھیں اس وقت تک مکمل اندرونی خود مختاری حاصل ہوتی تھی جب تک وہ اپنے حاکم بالادست کو فوجیوں اور رقوم کی شکل میں اپنا سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ کرناٹک کے علاقہ میں اس قسم کی بہت سی نیم آزاد ریاستیں موجود تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، وہ پہاڑی سلسلہ جو ان کی جاگیروں کو مشرقی حصّوں سے الگ کرتا تھا۔ یقیناً وہاں کے حکمرانوں کو مطیع بنانے میں وجے نگر کے حکمرانوں کے لیے دقتوں کا باعث بنا ہوگا۔ مزید یہ کہ شاہی حکمرانوں کو ان کی حیثیت کو تسلیم کرنا پڑتا تھا اس لیے کہ جاگیرداروں کے مقابلہ میں درمیانی ریاست کے حکمرانوں کی حیثیت سے وہ ان کی زیادہ بہتر طریقے پر کام آسکتے تھے اور شاید اس علاقہ کے عوام نئے فاتحوں کے مقابلہ میں اپنے موروثی حکمرانوں کا مطیع بنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماتحت حلیف شاہی دربار میں اپنے نمائندے رکھتے تھے نونیز اس طرح کے چند حکمرانوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ حکمراں بنگاپور، گسوپا، بیکانور، کالیکو (CALECU)، اور بھٹکل کے بادشاہ تھے[139]۔ دوسرے حکمرانوں میں ہوناور (HONAWAR) کا بادشاہ تھا جو کبھی تو وجے نگر کا حلیف رہتا تھا اور کبھی بیجاپور کا۔ اور بسا اوقات پرتگالیوں کا بھی۔ پھر اللل (ULLAL) کا بادشاہ تھا جو اکثر پرتگالیوں سے برسرِ پیکار رہتا لیکن کبھی کبھی انھیں خراج بھی ادا کرتا تھا۔ نیز گنگولی (GONGOLLY) کا بادشاہ تھا۔ وہ بھی وجے نگر کا ماتحت تھا۔

فصل چہارم

صوبائی تنظیم پر کنٹرول

اگرچہ مملکت کے صوبوں کو اندرونی خود مختاری دی جاتی تھی لیکن وجے نگر کے

Marfat.com

بعد کے دور میں "مخصوص کمشنروں (SPECIAL COMMISSIONED) کا تقرر کرکے نایکوں کی آزادی پر پابند لگانے کی کوشش کی گئی تھی ان کمشنروں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ ان نایکوں کو قابو میں رکھیں" یہ مخصوص کمشنر" عموماً غیر معمولی صلاحیت کے حامل اور نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ اور انھیں حتی الامکان شاہی خاندان کے افراد میں سے چنا جاتا تھا۔ اچیوت رائے کے دور حکومت میں جب باصلاحیت وشوناتھ نایک تقرر کے ساتھ مدورا کے نایک کے عہدہ کی تاسیس ہو چکی تھی اور جنوبی اضلاع کے نظم ونسق کا معقول انتظام کیا جا چکا تھا اس کے بعد ہمیں اسی علاقہ میں ایک افسر نظر آتا ہے جس نے راجا دھراج اور مہامنڈل الیشور کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ ابتداً" رام راج وٹھل کو تراونکور کی سرحدوں کی جانب ایک مہم کی قیادت کے لیے اور ماہی گیری والے ساحلی علاقوں کی چند مشکلات کے خاتمہ کے لیے بھیجا گیا تھا ان دشواریوں پر وشوناتھ قابو نہ پا سکا تھا شاید اس وجہ سے کہ وہ ان جاگیروں کے نظم ونسق میں مشغول تھا جو اسے نایک کی حیثیت سے سپرد کی گئی تھیں اپنی اس مہم کی کامیاب تکمیل کے بعد ہی غالباً رام راج وٹھل کو ایک" مخصوص کمشنر" بنایا گیا تھا۔ اور پورا جنوبی ہندوستان اس کے حلقہ اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بالادستی کو بھوٹل ویر (BHUTAL VIRA) نے بھی تسلیم کر لیا تھا جس نے 722ء کولم (KOLLAM 722) 1546-47ء میں اس بات کا انتظام کیا تھا کہ وٹھلیشور مہاراجہ کی پیدائش کی تاریخ پر سچندرم (SUCINDRAM) میں واقع وشنو کی زیارت گاہ پر خاص چڑھاوے بڑھائے جائیں[135]۔ وہ تراونکور کے حکمراں جیسے جاگیرداروں کے ظلم وتشدد کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ تھا اور اس نے پورے جنوبی ہندوستان پر شاہی تسلط قائم کر دیا لیکن وشوناتھ نایک اور رام راج وٹھل کے درمیان حقیقی رشتہ کی وضاحت مشکل ہے چند کتبات میں وشوناتھ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ وٹھل کا ایک نمائندہ ہے۔ ایک کتبہ کے مطابق وشوناتھ، وٹھل دیو کے ثواب کے لیے ایک عطیہ دیتا ہے[136]۔ شاید انھیں کتبات کی روشنی میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اینگر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس عہد میں مدورا کے وائسرائے

Marfat.com

وشوناتھ اور اس کے بیٹے کرشن اپا کو اس مخصوص افسر کا ماتحت بن کر رہنا پڑا تھا۔[137] لیکن ہراس اس بیان پر اعتراض کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ چونکہ وتھل کی تقرری کا مقصد دوسرا تھا (لہٰذا) ایک دوسرے کی ماتحتی کی کوئی ضرورت نہ تھی" اور وہ مزید لکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مقصد کو آزادانہ طور پر پورا کر سکتا تھا تاہم وشوناتھ نے تراونکو کے خلاف مہم میں وتھل کی مدد کی تھی۔[138] وہ موجودہ دور کی ایک تمثیل کے ذریعہ ان کے درمیان دستوری رشتے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتا ہے وتھل اور وشوناتھ کے درمیان ان رشتوں کا موازنہ موجودہ زمانہ میں گورنر جنرل کے نمائندہ اور ہندوستان کی باجگذار دیسی ریاستوں کے کسی راجہ کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے اس سے کیا جا سکتا ہے۔[139] لیکن ہراس کی یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی اور نہ اس کی پیش کردہ عصر حاضر کی تمثیل ہی درست ہے۔ وشوناتھ قطعی طور پر کہتا ہے کہ وہ وتھل کا نمائندہ تھا اور وہ اس کی برتر حیثیت کو تسلیم کرتا ہے۔ کسی باجگذار ہندوستانی ریاست کا موجودہ دور کا کوئی راجہ گورنر جنرل کے نمائندہ (RESIDENT) کی ماتحتی کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ صرف حاکم اعلیٰ کا ماتحت ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے نمائندہ کا کام بہت ہی محدود ہوتا ہے اور یہ صرف ربط کا ایک ذریعہ ہوتا ہے جس ریاست میں وہ حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے، اس پر حکمرانی کا اسے کوئی حق نہیں ہوتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وتھل کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ وہ جاگیرداروں پر اپنی بالادستی نافذ کرتا تھا۔ خود عطیات دیتا،[140] جھگڑوں کا فیصلہ کرتا[141] اور عملاً تمام امور ایک آزاد حکمراں کی حیثیت سے انجام دیتا تھا جنھیں عصر حاضر کے گورنر جنرل کا نمائندہ کسی ہندوستانی ریاست میں انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس طرح ہمارے پاس جو شواہد ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک "بالادست کمشنر" ہوتا تھا اور اسے جنوب کے نایکوں کی نگرانی کے فرائض تفویض کیے گئے تھے۔

سداشیو کی موت کے بعد وجے نگر کے تخت پر تیرو مل کی تخت نشینی کے وقت اندرونی پھوٹ اور جاگیرداروں کی بغاوت کی وجہ سے مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی لہٰذا بادشاہ نے کم و بیش زبان کی بنیاد پر اپنی وسیع مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے ہر ایک میں اپنے ایک بیٹے کو وائسرائے مقرر کر دیا۔ اس طرح شری رنگا رائے تیلگو کے پورے علاقہ کا وائسرائے تھا جس کا دارالسلطنت پینو گونڈہ (PENUGONDA) تھا۔[142] رام مملکت کے مغربی حصوں کا حکمران تھا جس کا دارالسلطنت شری رنگا پٹم تھا،[143] جبکہ آخری شہزادہ وینکٹ، تو یدیرا (جنجی) چولا (تنجور)

Marfat.com

اڈپانڈیا (مدورا) کے علاقوں کا وائسرائے تھا جس کا دارالسلطنت چندرگیری تھا[124]۔ داسوچرترامو (VASUCA'RITRAMU) کا یہ قطعی بیان ہے کہ وہ "سلطنت چندرگیری پر وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی ماتحتی میں بہت سے جاگیردار تھے[125]۔ اس تصنیف کے اس بیان سے پہلے سے موجود نایکوں کے مقابلہ میں وائسرائے کی دستوری حیثیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے[126]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تامل کے اضلاع کا وائسرائے ایک "مخصوص کمشنر" ہوتا تھا جو جنجی، تنجور اور مدورا کے نایکوں پر ایک طرح کی نگرانی کا اختیار استعمال کرتا تھا۔ یہاں یہ فرض کرنا درست ہوگا کہ تیرومل کے زمانہ میں وٹھل دیو مہاراجہ کی حیثیت یقیناً چندرگیری کے وائسرائے کے مانند رہی ہوگی اسی طرح شری رنگا پٹم اور پینوگونڈ کے وائسرائے "مخصوص کمشنر کے عہدے" پر فائز ہوتے ہوں گے اور اپنے ماتحت جاگیرداروں کو قابو میں رکھتے ہوں گے۔

Marfat.com

حواشی

باب ششم

1 HISTORY OF INDIA از ایلیٹ (ELLIOT) 4، ص 105
2 سیول ، ح ، س ، ص 55 ، TN 2 ، 1532 میں اسے نقل کیا گیا اور پرتگالی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔
3 ایپی گرافیا کرناٹیکا ، 7 ، HASON ، 71۔
4 ملاحظہ ہو ایپی گرافیا انڈیکا 3 ، ص ص 224-230 ، A SHORT HISTORY. of (ceylon) از ایچ ، ڈبلو ، کوڈرنگٹن (H.W.CODRINGTON.) ص ص 84-85۔
5 1903 کا 141 ، 1904 کا 566 اور 567 ، رپورٹ 1905 ، پیراگراف 31۔
6 1916 کا 144 ، رپورٹ ، پیراگراف 60۔
7 سیول ، ح ، س ، پیراگراف 302۔
8 1903 کا 146 ، رپورٹ 1904 ، پیراگراف 23۔
9 سیول ، ح ، س ، ص 239۔
10 1897 کا 40 ، ملاحظہ ہو۔ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1900 ، رپورٹ پیراگراف 70۔
11 سیول ، ح ، س ، ص 302۔
12 بربوسا ، 1 ، ص ص 198-199۔
13 COMMENTARIES. 6 ، ص 73
14 ایلیٹ ، ح ، س ، 4 ، ص 103۔
15 سیول ، ح ، س ، ص ص 122 اور 374 ۔ ملاحظہ ہو بربوسا ، 1 ، ص 199 TN

Marfat.com

16. ایپی گرافیا انڈیکا 3، ص 24۔
17. ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، 10۔ B.G.
18. ایضاً 70۔ B.G.
19. پیراگراف 93 CHENNAP، 1919 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 2 255، 1909 کا 151-1914 کا 7۔
20. 1897 کا 118، 1909 کا 426۔
21. ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، دیباچہ ص 34، 1910 کا 196، 1912 کا 324۔
22. ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، TIRTHAHALLI، 154۔
23. آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 08-1907، ص 237 T.N. 7۔
24. 1909 کا 255۔
25. 1906 کا 66۔
26. 1905 کا 326۔
27. ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، SIDLAGHATTA، 15۔
28. ایپی گرافیا کرناٹیکا 11، CHANNARAJAPATNA، 52۔
29. ایپی گرافیا انڈیکا 3، ص 119، ایضاً 14، ص 313، ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، (TIRTH - AHALLI)، 206۔
30. ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، SIDLOGHATTE، 94۔
31. ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 4، نمبر 802، ایپی گرافیا کرناٹیکا 12۔
32. 1926 کا 232۔
33. سلیٹور (SALETORE) اس پر شبہ کا اظہار کرتا ہے کہ ولناڈو کی اصطلاح توندائی منڈلم سے باہر بھی مستعمل تھی SACIALAND POLITICALLIFE، ص 1، (T.N.295) لیکن یہ بات میں درج ہے کہ گنگدائی منڈلم میں بھی ایک ڈویژن تھا (1906 کا 66، 1909 کا 1909) اور دوسرے میں نگاریلی شولامنڈلم (NIGARILI SOLAMANDALAM) میں واقع راجندر شولا ولناڈو (RAJENDRA SOLAVALNADU) کا تذکرہ ملتا ہے۔ (ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، 59 B.G.) سلیٹور کا یہ بھی خیال ہے کہ ولناڈو۔ کوتم کے مقابلہ میں چھوٹا

Marfat.com

ڈویژن تھا۔ لیکن اگرچہ چند کتبات ایسے ہیں جن میں درج ہے کہ ولنادو، کوتم کا ایک حصہ ہوتا تھا (اپی گرافیا انڈیکا ص ۱۱۹) تاہم کچھ ایسے بھی ہیں جن میں کوتم کا تذکرہ ولنادو کے ایک ڈویژن کی حیثیت سے ملتا ہے (ملاحظہ ہو ۱۹۰۹ کا ۷۴۰، ۱۹۰۶ کا 66) مزید ایک مشکل یہ ہے کہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ ایک کوتم اور ایک ولنادو سے ایک ہی ڈویژن مراد ہوتا تھا (۱۹۱۱ کا 319) لہٰذا وسعت کے اعتبار سے کوتم کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین کرنا مشکل ہے۔

۳۴ 1887 کا 871، ۱۹۰۹ کا ۷۴۰ بھی ملاحظہ ہو۔

35 ۱۹۱۱ کا 319۔

36 1888 کا 73۔

37 1905 کا 386۔

38 1922 کا 68۔

۳۹ اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، SIDLAGHATTA، ۹۴۔

۴۰ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHA HALLI، ۹، 1897 کا 186، اپی گرافیا انڈیکا 13، ص ۱۱، اپی گرافیا انڈیکا 3، ص 229، اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، S.G. 70۔ اگرچہ کتبات میں مذکور تاریخی تفصیلات کی صحت پر ہم شبہ کر سکتے ہیں لیکن یہ ممکن ہے کہ اس طرح کی اصطلاحات اس زمانہ میں رائج ہوں۔ لیکن شری گیری بھوپالا SRIGIRI BHUPALA کی MADRAS MUSEUM PLATES کے مطابق ایک نرورتی (NIRVRITHI) کوتم کے مقابلہ میں ایک بڑا ڈویژن تھا (ملاحظہ ہو۔ اپی گرافیا انڈیکا 8، ص 315)۔

۴۱ اپی گرافیا انڈیکا 13، ص ۱۱۔

42 اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۱، HIRIYUR، 88۔

43 اپی گرافیا کرناٹیکا ۹، DOD BALLAPUR، 42۔

۴۴ اپی گرافیا کرناٹیکا 3، NANJAIGUD ۱۰، ۱۱ HARIYUR، 36۔

45 اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰۔

46 اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIKARPUR 282۔ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB

51۔ کمپن کے بارے میں فلیٹ (FLEET) کہتا ہے "کمپن، باد (BADA) کی ایک تغیر... اصطلاح ہے جس کے دوسرے معنی شہروں کے ایک حلقے کے ہیں جو ایک انتظامی یو... ن

Marfat.com

کی تشکیل کرے"۔ . . بادسنسکرت (لفظ) وات (VATA.) کی بگڑی ہوئی ایک تدبھاؤ (TADBHAVA) شکل ہے (جس کے معنی) ایک شہر یا ایک گاؤں کے حصار، پشتہ، دیوار، جھاڑیاں وغیرہ کے ہیں۔ . . کپین غالباً کنارا کے کپلا، کپیلو (یعنی) ایک جھنڈ، ڈھیر، مجموعہ، ہجوم وغیرہ کی ایک دوسری شکل ہے۔

ﷺ47 اپی گرافیا انڈیکا، 12، ص 187۔

ﷺ48 1913 کا 212، ولیتا کے دیگر حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ 15-1914 کا باب اوّل۔

ﷺ49 اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTTA HALLI، 206۔

ﷺ50 1911 کا 444۔

ﷺ51 اپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 232، T. N. 9۔

ﷺ52 اپی گرافیا کرناٹیکا 9، CHANNERAYAPATNE، 150۔

ﷺ53 1892 کا 205۔

ﷺ54 اپی گرافیا کرناٹیکا 10، KOLAR، 252۔

ﷺ55 اپی گرافیا کرناٹیکا، 9، HOSKOTE، 121۔

ﷺ56 اپی گرافیا انڈیکا III، کاودی (CAVADI) سے متعلق چند دیگر حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو، J.B.B.R.A.S.S.، 12، ص 350۔

ﷺ57 اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، SOROLE، 375۔

ﷺ58 بلور انسکرپشنس، 2، NL. 28۔

ﷺ59 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، KOLAR، 162 اور 222۔

ﷺ60 اپی گرافیا انڈیکا 3، ص ص 227 اور 228۔

ﷺ61 بلور انسکرپشنس 2، Km. 25۔

ﷺ62 ایضاً، CHANNEPATNA، 1۔

ﷺ63 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGAL، 175۔

ﷺ64 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BOWRINGPET، 15۔

ﷺ65 اپی گرافیا انڈیکا ص ص 173 اور 186 دلوائے اگرہارم کی تحتیاں، جلد 23 تا 26۔

ﷺ66 1915 کا 43، اپی گرافیا کرناٹیکا، YELNDUR، 16 سودرسنز از ایس۔ کے۔ اینگر،

Marfat.com

ص 221۔

67ـه ایس۔ کے۔ اینگر، ایضاً ص 302۔

68ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا، 3، ص 21۔

69ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI، 20، NAGAMANGALA، 34

TIRTHAHALLI، 114۔

70ـه ایضاً TIRTHAHALLI، 37۔

71ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BOWRINGPET، 72۔

72ـه ایضاً، 3 M.R. اور 1۔

73ـه 1903 کا 141۔

74ـه 1901 کا 128۔

75ـه 1911 کا 100۔

76ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، دیباچہ ص 12۔

77ـه J.B.B.R.A.S.، 4، ص 115

78ـه 1927-28 کا 376۔

79ـه 1912 کا 309۔

80ـه جرنل آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 707۔

81ـه ایضاً۔

82ـه 1912 کا 309۔

83ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGAL، 58۔

84ـه ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB، 375۔

85ـه HIS PICRINS از پرکاز (PURCHAS) 10، ص 99۔

86ـه آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 06-1907، ص ص 237-238۔

87ـه مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1905 پیراگراف 31، COINS OF SAUTHS INDIA از سر والٹر ایلیٹ SIR WALTER-ELLIOT، تختی 3 نمبر 92 اور انڈین انٹی کوری جلد 20، ص 304 بھی ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

88 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1929، پیراگراف ۹۰۔

89 ایپی گرافیا کرناٹیکا، CHILLORE، 97۔

90 1911 کا 324۔

91 1918 کا 184۔

92 1912 کا 309۔

93 مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1905، ۲۔

94 سیول، ح، س، ص 389۔

95 ملاحظہ ہو ANTA.، ص 91۔

96 ایضاً ص 380۔

97 ایضاً، ص 389۔

98 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، GORILIDNUR، 22۔ اس کتبہ کا مستند ہونا مشکوک ہے تاہم یہ حقیقت کہ صوبائی گورنروں کو بعض رواجی قسم کے اعزازات بخشے جاتے تھے، غلط نہیں ہو سکتی۔

99 892 کا 257، ایپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 112۔

100 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7، SHIKARPUR، 281۔

101 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI، 147۔

102 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGOL، 7۔

103 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BONRINGPET، 72۔

104 1911 کا 100۔

105 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 3، Sm. 89

106 ایپی گرافیا انڈیکا ص 110۔

107 نیلور انسکرپشنز، 3، APP. 1، ص 1476۔

108 سیول، ح، س، ص 384۔

109 ایضاً، ص ص 384-389۔

110 سیول، ح، س، ص 374۔

Marfat.com

۱۱۱؎ ایضاً، ص 373۔

۱۱۲؎ سیول، ح، س، ص ص 280-281۔

۱۱۳؎ ایضاً، ص 380۔

۱۱۴؎ ایضاً، ص 281۔

۱۱۵؎ ایضاً، ص 282۔

۱۱۶؎ ایضاً، ص ص 374 اور 389۔

۱۱۷؎ باربوسا، ۱، ص 209۔

۱۱۸؎ ایضاً، حاشیہ۔

۱۲۰؎ ایضاً، ص 200۔

۱۲۱؎ سیول، ح، س، ص 374۔

۱۲۲؎ سیول، ح، س، ص 280۔

۱۲۳؎ ایضاً، ص 374۔

۱۲۴؎ سورسز، از، ایس، کے، اینگر، ص ص 110-111۔

۱۲۵؎ CONSTITUTIONAL HISTORY OF ENGLAND، ۱، ص 288۔

۱۲۶؎ سیول، ح، س، ص، 379۔

۱۲۷؎ سیول، ح، س، ص 389۔

۱۲۸؎ ENGLISH CONSTITUTIONAL HISTORY از میڈلی (MEDLAY) ص 28۔

۱۲۹؎ HISTORY OF TINNEVELLY، ص 58۔

۱۳۰؎ TINNEVELLY MANUAL، ص 42۔

۱۳۱؎ ARAVIDU DYNASTY، ۱، ص 134۔

۱۳۲؎ سیول، ح، س، ص 374۔

۱۳۳؎ اس قسم کی ماتحت ریاستوں کی ایک فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ہراس (HERAS)، س، ص ص 186-190۔

۱۳۴؎ 1906 کا 6۔

Marfat.com

سه135 1896 کا 64، مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1900-1899، رپورٹ پیراگراف 79۔

سه136 1916 کا 599، 1915 کا 721 وغیرہ۔

سه137 دی نایکس آف مدورا، از ستیہ ناتھ ایر، ص 14۔

سه138 ARAVIDU DYNASTY، ا، ص 155۔

سه139 ایضاً، ص 155۔

سه140 1901 کا 273۔

سه141 1895 کا 140، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 704۔

سه142 SOURCES، ایس، کے، اینگر، ص 202۔

سه143 ایضاً، ص ص 302 اور 217۔

سه144 ایضاً، ص 302۔

سه145 ایضاً، ص 217۔

سه146 رچرڈس (RICHARDS) سالم گزیٹیر (SALAM GAZETTER) میں بیان کرتا ہے کہ "اس زمانہ میں مملکت چھ وائسرائیوں کے ماتحت منقسم تھی (1) آندھرا (2) کرناٹک (3) مدورا (4) چندرگیری (5) جنجی اور (6) تنجور۔ یہاں مدورا تنجور اور جنجی کے تین مقامات کی وائسرائی کو تامل کی وائسرائی سے جس کا دارالسلطنت چندرگیری تھا مختلف بتایا گیا ہے۔ بظاہر یہ غلط ہے۔

Marfat.com

باب ہفتم

مقامی حکومت

LOCAL GOVERNMENT

فصل اوّل

سبھا

ہندوستان میں ایک سیاسی ادارہ جو انقلابات، حکومتوں کی ردوبدل، حوادثات زمانہ اور غیر ملکی اقتدار کے اثرات کے باوجود بچ رہا وہ ہے مقامی حکومت۔ دیہی اداروں کی اہمیت تقریباً برطانوی حکومت کے آغاز تک قائم رہی ان دیہی جمہوریتوں VILLEGE UPABLICS. نے ہندوستان میں جو خدمات انجام دیں ان کے متعلق الفنسٹن ELPHINSTORE کہتا ہے "اگرچہ ایک نہایت بہتر نظام حکومت سے غالباً ان کا تقابل نہیں کیا جاسکتا تاہم ایک ناقص نظام حکومت کے لیے یہ ایک بہترین تدارک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اس (بری حکومت) کی غفلت ولاپرواہی اور کمزوری کے برے اثرات کو روکتی ہیں اور اس کے ظلم واستبداد اور زیادتیوں کے خلاف بھی رکاوٹ کا کام کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ادارے مختصر پیمانہ پر اپنے اندر ایک ریاست کے تمام اسباب ووسائل رکھتے ہیں اور اگر کسی طرح کی کوئی حکومت نہ بھی ہو تو یہ (ادارے) اپنے یہاں کے افراد کے تحفظ کے لیے تقریباً کافی ہیں۔ ہندوستان کی دیہی زندگی اور تنظیم کے استحکام واستقرار ہی میں ہندوستان کے گذشتہ خوش گوار کارناموں کا راز سربستہ ہے"

قدیم ہندوستان میں مقامی علاقوں کے انتظام کی ایک اہم خصوصیات ان اداروں کا سرگرم طرز عمل تھا جنھیں ہم مقامی اسمبلیوں کے نام سے پکار سکتے ہیں، اور جو مقامی علاقوں کا نظم ونسق چلاتی تھیں۔ اس دیہی نظام کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے (۱) ایک تو دیہی سبھا

Marfat.com

اور اس کی مماثل اُر (UR) تھی (2) دوسری (NADU) تھی جو ذرا وسیع دیہی علاقے کی اسمبلی تھی ان کے علاوہ چند اجتماعی نوعیت کی انجمنیں تھیں جو اگرچہ مکمل طور پر سیاسی جماعتیں تو نہ تھیں لیکن پھر بھی وہ چند سیاسی فرائض انجام دیتی تھیں۔ ان میں قابل ذکر ہیں پیشہ وروں کی انجمنیں، تجارتی انجمنیں اور مندر، جو دیوتا کا گھر ہونے کے علاوہ مقامی علاقوں کی سیاسی و معاشی زندگی کا ایک اہم مرکز بھی ہوتا تھا۔

دیہی سبھا کی ابتدا راز میں ہے۔ لیکن یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ سبھائی (SABHAI) کی اصطلاح سنسکرت کے لفظ سبھا (SABHA) کی تامل شکل ہے جس کے معنیٰ اسمبلی کے ہیں اور اسمبلی کے معنیٰ میں اس اصطلاح کا استعمال ویدوں کے عہد میں بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض چند گاؤں کی اسمبلی ہی کو سبھائی کہا جاتا تھا اور یہ وہ گاؤں ہوتے تھے جو برہمنوں کو عطیہ میں دیئے جاتے تھے (برہمادیا گاؤں (BRAHAMADEYA VILLEGE)۔ برہمادیا گاؤں کی اسمبلی کے ساتھ ساتھ ار کی اسمبلی ہوتی تھی اور اس کو اُر (UR) کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سبھائی اور ایک ار کے درمیان کافی فرق تھا۔ پہلی تو صرف برہمنوں سے متعلق تھی اور صرف برہمادیا گاؤں میں ہوتی تھی جبکہ دوسری ایک غیر برہمادیا گاؤں یا ایسے گاؤں کے لوگوں کی اسمبلی ہوتی تھی جس کی اراضی کے مالک تنہا برہمن نہیں ہوتے تھے۔ اگرچہ کتبات میں ہمیں ار کے کچھ حوالے ملتے ہیں تاہم اس کے متعلق ہماری واقفیت بہت محدود ہے۔ لیکن برہمادیا گاؤں میں سبھا کی تشکیل اور اس کی کارکردگی کے بارے میں ہمیں بہت سی معلومات دستیاب ہیں۔ لیکن جن کتبات میں ان سبھاؤں کی کارکردگی کا تذکرہ ملتا ہے وہ چولا (COLA) عہد کے ہیں اور وجے نگر کے عہد سے پہلے کے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیں ان سبھاؤں کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ تقریباً وہی امور انجام دیتی تھیں جو چولا عہد کی سبھائیں انجام دیتی تھیں لہٰذا یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں بھی سبھائیں پرانے ہی خطوط پر عمل پیرا رہیں اور باضابطہ طور پر اپنے قدیم فرائض انجام دیتی رہیں۔

بعض مقامات پر مہاسبھا (MAHA SABHA) یا سبھا کی جماعت کو مہاجن (MAHA - JANS) کہا جاتا تھا۔ اگرم پتور (AGARAMPUTTUR) عرف مادھو چتورویدی منگلم (MAD - HAVA CATURVEDI MANGOLAM) کی اسمبلی کو مہاجن کہا جاتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم (برہمادیا گاؤں) ایک مرکزی گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا جس کے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں

Marfat.com

منسلک ہوتے تھے۔ گاؤں بہت سے محلوں (WORDS) میں منقسم ہوتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم میں ممبروں کی ایک مخصوص تعداد پر مشتمل ایک اسمبلی ہوتی تھی۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اعلیٰ معیار کی لیاقت کے حامل ہوں گے اور امید کی جاتی تھی کہ انھوں نے چاروں ویدوں کا مطالعہ کیا ہوگا نیز ان میں سے بعض کے لیے ضروری تھا کہ وہ سدن گا (SADANGA) کی بھی گہری واقفیت رکھتے ہوں یا پھر ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ انھیں قربانیاں کرنے اور قربانیاں انجام دلانے کے سلسلہ میں پوری پوری واقفیت حاصل ہوگی۔ ان سے یہ بھی امید کی جاتی تھی کہ ان علمی وتہذیبی استعدادات کے علاوہ ان کا بدن اچھا اور صحت مند ہوتا کہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہونے والی تکان کو وہ برداشت کرسکیں۔

کتبات سے ہمیں وجے نگر کے زمانہ کی دیہی اسمبلیوں کی نفری طاقت کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے۔ پانڈیچری کے علاقہ میں واقع تیروون دار کوئل (TIRUVANDARTKOYIL) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ تری بھون مہادیوی چتورویدی منگلم میں چار ہزار لوگوں پر مشتمل ایک اسمبلی تھی۔ یہ (اسمبلی) اتنی بڑی تھی کہ کسی کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا یقیناً بڑا مشکل ہوتا ہوگا۔ یہ اسمبلیاں عموماً کسی مندر کے ہال میں منعقد ہوتی تھیں یا اس کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں لوگ غالباً کسی دوسرے عوامی مقام پر جمع ہوتے تھے۔ پدوکوتائی ریاست کے ویراکیلائی (VIRACCILAI) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق ایک بڑی اسمبلی پھولوں کے ایک باغ میں منڈونم (MANDAVANAM) میں جمع ہوئی تھی۔ ان اسمبلیوں کے اجتماعی کردار اور عظیم نفری طاقت کا اظہار اور آگا ایشیندا ادرم (ISAND UROM) یا نادآگا ایشیندا ناتاودروم (NADAGA ISAINDA NATTA VAROM) وغیرہ کی اصطلاحات سے ہوتا ہے اگرچہ یہ اسمبلیاں کافی بڑی معلوم ہوتی تھیں تاہم یہ فرض کرلینا درست ہوگا کہ ان کی کاروائیاں محض چند افراد کے ذریعہ انجام پاتی تھیں، جو اس علاقہ کے ممتاز شہری ہوتے تھے۔ ان اسمبلیوں میں سے بعض کو کبھی کبھی مہاسبھا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۴۵۹-۶۰ء میں آرکٹ ضلع کے کاویری پاکم مقام پر ایک مہاسبھا ہوئی تھی۔

دیہی اسمبلیوں کو گاؤں کے نام پر اور گاؤں کی طرف سے زمینوں یا دوسری قسم کی جائداد کو فروخت کرنے یا خریدنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ اکّل (UKKAL) عرف وکرم ابھرن چتورویدی منگلم (VIKRAM ABHIRAN CATURVEDI MANGALAM) کی اسمبلی نے آرش

Marfat.com

۸۸ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1929، پیراگراف ۹۰۔

۸۹ ایپی گرافیا کرناٹیکا، CHILLORE، 97۔

۹۰ 1911 کا 324۔

۹۱ 1918 کا 184۔

۹۲ 1912 کا 309۔

۹۳ مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1905ء، 2۔

۹۴ سیول، ح، س، ص 389۔

۹۵ ملاحظہ ہو ANTA.، ص 91۔

۹۶ ایضاً ص 380۔

۹۷ ایضاً، ص 389۔

۹۸ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، GORILIDNUR، 22۔ اس کتبہ کا مستند ہونا مشکوک ہے تاہم یہ حقیقت کہ صوبائی گورنروں کو بعض رواجی قسم کے اعزازات بخشے جاتے تھے، غلط نہیں ہو سکتی۔

۹۹ 892 کا 257، ایپی گرافیا انڈیکا، 6، ص 112۔

۱۰۰ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 7، SHIKARPUR، 281۔

۱۰۱ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI، 147۔

۱۰۲ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGOL، 7۔

۱۰۳ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 10، BOWRINGPET، 72۔

۱۰۴ 1911 کا 100۔

۱۰۵ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 3، Sm. 89

۱۰۶ ایپی گرافیا انڈیکا ص 110۔

۱۰۷ نیلور انسکرپشنز، 3، APP. 1، ص 1476۔

۱۰۸ سیول، ح، س، ص 384۔

۱۰۹ ایضاً، ص ص 384 - 389۔

۱۱۰ سیول، ح، س، ص 374۔

Marfat.com

111؎ ایضاً، ص 373۔

112؎ سیول، ح، س، ص ص 280-181۔

113؎ ایضاً، ص 380۔

114؎ ایضاً، ص 281۔

115؎ ایضاً، ص 282۔

116؎ ایضاً، ص ص 374 اور 389۔

117؎ باربوسا، ۱، ص 209۔

118؎ ایضاً، حاشیہ۔

120؎ ایضاً، ص 200۔

121؎ سیول، ح، س، ص 374۔

122؎ سیول، ح، س، ص 280۔

123؎ ایضاً، ص 374۔

124؎ سورسز، از، ایس، کے، اینگر، ص ص ۱۱۰-۱۱۱۔

125؎ CONSTITUTIONAL HISTORY OF ENGLAND، ۱، ص 288۔

126؎ سیول، ح، س، ص، 379۔

127؎ سیول، ح، س، ص 389۔

128؎ ENGLISH CONSTITUTIONAL HISTORY از میڈلی (MEDLAY) ص 28۔

129؎ HISTORY OF TINNEVELLY، ص 58۔

130؎ TINNEVELLY MANUAL، ص 42۔

131؎ ARAVIDU DYNASTY، ۱، ص 134۔

132؎ سیول، ح، س، ص 374۔

133؎ اس قسم کی ماتحت ریاستوں کی ایک فہرست کے لیے ملاحظہ ہو ہراس (HERAS)، س، ص ص 186-190۔

134؎ 1906 کا 6۔

Marfat.com

۱۳۵ه 1896 کا 64، مدراس اپی گرافی رپورٹس، ۱۹۰۰-۱۸۹۹، رپورٹ پیراگراف 79۔

۱۳۶ه 1916 کا 599، 1915 کا 721 وغیرہ۔

۱۳۷ه دی نایکس آف مدورا، از ستیہ ناتھ ایر، ص ۱۴۔

۱۳۸ه ARAVIDU DYNASTY.، ۱، ص 155۔

۱۳۹ه ایضاً، ص 155۔

۱۴۰ه ۱۹۰۱ کا 273۔

۱۴۱ه 1895 کا ۱۴۰، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 704۔

۱۴۲ه SOURCES.، ایس، کے، اینگر، ص 202۔

۱۴۳ه ایضاً، ص ص 302 اور 217۔

۱۴۴ه ایضاً، ص 302۔

۱۴۵ه ایضاً، ص 217۔

۱۴۶ه رچرڈس (RICHARDS) سالم گزیٹیر (SALAM GAZETTER) میں بیان کرتا ہے کہ "اس زمانہ میں مملکت چھ وائسرایوں کے ماتحت منقسم تھی (۱) آندھرا (۲) کرناٹک (3) مدورا (۴) چندرگیری (5) جنجی اور (۶) تنجور۔ یہاں مدورا تنجور اور جنجی کے تین مقامات کی وائسرائی کو تامل کی وائسرائی سے جس کا دارالسلطنت چندرگیری تھا مختلف بتایا گیا ہے۔ بظاہر یہ غلط ہے۔

Marfat.com

باب ہفتم

مقامی حکومت

LOCAL GOVERNMENT

فصل اوّل

سبھا

ہندوستان میں ایک سیاسی ادارہ جو انقلابات، حکومتوں کی ردو بدل، حوادثات زمانہ اور غیر ملکی اقتدار کے اثرات کے باوجود بچ رہا وہ ہے مقامی حکومت۔ دیہی اداروں کی اہمیت تقریباً برطانوی حکومت کے آغاز تک قائم رہی ان دیہی جمہوریتوں VILLEGE UPABLICS. نے ہندوستان میں جو خدمات انجام دیں ان کے متعلق الفنسٹن ELPHINSTORE کہتا ہے "اگرچہ ایک نہایت بہتر نظام حکومت سے غالباً ان کا تقابل نہیں کیا جاسکتا تاہم ایک ناقص نظام حکومت کے لیے یہ ایک بہترین تدارک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اس (بری حکومت) کی غفلت ولاپرواہی اور کمزوری کے برے اثرات کو روکتی ہیں اور اس کے ظلم واستبداد اور زیادتیوں کے خلاف بھی رکاوٹ کا کام کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ادارے مختصر پیمانہ پر اپنے اندر ایک ریاست کے تمام اسباب ووسائل رکھتے ہیں اور اگر کسی طرح کی کوئی حکومت نہ بھی ہو تو یہ (ادارے) اپنے یہاں کے افراد کے تحفظ کے لیے تقریباً کافی ہیں۔ ہندوستان کی دیہی زندگی اور تنظیم کے استحکام واستقرار ہی میں ہندوستان کے گذشتہ خوش گوار کارناموں کا راز سربستہ ہے"

قدیم ہندوستان میں مقامی علاقوں کے انتظام کی ایک اہم خصوصیات ان اداروں کا سرگرم طرز عمل تھا جنھیں ہم مقامی اسمبلیوں کے نام سے پکار سکتے ہیں، اور جو مقامی علاقوں کا نظم ونسق چلاتی تھیں۔ اس دیہی نظام کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے (۱) ایک تو دیہی سبھا

Marfat.com

اوراس کی مماثل اُر (UR) تھی (2) دوسری (NADU) تھی جو ذرا وسیع دیہی علاقے کی اسمبلی تھی ان کے علاوہ چند اجتماعی نوعیت کی انجمنیں تھیں جو اگرچہ مکمل طور پر سیاسی جماعتیں تو نہ تھیں لیکن پھر بھی وہ چند سیاسی فرائض انجام دیتی تھیں۔ ان میں قابل ذکر ہیں پیشہ وروں کی انجمنیں، تجارتی انجمنیں اور مندر، جو دیوتا کا گھر ہونے کے علاوہ مقامی علاقوں کی سیاسی و معاشی زندگی کا ایک اہم مرکز بھی ہوتا تھا۔

دیہی سبھا کی ابتدا راز میں ہے۔ لیکن یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ سبھائی (SABHAI) کی اصطلاح سنسکرت کے لفظ سبھا (SABHA) کی تامل شکل ہے جس کے معنیٰ اسمبلی کے ہیں اور اسمبلی کے معنیٰ میں اس اصطلاح کا استعمال ویدوں کے عہد میں بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض چند گاؤں کی اسمبلی ہی کو سبھائی کہا جاتا تھا اور یہ وہ گاؤں ہوتے تھے جو برہمنوں کو عطیہ میں دیئے جاتے تھے (برہمادیا گاؤں (BRAHAMADEYA VILLEGE)۔ برہمادیا گاؤں کی اسمبلی کے ساتھ ساتھ ار کی اسمبلی ہوتی تھی اور اس کو اُر (UR) کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سبھائی اور ایک ار کے درمیان کافی فرق تھا۔ پہلی تو صرف برہمنوں سے متعلق تھی اور صرف برہمادیا گاؤں میں ہوتی تھی جبکہ دوسری ایک غیر برہمادیا گاؤں یا ایسے گاؤں کے لوگوں کی اسمبلی ہوتی تھی جس کی اراضی کے مالک تنہا برہمن نہیں ہوتے تھے۔ اگرچہ کتبات میں ہمیں ار کے کچھ حوالے ملتے ہیں تاہم اس کے متعلق ہماری واقفیت بہت محدود ہے۔ لیکن برہمادیا گاؤں میں سبھا کی تشکیل اور اس کی کارکردگی کے بارے میں ہمیں بہت سی معلومات دستیاب ہیں۔ لیکن جن کتبات میں ان سبھاؤں کی کارکردگی کا تذکرہ ملتا ہے وہ چولا (COLA) عہد کے ہیں اور وجے نگر کے عہد سے پہلے کے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیں ان سبھاؤں کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ تقریباً وہی امور انجام دیتی تھیں جو چولا عہد کی سبھائیں انجام دیتی تھیں لہٰذا یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں بھی سبھائیں پرانے ہی خطوط پر عمل پیرا رہیں اور باضابطہ طور پر اپنے قدیم فرائض انجام دیتی رہیں۔

بعض مقامات پر مہاسبھا (MAHA SABHA) یا سبھا کی جماعت کو مہاجن (MAHA - JANS) کہا جاتا تھا۔ اگرم پتور (AGARAHPUTTUR) عرف مادھو چتورویدی منگلم (MAD - HAVA CATURVEDI MANGOLAM) کی اسمبلی کو مہاجن کہا جاتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم (برہمادیا گاؤں) ایک مرکزی گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا جس کے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں

Marfat.com

منسلک ہوتے تھے۔ گاؤں بہت سے محلوں (WORDS) میں منقسم ہوتا تھا۔ ہر چتورویدی منگلم میں ممبروں کی ایک مخصوص تعداد پر مشتمل ایک اسمبلی ہوتی تھی۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اعلیٰ معیار کی لیاقت کے حامل ہوں گے اور امید کی جاتی تھی کہ انھوں نے چاروں ویدوں کا مطالعہ کیا ہوگا نیز ان میں سے بعض کے لیے ضروری تھا کہ وہ سدن گا (SADANGA) کی بھی گہری واقفیت رکھتے ہوں یا پھر ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ انھیں قربانیاں کرنے اور قربانیاں انجام دلانے کے سلسلہ میں پوری پوری واقفیت حاصل ہوگی۔ ان سے یہ بھی امید کی جاتی تھی کہ ان علمی و تہذیبی استعدادات کے علاوہ ان کا بدن اچھا اور صحت مند ہوتا کہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہونے والی تکان کو وہ برداشت کر سکیں۔[۵]

کتبات سے ہمیں وجے نگر کے زمانہ کی دیہی اسمبلیوں کی نفری طاقت کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے۔ پانڈیچری کے علاقہ میں واقع تیروِوان دار کوٹل (TIRUVANDARTKOYIL) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ تری بھون مہادیوی چتورویدی منگلم میں چار ہزار لوگوں پر مشتمل ایک اسمبلی تھی۔[۶] یہ (اسمبلی) اتنی بڑی تھی کہ کسی کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا یقیناً بڑا مشکل ہوتا ہوگا۔ یہ اسمبلیاں عموماً کسی مندر کے ہال میں منعقد ہوتی تھیں یا اس کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں لوگ غالباً کسی دوسرے عوامی مقام پر جمع ہوتے تھے۔ پدوکوتائی ریاست کے ویراکسیلائی (VIRACCILAI) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق ایک بڑی اسمبلی پھولوں کے ایک باغ میں منڈونم (MANDAVANAM) میں جمع ہوئی تھی۔[۷] ان اسمبلیوں کے اجتماعی کردار اور عظیم نفری طاقت کا اظہار اور آگا ایشیندا اورم (ISAND UROM) یا ناداگا ایشیندا ناتا ورم (NADAGA ISAINDA NATTA VAROM) وغیرہ کی اصطلاحات سے ہوتا ہے اگرچہ یہ اسمبلیاں کافی بڑی معلوم ہوتی تھیں تاہم یہ فرض کر لینا درست ہوگا کہ ان کی کارروائیاں محض چند افراد کے ذریعہ انجام پاتی تھیں، جو اس علاقہ کے ممتاز شہری ہوتے تھے۔ ان اسمبلیوں میں سے بعض کو کبھی کبھی مہاسبھا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ۷۰-۱۴۶۹ء میں آرکٹ ضلع کے کاویری پاکم مقام پر ایک مہاسبھا ہوئی تھی۔[۸]

دیہی اسمبلیوں کو گاؤں کے نام پر اور گاؤں کی طرف سے زمینوں یا دوسری قسم کی جائداد کو فروخت کرنے یا خریدنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ انکل (UNKAL) عرف وکرم ابھرن چتورویدی منگلم (VIKRAM ABHERAN CATURVEDI MANGALAM) کی اسمبلی نے آرش

آنی پالائی (ARASANIPALAI) کے گاؤں کو چھ سو کاشو (KASUS) کے عوض چولامنڈلم (COLAMANDALAM) کے ایک سب ڈویژن تنکرائی آیا کو ندانول نادو (TEN DARAI - UYYA KANDANVALANADU) میں واقع شرور (SERRUR) کے ایک شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ اسی اسمبلی نے چھ سال بعد اتی گائی پتو (ILLIGAIPATTU) کے گاؤں کو چار سو پَم کے عوض چند اشخاص کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ تنجور ضلع کے آودآئی یار کوئل (AVADAI-YARKOIL) مقام کی ایک دستاویز کے مطابق تیرو پیرو وندرائی (TIRUPPERUNDURAI) کے گاؤں کی اسمبلی نے اسی گاؤں میں واقع شولا پانڈیا ونگرا مبرومانار (SOLAPANDYA - VINNAGAR EMBERUMANOR) کے مندر کو دو قطع زمین تیرونامتوکانی (TIRUNAMATTA - KKANI) کی حیثیت سے عطیہ میں دیا تھا۔

ان دیہی اسمبلیوں کے اس حق کی وضاحت جس کی بنا پر ان کو اپنے حلقہ اختیار میں واقع دیہاتوں کی اراضیاں، فروخت کرنے یا انھیں عطیہ میں دینے کا اختیار حاصل تھا، اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ ہم سبھا کے ادارے اور اس کے حلقہ اختیار میں پڑنے والی زمینوں پر اس کے ذاتی مالکانہ حق کو زمین پر حق ملکیت کے مسئلہ سے مربوط نہ کریں جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں ہر برہما دیا گاؤں میں ایک سبھا ہوتی تھی جو اسکی ایک نمائندہ جماعت ہوتی تھی اور اس بنا پر اسے گاؤں والوں کی طرف سے کسی کام کو کرنے کا اختیار حاصل تھا مزید یہ کہ اسمبلی ایک مشترکہ جماعت کی حیثیت سے ہی عطیات دیتی تھی اور مشترکہ طور پر گاؤں والوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے کام کرنیکا یہ حق اسمبلی کو اس مشترکہ حق ملکیت کی بنا پر حاصل تھا جس کے تحت گاؤں والے اراضیوں پر متصرف تھے۔ اس طرح کے دیہاتوں میں مالکان کا اپنی اراضیوں پر قبضہ مشترکہ ہوا کرتا تھا۔ اور وہ اپنی اراضیوں کو مشترکہ طور پر ہی فروخت کر سکتے تھے یا عطیہ میں دے سکتے تھے، انفرادی طور پر نہیں۔ یہاں گندبھوگم (GAND - ABHOGAM) اور ایکابھوگم (EKABHOGAM) کی اصطلاح جائزہ کی مستحق ہے گندبھوگم کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام کے تحت جو آراضیاں قبضہ میں ہوتی تھیں ان پر عوام کا قبضہ مشترکہ طور پر ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حق ملکیت بھی مشترکہ ہوتا تھا۔ لیکن ایکابھوگم نظام کے تحت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمین پر صرف ایک ہی شخص کا قبضہ ہوتا تھا اور اس لیے اس کو زمین پر مکمل اور غیر محدود حق حاصل ہوتا تھا۔ بعض دوسری صورتوں میں عطیہ میں دیئے ہوئے گاؤں کو متعدد وارتیوں (URTHIS) میں منقسم کر دیا جاتا تھا جن میں سے ہر ایک کو یا ان (وارتیوں) کی

Marfat.com

ایک مخصوص تعداد کو کسی مخصوص فرد کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ہری ہر دوم کے زمانہ کی تانبے کی ایک تختی کی دستاویز کے مطابق بادشاہ نے اگرہارا (AGRAHARA) کے شرائط پر بیس گاؤں کا ایک عطیہ چند برہمنوں کی مشترکہ ملکیت (گند بھوگم) میں دیا تھا[9]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیہات مشترکہ تھے لہٰذا عطیہ پانے والے لوگ ان بائیس گاؤں کی اراضیوں کو صرف مشترکہ طور پر فروخت یا عطا کر سکتے تھے۔ ان افراد میں سے کوئی شخص دوسروں سے آزادہ کر صرف تنہا اس جائداد کا کوئی معاملہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ایکا بھوگم گاؤں کا معاملہ بالکل مختلف تھا اس لیے کہ اس معاملہ میں عطیہ پانے والا شخص اس کے لیے پابند نہیں تھا جس جائداد کا وہ مکمل اور غیر محدود طور پر مالک ہے۔ اس کے فروخت کرنے یا عطیہ میں دینے کے لیے وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کوئی معاملہ کرے۔ شاکھا سنہ 1451 میں اچیوت رائے نے پدائی ویدو ہاراجیہ میں واقع کادل آدی (KADALADI) مقام کے ایک گاؤں کو سرومانیہ (SARVAMANYA) کے طور پر رام چندر دکشت نامی ایک شخص کو عطیہ میں دیا تھا کہ وہ اور اس کے اخلاف اس سے ایکا بھوگم حقوق کے تحت استفادہ کریں جس کا مطلب ہے ایک شخص کو جائداد پر بلا شرکت غیر مکمل حق و اختیار حاصل تھا۔ البتہ جب کسی سرومانیہ گاؤں کو، جو ایکا بھوگم کی انھیں شرائط پر قبضہ میں ہو، متعدد اشخاص کے درمیان تقسیم کیا جاتا تھا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا تھا کہ انھیں اس گاؤں کی آمدنی سے استفادہ کا حق عطا کیا گیا ہے الا یہ کہ عطیہ دینے والا شخص صاف طور پر یہ کہہ دے کہ وہ زیر بحث اراضی کو سرومانیہ کی حیثیت سے عطیہ میں دے رہا ہے۔ اس قسم کے واضح بیان کی غیر موجودگی میں ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ عطیہ دینے والے شخص نے جائداد پر اپنے حق کو محفوظ رکھا اور متعلقہ اشخاص کو صرف استفادہ کا حق عطا کیا۔ زیر حوالہ کتبے کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رام چندر دکشیت نے، جس کو اصل میں سرومانیہ کا عطیہ دیا گیا تھا، ملکیت کے حق کو خود اپنے لیے محفوظ رکھا تھا اور اپنی ذات کے برہمنوں کو صرف استفادہ کا حق عطا کیا تھا[10]۔

مشترکہ ملکیت کی چند قسموں میں فرق کیا جا سکتا ہے (۱) پہلی مکمل اور غیر محدود ملکیت ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر پوری قوم کو حق تھا۔ اس صورت میں جس مخصوص گاؤں میں یہ نظام رائج ہے وہاں یہ مشترکہ مالکان، اراضیوں پر مشترکہ طور پر کاشت کرتے ہیں اور مذکورہ گاؤں میں اپنی اپنی ورتون (VIRTTIS) کے تناسب سے مشترکہ طور پر منافع حاصل

Marfat.com

کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی گاؤں چند اشخاص کے درمیان ۱۲۰ ورتون میں منقسم ہو تو ان میں سے ہر ورتی دار جس کی ملکیت میں فرض کر لیجئے کہ دو سے لے کر پانچ ورتیاں ہوں، اپنی ورتیوں کی تعداد کے تناسب سے اپنی محنت صرف کرے گا اور اسی تناسب سے پیداوار میں اس کا حصّہ بھی ہوگا (2) دوسری قسم وہ ہے جس میں گاؤں کا ایک مخصوص حصّہ گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت میں ہوتا ہے اور ان مشترکہ اراضیوں کے علاوہ ان کے پاس ان کے خود اپنے کھیت بھی ہوتے ہیں اپنی اراضیوں پر تو وہ عموماً دوسروں سے آزاد رہ کر خود اپنے طور پر کاشت کرتے ہیں لیکن گاؤں کی مشترکہ اراضیوں پر تمام حصّہ دار مشترکہ طور پر محنت کرتے ہیں اور مشترکہ طور پر اس کا منافع حاصل کرتے ہیں جس میں ہر ایک کا حصّہ ایک مقررہ تناسب کے مطابق ہوتا ہے جس کا تعین ہر ایک کے قبضہ میں جو اراضی ہوتی ہے اس کے تناسب سے برادری کرتی ہے۔ اس صورت میں برادری کی مشترکہ ملکیت میں گاؤں کا محض ایک حصّہ ہوتا ہے جبکہ گاؤں کے افراد کے پاس خود اپنی اراضیاں ہوتی ہیں اور اس کے ان اراضیوں کے استعمال میں مشترکہ برادری کا، جس کا وہ خود بھی ایک ممبر ہے، کوئی دخل نہیں ہوتا ہے (3) گاؤں کی ایک اور قسم وہ ہے جس میں پوری برادری گاؤں کی تمام اراضیوں کی مالک ہوتی ہے لیکن برادری نہ تو مشترکہ طور پر زمینوں کی کاشت کرتی ہے اور نہ ان پر صرف کی گئی محنتوں کے منافع سے مشترکہ طور پر مستفید ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس گاؤں کی اراضیوں کو عمدہ، درمیانی اور خراب تین قسموں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور مشترکہ قوم کے ہر فرد کو ان تینوں قسموں کی زمینوں کا ایک ایک حصّہ دیدیا جاتا ہے۔ وہ ان عطا کردہ زمینوں کا مستقل مالک نہیں ہو جاتا بلکہ ایک مخصوص مدّت کے بعد اسے ان اراضیوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور اس کے عوض اسے تینوں قسم کی دوسری اراضیاں دے دی جاتی ہیں اس طرح برادری کی یہ مشترکہ اراضیاں قوم کے افراد کے درمیان وقفہ وقفہ پر از سرِ نو تقسیم کر دی جاتی ہیں اور جب تک یہ اراضیاں قبضہ میں ہوتی ہیں وہ اپنے حصّہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تنجور ضلع میں یہ نظام کرائی ایدو (KARAIYIDU) کے نام سے معروف ہے[1]۔ اس طرح پہلی صورت میں ملکیت مشترکہ طور پر برادری کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جہاں جائداد پر کسی فرد کا، سوائے مشترکہ برادری کے ایک فرد کی حیثیت سے، کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ دوسری صورت میں گاؤں پر مشترکہ برادری کا صرف محدود اختیار ہوتا ہے اس لیے کہ مشترکہ ملکیت میں گاؤں کا صرف ایک حصّہ ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ گاؤں کے

Marfat.com

صرف اسی حصہ پر اختیار رکھتی ہے، جبکہ گاؤں کی بعض اراضیوں پر ایک فرد خود اپنے مالکانہ حقوق رکھتا ہے جن سے وہ اپنے حق کے طور پر، برادری کی مداخلت کے بغیر استفادہ کرتا ہے۔ اور تیسری صورت میں مشترکہ برادری پورے گاؤں کی مالک ہوتی ہے۔ لیکن وہ ان اراضیوں کو تمام شرکا میں تقسیم کر دیتی ہے تاکہ دوبارہ تقسیم سے قبل تک وہ ان سے فائدہ حاصل کریں۔

جن دیہاتوں میں اراضی کا ایک حصہ برادری کی مشترکہ ملکیت میں ہوتا تھا، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ باہر کے لوگوں کو کوئی حق یا حصہ خرید یا عطیہ کے ذریعہ حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ برادری اس بات کے لیے کوشاں رہتی تھی کہ کوئی باہری شخص ان اراضیوں کو خرید کر استفادہ نہ کر سکے۔ چنگل پت ضلع کے مانگ آدو (MANGADU) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق گاؤں کے باشندوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا تھا "کہ (مانگ آدو گاؤں) کا کوئی مالک زمین (جو چاہتا ہو کہ اپنی اپنی زمین) فروخت کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے اس گاؤں ہی کے کسی صاحب زمین کے ہاتھوں فروخت کرے، کسی باہری شخص کے ہاتھوں نہیں۔ نہ ہی وہ اس گاؤں کی اراضیوں کو کسی باہری شخص کو جہیز میں دے سکتا ہے"[12]۔ میسور ضلع کے ملاولی (MALAVALLI) تعلقہ کے ایک کتبہ میں عوام کا ایک معاہدہ درج ہے کہ حصہ داروں میں سے (جو بظاہر برہمن تھے) اگر کوئی شخص اپنے حصہ کو شودروں (SUDRAS) کے یہاں گروی رکھے یا فروخت کرے تو اسے برہمن برادری سے خارج کر دیا جائے اور یہ حصہ اس جگہ نہ دیا جائے گا[13]۔ اگر باہری اشخاص کسی خاص گاؤں میں اراضی پر کاشت کرنا چاہتے تو ان کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کر دی جاتیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر رام راج وتھل (RAME RAJA VITTAHALE) کے حکم پر ہدی نادو (HADINADU) راجیا باچرسیا (RAJAYYA BACARASAYYA.) اور چامرس گودا (CAMARASE GADDA.) نے ہونگانور (HONGANUR) کی دھان کی اراضیوں میں کاشت کاری کے لیے مندرجہ ذیل ضابطہ بنایا تھا: "اگر رہنے والی رعایا کے علاوہ مضافات کا کوئی اہم باشندہ (وہاں) کاشت کاری کرتا ہے تو وہ ماسنی کارا (MASANIKARA) ، پارو پٹیا گارا (PARUPETYAGARA) ، گودا (GAUDS) اور سینا بھوا (SENABOVA) کے عطا کردہ پٹی (PATTE) کے مطابق ہی ایسا کر سکتا ہے۔ اس اصول کے مطابق نہیں جو وہاں رہنے والی رعایا کے لیے ہے۔ اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے شخص کو اگر کاودی (CAVADI) اور گودا کے کرانیکا (KARANIKA) اور سینابوا (SENABOVA) نے بروقت نہ روکا تو وہ

Marfat.com

(گویا) گائے وغیرہ کو ذبح کرنے کے جرم کے مرتکب ہوں گے[111] چنانچہ یہ گاؤں اس بات کے لیے بہت زیادہ کوشاں رہتے تھے کہ باہری لوگوں کو اپنے گاؤں میں داخل نہ ہونے دیں خواہ وہ کاشتکاری کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

اب آیئے گاؤں کی سبھا کی طرف۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ (سبھا) گن بھوگا (GANA - BHOGA) یا سموادیم (SAMUDAYAM) گاؤں میں ہوتی تھی جہاں وہ گاؤں کی پوری برادری کے نام پر اور اس کی جانب سے کام کرتی تھی لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے قومی کردار ہی نے ان سبھاؤں کو جنم دیا تھا اور برادری کی طرف سے زمینوں کی خرید و فروخت کے سارے اختیارات انھیں حاصل تھے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا گاؤں کی برادری کے کسی حصہ دار فرد کو اسے جائداد کی خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہ تھا سوائے بحیثیت ایک حصہ دار کے اور اسی بنا پر صرف سبھا کی وساطت سے لیکن یہ بات محض اسی گاؤں پر صادق ہے جس کی ساری اراضیاں عوام کے مشترکہ قبضہ میں ہوں اور جہاں کوئی فرد گاؤں کی زمین کے ایک حصہ پر بھی آزادانہ قبضہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن جس گاؤں میں محض ایک حصہ ہی پوری برادری کی مشترکہ ملکیت میں ہو اور ساتھ ہی رعیت کے کسی فرد کے پاس بھی زمین کے کچھ ایسے حصے بھی ملے ہوں جس کا وہ تنہا مالک ہو تو وہ اپنی نجی اراضیوں کو سبھا سے آزاد رہ کر فروخت کر سکتا ہے اگرچہ اسے ان اراضیات کی فروخت سے باز رکھا جا سکتا ہے جو سبھا کی ملکیت میں پوری برادی کی جانب سے ہوتی ہیں جس کا وہ خود ایک رکن ہو سکتا ہے اور جس کی بنا پر وہ پیداوار کے اخراجات میں حصہ بٹانے کے لیے پابند ہوتا ہے اور گاؤں کے اس حصہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ایک مخصوص حصہ کا مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح، مدورا ضلع میں واقع پلانی (PALANI) مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1370ء کے مطابق کلیان پتور (KALAIYANPUTTUR) کی سبھا کے ایک رکن پیریا پیرومال نبی (PERIYA PERUMAL NAMBI) نامی ایک شخص نے (زمین کا) ایک عطیہ دیا[112]۔ یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیان پتور کے مذکورہ گاؤں کی کچھ آراضیاں گاؤں کی برادری کی مشترکہ ملکیت میں تھیں جبکہ بعض دوسری آراضیاں انفرادی طور پر عوام کے قبضہ میں تھیں جنھیں مشترکہ برادری کے افراد کی حیثیت سے گاؤں کی سبھا میں بھی ایک جگہ حاصل تھی لہٰذا اسی بنا پر پیریا نبی سبھا کے دخل کے بغیر عطیہ دے گا۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے عطیہ اسی جائداد میں سے دیا ہوگا جو انفرادی طور پر اس کی ملکیت میں تھیں۔

گاؤں کی سبھا کی دوسری اہم ذمہ داری ٹیکسوں کی وصولی تھی۔ شاہی حکومت کو واجب الادا

Marfat.com

ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری کبھی کبھی گاؤں کی سبھاؤں یا اروروں (URAVAR) کے سپرد کردی جاتی تھی۔ جن مقامات میں شاہی حکومت کو واجب الادا ٹیکسوں کی وصولی مقامی جماعتیں کرتی تھیں وہاں حکام کو ٹیکسوں کو وصول کرنے والے ان مقامی ایجنٹوں کو ٹیکسوں میں کسی معافی یا نئے عاید کردہ ٹیکسوں کی اطلاع دینی ہوتی تھی اور یہ مقامی ایجنٹ اپنے کھاتوں میں ضروری اندراجات کر لیتے اور حکم کی تعمیل کرتے۔ چنانچہ مثال کے طور پر جب سورائیکوڈی (SURAIKKUDI) کے وشیال دیو (VISAIYALADEVA) تیرومینی الگیار (TIRUMENI ALAGIYAR) عرف سینپک رائے (SENPAKARAYA) نے اس کے نام پر انجام دی جانے والی ایک پوجا میں دیوتا پر چڑھاوے کے لیے ایک سو پچاس وال ال ولی تیرندان کولی شائی پنم (VALALVALI TIRANDANKULI SAIPANAM) کی رقم جو پکائی پنم (PACCAIPANAM) کی حیثیت سے مندر پر سالانہ واجب الادا تھی، علیحدہ کردی تو ناتور (ضلعی اسمبلی) نے بھی مذکورہ بالا رقم کو اپنے ٹیکس رجسٹر اور (گاؤں کے) کھاتوں دونوں ہی میں سے گھٹا دیا تھا[43]۔ اسی طرح تنجور ضلع میں واقع تیرومکوتائی (TIRUMAKKOTTAI) مقام کے ایک کتبہ میں پالائیور PALAIYUR عرف بھوپتی رائے سمدرم (BHUPATIRAYA SAMUDRAM) کے مہاجنوں کے نام ایک فرمان درج ہے کہ ملک کی حفاظت کے لیے ٹیکسوں کی غلے کی شکل میں اور نقد وصولی کے اس وقت کے مروجہ دستور کے بجائے ٹیکسوں کی غلے کی شکل میں وصولی کے قدیم طریقے کا دوبارہ آغاز کیا جائے[44]۔ ظاہر ہے کہ چونکہ مہاجن ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے شاہی حکومت کے نمائندے تھے لہٰذا یہ فرمان ان کے نام جاری کیا گیا۔

ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے لیے حکومت کی نمائندہ ہونے کے علاوہ ان دیہی اسمبلیوں کو نئے ٹیکسوں کی وصولی اور پرانے ٹیکسوں کی معافی کے سلسلہ میں چند لازمی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرووڈتورائی (TIRUVADATTURAI) کے ایک کتبہ کے مطابق کری یوکر (KARI ...) کی اسمبلی اور تنتری مار (TANTRIMAR) نے زمین پر عاید ٹیکسوں کا ایک عطیہ دیا تھا[45]۔ سیرووائل (SIRUVAYAL) کی اسمبلی نے ایک مخصوص دیوتا سے تعلق رکھنے والی سروما نیا (SARVAMANYA) اراضیوں کو ٹیکسوں سے بری کرنے اور کچھ دوسری اراضیوں کو ٹیکس کے لیے شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا[46]۔ اسی طرح کولائی کونتور (KULAIKKULATTUR) کے عوام نے بعض ٹیکسوں کی وصولی کا حق سوناروں

Marfat.com

کو دے دیا تھا۔ لیکن ٹیکسوں کو، جو چھوٹ مقامی جماعتیں اپنے طور پر دیتی تھیں ان کا تعلق محض مقامی نوعیت کے ٹیکسوں سے ہوتا تھا جنھیں اسمبلی مقامی اخراجات کے لیے کرتی تھی اور شاہی خزانے میں داخل کیے جانے والے ٹیکسوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ یا اگر یہ شاہی ٹیکس ہی ہوتے تو یہ وہ ٹیکس ہوتے تھے جن کو مقامی جماعتوں کو اجارہ میں دے دیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی جماعت، جو بسا اوقات ریاستی ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں حکومت کی نمائندہ ہوتی تھی، سرکاری حکام کی منظوری کے بغیر اگر شاہی ٹیکسوں کو معاف کرتی تھی تو وہ ایسا محض اپنے ہی خسارے پر کرتی تھی اس لیے کہ حکومت اس رقم سے کم لینے پر ہرگز تیار نہ ہوتی ہوگی جو وہ اسمبلی کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کے شرائط کے مطابق اس سے لینے کی حقدار تھی۔

لیکن حکومت کی اقتصادی پالیسی میں یہ مقامی جماعتیں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی تھیں جن مقامات میں یہ اسمبلیاں موجود ہوتی تھیں وہاں حکومت ان کی منظوری کے بغیر نئے ٹیکسوں کو عاید کر سکتی تھی نہ پرانے ٹیکسوں کو معاف کر سکتی تھی اس لیے کہ یہ (جماعتیں) پوری توجہ سے برادری کے مفادات کی نگرانی کرتی تھیں چنانچہ مثال کے طور پر ابا راجہ تیرومل راجہ (ABBARAJA TIRUMAL RAJA) نے مہا نادو (MAHENADU) (جنرل اسمبلی) کی منظوری سے دیوتا تیرو وینگل ناتھ (TIRUVEINGALANATHS) پر چڑھاوے کے لیے چند گاؤں کا مول ویشا (MULAVISA) عطیہ میں دیا تھا۔

کبھی کبھی ارور حکمرانوں کی اراضیوں کے پٹہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ چنانچہ ونیانار ادایکلن گاتار (VANNIYANAR ADAIKKALANGATTAR.) عرف نادو مدّتا وشیالائی دیو (NADUNADITTA VISAIYALAIYADEVA) نے تولا نیا نیلائی (TULAIYANILAI) اور پرلی (PARALI) کے ارور کو ایک قطع زمین دے دی تھی جو ایک کودی ننگا دیودانم (KUDININGADEVADANAM) تھا ان کو نادو (NADU) کے ٹیکسوں کی ادائیگی کرنی ہوتی تھی لیکن انھیں بعض (دوسرے) ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

ان اسمبلیوں کو بعض عدالتی اختیارات حاصل تھے وہ بعض مقدمات کی سماعت کر سکتی تھیں اور مجرمین کو سزا دے سکتی تھیں۔ مثال کے طور پر ہم گذشتہ فصل میں دیکھ چکے ہیں کہ کوتور

Marfat.com

(KULATTUR) ، آلم بلم (ALAM BALAM) ، شداین پتو اور موتیا کرکچا (MUTTIYA KURICHI)
کے اگرھاروں کے مہاجنوں نے سالم ضلع میں واقع آرگلور مقام کے کامیشورم ادیا
نایناز کے مندر کے دو پجاریوں اور منتظمین کے درمیان مہینے کے تیسوں دن دیوتا کی پوجا کی
رعایت سے متعلق جھگڑے کے ایک مقدمہ کا فیصلہ کس طرح کیا تھا اور مندر کے متعلقہ حکام نے
اس فیصلہ کو کس طرح نافذ کیا تھا۔[23] انھیں مجرموں کی اراضیوں کو ضبط کر لینے کا اختیار بھی حاصل
ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر تنجور ضلع میں واقع تیروپیروندورائی (TIRUPPERUNDURAI) کی
دیہی اسمبلی نے شاکھا سنہ [1308] (1386-7) میں شولا پانڈیا ونگر امبیرومانار
(SOLAPANDYA VINNAGAR EMBERUMANAR) کے مقامی مندر کو تیرونامتک کانی
(TIRUNAMATTUKKARI) کی حیثیت سے ایک ایسی زمین دی تھی جسے اس نے تیروپتور
(TIRUPPATTUR) کے آن ان پلائی (ANDANPILLAI) نامی ایک شخص سے اس کی کئی غلطی کی
بنا پر ضبط کر لیا تھا۔[24]

لیکن وجے نگر کی تاریخ کے آخری دور میں ان گاؤں کو غالباً اتنے وسیع اختیارات
حاصل نہ رہے تھے۔ انھیں بعض افراد کی زمینوں کی فروخت سے قبل شاہی حکومت کے
مقامی افسروں کی منظوری حاصل کرنی پڑتی تھی چنانچہ تنی ویلی (TINNEVELLY.) ضلع کے شیر
مادیوی (SERMADEVI) مقام میں ہم دیکھتے ہیں کہ [1544]ء میں رامپا نایودو (RAMAPPAN)
(AYUDU) ، چند افراد اور چیرمہادیوی (CERAMAHADEVI) ، ایلاپورم (ILAPURAM)
اور نرساپورم (NARASAPURAM) کے تعلیم یافتہ لوگوں نے آپس میں ایک میٹنگ کی اور
یرو ودی تمیا (YERUVADI TIMMAYYA) نامی برادری سے خارج کردہ ایک برہمن کی اراضیوں
اور مکانات کو تیروونگل ناتھ (TIRUVENGALNATHS) کے مندر کو عطیہ میں دیدیا۔[25]
گاؤں کی اسمبلیاں مندر پر بھی بعض اختیارات رکھتی تھیں۔ موجودہ تنجور ضلع کے اناتی میلا
گرام (ANAIMELAGARAM) مقام کی اسمبلی نے ان زمینوں پر مودلور (MUVALUR.)
مقام میں واقع مندر کے حق کی توثیق کر دی تھی جو پہلے سے اس کے قبضے میں تھیں،
جو رفتہ رفتہ بعد میں اس کے قبضے میں آئیں نیز ان اراضیوں پر بھی جو کبھی دیوتا کال کوتر (KALA-
MUTTAR) کی ملکیت میں تھیں جس کا مندر جل کر برباد ہو گیا تھا۔[26] کبھی کبھی بعض عوامی مقامات
مثلاً گاؤں کے تالاب، کے نظم و نسق سے متعلق مندر کے اختیارات میں سبھا بھی شریک رہتی

Marfat.com

تھی۔ چنانچہ تینی ویلی ضلع کے نان گو نیری (NANGINORI) مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ مندر کے حکام اور شیو رمنگائی (SIVERAMANGAI) اور بعض دوسرے مقامات اسمبلیوں نے ہر سال تالاب کی ریت کو صاف کرنے کے عوض تالاب میں مچھلی مارنے کا حق عطا کیا تھا۔[27]

دیہی اسمبلی کو بعض افراد کو بعض خدمات کے عوض اعزازات عطا کرنے کا حق بھی حاصل تھا۔ مثال کے طور پر کو دالور اور کولامنگم کے اروڑ نے پوتن کون ایلومبن (PONN- AN KON ELUMBAN) نامی ایک چرواہے کو مندر کے بعض اعزازات کے ساتھ کلنگاڈ کندن کون ایلمبن (KALANGADA KANDAN KON ELUMBAN) کا خطاب عطا کیا تھا کیونکہ اس نے کوناتو ناچیار (KONATTUNACCI YAR) کی تقریبات کے دوران مندر کے لیے بکری کے بچے فراہم کیے تھے۔[28]

دیہی اسمبلیاں بسا اوقات عوامی اوقاف اور خیرات کی محافظ ہوتی تھیں اور ان اوقاف کا نظم ونسق کرتی تھیں جن کے اخراجات ایک مخصوص زمینی جائداد یا ان تحویلوں سے پورے کیے جاتے تھے جو ان دیہی اسمبلیوں کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ چنانچہ شمالی آرکاٹ ضلع کے پلّی کوندا مقام کے ایک کتبہ کے مطابق نندی کمپا چتور ویدی منگلم (NANDI KAMPA CATURVEDI MANGALAM) کی اسمبلی نے میریادی (MERPADI) کے ونکن پونالی نمبی (VANAKKAN PONNALINAMBI.) نامی ایک تاجر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس نے ویدوں کے عالموں کی ایک خاص تعداد کو روزانہ کھانا کھلانے کے لیے ویپّور (VAIPPUR) کے گاؤں کی دو سو کولی (KULI) زمین دان پورم (DANPURAM) کی حیثیت سے وقف کردی تھی۔[29] اسی مقام کے ایک دوسرے کتبے کے مطابق یہی اسمبلی چار سو کولی ٹیکس سے بری زمین کے ایک عطیہ کے عوض جسے امیال امائیال (UMAYAL AMMAI YAL) نامی ایک خاتون نے دان پورم کی حیثیت سے دیا تھا، چند درویشوں کو روزانہ کھانا کھلانے پر تیار ہوگئی تھی۔[30] اسی طرح جب چنپا نامی ایک تاجر کے بیٹے راکپا نے بکّادوم کے دور حکومت میں دیوتا کالے دیو (KALLEDEVA) کی پوجا کے لیے جب ایک خشک زمین، جس میں دس کولگس (KOLAGAS) تخم ریزی کی صلاحیت تھی عطیہ میں دی تو اس کھیت کو گاؤں کے مہاجنوں کے سپرد کردیا گیا۔[31]

Marfat.com

نادو (NADU) ، گاؤں سے بڑی ایک سیاسی اکائی تھی۔ اس میں بھی ایک اسمبلی ہوتی تھی جو نادو کے نام سے موسوم ہوتی تھی جس کے ممبران کو ناتّور (NATTAVAR) کہا جاتا تھا۔ نادو کو وہی اختیارات حاصل تھے جو دیہی اسمبلی کو حاصل ہوتے تھے لیکن اس کے حلقہ اختیار میں زیادہ وسیع علاقہ تھا۔ مثال کے طور پر کان نادو (KANANADU) عرف ویرود راجہ بھینکرو لنادو (VIRUDARAJABHAYAINKARVALANADU) کے ناتور نے شورانکودی کے تیرومینی الگیار (TIRUMENI ALGIYAR) عرف نائی ناروبیشالے دیو (VISAIYALAYADAVE) کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکڑا فروخت کیا تھا[32]۔ جنوبی آرکٹ ضلع کے پنّادم مقام کی ایک دستاویز کے مطابق کریپو کو نادو (KARIPPOKKUNADU) کے ناتار اور تنتری مارنے زمین کا ایک سرومانیا عطیہ دیا تھا[33]۔ اسی طرح کری گائے نادو (KARIGAYANADU) کے ناتّور چھ پون (PON) کا ایک عطیہ دیا تھا جو ایک مخصوص گاؤں کی آمدنی تھی۔ پھر جے شنگاکل کال نادو (KULAKALAVALNADU) میں واقع تنکرائی نادو کے باشندوں نے تیرکوکنّاموداتیا ناٹار (TIRUKKO KANNAMUDAIYA NAYANOR) کے مندر کو ایک زمین عطیہ میں دی تھی[34]۔ اس طرح نادو اور سبھا مقامی علاقوں میں نیم آزاد جمہوریتیں تھیں جو معاملات کا انتظام و انصرام کرتی تھیں اور جن پر مقامی علاقوں کی انتظامیہ کے بعض شعبوں کے نظم و نسق کی ذمہ داریاں عاید ہوتی تھیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامی جماعتیں حکومت کی جانب سے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دی گئی تھیں اس لیے کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیرو واماتور مقام کے ایک کتبہ کے مطابق اس مقام کی نانت نے سرکاری منتظمہ کمیٹی (راج کاریا بھنڈار (RAGAKARYABHANDARA) کے سامنے عہد کیا تھا کہ آئندہ سے وہ بعض دوسرے مقامات کے رواج کے مطابق اس مقام کے دستکاروں کے تین طبقوں یعنی لوہاروں، سوناروں اور بڑھیوں کو بھی بعض رعایتیں دیں گے نیز یہ کہ اگر کبھی انھوں نے اپنے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ اس کی سزا کے طور پر بارہ پون کا جرمانہ ادا کریں گے اور بارہ قسم کے "عتابوں" "کرموں (KURRAMS)" کا شکار ہونا پڑے گا[35]۔

لیکن وجے نگر کے زمانہ میں یہ جمہوریتیں آہستہ آہستہ لیکن مسلسل زوال پذیر ہوگئیں۔ سنہ 1382ء کے ایک مخصوص کتبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ونیکو باراؤ (VENKOVARAO) لکھتا ہے کہ "غالبا

یہ دیہی اسمبلیاں جو چولا عہد میں بااختیار مقامی ادارے کی حیثیت رکھتی تھیں، چولا عہد کے زوال کے بعد رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ مذکورہ بالا کتبات میں جن چند کارروائیوں کا ذکر ملتا ہے وہ غالباً اسمبلیوں کے مکمل خاتمہ سے قبل کی بالکل آخری کارروائیوں میں سے تھیں[36]۔ ایک دوسری جگہ 1386ء کے ایک کتبے پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "موجودہ کتبہ میں جو کارروائی درج ہے وہ دیہی اسمبلی کے بچے کھچے اختیارات کی ایک بہت بعد کی مثال ہے[37]۔ کے۔وی۔ سبرامنیا ایر کا بھی یہی خیال ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ان اسمبلیوں کی اہمیت رفتہ رفتہ ختم ہو گئی تھی۔ وہ کہتا ہے "وجے نگر کے آخری (حکمران) خاندان کے بادشاہوں کے زمانہ میں اوران تاریک دور میں جسے عام طور پر ملک کافور کے یادگار حملہ سے یاد کیا جاتا ہے، نیز بہمنی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان کی سرکاری انتظامیہ کے ساتھ ہی وہ سیاسی اور سماجی ادارے جو ازمنہ قدیم سے چلے آرہے تھے، بالکل متزلزل تھے[38]۔" لیکن سلیٹور کا خیال ہے کہ دیہی اسمبلیاں کافی عرصہ تک مقامی جمہوریتوں کی حیثیت سے کام کرتی رہیں اور وہ ونکو باراؤ کے خیال پر معترض ہے[39]۔ اس کا خیال اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وجے نگر کے سلاطین عوام کی پورومریادا (PURVAMARYADA) کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وہ کہتا ہے "ہمارا خیال ہے وجے نگر کے بادشاہوں نے ایسے اقدام نہیں کیے تھے جن سے مقامی جماعتوں کے اختیارات مرکزی حکومت کو منتقل ہو گئے ہوں۔ اس کے برخلاف ہمیں یہ دہرانے کی اجازت ملے کہ پورومریادا (قدیم دستوری رواجوں) کی حوصلہ افزائی کرنے والوں کی حیثیت سے وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ خیروں کے قدیم طرز کو باقی رکھیں اور نئی حکومت میں بھی قدیم افسران کو برقرار رکھیں۔ اگرچہ . . . وہ مقامی جماعتوں پر مرکزی حکومت کے افسروں کو متعین کر کے اپنے آزادانہ قبضہ واختیار کا مظاہرہ کرتے تھے[40]۔" لیکن پورومریادا کا یہ خیال ولحاظ محض ان چند رواجی حقوق تک ہی محدود تھا، جو بعض افراد یا جماعتوں کو ماضی میں ایک طویل مدت تک حاصل رہے تھے، دیہی جمہوریتوں کو فروغ دینے سے شاید کوئی تعلق نہ تھا۔ وجے نگر کے نظام حکومت کی انتظامیہ جو تمام تر مرکز کے تحت تھی، وہ دیہاتوں کے جماعتی اداروں کے صحت مند ترقی کو فروغ نہیں دے سکتی تھی۔ خود بادشاہوں کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ دیہی جمہوریتوں کا خاتمہ کر دیں تاہم جس طرح وہ مملکت کے دور دراز علاقوں کو بھی اپنے کنٹرول میں رکھتے تھے وہ ان دیہی اداروں کے سرگرم اور معقول کارکردگی

Marfat.com

کی ہمت افزائی نہیں کرسکتا تھا۔ مزید یہ کہ حکومت کی طرف سے آئیگاروں (AYAGAR S.) کے تقرر نے بھی دیہی جمہوریتوں کی آزاد زندگی کا گلا گھونٹ دیا۔

فصل دوم

آئیگار نظام

دیہی تنظیم کی ایک اہم خصوصیت آئیگار نظام تھا۔ اس کے مطابق ہر گاؤں ایک علیحدہ اکائی تھی اور اس کا نظم و نسق بارہ عہدیداروں کی جماعت چلاتی تھی جو مجموعی طور پر آئیگار کے نام سے موسوم تھے کرنل ولکس (Col. WILKS) مندرجہ ذیل الفاظ میں ان آئیگاروں کے فرائض کا ذکر کرتا ہے "ہر ہندوستانی گاؤں" ایک علیحدہ برادری یا جمہوریت ہے بلکہ حقیقتاً تو محسوس ہوتا ہے کہ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا رہا ہے۔ گوڈ (GAUD) یا پوٹیل (POTAIL) جج اور حاکم ہوتا ہے۔ کرنم (KARANAM) یا شنبھوگ (SHNBHOG) رجسٹرار ہوتا ہے۔ تلیری (TALAIRY) یا استھلوار (STHULWAR.) اور ٹوٹی (TOTY) عموماً گاؤں اور فصلوں کے چوکیدار ہوتے ہیں نیرگنتی (NEERGANTEE) نہروں یا تالابوں کے پانی کو مختلف کھیتوں کے صحیح تناسب سے تقسیم کرتا ہے۔ جوتشی یا نجومی تخم ریزی اور فصل کاٹنے کے موسموں نیز کھیتی باڑی کے تمام معاملات کے لیے "اچھے اور برے" دن اور ساعت کے فرضی فوائد بتلانے کی ضروری خدمت انجام دیتے ہیں۔ لوہار اور بڑھی کاشتکاری کے بھدے اوزار اور کسانوں کے لیے اس سے بھی زیادہ بھدے گھر بناتے ہیں۔ کمہار محض گاؤں میں استعمال ہونے والے برتن بناتے ہیں۔ دھوبی ان چند پوشاکوں کو دھوتا ہے جو کسان کے گھر میں کاتے یا بنے جاتے ہیں یا قریب کے بازار سے خریدے جاتے ہیں حجام صفائی میں مدد کرتا ہے اور گاؤں کے پاخانوں کی صفائی میں مدد دیتا ہے۔ سونار جو (معاشرہ میں) آرائش و زیبائش کے داخلے کی علامت ہے، سیدھے سادے زیورات بناتا ہے جس کے ذریعہ لوگ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو آراستہ کرتے ہیں اور یہ بارہ افسران جو برہلوتی (BARABULLAWUTTEE) یا اینگدی (AYANGADEE) کہے جاتے ہیں، برادری کے ضروری افراد کی حیثیت سے اپنی خدمت کا

Marfat.com

معاوضہ یا تو مشترکہ ملکیت کی زمین سے زمین کے عطیہ کی شکل میں حاصل کرتے اور یا اس فیس کی شکل میں حاصل کرتے، جو گاؤں کے ہر کسان کی فصل کے ایک مقررہ تناسب پر مشتمل ہوتی ہے[41]۔ انیسویں صدی کی ابتدا کے ہندوستان کے تقریباً سبھی برطانوی حکام آئیگار نظام کی اہمیت اور افادیت سے متاثر ہوئے۔

ان دیہی عہدیداروں کا تقرر عموماً حکومت کی جانب سے ہوتا تھا۔ انت پور ضلع کے راول کیرودو (RAVULCERUVU) مقام کے کتبہ میں درج ہے کہ گتی راجیہ (GUTTI RRAJYA) میں واقع پنّاماگانی (PENNAMAGANI) مقام پر سمپرتی تپا راجیہ (SAMPRAPITIPPARAJAYTA) کے دور حکومت میں دو خاندانوں کو دھرم آورم (DHARAMA VARAM) کا مساوی حق عطا کیا گیا تھا! پر ردّی ایکم (REDDIRIKAM) یہ کتبہ ان متعدد افراد کا ذکر بھی کرتا ہے جو گاؤں میں مختلف عہدوں پر فائز تھے اور زمین کی اس مقدار کا بھی جو انھیں عطا کی گئی تھیں[42]۔ تانبے کی ایک تختی کی سند میں، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شری رنگا دوم کے زمانے کی ہے، درج ہے کہ یلہنکا نادو پربھو امدی کیمپے گودا (YALAHANKA NADU PRABHU IMMADI KEMPE GAUDA) نے چند گاؤں میں پنچانگا (PANCANGA) یا جنتری کو پڑھنے کا حق اووبل نرسمہا بھٹا (AVUBALA NARASIMHA BHATTA) کو دیا تھا۔ اور اس بات کا انتظام کیا تھا کہ ان گاؤں میں پنچنگا پڑھنے کے عہدے سے متعلق فیس سے وہ اور اس کے اخلاف استفادہ کرتے رہیں[43]۔ کسی عہدہ پر ایک بار فائز ہو جانے کے بعد ان آئیگاروں کو اپنے عہدوں پر موروثی حق حاصل ہو جاتا تھا اور جب کبھی یہ تنازعہ ہوتا کہ ایک خاص عہدے کا حقدار کون ہے تو حکومت بڑی احتیاط سے یہ پتہ لگاتی کہ رواج اور قدیم عمل کی بنا پر اس پر کس کا حق ہے اور تب ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی چنانچہ 1565ء کے ایک کتبے کے مطابق جب چند اشخاص نے رام دیو مہارلئے کے ایجنٹ سے یہ شکایت کی کہ سینا بووا (SENABOVA) اور جیوتش (JYOTISA) کے عہدے، جو ان کے اسلاف کے زمانہ سے ان کے قبضہ میں تھے، سسٹ (SIST) کے قبضہ میں چلے گئے ہیں اور یہ درخواست کی کہ یہ عہدے انھیں عطا کیے جانے چاہئیں، تو اس نے اس معاملہ کی تحقیقات کرائی اور یہ اعلان کیا کہ "چونکہ پہلے سے آباد باشندوں نے یہ توثیق کی ہے کہ اُبھنج ونتھے (UCCANGE VENTHE) میں

Marfat.com

واقع سنٹ بنّور شیمے (SANTE BENNUR SIME) سیسنا بوداجیوتش، پروہت اور بعض دیگر عہدے تمہارے پاس تھے لہٰذا انھیں ہم رام کے لیے ایک تحفہ کے طور پر تمہیں عطا کرتے ہیں تاکہ تم، تمہارے لڑکے، پوتے اور تمہارے اخلاف ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہو اور سنٹ بنّور شیمے میں ان عہدوں سے متعلق ٹیکسوں اور حقوق کو (جن کا ذکر کردیا گیا ہے) تم حاصل کرسکتے ہو۔[۱۳۴]

آئیگاروں کو اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے عہدوں کو فروخت یا رہن رکھ دیں۔[۱۳۵] انھیں ٹیکس سے مستثنیٰ زمینیں (مانیم (MANYAMS) دی جاتی تھیں جن سے وہ اپنی خدمات کے عوض دائمی طور پر استفادہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ویر شری رنگ رائے دیو مہارائے (VIRA SRI RANGRAYA DEVA MAHARAYA) کے زمانہ میں مہانایک آچاریہ رامپا نامی ایک شخص نے نارائن آپا نامی ایک شخص کو کرنکامانیہ (KARANIKAMANYA.) کی حیثیت سے چند گاؤں میں کچھ اراضیوں کا ایک عطیہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ عطیہ وصول کنندہ کو اپنی خدمت کے عوض ہوبلی HOBLI کے تمام گاؤں کی خشک و تر اراضیوں سپاری کے باغوں نیز سینچائی کے کنوؤں پر عاید بعض ٹیکسوں کو وصول کرنے کا حق (بھی) عطا کیا گیا تھا۔[۱۳۶]

ان آئیگاروں پر اپنے اپنے علاقوں میں کٹھن ذمہ داریاں عاید تھیں۔ وہ اپنے اپنے حلقہ اختیار میں امن و امان کے نگراں ہوتے تھے۔ ان دیہی عہدیداروں کے علم اور ان کی منظوری کے بغیر کوئی جائداد نہ تو منتقل کی جاسکتی تھی اور نہ عطیہ میں دی جاسکتی تھی۔ مثال کے طور پر کرنول ضلع میں واقع گنڈالامقام کی ایک شکستہ حال دستاویز کے مطابق جب ڈوڈلا وینکٹ نائے نین گارو (DODLA VENKATARAYANAI GARU) کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے نے ایک نمائندے کا تقرر کیا تاکہ وہ ڈوڈلا کے اوقاف یعنی ڈھونی شیمے (DHONI-SIME) کے گنڈلی (GUNDAL) مقام میں واقع چناکیشوا پیرومال (CANNA KESVA PERUMAL) کے مندر کی پراکار (PRAKAR) دیوار شہ نشینوں، پھول کے باغات، تالاب اور دوسری چیزوں کی نگرانی کرے۔ اور اس نے اسے گاؤں کے رڈی (REDDI)، کرنم (KARANAM) اور تلاری (TALARI) کی منظوری سے تادورو (TADURU) میں چند اراضیاں دے دیں۔[۱۳۷] زمینوں کی فروخت بھی ان حکام کے علم میں لانے

Marfat.com

کے بعد ہی کی جا سکتی تھی اور کرنکا (KARANIKA) یا محاسب (.ACCOUNTANT) ہمیشہ بیعنامہ لکھا کرتا تھا جیسا کہ یہ بات آج بھی گاؤں میں رائج ہے۔

فصل سوم

پیشہ ورانہ انجمنیں اور برادریاں

ان سیاسی اور اجتماعی نوعیت کی جماعتوں کے ساتھ ہی ہمیں چند پیشہ ور انجمنیں، برادریاں اور تاجرین کی انجمنیں نظر آتی ہیں جو اسی قسم کے فرائض انجام دیتی تھیں جو پہلی قسم کی مقامی جمہوریتیں انجام دیا کرتی تھیں۔ مرکزی حکومت کے ساتھ ان کی دستوری حیثیت اچھی خاصی تھی اور مقامی نظم و نسق میں ان کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ لیکن قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اپنے اختیارات مقامی سبھا یا نادو سے آزاد ہو کر استعمال کر سکتی تھیں یا نہیں۔ ان کے اختیارات سے متعلق دستیاب شواہد کی روشنی میں یہ بات فرض کی ہے کہ انھیں مشترکہ طور پر سبھا اور نادو کے بعض اختیارات حاصل تھے اور وہ بیشتر معاملات میں ان کے فرائض کی انجام دہی میں ان کے ساتھ تعاون کرتی تھیں۔

چنانچہ ویروپیناادے یار کے دور حکومت میں تیروورنگم، تیروپتی تیروونائیکاول (TIRUVANAIKKAVAL) اور بعض دوسرے مقامات کی چھوٹی چھوٹی اسمبلیاں، پلیوں (POLLIS) کی تین اور پیشہ ور دستکاروں (رتھ کاروں) کی چار یا چھ قسمیں سب کی سب ایک ساتھ جمع ہوئی تھیں تاکہ کلاولائکاررون (KALLAVELAIKKARAR) کے درمیان جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی فرائض تقسیم کریں اور اپنے تحفظ کے لیے مندر کو جو ٹیکس وہ ادا کریں گے اس کا تعین کریں[48]۔ ۱۴۰۶ء میں پھر اتم تانشورم ادیانانار (UTTAMATANIS - (VARAM UDAIYANAYANAR) کیکولا مودلس (KAIKKOLA MUDALIS) اور کرانور کے ارور (URAVAR) نے گاؤں کے چند سوناروں کو سودندیرم (SUVAND - IRAM) کا ایک عطیہ دیا تھا[49]۔ یہاں ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ آیا مندر کے معتمدین اور کیکولا مودلس کو ان عطیات کے سلسلہ میں وہی اختیارات حاصل ہوتے تھے جو دیہی اسمبلی

Marfat.com

کو حاصل تھے جو یقیناً ایک زیادہ متحد اور زیادہ منظم سیاسی تنظیم تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اجتماعی اداروں کو جو نیم سیاسی کردار کی حامل ہوتے تھے۔ چند معاملات میں اسمبلی کے ساتھ معاونت کا حق حاصل تھا۔

افراد کی ایک دوسری جماعت جو ایک سیاسی گروہ کو تشکیل دیتی تھی اور بسا اوقات مقامی اسمبلیوں کے ساتھ تعاون بھی کرتی تھی وہ بھی جو 98 ذاتوں کی ولنگائی اور ایدنگائی کے نام سے معروف تھی۔ اگرچہ بنیادی طور پر ان کی حیثیت سماجی گروہوں کی تھی جن میں باہمی اختلافات اور اکثر آپسی جھگڑے رہتے تھے تاہم حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات میں وہ ایک منظم دستوری جماعت کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ چنانچہ تنجور ضلع کے تیرووائیگاوور (TIRUVAIGAVUR) کی ایک دستاویز کے مطابق ولنگائی 98 ذاتیں اور ایدنگائی 98 ذاتیں، پران تکنادو (PARANTAKNADU) کے مجمع باشندوں کی میت میں ایک ساتھ جمع ہوئیں اور انھوں نے حکومت (راج گرام ایرائی مورائی مائی (RAJAGARAMI IRAIMURAI MAI) یا مندر کو واجب الادا ٹیکسوں کی مختلف مدوں کی رقموں کے سلسلہ میں ایک فیصلہ کیا۔[59] اسی طرح وردھا کلم مقام کی ایک نامکمل اور شکستہ دستاویز مورخہ 1429ء کے مطابق جس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے، ولنگائی ذاتوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی جانب سے متعین زبردستی ٹیکس وصول کرنے والوں کے ساتھ تعاون کریں گے اور ان کی بہیوں اور کھاتوں کا لکھنا منظور کریں گے[51] وہ ان کو جسمانی سزائیں دیں گے۔

ان کے ساتھ ساتھ بعض برادرانہ انجمنیں تھیں جو بعض پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ہوتی تھیں یہ خود ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کرتی تھیں اور حکومت ان کی واضح یا بالکنایہ منظوری حاصل کرتی تھی۔ یہ مقامی علاقوں کے نظم ونسق میں مقامی حکام کی بڑی حد تک معاونت کرتی تھیں۔ چنانچہ مڈاہگد (HUDDA HEGGADE) کاپ (KAP) کے سب سے بڑے شہر اسمبلی، برادرانہ یا پیشہ وارانہ انجمنوں اور ماتحت افسران کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔[52] ان (انجمنوں) کی تعبیر کے لیے جو اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں وہ گن (GANA) اور پن (PANA) ہیں گن "کولاؤن (KULAS) کا ایک مجموعہ ہے"[53] لیکن پن ایک فرقہ وارانہ تقسیم ہے۔ سترہویں صدی کے ایک کتبہ میں ایسے اٹھارہ پنوں کا تذکرہ ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ ویوہاریکا (VYAVA-HARIKAS) پانچالا (PANCALA) لوہاروں کے پانچ فرقے، کمبھالیکا (KUMBHALIKAS)

Marfat.com

کمہار تنتووائین (TANTUVAYINS) (بنکار) وستر بھیدک (VASTRA-BHEDAKAS) (انگریز) تیل گھاتک (TILAGHATAKAS) (تیلی) کورنتک (KUR-ANTAKAS) (کورتک (KURATAKAS) ؟ جوتا بنانے والا) وسترکسک (VASTRA-RAKSAS) (درزی) ڈیوانگا (DEVANGAS) ، پریکلیتی (PARIKELITI) پری کیلتے وارو PARIKELETTE-VARU ؟ بار بردار بیل رکھنے والے گورکھک (GORA-KSAKAS) (چرواہے) کیرات (KIRATAS) (شکاری) رجک (RAJAKAS) (دھوبی) اور کچھورک KSAURAKAS (حجام) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان (برادریوں) نے مقامی اسمبلیوں کے ایک تسلیم شدہ جز کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔[۴۶] بظاہر یہ مذکورہ بالا کوننانڈارکوئل (KUNNANDARKOYIL) کے کتبہ کی اٹھارہ ذاتیں پدی نین بھومی سمے اتار (PALINENBHUMI SAMAYATTAR.) تھیں۔ سلیٹور (SALETORE) کو اس بات پر شک ہے کہ تقسیم محض "روایتی" نہ تھیں۔ لیکن پیشہ کے مطابق سماج کی تقسیم ضروری نہیں ہے کہ روایتی ہی ہو۔ یہاں چند اہم پیشہ وارانہ یا صنعتکارانہ برادریوں کا ذکر مناسب ہے۔ ان میں سب سے اہم ہنجامنید وارو (HANJAMANEDAVARU) (برادری) تھی۔ قطعی طور پر یہ بتلانا مشکل ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ چند محققین یہ اصطلاح غیر ملکی لفظ انجمن (ANJUMAN) سے ماخوذ بتاتے ہیں جبکہ دیگر محققین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصطلاح ان یہودی اور قدیم عیسائی تاجروں کی نشاندہی کرتی ہے جو مغربی ساحل پر آباد ہو گئے تھے لیکن یہ تعبیر ممکن نہیں کیونکہ کرشن پٹنم (KRSNAPATNAM) (نمبر 8) مقام کے ایک کتبہ میں جو نیلور ضلع میں واقع ہے جہاں شامی نوآبادی کی کوئی روایت نہیں ملتی، انجوونتار۔تیرو (ANJU VANNATTAR-TERU) کا لفظ آیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ تامل لفظ انجوونّم (ANJU VANNAM) جس کا مطلب "دستکاروں کی پانچ برادریاں" ہیں، اس لفظ ہنجمن (HANJAMANA) کے مقابل رکھا جاسکتا ہے اور بظاہر یہ اس کی محض ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہی برادری مراد ہے جسے تیلگو کے کتبات میں پنچہانم وارو کے (PANCAHANAM VARU) پنچالم وارو (PANCALAM VARU) اور تامل کے کتبات میں پنچالتار (PANCALATTAR) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ دستکاروں کے ان طبقوں کا برادری کی حیثیت سے وجود ابتدائی دور میں ضرور رہا ہوگا۔ کیوں کہ ان پر اجتماعی طور پر ٹیکس عاید کیے جاتے تھے۔

Marfat.com

اور حکمرانوں کی ہدایت پر انھیں عطیات بھی اجتماعی طور پر دیئے جاتے تھے[56]۔ اسی طرح کی ایک دوسری برادری ویشیاوانیا نگرتا (VAISYAVANIYANAGARATTAR) تھی جس نے کوئمبٹور ضلع میں واقع دنائکن کوتائی (DANAYA KANKOTTAI) مقام کی ایک دستاویز کے مطابق بعض تجارتی اشیاء مثلاً زنانہ کپڑے، سیاہ مرچ، سپاری، دھاگا، نمک، غلے اور گھوڑے پر مقامی مندر کے فائدے کے لیے ایک متعین رقم دینا قبول کر لیا تھا[57]۔

ان کے علاوہ چند تجارتی انجمنیں تھیں جنھیں مملکت میں نیم سیاسی جماعت سمجھا جاتا تھا جس طرح ہر گاؤں میں ایک اسمبلی ہوتی تھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہر اور ایک شہر کے درمیان حقیقی فرق یہی تھا کہ اول الذکر میں اس قسم کی کوئی انجمن نہیں ہوتی تھی جبکہ تقریباً تمام شہروں میں ایسی ایک انجمن ہوتی تھی جسے نگرتار (NAGARATTAR) کہا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر شہر میں عموماً ایک ہفتہ واری میلہ سنتائی (SANTAI) لگا کرتا تھا جبکہ تمام دیہاتوں کی خصوصیت یہ نہ تھی۔

انھیں انجمنوں کی موجودگی کے متعلق عبدالرزاق لکھتا ہے: "ہر انجمن یا پیشہ کے تاجرین اپنی اپنی دکانیں ایک دوسرے کے قریب قریب لگاتے ہیں۔ جوہری اپنے لعل و جواہر اور الماس و زمرد بازار میں کھلے عام فروخت کرتے ہیں[58]۔" پائز بھی لکھتا ہے: "ہر سڑک پر مندر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تمام دستکاروں اور تاجروں کے ایسے اداروں سے متعلق ہوتے ہیں جنھیں آپ ہمارے علاقوں میں برادری کے نام سے جانتے ہیں[59]۔"

انجمنیں (GUILDS) کتبات میں نگرتار یا شیٹوں کے نام سے معروف تھیں۔ تاجرین کی یہ انجمنیں بعض مشترک خصوصیات کی حامل ہوتی تھیں جو عہد وسطیٰ کے اداروں کا مطالعہ کرنے والے ایک طالب علم کو متوجہ کرتی ہیں۔ ایک مشترکہ مفاد ہی کی خاطر یہ انجمنیں وجود میں آئی تھیں۔ اور یہ ان کی مشترکہ کوشش تھی کہ اپنے مفادات کو بڑھاویں۔ یہ انجمنیں محض مقامی نوعیت کی ہوتی تھیں لہٰذا ایک انجمن کا دستور اور اس کا طریقہ کار یقیناً مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں مختلف رہا ہوگا۔ ہر انجمن کا ایک سربراہ ہوتا تھا جس کو تنظیم کے کام و ضع پر کچھ اختیارات بھی حاصل تھے اور وہ حکومت کے ساتھ تنظیم کے معاملات میں اس کے ایک معتمد نمائندے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ کناڑا اور تیلگو کے اضلاع میں وہ پٹناسوامی (PATTANASVAMI) یا شیٹی کے نام سے معروف تھا۔ غالباً وہ کسی ایک مقام کی تمام تجارتی انجمنوں کا بھی سردار ہوتا تھا۔ آخر میں عہد وسطیٰ

Marfat.com

کے ہندوستان کی انجمنوں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی مذہبی فرقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بھی کسی مذہبی عقیدہ سے وابستگی تھی جو عہد وسطیٰ کی انجمنوں کو متحد رکھنے کا بہت بڑا سبب تھی۔

عام طور پر حکومت ان انجمنوں سے اس وقت مشورہ کرتی تھی جب ان پر واجب الادا محاصل کسی کو عطیہ میں دینے ہوتے تھے۔ بلاری (BALLARY) ضلع کے ہوسپیٹ مقام کے ایک کتبہ کے مطابق پردھان تیرومل راجہ کے ایجنٹ اباراجہ تمپا (ABBARAJA TIMMAPPA) نے چند گاؤں کے مول وِشا (MULAVISA) کو تیروونگل ناتھ دیوتا پر چڑھاوے کے لیے گاؤں کے شیٹی پٹن سوامیوں (سربرآوردہ تاجروں) اور ہہانادو (عام اسبلی) کی منظوری کے بعد عطا کیا تھا۔[60] اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اچیوت رائے کے ایک افسر کمپادیوانا نامی ایک شخص نے غلوں پر عاید چند ٹیکسوں اور شادیوں پر عاید فیسوں کو ناناد یشی (NAN-ADISI) تاجروں کی منظوری سے عطیہ میں دے دیا تھا۔[61] یہ (انجمنیں) مقامی نوعیت کے بعض ٹیکس اور محاصل بھی وصول کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ بازاروں سے ایک چنگی وصول کرتی تھیں اور اسے مندروں کو دیدیتی تھیں [1534]ء کے ایک کتبہ کے مطابق مقامی تاجروں نے لیپاکچھی (LEPAKSI) میں واقع وشویشور دیوپورا (VISVERADEVAPURA) کے گاؤں اور ہرزنادو (HARUNADU) اور ہوسورونادو (HOSURUNADU) میں ہر اتوار کو لگنے والے بازاروں سے ٹیکس اور چند دیگر چنگیاں وصول کرتے تھے اور انھیں مندر کو دے دیا کرتے تھے۔[62]

ان انجمنوں کو کچھ اعلیٰ عہدیداروں کو بعض اعزازات عطا کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا مثال کے طور پر نکر پریوار (NAKARAPARIVARA) اور ممّوری ڈنڈ (MUMMURIDANDA) کے افراد نے " اپنے ماتحت تین سو بلاؤں (BILLA) اور وجے نگر کے ہولیاؤں (HOLEYAS) کے ساتھ دیوتا ویروپاکس کے مقدس قدموں میں ہیرے کا ویسنیج (VAISANIGE) نچھاور کرنے کے بعد اس کے سامنے بیٹھ کر باہمی رضامندی سے مدّیادنایک (MUDDAYYA DANNAYAKA) کو جو کہ ہمارے 56 علاقوں کے محاصل کی دیکھ بھال کرنے والا افسر تھا زمین (پر تھوی شیٹی تن (PRTHVISETTITANA) پر سرداری کا (MAYORALTY) اعزاز بخشا تھا۔"[63]

Marfat.com

انجمنوں کو اپنے افراد کے لیے بعض ضوابط حتیٰ کہ سماجی اور مذہبی نوعیت کے قوانین بنانے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ مثال کے طور پر تمکور ضلع کے تپتور تعلقہ کے ایک کتبہ کے مطابق باگور (BAGUR) کی بہت سی شیٹوں نے ان عورتوں کے متعلق جن کی شادی نہیں ہو سکی تھی ۱۴۴۹ء (۹) میں کچھ قوانین بنائے تھے[۴۴] لیکن بدقسمتی سے کتبہ نامکمل ہے اور ہم اس دلچسپ ٹکڑے سے کوئی مفہوم نہیں نکال پاتے۔

یہ انجمنیں حکومت کی پالیسی کو بھی بہت زیادہ متاثر کرتی تھیں۔ بسا اوقات کسی مخصوص کام کے لیے یہ حکومت سے درخواست کرتی تھیں جس کو انجام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ عظیم وڈبیا دہاری (VADDEBYAVAHARI) ، نانادیشیوں (کی دونوں ذاتوں) کے سردار ارجو بھٹیا (ARJJU - - BHATTAYYA) کے بیٹے مہادیون نے جب بکنّ ودیار (BAKKANNA VADEYAR) سے "لکشمی پورا کو . . . چنگ ناد (CANGANAD) میں بنانے کی درخواست کی تو بادشاہ نے اپنے وزیر اعلیٰ سوپا (SOVAPPA) کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ اور اس نے ناویلی (NAVILE) ، ہنڈرنج (HANDARANGE) ، پوسناد (POSANAD) ، اَلال پٹن (ALLALAPATTANA.) اور دوسرے مقامات کے کسانوں کے تعاون سے اس فرمان کی تعمیل کی۔

فصل چہارم

مقامی حکومتیں

مندر

دوسرا ادارہ جو مقامی حکومت کے نظم و نسق میں ایک اہم رول ادا کرتا تھا وہ مندر تھا۔ مذہبی زندگی اور اس کے رسوم کا ایک مرکز ہونے کے علاوہ عہد وسطیٰ کے مندر کے بعض معاشی اور سیاسی مشاغل بھی تھے یہ ایک زمیندار اور آجر ہوتا تھا۔ مندر کے حکام بسا اوقات بعض مقدمات کے سلسلہ میں جج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مندر کا خزانہ ایک بینک ہوتا تھا۔ جو وقت ضرورت لوگوں کو روپے قرض دیتا تھا۔ مندروں کے ذریعہ دیہی صنعتوں اور دستکاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ چنانچہ عہد وسطیٰ کے جنوبی ہندوستان کا مندر ان تمام سمتوں میں

Marfat.com

سماجی فلاح و بہبود کے لیے بہت زیادہ کام کرتا تھا۔

مندروں کے انتظام و انصرام میں بادشاہ اور عوام دونوں کا دخل تھا۔ بادشاہ مندروں کی تعمیر کراتا اور ان کے اخراجات کی تکمیل کے لیے اراضیاں عطا کرتا اور ان اراضیوں کو دیودان (DEVADANA) اور بسا اوقات دیودائے (DEVADAYA) کے نام سے پکارا جاتا مندروں کی یہ شاہی سرپرستی یا تو سرومانیہ (SARVAMANYA) کے طور پر اراضیوں کے عطیہ کی صورت میں ہوتی تھی جن سے مندر ہمیشہ استفادہ کر سکتے تھے اور یا ان مخصوص ٹیکسوں کے عطیہ کی شکل میں جنھیں اس مقام کے لوگ حکومت کو ادا کرتے تھے جن کے لیے مندر کے حکام کو اجازت تھی کہ وہ ان محاصل کو مندروں کے اخراجات کی تکمیل کے لیے وصول کریں چنانچہ کمپن کے فرمان کے مطابق اس کے وزیر وتپّر (VATTAPPAR) نے شیروائی آلودائیا نائینار (SERVAI ALUDAIYA NAYNAR) کے مندر کو مادم باکم (MADAMBAKKAM) کا ایک عطیہ دیا تھا۔ کتبہ میں درج ہے کہ "یہ گاؤں، پورے کا پورا، جو اس دیوتا کی مقدس ملکیت ہے، اپنی چاروں حدود کے ساتھ جس میں گاؤں کی افتادہ، قابل زراعت اور باغ کی زمینیں، ان کی فرقہ وارانہ فرائض کے ساتھ (جیسے مثلاً) کرگھوں پر عائد شدہ ٹیکس، کولھوؤں کے چلانے پر ٹیکس وغیرہ نیز گاؤں کے ملازمین کو رکھنے پر عاید ٹیکس اور اسی طرح کے دیگر نئے اور پرانے ٹیکس جو اس کے بعد ہر لگان دار پر عاید کیے جا سکتے ہیں ان (سب) کو ہم سرومانیہ عطیہ کے طور پر پوجا پاٹ اور مرمت کے لیے مندر کو عطا کرتے ہیں تاکہ یہ (مندر) اس وقت تک باقی اور دائم رہے جب تک چاند اور سورج باقی ہیں[66]"۔ کرشن دیو نے چولا منڈلم میں واقع شیوا اور وشنو کے مندروں کے حق میں دس ہزار وراہ (VARAHAS) معاف کر دئے تھے جو کہ جوڈی (JODI)، ارشوپیرو (ARASUPERU) اور شولوری (SULAVARI) سے حاصل ہونے والی آمدنی تھی[67]۔ ان ٹیکسوں کو خود مندر وصول کیا کرتے تھے اس مقام پر، دیہی اسمبلیوں کی طرح، ان ٹیکسوں کے درمیان جنھیں مندر کے حکام بعض گاؤں پر مرکزی حکومت سے آزاد رہ کر عاید اور وصول کرتے تھے اور ان ٹیکسوں اور محاصل کے درمیان فرق کر لینا چاہئے، جنھیں وہ حکومت کی منظوری سے یا اس کی ہدایت پر وصول کرتے تھے۔ اول الذکر معاملہ میں وصول کردہ ٹیکسوں کی نوعیت ایسے رواجی ٹیکسوں کی ہوتی تھی جنھیں لگان دار مالک زمین کو ادا کرتا تھا جبکہ موخر الذکر معاملہ میں عوام پر واجب الادا حکومت کے بعض ٹیکسوں اور

Marfat.com

چنگیوں کو وصول کرنے کا حق مندر کے استفادے کے لیے مندر کو دے دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر دیورائے دوم نے چندرگیری کے شری گری ناتھ کے نام ایک نیرو پا (NIRUPA) یا حکم جاری کیا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ وہ چندرگیری راج کو تیروپوکولی (TIRUPP-UKKULI) سے حاصل ہونے والے ٹیکسوں میں سے 131 پون POKS اور 6¼ پنم جودی (JODI) یا فی پون دس پنم کے حساب سے 16¼ پنم عطا کر دے تاکہ یہ رقم اس مقام کے پورر وپیرومال (PORERRUPERUMAL) کے مندر کے لیے استعمال کی جا سکے۔[68] چولامنڈلم میں شیوا اور وشنو کے مندروں کے حق میں کرشن دیورائے کے ذریعہ بعض ٹیکسوں کے عطیہ کی نوعیت بھی یہی تھی۔[69]

بسا اوقات مندر کے حکام مندر کے لگان داروں کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے اور یہ مندر کے حکام ہی تھے جن کی وساطت سے مندر کے لگان دار اور اس مقام کے اور لوگ سرکاری افسروں کی جابرانہ پالیسی کے موقع پر حکومت کے سامنے اپنی شکایات پیش کرتے تھے۔ تیروورّی یور (TIRUVORRIYUR) سے دستیاب دیورائے دوم کے زمانہ کے ایک کتبہ کے مطابق مندر کے میہشوروں نے بادشاہ کے پاس یہ شکایت کی تھی کہ مندر کی ملکیت کے دیہاتوں کے لگان دار، ملازمین اور دیگر باشندے جودی گم پار وائی (MUGAMPARVAI) انگ شالائی (ANGASALAI) سمبادم (SAMBADAM) اور ویشیس آدایم (VISESADAYAM) جیسے ٹیکسوں کے نفاذ اور حکومت کے افسروں کے ذریعہ اجارہ داری کے آغاز کے وجہ سے بہت پریشان حال ہیں چنانچہ بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ آئندہ مذکورہ بالا محاصل اور ارشی کانم (ORISIKANAM) اچھے بیل، اچھی گائیں، ولی (VETTI) اور کتایم (KATTAYAM) (کے ٹیکس) مندر کے میہشور وصول کیا کریں نیز یہ کہ اجارہ پر دی جانے والی جن زمینوں کی ادائگی ہو چکی ہے انھیں شاہی خزانچی سے روپے لے کر واپس لے لیا جائے۔[70]

مندر کے حکام کو دیہی اسمبلی کی طرح اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ بعض مخصوص حالات میں وہ مندر کی زمینوں کو فروخت اور نئی زمینوں کو خرید سکتے تھے۔ ایک کتبہ مورخہ 1442ء کے مطابق کولار (KOLAR) ضلع کے مالور (MALUR) تعلقہ میں واقع کورونڈمل (KURUNDAMALE) مندر کے پجاریوں داستھانیکوں نے تمن (TIMMANN) نامی

Marfat.com

ایک شخص کو پچاس ہون (HONNU) کے عوض کو روندمل شیمے میں سدا سمدر - SIDDA)
(SAMUDRA نامی ایک نئے تالاب کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک دھرم شاسن DHAR -)
(MA SASANA. یا ایک بینامہ عطا کیا تھا[71] شمالی آرکٹ ضلع میں واقع تیرو پانن گادو - TIRU)
(PPANANGADU مقام کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ اس مقام کے مندر کے حکام نے گاؤں کے تالاب کے بعض شگافوں کی مرمت کے لیے مندر کی کچھ اراضیاں فروخت کردی تھیں اسلیے کہ ان کے پاس کوئی فنڈ نہ تھا اور یہ اراضیاں مدت سے غیر مزروعہ پڑی تھیں[72]۔ اسی طرح تیرو ملی شائی آلوار (TIRUMALI SAI ALVAR) کے خزانے نے الووکانی (ULVUKANI) کی حیثیت سے زمین کے قطع خریدے جو پدائی پرّو (PADAIPARRU) عرف تیپیرو مال نلور (TEPERUMALNALLUR) میں واقع مندر کی ملکیت میں تھے اور جو بلند سطح پر ہونے کی بنا پر آبپاشی کے لائق نہ تھے۔ ان زمینوں کو از سرنو زیر کاشت لایا گیا اور مندر نے دو سو پنم سالانہ کے عوض ان کو اجارہ پر دے دیا[73]۔

مندر کے حکام مندر کی اراضیوں کو رہن رکھنے سے متعلق قوانین وضع کرتے تھے۔ چنانچہ جنوبی آرکٹ ضلع کے چنتامنی مقام کی ایک دستاویز میں ایک سمجھوتے کا تذکرہ ملتا ہے جو ابھے ودانت آچاریہ ایتور تیرو ملائی کمار تاٹ اچاریہ (UBHAYA VEDANTA - ACARYA ETTUR TIRUMALAI KUMARA TATACARYA.) کے ایجنٹ کونیتی ایّن (KONITI AYYAN) اور مدورانتکم (MADURANTAKAM) کے سربرآوردہ افراد اور مندر کے خزانچیوں کے درمیان ہوا تھا کہ دیودان کی زمینیں جو کونیٹی اینگار (KONETI - AYYANGAR) کے دور حکومت میں پہلے ہی رہن سے نکل چکی ہیں، انھیں کسی بھی صورت میں دوبارہ رہن نہیں رکھا جائے گا[74]۔

بہت سے حالات میں مندر کا خزانہ ایک مقامی بینک کا کام دیتا تھا۔ اور مشکل میں لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ جب وہ قرض میں دی ہوئی رقم وصول نہ کر پاتا تو قرض دار کی اتنی زمین خرید لیتا جتنی قرض چکانے کے لیے ضروری ہوتی پدوکوٹائی ریاست کے شیولور (SEVALUR) مقام کے ایک کتبہ کے مطابق تیرو بھومی شام ادیانا نار (TIRUBHUMI SAMUDDIYA- NAYANAR) کے مندر کے حکام نے تین سو شکر پنم (SAKKARA PONAMS) تینو رو ودپرّو (TENURU VADAPPARRU.) کے ارور (URAVARA) کو قرض دیا

Marfat.com

تھا جو اس نے کا نکائی ادا کرنے کے لیے لیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ قرض واپس نہ کر سکے لہٰذا انھوں نے اپنی کچھ زمینیں مندر کے حکام کو فروخت کر دیں[73]۔ اسی طرح پدوکوتائی ریاست ہی میں واقع تیرو ورنگولم (TIRUVARANGULAM) کے مندر کے خزانے، پالائکوڈی (PALAIKKUDI) کلنگوڈی (KALANGUDI) اور کیلی نلور (KILINALLUR) کے گاؤں کے باشندوں اور ان گاؤں میں پادی کاول (PADIKAVAL) کے حقوق رکھنے والوں کو ایک قرض دیا تھا تاکہ وہ ان ٹیکسوں کو ادا کر سکیں جن کا مطالبہ ان سے سوامی نارسا نائیکر نے کیا تھا اور جس کو وہ بغیر قرض لیے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ آگے چل کر تقریباً 1520ء میں باشندوں اور پادی کاول کے حقوق رکھنے والوں نے مندر کے خزانے سے جو قرض لیا تھا اس کے عوض کچھ زمینیں مندر کے حکام کے ہاتھ فروخت کر دیں[76]۔ اس طرح لوگوں کو روپے قرض دے کر مندر بینک کا کام انجام دیتے تھے۔

مندر کے متمدین ججوں کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم پہلے ہی اس بات کا جائزہ لے چکے ہیں کہ چنگل پت ضلع کے تیرِ کلی کن رم (TIRUKKALIKKUNRAM) مقام میں واقع تیرو کلی کن رمیشورم ادیانانار (TIRUK- KALIKUNRAMISVA RAMUDAYANAR) کے مندر کے متمدین نے مندر میں ہونے والی ایک چوری کے مقدمہ کا فیصلہ کس طرح کیا تھا[77]۔

لوگوں کی سہولت کے لئے مندر شفا خانے بھی چلاتے تھے ترچناپلی ضلع کے تری رنگم مقام کے ایک کتبہ مورخہ 1493ء میں اس مقام کے مندر میں ایک اسپتال (آروگ شالائی) (AROG - YASALAI) اور ایک خدائی طبیب دھن ونتری (DHANVANTARI) کی زیارت گاہ کی موجودگی کا حوالہ ملتا ہے[77]۔ الف

وجے نگر کے زمانے میں مندروں کی کارکردگی کا ایک دوسرا پہلو جو یہاں قابل ذکر ہے وہ چھوٹی چھوٹی صنعتوں کی حوصلہ افزائی ہے جو وہ کرتی تھیں۔ ہندوستان کی مقامی برادریوں پر گفتگو کرتے ہوئے سر جارج برڈوڈ (SIR GEORGE BIRDWOOD) اس خیال کا اظہار کرتے ہیں "دیہی برادریاں ہندوستان کے روایتی فنون کا گڑھ ہیں اور جہاں جہاں یہ فنون گاؤں کی سرحدوں سے نکل کر دنیا کی وسعتوں تک پہونچے ہیں وہاں اب بھی منو (MANU) کا ذات پات کا نظریہ غیرملکی فیشن کے مضر اثرات اور اختلاط کے خلاف ان کا بہترین محافظ رہا ہے[79]"۔ یہ تبصرہ مندروں پر بھی صادق آتا ہے اس لیے کہ وہ بھی چھوٹی چھوٹی صنعتوں کی کافی ہمت

Marfat.com

افزائی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر چنگل پٹ ضلع میں واقع پیرونگر کے مندر کے حکام نے مقامی مندر کی تیرو ملائی ویلاگم (TIRUMALAI VILAGAM) میں واقع زمین کے بیس ٹکڑوں کو جو شمبو ورائے کے زمانہ سے ہی بیکار پڑے تھے۔ چند جولاہوں کے ہاتھوں ان کے آباد ہونے کے لیے فروخت کر دیا تھا اور اس کی آمدنی ان (مندروں) کی مرمت و اصلاح پر خرچ کی گئی[79]۔ اسی مقام کی ایک دوسری دستاویز کے مطابق انھوں نے پیرونگر کے جلاہوں پر واجب الادا بعض ٹیکسوں میں بطور رعایت تخفیف کر دی تھی تاکہ وہ ان قدیم علاقوں میں دوبارہ قیام پذیر ہو جائیں جن کو انھوں نے ٹیکس ادا کیے بغیر چھوڑ دیا تھا[80]۔ من پادی (MANAPADI) کے ایک کتبہ میں اجارہ کی ایک دستاویز (ادائی اولائی (ADAI-OLAI) کا تذکرہ ملتا ہے جو جولاہوں کو دی گئی تھی تاکہ وہ وان وسندر نائنار (VANAVASUNDRA NAYANAR) کے مندر کی زمین پر واقع ایک سڑک پر چند شرائط کے عوض جو ان ٹیکسوں سے متعلق تھیں جو ان پر مندر کے لیے واجب الادا تھے۔ آباد ہو سکیں[81]۔ اس طرح مندر دستکاری اور صنعتوں کی بڑی حد تک حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

مندروں کو ایک اور اختیار جو حاصل تھا وہ یہ تھا کہ وہ مخصوص افراد کو اعزازات بخش سکتے تھے۔ جب اچوتپا نائینگ گار (ACOYUTAPPA NAYANINGARU) نے چودہ گاؤں کا ایک عطیہ دیا، جنوبی آرکٹ کے شری موسنم (SRIMUSNAM) میں واقع آدی وراہ پیرومال (ADIVARAHA PERUMAL) کے مندر کے حق میں دیگر 28 گاؤں پر عاید جودی، ویراد (VIRADA)، کرنک (KARANIKA) اور دیگر ٹیکسوں کو معاف کر دیا اور منوال (MANAVALA)، شودی کودتا ناکیار SUDI KODUTTA NACCIYAR اور دوسرے آلواروں (ALVARA) کے بتوں کو مندر میں نصب کیا، خود اپنے اخراجات پر مندر کے متعدد زمینوں کو قابل کاشت بنایا، کھیتوں کے لیے جنگلوں کی صفائی کی۔ سینچائی کے لیے نہریں کھدوائیں، تالاب تعمیر کرائے، باغ لگوائے۔ دیوتا کے سامنے ہیروں کے بہت سے تحفے پیش کیے اور مندر میں خدمت کے لیے بارہ موسیقاروں اور 360 ملازموں کا انتظام کیا تو مندر کے شری بھنڈار (SRI BHANDARA) کے اراکین نے اسے نیرواہ (NIRVAHA) اور سمپرتی (SAMPRATI) کا عہدہ دیا اور یہ اجازت دی کہ مندر کے توشہ خانہ پر وہ دوسروں کے ساتھ اپنی مہر بھی لگا سکتا ہے، وہ شری موسنم کے شہر اور اس سے

Marfat.com

متعلق گاؤں کی تلارک (TALARIKA) اپنے پاس رکھ سکتا ہے نیز یہ کہ وہ مقدس بھنڈار کے دیوتاؤں کے بتوں کا محافظ ہوگا۔[82]

اسی طرح بادشاہ کرشن دیو رائے اور اس کے ماتحت افسر نرسمہا رائے مہارائے کے حکم سے تیروپتی (TIRUPATI) کے مندر کے تانتار (TANATTAR) یا منتظمین نے ویاسرائے تیرتھا شری یادودیار (VYASARAYA TIRTHA SRIPADA VODEYAR) کو ایک مکان اور چند اعزازات بخشے تھے۔[83] شری موسنم کے مذکورہ بالا کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ مندر کو پولیس کے بعض فرائض بھی انجام دینے ہوتے تھے جنھیں اس نے چند افراد کو منتقل کر دیا اس لیے مقامی ادارے اور شہر کے افراد دونوں ہی اس طرح پادی کاول اختیارات کے متمنی رہتے تھے۔

فصل پنجم

مقامی معاہدے

وجے نگر کی تاریخ کے بعض ادوار میں جب مرکزی حکومت اتنی مستحکم نہ تھی کہ وہ مرکز گریز رجحانات کا قلع قمع کر سکے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مقام کے با اثر لوگ آپس میں سمجھوتے کر لیتے تھے تاکہ وہ اپنی حیثیت کو مستحکم کر سکیں اور اپنے حقوق و مراعات پر باہر کے لوگوں کی دست اندازی کو روک سکیں۔ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے لوگوں کا یہ رویہ اپنے اندر ایک بہتر پہلو رکھتا تھا اس لیے کہ اگرچہ یہ مرکزی حکومت کے انحطاط کا ایک واضح ثبوت تھا اس کے باوجود یہ مختلف طبقوں کے ان لوگوں کو متحد کر دیتا تھا جو مدت سے آپس میں غیر دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور اب اپنی دشمنی کو چھوڑنے پر اور دوستانہ طور پر زندگی گذارنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ چنانچہ 20-1419ء میں بھوپتی اڈیار کے بیٹے ویر رمنین اڈیار کے دور حکومت میں ایک طرف پیرامبور کے نرسنگ دیوا دیار اور اس کے ہم نواؤں اور دوسری طرف کیلائی کوریچی (KALAIKURICCI) کے باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔ واضح ہے کہ سیم نرسنگ دلو کے زمانہ سے لے کر اڈیک کم و بیش

Marfat.com

نرسنگ دیو (ADAIKKALAM KATTA NARASINGA DEVA) کے زمانے تک ہمارے درمیان زبردست دشمنی رہی۔ دونوں جانب کے سیکڑوں آدمی مارے اور قید کیے گئے اب موخرالذکر سردار کے زمانہ میں ہم سب ایک دوسرے سے ملے اور یہ فیصلہ کیا کہ اس طویل المدت دشمنی کی بنا پر آئندہ ہمیں ایک دوسرے کے مفادات کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہیے"۔ ان لوگوں نے اس حد تک اتفاق کر لیا کہ مذکورہ بالا گاؤں کے کسی بھی شخص کے دشمن کو وہ اپنا مشترکہ دشمن سمجھیں گے۔ انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جو لوگ اس کے خلاف کریں گے وہ دیوتا نان گپتی (NAN GUPATTI) کے خلاف گناہ کے مرتکب ہوں گے یہ سمجھوتہ تین ملائی (TENMALAI) ، کیرنور (KIRANUR) ، پودووائل (PUDUVOYAL) اور مودوشورکودی (MUDUSORKUDI) کے باشندوں کے سامنے ہوا تھا[84]۔ اسی عہد میں ہمیں جنوبی کنارا ضلع کے بااثر لوگوں کے درمیان بھی اسی طرح کے آپسی سمجھوتے ملتے ہیں۔ شاکھا سنہ [1412] (جو غلط ہے) میں دیورادیا (DEVARADYA) عرف کنداہگد (KUNDAH = EGGADE) نامی ایک شخص اور کنگ ہگد نامی ایک دوسرے شخص نے یلورو (YELLURU) کے دیوتا مہالنگ (MAHELINGA) کے روبرو ایک دوسرے کی زمین پر دست اندازی کیے بغیر ہمیشہ کے لیے دوستانہ طور پر زندگی گذارنے کا معاہدہ کیا تھا[85]۔ چند سالوں کے بعد شاکھا سنہ [1421] میں (مرحوم) سید مارتی سنکرانی ہنڈہگڈ (SAN KARADI - HUNDA HEGGADA.) نامی ایک شخص اور تیرومل ارشا مدا ہگد (TIRUMALA - ARASA - MADDA HEGGADA) نامی ایک دوسرے شخص نے آپسی وفاداری کا ایک سمجھوتہ کیا اور طے کیا کہ وہ ہمیشہ یلورو (YELURU) اور کاپو (KAPU) پر حملہ آور دشمنوں کے خلاف وفادارانہ خدمت انجام دیں گے[86]۔ اس طرح کے کتبات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں باہمی تعاون اور پرانی عداوتوں کو ترک کر دینے کے سمجھوتوں کا تذکرہ ملتا ہے[87]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے مقامی سمجھوتے ویروپاکچھا (VIRUPAKSA) کے دور حکومت کے آخری سالوں میں وجے نگر کی سیاست میں انتشار کا نتیجہ تھے۔ ان ادوار میں مرکزی طاقت کا کوئی ذکر نہیں آتا[88]۔ لیکن اس طرح کے مقامی سمجھوتے نہایت مفید تھے اس لحاظ سے کہ انھوں نے مقامی علاقوں میں امن و سلامتی کی ضمانت دی اور مرکزی حکومت کو نظم و ضبط کی برقراری کی ذمہ داری سے بڑی حد تک چھٹکارا

Marfat.com

دلا دیا۔

فصل ششم

چھوٹے چھوٹے مقامی افسران اور عہدیدان

یہاں ہمیں ان چند مقامی افسروں کے فرائض کا جائزہ لینا ہے جو شاہی حکومت اور مقامی عہدیداروں کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتے تھے۔

ان افسروں میں سب سے پہلے جو قابل ذکر ہیں وہ پارو پتیا گار PARUPATYAGAR ہیں۔ لفظ پارو پتیا گار سے مراد ایک انتظامی افسر یا کاموں کا نگراں ہے عموماً یہ افسر کسی خاص علاقہ میں بادشاہ یا صوبائی گورنر کا ایک نمائندہ ہوتا تھا اور حکومت کے بعض اہم انتظامی امور کو انجام دیتا تھا۔ وہ کسی خاص علاقہ میں ٹیکسوں کا اعلیٰ محصل ہوتا تھا۔ وہ قلعوں کی مرمت اور ان کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا، وہ بادشاہ کی جانب سے عطا کی گئی جاگیروں کا منتظم ہوتا تھا۔ مقامی علاقوں میں بادشاہ کے نمائندے کی حیثیت سے پارو پتیا گار ایک ایسا حاکم تھا جس کے پاس عموماً شاہی احکامات پہونچائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر جب ایک مقامی حکمراں نے ایک سرومانیہ عطیہ دیا تو اس نے یہ حکم پارو پتیا پیریا کیشو نایک (PARUPATYA PARIYA KESAVA NAYA KA) نامی ایک شخص کے پاس بھیجا جو بلا شبہ اس مقام کا ایک افسر تھا جہاں عطیہ دیا گیا تھا[89]۔

مورخہ 1423ء کے ایک کتبہ میں ایک پارو پتیا گار کا تذکرہ ملتا ہے جسے ایک خاص علاقہ میں اراضیوں کے بعض عطیات کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ کتبہ میں اس الاؤنس کا بھی ذکر ہے جو اس کے لیے منظور کیا گیا تھا[90]۔ تیرکن آمبی (TERAKANAMBI) کے پارو پتیا گار چکا نجیا (CIKKA NANJAYYA.) کو 1506ء میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ مندر میں رتھ کے تہوار کے موقعہ پر اخراجات کی تکمیل کے لیے چند گاؤں سے حاصل ہونے والی بعض برآمدی چنگیوں (EXPORT DUTIES) سے رتھ کا ایک ٹیکس ادا کرے[91]۔ 1542ء میں ہم سیرنگاپٹم کے علاقہ میں کامپا نایک نامی ایک پارو پتیا گار کو بعض ایسی چنگیاں اور ٹیکس وصول کرتے

Marfat.com

ہوئے پاتے ہیں جن کا پہلے وجود نہ تھا۔[92] 1508ء میں ایک فرمان جاری کیا گیا تھا کہ کولار ضلع کے باگیلی تعلقہ میں واقع ایک مخصوص گاؤں کے پارو پتیا کے عہدہ کا جو کوئی بھی حامل ہو گا اسے ایک نصف قلعہ تعمیر کرانا ہوگا۔[93] پارو پتیا گار عوام کی سہولت کے لیے بعض عوامی مفاد کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری اٹھاتے تھے۔ چنانچہ راماپا نامی ایک شخص نے جو 1532ء میں یلندور جاگیر میں واقع درگا گرہارا (DURGGAGBAHARA) مقام میں پارو پتیا کے عہدے پر فائز تھا، زمین کی کھدائی اور ضروری مرمت کر کے پتھروں کا ایک مقدس تالاب بنوایا تھا۔[94] ایک بڑے قحط کے دوران جب تمام غلّوں کی قیمتیں میسور ضلع کے کامراج نگر تعلقہ میں فی ہن سات مان تک بڑھ گئی تھی اور آدمی آدمی کو کھانے لگا تھا، پارو پتیا گار ادیار دیو نے کالے ملّی کارجونا (KALE MALLI KARJUNA) کی مدد سے ایک کنوئیں کی مرمت کرائی تھی۔[95] اس نے نئے گاؤں بھی تشکیل دئے۔ بارگور شیمے کے پارو پتیا گار نے جنگیوں کے نرسمیا (NARASIMMAIYA) کی درخواست پر ایک پیٹھ (PETHE) کی تعمیر کرائی اس کا نام کرشنا پور رکھا اور اس میں لوگوں کو آباد کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے افسران سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ ہمیں یہ بات انت پور ضلع کے کوپلّی (KOTTOPPALLE) مقام کی ایک نامکمل دستاویز سے معلوم ہوتی ہے جس میں بظاہر ملک ایاجی ودیارو (MALIKA AYYAJI VODAYARU)، پرشوراما پنڈٹرو (PARISURAMA PANDITTARU)، پیرورو (PIRURAV) میں مقیم افسر نیز گاؤں کے گودے، سینا پتیا اور کسانوں کے نام کندروپی شیمے (KUNDRUPI SEME) کے پارو پتیا گار (جس کا نام ضائع ہو گیا ہے) کے چند احکامات درج ہیں۔[97]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً کرشن دیو رائے کے زمانہ تک پارو پتیا گار کو مندر کے نظم و نسق سے متعلق چند اختیارات حاصل تھے۔ لیکن کامراج نگر تعلقہ کے ایک خاص مندر کے متعلق کرشن دیو رائے نے مندرجہ ذیل حکم دیا تھا "تمام عطیات کی نگرانی دیوتا کے مندر کا نمائندہ الپّا (ALLAPPA) کرے گا۔ وہ انھیں اپنی ملکیت میں لے لے گا اور جن ملازمین کا وہ چاہے گا تقرر کر کے مندر کی وقتاً فوقتاً خدمات کو برقرار رکھے گا۔ پارو پتیا گار کو مندر کے معاملات کی چھان بین کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ الپّا صرف مندر کا نمائندہ ہو گا کسی اور کا نہیں۔"[98] ہمیں یہ نہیں معلوم کہ بادشاہ کا یہ حکم مندر کے انتظام و انصرام کو عام نظم و نسق سے علیحدہ رکھنے کے

Marfat.com

سلسلہ میں اس کی عام پالیسی کی صرف ایک مثال ہے یا یہ محض ایک مخصوص معاملہ تھا جو اس طرح کے ایک حکم کا متقاضی تھا۔ اس دلچسپ مسئلہ پر اس کے خیالات کا اظہار اس کی آمکتا مالیاد میں کیا گیا ہے۔ جہاں وہ مندروں اور برہمنوں وغیرہ کو دی جانے والی خیراتوں کے نظم و نسق کے لیے ٹیکس کے محاصل کے تقرر کو پسند نہیں کرتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ اسے اپنے ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلہ میں ہونے والے خسارے کی تلافی انھیں ذرائع سے کرنے پر آمادہ کرے۔ نیز وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ خیراتوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک مخصوص افسر کا تقرر کیا جانا چاہئے[99]۔ لہٰذا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ بادشاہ کا مندر کے نظم و نسق کو پارو پتیا گار سے الگ کر کے دوسرے ایسے فرد کے حوالے کر دینے کا حکم جو بظاہر ریاست میں کسی دوسری ذمہ داری کا حامل نہ تھا، اس بات کا محض ایک مظاہرہ تھا کہ اس نے اپنے نظریات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا تھا۔

دوسرا اہم افسر جس کا وجے نگر کے زمانہ میں بہت زیادہ ذکر ملتا ہے وہ ادھیکاری تھا۔ وہ غالباً ایک "خصوصی افسر" ہوتا تھا جس کا تقرر (محض) اہم شہروں اور گاؤں میں کیا جاتا تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مملکت کے تمام اہم شہروں اور گاؤں میں ایک ایک ادھیکاری ہوتا تھا اس لیے کہ ہمیں اس افسر کا محض اکا دکا حوالہ ملتا ہے لیکن چونکہ ہمیں ۱۶۰۸ء کا ایک ایسا کتبہ دستیاب ہے جس میں دیوتا کے سامنے روزانہ کے چڑھاوے سے متعلق جنوبی کنارا کے ادھیکاری اور جگت تومونورو (JAGATUMUNURU) (دیہی اسمبلی) کے وضع کیے ہوئے چند قوانین کا ذکر ہے[100]۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ بہت سے اہم گاؤں میں ایک ایک ادھیکاری ہوتا تھا۔ لیکن بظاہر اس کے اختیارات اور اہمیت مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں مختلف ہوتے تھے۔

حکومت کے ایک افسر کی حیثیت سے دستاویزات کے تکملہ کے وقت اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ جنوبی کنارا ضلع کی تانبے کی ایک تختی کے مطابق تقسیم کی ایک دستاویز کا تکملہ مہاپردھان میل (MAHAPARADHANA MALE) ملیہ (MALLAYA) دنایک اور گاؤں کے ادھیکاری گوپنا کی موجودگی میں ہوئی تھی[101]۔ افراد جو عطیات دیتے تھے ان کی توثیق بھی اسی اہم افسر کو کرنی پڑتی تھی۔ ایسا وہ ہمیشہ خود نہیں کرتا تھا بلکہ بسا اوقات وہ اپنے ماتحتوں سے کہتا تھا کہ وہ یہ فرض انجام دے دیں۔ ایسا غالباً وہ کاموں کی زیادتی کی وجہ سے کرتا ہوگا۔ مثال کے طور پر بتیمنگل ادھیکاری (BETAMANGALA ADHIKARI) دیوواروانیور نایک

Marfat.com

(DEVA VARU ESVARA NAYAKA) اور ایک دوسرے افسر نے، جس کے واقعی فرائض کا علم ہمیں نہیں ہو سکا ہے، نرسنگا راجہ ودیار نامی ایک شخص کے نام ایک حکم جاری کیا کہ وہ سومیا دیو نامی ایک شخص کے ذریعہ چندیشور کو دی گئی اراضیوں کے عطیہ کی توثیق کر دے اور اس فرمان کی فوری طور پر تعمیل کی گئی۔[فٹ نوٹ] بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسر چند ایسی جماعتوں اور انجمنوں کی منظوری اور تعاون کے بغیر، جو اس زمانہ میں نیم سیاسی کردار کی حامل ہوتی تھی، خود کوئی عطیہ نہیں دے سکتا تھا۔ جنوبی کنارا ضلع کی تانبے کی ایک تختی سے اس دلچسپ اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے کہ 1556ء میں کاپ (KAP) کے سردار تیرو مل رس عرف مداہگدے نامی ایک شخص نے میلار (MAILAR) کے گاؤں کی زمین کو اسمبلی (نلیناوارو NALINA VARU) فرقہ وارانہ اور پیشہ ورانجمنوں (گن پن (GANA PANA) اور ماتحت افسروں (سامنتا SAMANTA) کی منظوری کے بعد عطیہ میں دیا تھا۔[فٹ نوٹ] اس طرح ان علاقوں میں جہاں فرقہ وارانہ انجمن موجود تھیں وہاں ادھیکاری کے آزادانہ طور پر کام کرنے کے اختیارات محدود معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کو سخت فرائض انجام دینے ہوتے تھے اور وہ مقامی علاقوں کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا۔

یہاں وجے نگر کا گورنر قابل ذکر ہے جس کا ذکر پائز اور نونیز دونوں ہی نے کیا ہے۔ سالووا تما کا بھائی گودراجہ دارالسلطنت کا گورنر تھا۔[فٹ نوٹ] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اہم شخصیت کا حامل تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے پائز اور اس کے دوستوں کو محل کے گرد و پیش اور دوسری عمارتوں کی سیر کرائی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند عسکری فرائض بھی انجام دیتا تھا چنانچہ جب کرشن دیورائے نے رائچور کی مہم پر روانہ ہوا تو وہ 30 ہزار پیادوں، ایک ہزار گھوڑوں اور دس ہاتھیوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوا۔[فٹ نوٹ]

ایک دوسرا افسر یا افسروں کی جماعت جس کو اسمبلی کے کاموں میں اس کے ساتھ تعاون کا اختیار حاصل تھا، عموماً تنتری مار (TANTRIMAR) کے نام سے معروف تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ لوگ کون تھے۔ موجودہ زمانہ میں ملابار میں مندر کے پجاریوں کا ایک طبقہ تنتریوں کے نام معروف ہے۔ لیکن وہ کتبات جن میں دیہی اسمبلی کے کاموں میں اس کے ساتھ کام کرنے والے کی حیثیت سے تنتری مار کا ذکر ملتا ہے، زیادہ تر تامل کے اضلاع میں ملتے ہیں لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ تنتری مار کی اصطلاح سے مالابار کے تنتری مراد ہوں۔ مزید یہ کہ جنوبی آرکٹ ضلع کے تیروکلکودی (TIRUK - KAKKUDI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1459ء شاکھا کے مطابق مندر کے حکام اور گاؤں کے

Marfat.com

تنتری مار نے ستما نایک نامی ایک شخص کے ذریعہ ایک گاؤں کو دوبارہ بسانے کے بارے میں آپس میں ایک سمجھوتہ کیا تھا[105]۔ اگر یہاں تنتری مار کا مندر کے نظم ونسق یا مندر کی خدمات سے کچھ تعلق ہوتا تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان دو جماعتوں کے درمیان ایک سمجھوتے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن لفظ تنترین (TANTRIN) سے ایک سپاہی بھی مراد لیا جاتا ہے اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہمارا تنتری مار لوگوں کے ان مخصوص طبقوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں سے فوج کے لیے لوگوں کو بھرتی کیا جاتا تھا۔ تنّی ویلی (TINNE VELLY) ضلع میں پانڈے عہد کے چند کتبات ملتے ہیں جو فوجی طبقہ کی ایک برادری (پڈائیک کانور PADAIKKNVAR) کا ذکر کرتے ہیں جن کے قائد ڈنڈنایکم سیوار (DANDANAYAKAM SEYVAR) کے نام سے معروف تھے جیسا کہ سرکاری ماہر کتبات کہتا ہے بعض صورتوں میں فوجی طبقات (پیرو مبدائیوم) (PERUMBADAIYOM) کی بڑی برادریوں کا مع اپنی دس کمانوں کے ذکر ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ تنتریا یا تنترے تعلق رکھتی تھیں[107]۔

لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وجے نگر عہد کے تنتری مار کا ان فوجی جماعتوں سے کوئی تعلق تھا۔ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ ان لوگوں کا مقامی حکومت سے کوئی زیادہ تعلق ہوگا۔ تنتر کے معنی حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ہم تنتری مار سے مقامی علاقوں کی حکومت کے ان افسروں کو مراد لے سکتے ہیں جو دیہی اسمبلیوں اور دیگر مقامی تنظیموں کے کام کاج کی نگرانی کرتے تھے اس اصطلاح کا یہ مفہوم ان کے فرائض کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہی اسمبلیاں خود کسی خاص کام کو انجام نہیں دے سکتی تھیں بلکہ انھیں اپنے بیشتر کاموں کے لیے حکومت کی منظوری لینی پڑتی تھی یہ (افسران کا تقرر) مقامی اسمبلیوں پر جو ویسے مطلق العنان تھیں ایک روک تھی چنانچہ کرائپوکو نادو (KARAIPPUKKUNADU) کے ناتار اور تنتری مار نے تیرو تون گانائی مادم ادیا مہا دیو (TIRU TON GANAI MADAM UDAIYA MAHADEVA) کے مندر کو کارانیور کی زمین سروماینہ عطیہ میں دی تھی[108]۔ تنتری مار کی اسی جماعت نے اسی اسمبلی کے ساتھ تنکر تورائی نیلوائے (TENKARA TURAI NELVAY) کے مندر کی مرمت اور پوجا کے لیے تنکرائی شیروکودلور (TENKARAI SIRUKUDALUR) میں واقع اراضیوں پر عاید بعض ٹیکسوں کا ایک دوسرا عطیہ دیا تھا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنتری مار مقامی علاقوں میں حکومت کے افسر ہوتے تھے۔

Marfat.com

دوسرا افسر جو ناتو نایکم شیوار (NATTUNAYAGAM SEYVAR.) یا محض ناتو نایکر (NATTUNAYAKKAR.) کے مختلف ناموں سے جانا جاتا تھا جس کے معنی ایک نادو کے نگراں کے ہوتے تھے، ایک اہم شخصیت کا حامل تھا۔ لیکن اگرچہ کتبات میں اس کا ذکر نادو کے ایک اہم افسر کی حیثیت سے ملتا ہے تاہم ہمیں اس کے واقعی اختیارات کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم ہے اور نہ ہم اس کے بارے میں قطعی طور پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ نادو میں ایک شاہی افسر تھا یا وہ اس مقام کا محض ایک با اثر شخص تھا جسے حکومت نے چند اعزازی اختیارات عطا کر دیئے تھے۔ سنہ 1346ء کی ایک دستاویز کے مطابق ہری ہرا دیبار اور بکن ادیبار نے تیکل نادو (TEKALNADU) کے نگراں ویّنن کوموپّن (VAIYANNAN KOMUPPAN) کو اسی نادو میں شامل مادرائی شانپلّی (MADARAI SANAPALLI) کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کودنگائی (KUDENGAI) کی حیثیت سے عطیہ میں دیا تھا۔ اسے اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ سابقہ عطیات کے علاوہ وہ گاؤں کی تمام خشک و تر اراضی پر اپنی خواہش کے مطابق جو فصل چاہے اگا سکتا ہے اور اسے یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ دائمی طور پر تمام ٹیکسوں کو جن کا ذکر موجود ہے، وصول کر سکتا ہے[109]۔ اس اہم عہدیدار کے متعلق ہمیں چند اور بھی حوالے ملتے ہیں۔ سنہ 1379ء کی ایک دستاویز میں مذکور ہے کہ مہاساونت ادھیپتی سونیا نایکر (MAHASAVANT ADHI – PATI SONNAIYA NAYAKAR.) کا بیٹا انکیا نایک (ANIKAYA NAYAKA) نوندنگولی نادو (NONDAINGULINADU) کا نگراں تھا۔

گودیک (GAUDIKE) اور استھلاگودیک (STHALEGAUDIKE) مقامی علاقوں کے دو دوسرے افسر تھے[110] لیکن ان دونوں افسروں کے درمیان فرق کو سمجھنا اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ ہم یہ فرض نہ کر لیں کہ استھلاگودا (نسبتاً) ایک بڑا عہدیدار تھا اور اس کے اختیارات پورے استھلا پر پھیلے ہوئے تھے جبکہ معمولی گودا (ORDINARY GAUDA) ایک چھوٹا عہدیدار تھا اور اس کے اختیارات اسی گاؤں تک محدود ہوتے تھے جہاں اس کا تقرر کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے عہدے چند اشخاص کو بعض ان خدمات کے عوض عطا کیے جاتے تھے جو وہ حکومت کے لیے انجام دیتے تھے۔ تقریباً سنہ 1533ء کے ایک کتبہ کے مطابق مہا نایک آچاریہ ہرتی ایمنگل پتّل نایک آچاریہ (MAHA NAYAKACARYA HARATI AIMAINGALA TIPPALA NAYAKACARYA.)

Marfat.com

نے کندلی کے بالن گوڈا کی وساطت سے وڈا ایران بووا (VADDA IRANA BOVA) کو دھرم پور سمت (SAMMAT) کا ایک گاؤں، چند تحائف اور گاؤں کا استھلا گو دیک عطا کیا تھا اس لیے کہ اس نے 250 گدیان (GADYANAS) خرچ کر کے کاندلی کے قلعہ کے لیے چار بلند میناروں کی تعمیر کی تھی[112]۔ چند سالوں بعد 1547ء میں اس شخص کو سوگور (SUGUR) کے گاؤں پر استھلا گو دیک عطا کر دیا گیا کیونکہ اس نے دو سو (200) وراہوں (VARAHAS) کے خرچ سے اس مقام کے قلعہ کے لیے چار میناروں کی تعمیر کی تھی[113]۔ اسی طرح 1634ء میں کول وہلی امدی رانا بیر گودرائے (KOLAVANHALLI IMMADI RANA BAIRE – GOUDARAY) نے گید گودا (GIDUGAUDA) نامی ایک شخص کو سابقہ مانیا (MANYA) کے ساتھ آیا AYA، سوامیا (SVAMYA) بتو (BATU) بوتو (BOTU) اور نو گاؤں کا استھلا گو دیک عطا کیا تھا[114]۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گودا بعض افسران کو ان کی لیاقت وقابلیت کی بنا پر عطیات دے سکتے تھے۔ چنانچہ 1537 کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ اولیر ہلی uliyarahalli کے کوکیا گودا (KOKKAYA GAUDA) نے نہاساونت ادھیتی ہبر نایک (HEBBERA NAYAKA) کے بیٹے بایکیا نایک (BAYICAYA NAYAKA) کی لیاقت وقابلیت کی بنا پر اس کو زمین کا عطیہ دیا تھا[115]۔ ہمیں نادو گودا کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن ہم اس کے اختیارات کی وضاحت نہیں کر سکتے[116]۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان عہدوں کے حاملین اپنے عہدوں کو فروخت کر سکتے تھے[117]۔

اسی طرح ہمیں ایک گاؤں کے سینابووا (SINABOVA) اور ایک نادو کے سینابووا کا ذکر بھی ملتا ہے۔ چنانچہ نہاساونت ادھیتی سکا کلایا نایک (CIKKAKALLAYA NAYAKA) اور کداگودی (KADAGODI) استھلا کے تمام کسانوں نے ساتی (SANI) سلطنت کے سینابووا کو ایک عطیہ دیا تھا[118]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادسینابووا (NADSENABOVA) نادو کے مال گذاری کے رجسٹر کا انچارج ہوتا تھا۔ 1589ء کی ایک دستاویز کے مطابق ہیری پور کا ویریا (VIRAYA) نامی ایک شخص 185 گاؤں کا سینابووا یا اکاؤنٹنٹ تھا[119]۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بڑے علاقوں کے کارنک یا سینابووا کا تقرر بادشاہ کرتا تھا۔ یہ اندازہ ہم ایک کتبہ میں درج تفصیلات سے کرتے ہیں جس میں کرشن دیورا نے کی طرف سے ایک شخص کو اکاؤنٹنٹ کا عہدہ عطا کئے جانے کا ذکر ہے[120]۔

Marfat.com

ایک اور عہدیدار جس کا وجے نگر کے عہد میں بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ وہ مدھیہ استھا (MADHY ASTHA) یا ثالث تھا وہ بظاہر مقامی علاقوں کا ایک با اثر شخص ہوتا تھا اور جب کوئی زمین فروخت کی جاتی تو اس کی قیمت کا تعین کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اختیار اسے حکومت کی جانب سے ملا ہو۔ چنانچہ جب وتپا نامی ایک شخص نے اپنی آراضیاں بیلور کے نرشیوا دیو کے بیٹے شنگنا نامی ایک شخص کے ہاتھوں 30 ہون میں فروخت کی تھیں تو اس کی قیمت ثالثی کے ذریعہ متعین ہوئی تھی[121] اسی طرح جب 1406ء میں ہوناہول (HONNAHALE) کے جگن ہگدے (JAKKANNA HE- GGADE) نامی ایک شخص اور چند دیگر لوگوں نے نیمبرسا (NIMBARASA) نامی ایک شخص کے ہاتھوں اپنی چند زمینیں فروخت کیں تو زمینوں کی قیمتیں ثالثوں نے طے کی تھی[122] مہاناد پربھو (MAHANAD PRABHU) اور نادیا جان (NADYA JAMEN) دو دوسرے مقامی عہدیدار ہیں جو ہمیں متوجہ کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو حیثیت پٹن سوامی (PATTANSVARI) کی شہروں میں تھی وہی حیثیت مہاناد پربھو کی دیہی علاقوں میں تھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نادو کا پربھو بسا اوقات کئی گاؤں کا سردار ہوتا تھا چنانچہ سنکنا پتھمن (SANKANA PIT- HAMANE) نامی ایک شخص جو گاؤں کا سردار تھا جو ناگر کھنڈ ملوناد (NAGARA KHANDA MAL- UNADU) کے 26 کوپتور (KUPATUR) میں سب سے پہلا تھا، نادکا پربھو (بھی) تھا۔[123]
ان عہدوں کو عموماً بادشاہ ہی عطا کرتے تھے مثال کے طور پر 1645ء میں کولال شیمے (KOLLALA- SIME) کی پربھوتوم (PRABHUTAVAM) بادشاہ شری رنگا رائے نے بوگا ویا کو عطا کی تھی۔[124] بنگلور ضلع کے ایک کتبہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان سرداروں (یجمانوں)(YAJAMANS) کو معاوضہ کس طرح دیا جاتا تھا۔ 1527ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ نادو کے یجمان (YAJAMEN) (سرداری) کے عہدے پر فائز ہونے کی بنا پر بیرپا نایکن (BAYIRAPPA NAYAKKAN) کو وجے پورا کے تمام ناوگوداؤں نے عطیہ میں ایک کھیت دیا تھا جس کی پیداوار کی صلاحیت نصف کھندوگا (KHANDUGA) تھی لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان عہدیداروں کو ان کی خدمات کا کوئی دوسرا معاوضہ بھی ملتا تھا یا نہیں۔[125]

تامل کے کتبات میں پیریانا تھوولان (PERIYANATHUVALAN) کے نام سے موسوم ایک اور عہدیدار کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں اس کے ان واقعی فرائض کا علم نہیں ہو سکا جو وہ انجام دیتا تھا۔ لیکن ہم دستاویزات کی توثیق کے سلسلہ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس افسر

Marfat.com

نے تیرووداٹی یاتم گاؤں کے ارور کی منظوری سے دو ناڈوں کے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے[126]۔ جب بادشاہ بھوپتی ادیار نے جنوبی آرکٹ ضلع کے تیروونے نلور (TIRUVENNAIN - ALLUR) مقام میں واقع پونّم بلناتھ (POLLAMBALANATHA) کے مندر کی آمدنی کے بعض ذرائع کے ایک قدیم عطیہ کو جسے اس سے قبل ناتار نے عطا کیا تھا، تجدید کرنی چاہی اور اس سلسلہ میں ایک پروانہ عطا کیا تو اس پر تین اشخاص نے دستخط کیے تھے۔ (1) تیرو مونیپ پادی۔ ناتّوولان (TIRUMUNAIPPADI. NATTUVELAN) (2) مگدئی منڈلم (MAGADAIMANDALAM) کا پیریا ناتّوولان (PERIYANATTUVELAN) اور (3) ایرونگو لپ پادی نادو (IRUNGOLAPPADINADU) کا پیریاناتّوولان (PERIYANATTUVELAN)[127]۔ یہاں سرکاری ماہر کتبات اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ۔ ان اشخاص نے اس دستاویز پر دستخط منظوری کے اظہار کے طور پر کیے تھے، نادو (ضلع) کے ان عوام کی نمائندوں کی حیثیت سے، جنھوں نے اصل دستاویز مندر کے معتمدین کے حوالے کی تھی[128]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیریاناتّوولان کی اصطلاح سے نادو کے عوام کا نمائندہ مراد لینا کچھ مناسب ہے۔ ولان کے معنیٰ ایک ماہر زراعت کے ہوتے ہیں لہٰذا اس اصطلاح سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس افسر کا تعلق کسی بھی طرح ضلع کے عوام یا اسمبلی سے ہوتا تھا۔ لیکن پیریاناتوولان کی اصطلاح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ بہا نادیر کھو کا تامل ترجمہ ہے۔ حقیقتاً اس سے بہتر کوئی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کچھ اہمیت کا حامل ایک مقامی عہدیدار ہوتا تھا۔ لیکن ان مقامی عہدیداروں میں سے بہت سے جو فرائض انجام دیتے تھے ان کی نوعیت کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ جو شواہد ہمیں دستیاب ہیں وہ بھی اتنے ناکافی ہیں کہ اس طرح کے بہت سے سوالوں کے حل میں ان سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

Marfat.com

باب ہفتم

حواشی

۱ ملاحظہ ہو STUDEIS COLA HISTORY AND ADMINSTRATION ، از کے اے نیل کانت شاستری، ص 73

2 ملاحظہ ہو HISTORICAL SKETCHES OF ANUINT DEKHAN ، از کے، وی، سبرامانیدا ایر K.V.SUBRAHMONYA AYYAR ، ص ص 318

3 1917 کا 217، رپورٹ 1918، پیراگراف 67

4 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 705

5 1905 کا 392

6 1923 کا 389

7 1923 کا 358

8 1925 کا 509

9 J.B.B.R.A.S. 12، ص 357، 1، 120

10 اپی گرافیا انڈیکا ۱۴، اچیوت رائے کے زمانے کے کادل آدی برتن، (KADALADI PLATES OF ACYUTA RAYA) متن، اشلوک 49 اور ص 313۔

11 انڈین انٹی کوئری 3، ص ص 65 - 69

12 1908 کا 354، رپورٹ، 1909، پیراگراف 67

13 اپی گرافیا کرناٹیکا 3، MALAVALLI 121

14 اپی گرافیا انڈیکا ۴، CHANNARYAPATNA 38

Marfat.com

15ـہ 1893 کا 609، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، 5، نمبر 285

16ـہ انسکرپشنس آف دی پودو کوتائی اسٹیٹ 699

17ـہ 1917 کا 259

18ـہ 29-1928 کا 211

19ـہ 1922 کا 178

20ـہ 1914 کا 384

21ـہ 1922 کا 681، رپورٹ، 1923، پیراگراف 83

22ـہ انسکرپشنس آف دی پودو کوتائی اسٹیٹ، 720

23ـہ ملاحظہ ہو

24ـہ 1925 کا 509

25ـہ 1917 کا 718

26ـہ 1925 کا 21

27ـہ 8-1927 کا 262

28ـہ انسکرپشنس آف دی پودو کوتا اسٹیٹ

29ـہ 1925 کا 470

30ـہ 1925 کا 469

31ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، پیراگراف 51

32ـہ انسکرپشنس آف دی پودو کوتائی اسٹیٹ

33ـہ 29-1928 کا 261

34ـہ انسکرپشنس آف دی پودو کوتائی اسٹیٹ 691

35ـہ 1922 کا 65 رپورٹ، 1922، پیراگراف 54، 1921 کا 378 بھی ملاحظہ ہو رپورٹ پیراگراف 54

36ـہ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 24-1923، پیراگراف 40

37ـہ ایضاً، 26-1925، پیراگراف 35

38ـہ HISTORICAL SKETCHES OF ANCIENT DEKHAN، ص 313

39ـہ SOCIAL AND POLITICAL LIFE، جلد ا ص 342

Marfat.com

۴۰ایضاً

۴۱ Hist. SKETCHES OF MYSORE، جلد ۱، ص ، آئینگار نظام کے کام و کاج کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو فرمنگر (FIRMINGER) ، (FIFTH REPORT.) مدراس، ص 13

۴۲ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 26-1925، 15

۴۳ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1916، پیراگراف 105، بہرحال کتبہ مورخہ 1631 کا ہے۔

۴۴ اپی گرافیا کرناٹیکا، 7، c c 62

۴۵ میسور گزٹ از رائس (RICE) جلد ۲، ص 581

۴۶ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 105، پیراگراف 92

۴۷ 1913 کا 138

۴۸ انسکرپشنز آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ 689، 1914 کا 368 بھی رپورٹ 1915، پیراگراف 42

۴۹ ایضاً 690

۵۰ 1914 کا 59

۵۱ 1918 کا 92

۵۲ اپی گرافیا انڈیکا 20، ص 90

۵۳ کولانام ہی سموہاس توگنہ سمپرکرتیتہ (KULANAMHI SAMUHA STUGONAH SAMPRAKIRTITAH)، (KATYAYAN VIRANITRODAYA)، ص 426 بحوالہ ECONOMIC CONDITIONS IN ANCIENT INDIA، ص 54، از ڈاکٹر پران ناتھ (DR. PRAN NATH)

۵۴ اپی گرافیا انڈیکا 20، ص 90، T.N. مدراس اپی گرافیا رپورٹس 1918، پیراگراف 84 اور 85، اسی سلسلے میں ملاحظہ ہو SOUTH INDIAN GUILDS از کے، آر، آر شاستری ص ص 32-6۔

۵۵ SOCIAL AND POLITICAL LIFE، جلد 2 ص 26 T.N.

۵۶ 28-1927 کا 406، رپورٹ، پیراگراف 36

۵۷ 1906 کا 442

Marfat.com

58 ایلیٹ، ج، س، 4، ص 107

59 سیول، ج، س، ص 256

60 1922 کا 681، رپورٹ 1923، پیراگراف 83

61 1922 کا 679، رپورٹ 1923، پیراگراف 83

62 1912 کا 570، سیول کے لسٹ کا نمبر ا بھی ملاحظہ ہو۔

63 اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، بلاّ BILLA 757

64 اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، ٹپتور TIPTUR 86

65 اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، A.K 68

66 1911 کا 324، رپورٹ 1912، پیراگراف 49

67 1903 کا 74، 1904 کا 125، 1905 کا 511، 1917 کا 355، 1925 کا 167،
1925 کا 184، 1925 کا 226، 1926 کا 214، وغیرہ۔

68 مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1916، رپورٹ، پیراگراف 60

69 1903 کا 74

70 1913 کا 226، رپورٹ 1913، پیراگراف 54

71 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، MULBAGAL 259

72 1906 کا 251

73 1919 کا 258

74 1922 کا 408

75 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 723

76 انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 733

77 1894 کا 185، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 5، نمبر 479، ملاحظہ ہو AR:TB ص

78 الف اپی گرافیا انڈیکا، 24، ص 90

78 INDUSTRIAL ARTS OF INDIA. ص 137

79 1923 کا 368

80 1923 کا 370

Marfat.com

81ھ 1923 کا 381

82ھ 1916 کا 270، رپورٹ، پیراگراف 73

83ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1921، پیراگراف 87،

84ھ 1914 کا 344، رپورٹ، 1915، پیراگراف 106،

انسکرپشنس آف دی پودوکوتائی اسٹیٹ، 698

85ھ 1927-28 کا 393

86ھ 1927-28 کا 392

87ھ چند دیگر کے لیے ملاحظہ ہو 1927-28 385، 386، 391 وغیرہ

88ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1927-28، رپورٹ، پیراگراف 57

89ھ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس کا 52۔الف، ۴، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس میں نمبر 52۔الف، 5،

ص 516

۹۰ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۸، TIRTHAHALLI، ۲۔

۹۱ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴، GUJRAT، 6۔

۹۲ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 3، SERINGAPATAM، 6۔

۹۳ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰، BAGEPALLI، 5۔

۹۴ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴ YELAUDER، 45

۹۵ھ ایضاً CHANNARAYAPATNE، ۱۰۸۔

۹۶ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱، HOLALKERE، ۱۱۲۔

۹۷ھ 1926 کا 358

۹۸ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۴، CHANNARAYAPATNA، 99۔

۹۹ھ کھنڈ ۴، اشلوک 218

۱۰۰ھ 1928-29 کا 498

۱۰۱ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1928-29 16

۱۰۲ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰ MULBAGAL، 253۔

۱۰۳ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1921-22 کا 8۔

Marfat.com

۱۰۴ سیول (SEWELL) ح، س، ص 284

۱۰۵ ایضاً، ص 327

۱۰۶ 1916 کا 48 اور 49

۱۰۷ مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1917ء رپورٹ، پیراگراف ۱۱ اور 1918ء رپورٹ، پیراگراف 43، THE PANDYAN KINGDOM از کے اے نیل کانت شاستری ص ص 39 - 238 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۰۸ 1928-29 کا 261

۱۰۹ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰، MADARAL SANAPALLI 39

۱۱۰ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۹، (HOSKOLE) ، چند دیگر حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۰، اپی گرافیا کرناٹیکا، ۹، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1913-14، پیراگراف 93

۱۱۱ ڈاکٹر فلیٹ (FLEET) کا خیال ہے کہ لفظ گودا سنسکرت کی اصطلاح گرام ادھیا (GRAMADHYA) کی تامل شکل ہے (J.B.B.R.A.S.) ، 12، ص 398، انڈین انٹی کوئری 5، ص 27 T.N. 344 T.N.

۱۱۲ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱، HARATI 36

۱۱۳ ایضاً HARATI 39

۱۱۴ اپی گرافیا کرناٹیکا، 12 Mi 43

۱۱۵ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1913-14، پیراگراف ۱۱۱

۱۱۶ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1925، نمبر 5

۱۱۷ اپی گرافیا کرناٹیکا، ۱۱، CHITRADURGA 48

۱۱۸ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، SHALOVA 147

۱۱۹ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1918، پیراگراف 113

۱۲۰ ایضاً، 1920، پیراگراف 87

۱۲۱ اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI 134

۱۲۲ اپی گرافیا کرناٹیکا، 6، SINGANNA 26

Marfat.com

ﷲ123 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 8، SORAB . 265

ﷲ124 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 75

ﷲ125 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1925، نمبر 5

ﷲ126 تیرو ملائی تیرو پتی دیوستھم انسکرپشنز - (TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPTIONS) نمبر 201

ﷲ127 مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1922، رپورٹ، پیراگراف 44

ﷲ128 ایضاً

Marfat.com

باب ہشتم

معاشرہ

فصل اوّل
مملکت کی ذاتیں اور فرقے

وجے نگر کی وسیع وعریض مملکت بہت سے فرقوں اور سماجی گروہوں سے تشکیل پاتی تھی۔ مروجہ چار ذاتوں میں سے ہر ایک مختلف ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھی جن میں سے بیشتر ان مخصوص حقوق ومراعات کے لئے جو اکثر روایتی قسم کے ہوتے تھے، آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔

دارالسلطنت میں ایک مستحکم مرکزی حکومت کے قیام اور مملکت کے دور دراز علاقوں پر سخت کنٹرول کے نتیجہ میں ان علاقوں میں کچھ خاص افسروں اور ایجنٹوں کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ وجے نگر کے سلاطین صوبوں کے وائسرائے اور ضلعوں کے حاکموں کی حیثیت سے کرناٹک اور تیلگو کے جنرلوں کا تقرر کرتے تھے اور وہ مملکت کے دور دراز علاقوں میں بھی خدم وحشم کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے ایک خاص فرقہ کے ذریعہ صوبوں میں اس طرح کی نوآبادکاری خود فرقہ اور متعلقہ مقامات میں اہم تبدیلیوں کا باعث بنی۔ ان حالات میں لسانی اختلاف نے بھی ایک اہم رول ادا کیا۔

ایک خاص فرد کی ذات بالعموم اس کے پیشہ کی بنیاد پر طے پاتی تھی۔ اگرچہ پیشہ کے متعلق بھی پوری صداقت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس فرقہ پر منحصر تھا جس سے وہ تعلق رکھتا تھا۔ اس طرح وجے نگر میں اتنی ہی ذاتیں تھیں جتنے وہاں پیشے تھے۔ اسی کے ساتھ کچھ فرقے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم تھے مثال کے طور پر صنعت کاروں کے پانچ طبقے تھے اور ہر طبقہ

Marfat.com

نے ایک خاص پیشہ اپنایا تھا۔

خود قدامت پرست ہندو، اور قدیم ہندو روایات کے پیرو کار ہونے کی حیثیت سے وجے نگر کے بادشاہوں نے ذات یا ورن آشرم دھرم (VARANA SARANA DHARANA.) ہے اس لیے ان کے مطابق ذات پات کا نظام ان کے مذہب کا جزو لاینفک تھا ہندوؤں کے کے دستور کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھا خصوصاً مسلمانوں کے حملوں کی بنا پر بادشاہ اور ان کی رعتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ان کے درمیان اتحاد کا مستحکم ہونا ان کے مذہب کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے جنھیں وہ اختیار کرتے تھے مثلاً چاروں ذاتوں اور طبقوں کا حامی۔ ورن آشرم دھرم کا محافظ سماجی اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے وجے نگر کے حکمرانوں کی فکر و تشویش ان القاب سے پوری طرح عیاں تمام ذاتوں کے فرائض کو سنبھالنے والا۔ وغیرہ وغیرہ، چونکہ چاروں ذاتیں، متعدد ذیلی ذاتوں اور فرقوں میں منقسم تھیں اور حکومت ان میں سے ہر ایک کا تحفظ کرتی تھی، لہٰذا وجے نگر کے چند بادشاہوں نے "مملکت کی تمام ذاتوں کا محافظ" کا لقب اختیار کیا تھا۔ چاروں ذاتوں کے سماجی اتحاد کو قائم رکھنے میں بادشاہوں کی دلچسپی کا اظہار کرشن دیو رائے کی جام بوتی کلیانم (JAMBA - VATI KALYANAM) کے آخری اشعار سے ہوتا ہے جہاں شاہی شاعر کہتا ہے۔

دھرم پادچتیتن کرتوت ستھریم سمالبام

DHARMAM PADACATUS TAYENA KRTAVAT
STHAIRYAM SAMALAMBALAM

چتورورنیم اپیتوکرم ستتم سوسوادھی کاروچیتم

CATURVARNYAM UPAITUKARMA SATATAM
SVAS VADHI-KAROCITAM

شیشکیھا دھرنایکسیا کرپیا سپتارن ومدھیاگم

SESAKS MADHARA NAYAKASYA KRPAYA
SAPTAVNA VIDADHYAJAM.

رکچھن گامیھ کرشن رائے نر پتیر جیات بھسرم سماہ ۱۱ ۵

RAKSAN GAMIHA KRSNRAYANRPATIR
JIYAT SAHASRAM SAMAH

Marfat.com

برہمن

قدیم ہندوستان کی طرح وجے نگر کے زمانہ میں بھی سماج کے معزز ترین لوگ برہمن تھے تقریباً ہر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر کے دربار میں آیا وہ برہمنوں کو جو عزت حاصل تھی اور جو سادہ زندگی وہ گذارتے تھے اس سے متاثر ہوا۔ عبدالرزاق کا خیال ہے کہ "وہ (دیورائے دوم) دوسرے لوگوں کی بہ نسبت برہمنوں کی بڑی عزت کرتا"[6]۔ پائز کہتا ہے کہ کرشن دیورائے برہمنوں کی بڑی قدر کرتا تھا اور انھیں بہت عزیز رکھتا تھا[7]۔ کرشن دیورائے بھی کہتا ہے "خیرات دویجوں (DVIJAS) کی حفاظت کے لیے ہے"[8]۔ برہمنوں کو بعض مخصوص مراعات حاصل تھیں اور انھیں قتل نہیں کیا جاسکتا تھا خواہ انھوں نے کیسا ہی جرم کیوں نہ کیا ہو[9]۔ چنانچہ نونیز کی حکایت کے مطابق یہی وجہ تھی کہ کرشن دیورائے نے تیرومل کے مبینہ قتل کے جرم میں سالوواتما کو قتل نہیں کیا تھا[10]۔ ایک مقدس (SACERDOTAL) طبقہ کے فرد ہونے کے باوجود برہمن زندگی کے ہر پہلو پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ پجاری تھے اور مندروں سے منسلک تھے ان کے متعلق بتلاتے ہوئے پائز لکھتا ہے "جو لوگ مندر کے نگراں ہیں وہ تعلیم یافتہ ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کھاتے جس کو موت لاحق ہوتی ہو"[11]۔ ان میں سے چند جاگیروں کے مالک ہوتے تھے اور وہ ان زمینوں کی پیداوار پر گذر اوقات کرتے تھے[12]۔ چند تجارت کا پیشہ اپنا لیتے تھے اور تاجروں کی طرح رہائش اختیار کرتے تھے جبکہ کچھ دوسرے ایسی خانقاہوں ہی میں مکین رہ جاتے تھے جن کے محاصل بہت زیادہ ہوتے تھے[13]۔ موخرالذکر اپنے اوقات کا بیشتر حصہ گہرے مطالعہ اور غور و فکر میں گذارتے تھے۔

اگرچہ ان میں سے بیشتر ایک پرسکون زندگی بسر کرتے تھے تاہم ان میں سے بعض فعال سیاست داں، منتظمین اور جنرل بھی تھے۔ مملکت کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کارگزار برہمن وزراء کا ایک سلسلہ تھا جس نے عموماً دیسی دخایض مملکت کی قسمت کا فیصلہ کیا۔ مادھو اور ساین۔ جو بکا اول اور ہری ہر دوم کے زمانہ کے لائق وزراء تھے، برہمن ہی تھے۔ ویروسنت مادھو جس نے مملکت کو مغرب میں گوا تک وسعت دی ایک برہمن تھا۔ دیورائے اول اور دیورائے دوم کے زمانہ میں برہمنوں نے سماج میں اپنی ممتاز حیثیت برقرار رکھی۔ ان میں سے وٹھن ادیپار (VITTHANNA UDAIYAR) اور امتارادھیا

Marfat.com

(ANNAMA RADHYA) قابلِ ذکر ہیں اور کرشن دیورائے کے زمانہ میں ہمیں برہمنوں کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جو ریاست کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔ ان میں چند جو یہاں قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔ سالو واتما، نادندلا گوپا منتری (NADAN DLA GOPA MANTRI) سالو وا گوندا راجا، رائے سم، کوندم رسو (KONDANA RASU)، تمرسو TIMMARASU ایاپرسو (AYYAPPARASU)، کرنک ــــ منگرسیا (KARANI KA MANGARA - SAYYA.) باچـــرسیا (BACAR SAYYA)، کرنک لکھمی نارائن اور سالو وانرسنگا رائے دنایک ملقب بہ سیلپا (SELLAPPA)۔

وین لنسکوٹن (VANLINSCHOTEN) کے بیانات سے اس بات کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے۔ وہ برہمنوں کے متعلق یوں رقم طراز ہے "ہندوستان کے غیر اہل کتاب لوگوں میں برہمن سب سے زیادہ ایماندار اور نہایت معزز قوم ہے کیونکہ یہی لوگ ہمیشہ بادشاہ کی جانب سے متولیوں، نگراں، سفرا اور اسی طرح کے دوسرے اہم ترین عہدوں پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ہندوستانی عوام میں ان کے اختیارات بہت وسیع ہیں کیونکہ بادشاہ ان کے مشورے اور ان کی منظوری کے بغیر کچھ نہیں کرتا[14]" ان برہمنوں کو تیلگو اضلاع میں نیوگی (NIYOGIS) کہا جاتا تھا۔

کرشن دیورائے اس بارے میں بعض دلچسپ خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ ایک برہمن کو ریاست کے ان اہم عہدوں پر کیوں مقرر کرنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے "اس لیے کہ ایک برہمن خطرے کے موقع پر بھی اپنے عہدے پر ڈٹا رہتا ہے اور وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے خواہ اسے کسی چھتری یا شودر کا ماتحت ہی کیوں نہ بنا دیا جائے یہ بات ہمیشہ ایک بادشاہ کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے افسروں کی حیثیت سے برہمنوں کا تقرر کرے[15]۔ دوسری جگہ وہ لکھتا ہے "وہ بادشاہ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھ کر اطمینان کے ساتھ سو سکتا ہے جو اپنے قلعوں کے مالک کی حیثیت سے ایسے برہمنوں کا تقرر کرتا ہے۔ جو اس کے ساتھ منسلک ہیں، مختلف علوم وفنون کے عالم ہیں، دھرم کے تابع ہیں، بہادر ہیں اور اس کی حکومت سے قبل اس کی ملازمت میں رہ چکے ہیں، جو ان قلعوں میں شیر کے پنیر (TIGERS CHEESE.) پولی جنو (PULI - JUNNU) دوسری نادر اشیاء کے ذخیرہ رکھنے کا انتظام کرتے ہیں تاکہ وہ ایک نسل تک چل سکیں۔ ۔ جو اس کی آمدنی کو دوگنا اور اخراجات میں کمی کر کے اس کے خزانے کو اس طرح

Marfat.com

بڑھاتے ہیں کہ عوام کی مشکلات باقی نہ رہیں ۔ ۔ ۔ جو اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اسے اور اس کی رعایا کو کوئی تکلیف نہ پہونچے اور جو صرف اس کے دشمنوں کو تکلیف پہونچاتے ہیں"[16] اس طرح کرشن دیو رائے یہ تاکید کرتا ہے کہ اہم سرکاری عہدوں پر برہمنوں کا تقرر کیا جائے۔ بسا اوقات بادشاہوں کی مہمات پر راج گرو (RAJAG URU) ان کے ساتھ ساتھ جاتے تھے چنانچہ ویاس رائے (VYASA RAYA) ،سالو واز سہا کے ساتھ جنوب کی طرف گیا تھا[17]۔ کتبات کے شواہد سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کس طرح برہمن میدان جنگ کی طرف فوجی دستوں کی قیادت کرتے تھے چنانچہ تیروکدی یور (TIRUKKADIYUR) کے آپت سہاین (APATSAHAYAN) نامی ایک شخص نے کرشن دیو رائے کی رائچور مہم میں حصہ لیا تھا[18]۔ وجے نگر کی تاریخ کے آخری ادوار میں بھی برہمنوں نے معاشرہ میں اپنا اعلیٰ مقام و حیثیت برقرار رکھی۔ انھیں متعدد عطیات عطا کیے جاتے تھے اور برسر اقتدار حکمراں ان کی کافی عزت افزائی کرتے تھے۔

لیکن سترہویں صدی کی ایک قلمی نسخہ مہیشور نرپتی وجیا (MAHISURA NARAP - ATI VIJAYA) میں درج ہے کہ رام راج برہمن مخالف رجحانات کا حامل تھا۔ اس تصنیف میں درج ہے۔

جاماتا بھوم مہیپالہ رام رائے ایتی سمرتہ

JAMATA BHUM MAHIPALAH RAMA RAYA ITISMRTAH

ساکاموشماپنہ نیتم ڈیوتیکا نسٹ مہیتہ

SAKAMAVA SAMAPANNAH NITYAM DWITECA NISTHITAH

براہمن آنم گورون آمکا نیتم اپریم آتنوٹ

BRAHANANAM GURUNAHCA NITYAM APRIYAMATANOT.

لیکن رام راج کے متعلق اس طرح کا خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ نہ تو اس عہد کے کتبات میں اور نہ ہی ادب اور تاریخوں میں اس کے برہمن مخالف رجحانات کے متعلق کچھ ملتا ہے۔ یہ تصنیف بہت بعد کی ہے لہٰذا رام راج کی تصویر کے سلسلہ میں زیادہ قابل اعتبار نہیں علاوہ بریں یہ تصنیف ایک مادھو کی معلوم ہوتی ہے جس کی اپنی توقعات پوری نہ ہو سکی تھیں اور وہ اس بات پر مایوس تھا کہ بادشاہ کے گرو کے اعلیٰ عہدے پر تاتا چاریہ (TATACARYA) کی جگہ گووند دشک (GOVINDA DESIKA) کو فائز کر دیا گیا تھا۔ اس کتاب کا مصنف بظاہر

Marfat.com

تاتاچاریہ کا حمایتی تھا اور اس کا حمایتی ہونے کی بنا پر وہ چاہتا تھا کہ رام راج کی تصویر کو بگاڑ کر پیش کرے۔

سترہویں صدی کا ایک شاعر ویمن (VEMANA) کہتا ہے "اگر کوئی شخص پرایر (PAR IAR) کے اصولوں پر یقین رکھتا ہو اور پھر بھی پرایروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے تو وہ دوبارہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہر اچھائی سے محروم ہے؟ دروغ گوئی سے بڑا کوئی گناہ نہیں یہ ایک مذموم عادت ہے جو منہ کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی ہے۔ بہت سے لوگ کتنے کمینے ہوتے ہیں جو اپنے لیے دوبارہ پیدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ دنیا کے حاکم (یعنی برہمن) کہتے ہیں۔ ہم پاک ہیں، ہم آسمانی کتابوں کے عالم ہیں، وہ ہر اس شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنی فطری حالت پر ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک معمولی ترین راہب ان شیخی بگھارنے والوں سے بہتر ہے[21]۔ لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ایک معلم اخلاق اور ایک مصلح ہونے کی بنا پر ویمن کی نظر میں ذات پات کے اصول اور سماج میں برہمنوں کے مقام کی کوئی اہمیت نہیں تھی لہٰذا یہ بات مشکوک ہے کہ اس کا بیان اس کے زمانہ کے عام خیالات کی عکاسی کرتا ہے۔

برہمن عام طور پر اپنے گاؤں میں نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے ویدوں اور شاستروں کا مطالعہ کرتے دقیق فلسفیانہ موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے اور روزانہ ان مذہبی رسوم کو بجا لاتے جن کی برہمنوں سے توقع کی جاتی ہے ان کے لباس کے متعلق لنسکوٹن (LINSCHOTEN) لکھتا ہے۔ "وہ برہنہ رہتے تھے سوائے اس کے کہ اپنی کمر میں ایک کپڑا لپیٹتے تھے تاکہ اپنی شرم گاہ کو چھپا سکیں جب کبھی وہ غیر ممالک میں جاتے تو ایک سوتی گون جس کو کبائیہ کہا جاتا ہے اس طرح کندھے پر ڈال لیتے کہ اس کا ایک سرا زمین پر لٹکتا رہتا جیسا کہ بہت سے دوسرے ہندوستانیوں کے یہاں گرا رہتا ہے اپنے سروں پر وہ ایک سفید کپڑا باندھتے تھے جو دو یا تین مرتبہ لپیٹا ہوا ہوتا تھا تاکہ اس سے وہ اپنے ان بالوں کو چھپا سکیں جنھیں وہ کبھی نہیں ترشواتے تھے بلکہ وہ انھیں بڑھائے رکھتے تھے اور عورتوں کی طرح اس کا جوڑا بناتے تھے[22]۔ غیر ملکی سیاح بھی برہمنوں کے اس مقدس دھاگے سے جسے وہ پہنتے تھے اور "گائے کے گوبر" کی اس راکھ سے جسے وہ "اپنی پیشانیوں اور ناک پر مل لیتے تھے بہت زیادہ متاثر تھے[23]۔ وہ کان کے زیورات بھی پہنتے تھے۔

لیکن کچھ برہمنوں کے کردار کے بعض خصائص نے غیر ملکی سیاحوں کو ان سے متنفر کر دیا تھا مثال کے طور پر بربوسا لکھتا ہے کہ وہ بڑے پیٹو تھے اور سوائے اچھی طرح کھانے کے کوئی کام نہیں کرتے

Marfat.com

تھے۔اس کا خیال ہے کہ "وہ محض اچھا کھانا کھانے کی غرض سے[25] چھ دن کے سفر پر فوراً روانہ ہو جاتے ہیں"[26]۔ نونیز بھی انھیں خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے "بادشاہ ہمیشہ خیرات میں بڑی رقمیں دیتے ہیں۔ محل میں ہمیشہ دو یا تین ہزار برہمن رہتے ہیں جو اس کے پجاری ہیں اور بادشاہ انھیں خیرات دیئے جانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ برہمن پجاری انتہائی قابل نفرت لوگ ہیں۔ان کے پاس ہمیشہ بہت زیادہ پیسہ رہتا ہے۔اور وہ اتنے گستاخ ہوتے ہیں کہ دروازے کے محافظین اپنے لات اور گھونسوں کو استعمال سے بھی انھیں روک نہیں پاتے ہیں[26]"۔ ایسی مثالوں کی کمی نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ برہمن ریاست میں منتظمین اور جنرلوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔تاہم ان کی بڑی اکثریت پرسکون اور مطمئن زندگی بسر کرتی تھی۔چنانچہ پائز اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ "ان میں اسلحوں کو استعمال کرنے کی ہمت برائے نام تھی[27]"۔

ویرا ونودین

وجے نگر کے آخری زمانے کی معاشرتی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت مملکت کے مختلف فرقوں میں معاشرتی شعور کا ارتقاء ہے۔یہ وہ دور تھا جب انھوں نے اپنے اندر سماجی اتحاد کو بڑھانے کی کوشش کی۔ہر فرقے نے چند ایسے مخصوص مراعات اور اعزازات کے حصول کے لیے ہنگامہ کیا جو انھیں دوسروں سے ممتاز کر دے۔

اسی طرح کی ایک کوشش ایک طبقہ نے کی تھی جس کو ویرا ونودین کہا جاتا تھا۔براؤن کا خیال ہے کہ یہ شعبدہ باز برہمنوں کا ایک طبقہ تھا۔لیکن شاستری یہ بتاتا ہے کہ وہ گنجم (GANJUM) اور وزاگاپٹم (VE ZAGAPA TAM) کے اضلاع کے لوگ تھے جو اب برہمن نہیں رہ گئے تھے بلکہ شودر ہو گئے تھے۔جس کی وجہ سے وہ ان کے پیشے کے برے اثرات بتاتا ہے[28]۔وہ مملکت میں اسقدر پھیلے ہوئے تھے کہ ایک کتبہ میں درج ہے کہ وہ ودیانگر بیداکوٹ (BEDAKOTA)، کٹک اور دراویڈ دیش (DRAVIDADESA) میں رہتے تھے ان سے متعلق چند کتبات سولہویں صدی کے ہیں۔ 55-1554ء میں بعض ویرا ونودیوں نے رنگن بالو (RANGANAHALU) کے گاؤں میں دیوتا ہنومنت کی کارتک پوجا انجام دینے کا فیصلہ کیا[30]۔دو سال بعد ان میں سے بعض نے اسی گاؤں کے دیوتا چنا کیشو اکی دھنرماسا (DHANURMASA) پوجا کے لیے پینا ہوتورد (CTRAHOTURD) کے گاؤں سے حاصل ہونے والی اپنی آمدنی کو عطیہ میں دے دیا تھا[31]۔1596ء میں ان

Marfat.com

میں سے چند نے جو مختلف شاکھاؤں اور سوتروں سے تعلق رکھتے تھے، چولورو CAULURU کے مہاجنوں کو ٹیکسوں کا ایک عطیہ دیا۔[31] یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ تمام کتبات سولہویں صدی کے نصف آخر کے ہیں۔ لیکن یہ فرض کرنا درست ہوگا کہ اس وقت سماج کے بعض طبقوں کے حالات میں بہتری لانے کے لیے ایک طرح کا سماجی انتشار تھا اور انھیں میں سے ایک (طبقہ) ویرا ونودین کا تھا۔

دستکار

دوسرا فرقہ جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ پانچالوں (PANCOLAS) یا دستکاروں کا فرقہ ہے۔ یہ لوہاروں، سوناروں، پیتل کے برتن بنانے والوں، بڑھیوں اور بت سازوں پر مشتمل تھا۔ دیورائے اوّل کے زمانہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ پانچالوں کے ۷۴ فرقے تھے[33] اس کے افراد بعض حقوق و مراعات کے لیے اکثر لڑتے رہتے تھے 1525ء[35] میں لوہاروں اور سناروں کے درمیان ایک تنازعہ کا فیصلہ رام ناد ضلع کے آتور (ATTUR) مقام پر ہوا اور انھیں زمین عطا کی گئی۔[34] اسی طرح جب 1555ء میں کاشتکاروں اور پانچالوں کے درمیان ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ودانتی رام راجیپا (VEDANTI RAMA RAJEYAPA) شری وشنو کے 88 برہمنوں، رام راج تیرومل راجیا کے ایجنٹ بندر سیا (BANDARASAYYA) اور رامپیا (RAMAPPAYYA) کے معاملات کے ایجنٹ شینباشٹی (SENABASETTI) نے کیا تھا۔ فیصلہ کے مطابق بیلور کی جنوبی سرکٹ پانچالوں کے لیے متعین کر دی گئی۔ چاروں حدود پر (جن کا ذکر کر دیا گیا ہے) پتھر نصب کر دیئے گئے جس کے اندر انھیں ایک قطار سے مکانوں کے تعمیر کرنے، ذات کے رسوم انجام دینے اور جواہرات بنانے کی اجازت تھی اور چنی گرائے (CANNIGARAYA) کے مندر میں انھیں وہی حیثیت اور مراعات حاصل تھیں جو ودیا نگر میں جشن رتھ کے موقعہ پر پانچالوں کو عطا کی گئی تھیں۔ یہ فیصلہ رام راجیا تیرومل راجیا کے ذریعہ کیے گئے ایک پرانے فیصلہ پر مبنی تھا۔[35]

ایک خاص موقعہ پر ان کے درمیانی جھگڑے نے اتنی سنگین صورت اختیار کر لی تھی کہ ان لوگوں نے ایک سماجی قانون کی رو سے ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ان دو کتبات میں جن میں سترہویں صدی کی پہلی چوتھائی میں تنی ویلی ضلع کے کلکدائی کورکسی (KALLADAI - KURICCI) مقام پر اسی قسم کے ایک جھگڑے اور اس کے تصفیہ کا ذکر ہے، درج ہے

Marfat.com

کہ مدورا کے ورپّا نایک نے دستکار فرقہ کی پانچ ذیلی برادریوں کو ایک شاہی پروانہ عطا کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکیں اور بعد میں فرقہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ علیحدگی کے اسباب بیان نہیں کیے گئے ہیں ۔ ۔ ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمان کی ابتدا خود بادشاہ کی جانب سے نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ خود ذیلی برادریوں کی پیش قدمی کا نتیجہ تھا ۔ ۔ پروانہ کی حیثیت ایک رعایت کی تھی جسے ادن کتم انیجان (UDANKUTTAMANAINJAN) یا ادن کتم پادگنا نینجان کولاشیکھرن اشاری (UDANKUTTAM PADAGANANAINJAN KULASEKHARAN ASARI) کی موجودگی میں عطا کیا گیا تھا جو بظاہر کان مالی فرقے کا لیڈر تھا۔[36] برہمادیشم (BRAIMADESAM) کی مندر کے حکام نے بھی اپنے ماتحتوں کی مفاد کی خاطر اسی قسم کا اعلان جاری کیا تھا۔

وجے نگر کے زمانہ کی سماجی تاریخ کا ایک دلچسپ پہلو اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ مملکت کے مختلف سماجی گروہ بعض سماجی مراعات اور عوامی تہواروں اور مندروں میں بعض اعزازات کے حصول کے لیے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ 1573ء میں وینکٹپا نے جو شری رنگا رائے کے ایجنٹ ویلو کوتی تمپا نائے نین کارو (VELUGOTI TIMMAPPA NAYANINIGARU) کا سکریٹری تھا، اس بات کے لیے بعض انتظامات کیے تھے کہ نیلور کے پلّی کونڈ ناتھ (PALLIKONDANATHA) کے تہوار کے زمانے میں ان پانچاہنوں (PANCAHANS) (دستکاروں کے پانچ طبقوں) کی عزت واحترام کیا جائے جو رتھ میں (سوار ہو کر) آتے تھے جس طرح تیرو پتی میں ہوتا تھا اور ان آداب کے بجا لانے کے لیے استھلاکرنموں (STHALAKARANAMS) ، کاپوں، شیٹوں اور پاکارڈیوں (پاکنادو کے رڈیوں) کو رضامند کر لیا۔[37] ادے گیری تعلقہ کی ایک دستاویز کے مطابق راجو کونیتیا دیو (RAJU KONETAYYADEVA) کے بیٹے تمارا جو نے دیوتا رگھونا یکلو (RAGHUNAYAKALU) کے لیے ایک گوپورا (GOPURA) اور منتپ (MANTAPA) بنوایا تھا۔ کتبہ میں یہ بھی درج ہے کہ جب رتھ اس پر سوار ناتوؤں (NATTUVAS) اور ملازموں کے ساتھ سڑکوں پر سے گذرے تو پانچاہنوں میں کا ایک فرد ایک کپڑا سر پر لپیٹے اور دوسرا ڈھیلے ڈھالے طور پر کمر باندھے، دونوں بھنوؤں کے درمیان صرف صندل کا ایک نشان لگائے، بغیر پان کھائے ہوئے (ہاتھوں میں ایک چھینی، ایک موگرا، ایک کیل اور ایک ہنسیا لیے

Marfat.com

رتھ کے سامنے چاروں طرف چلے اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ یہ رسومات لازمی طور پر انجام دی جاتی تھیں[39]۔ انگی راسا (ANGIRAS) کے قمری سال (CYCLICYEAR) میں جنوبی آرکٹ ضلع میں واقع تیروا ماتور (TIRUVAMATHUR) گاؤں کے ناتارنے شری رنگ دیو مہارائے (1632-33ء) کے زمانہ میں راج کاریہ بھنڈار (RAJAKARYA BHANDARA) کو اس بات کی ایک ضمانت دی کہ شمالی پرو میں واقع متعدد گاؤں کے دستکار فرقوں (کنمالر KANMALAR) بڑھیوں، لوہاروں اور سوناروں کے ساتھ اب نہ تو کوئی برا سلوک کیا جائے گا اور نہ انھیں ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے گا نیز یہ کہ جو حقوق و مراعات پدائی ویدو سینجی (SENJI) تیرو ونا ملائی اور رکانچی پورم میں مقیم ان کے ہم پلہ طبقوں کو حاصل ہیں وہ انھیں بھی دیئے جائیں گے اور اگر انھوں نے (ناتارنے) وعدہ خلافی کی تو اس کے نتیجہ میں انھیں بارہ پون PON کا ایک جرمانہ ادا کرنا پڑے گا اور بارہ عدد رسوائیاں (کرم KURRANS) اٹھانی پڑیں گی۔ بہر حال چند ایسے مقامات بھی تھے جہاں کے دستکاروں کو دوسری جگہوں میں مقیم اپنی برادری والوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ حقوق و مراعات حاصل تھے۔ چنانچہ ادائیار و پرو (IDAIYAR - RUPARRU) سرنگور پرو (SIRRINGURPARRU) اور ایدائیارو (IDAIYARU) کے ناتورنے جو بالترتیب اپنے سرداروں کونگرایر (KONGARAYAR) نایینار ککیارایر (NAYINAR KACCIYA RAYAR) اور کوندمنا یکر (KONDAMANAYAK - KAR) کے نمائندے تھے، کرشنا نایکر (KRSNAMA NAYAKKAR) اور رائے سم تیرو ملائی ین (RAYASAM TIRUMALAIYAN) کی وساطت سے بادشاہ کو یہ ضمانت دی تھی کہ وہ بعض سماجی مراعات مثلاً پاوادائی (PAVADAI) اور پری وتم (PARIVATTAM) کے استعمال کا حق جو انھیں اب تک حاصل تھا کنمالوں (KANMALAS) سے واپس لے لیں گے اور اس طرح وہ انھیں اسی مقام اور مرتبہ پر لے آئیں گے جس پر پدائی ویدو، سنجی اور تیرو ونا ملائی میں مقیم ان کی برادریاں تھیں[39 الف]

کیکولا

(KAIKKOLAS)

کیکولا مملکت وجے نگر کا دوسرا بااثر طبقہ تھا۔ وہ عموماً مندر کے گردونواح میں رہتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سڑکیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مثال کے طور پر مادم باکم MADAMBAKKAM

Marfat.com

مقام کے ایک کتبہ میں کیکولاؤں کی سڑکوں کا تذکرہ ملتا ہے[40]۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مندر کے نظم ونسق اور مقامی ٹیکسوں کی وصولی میں کیکولاؤں کا کتنا دخل تھا۔ بنکاروں کی حیثیت سے وہ اپنی صنعت کو چھوٹے پیمانہ پر چلاتے تھے۔ دستکاروں کی حیثیت سے کیکولاؤں نے بھی بعض سماجی مراعات کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ کانچی پورم اور ورنچی پورم کے کیکولاؤں کو ڈنڈو (DANDU) (پالکی) اور شنگو (سنکھ SANGU) کے استعمال کی مراعات حاصل تھیں 1485-86ء میں یہی رعایتیں ارمل اتّا نایینار (ARMALTTA NAYINAR.) نے کونگرایر (KONGURAYAR) کنگرایر (KANGARAYAR) اور کچرایر (KACCIRAYAR) کے مشورہ سے ولودیلم تو راجیہ (VALUDILAM BATTU RAJYA) کے کیکولاؤں کو دیدی گئی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولودیلم تو راجیہ کے کیکولاؤں کو یہ مراعات دینے سے کچھ قبل یہی رعایتیں کانچی کے کیکولاؤں کو بھی عطا کی گئی تھیں اس لیے کہ انھوں نے ارمل اتّا نایینار کے یہاں اس بات کے لیے ایک عرض داشت کی تھی[41] 1503-4ء میں تمام اچھے اور برے مواقع پر[42] ڈنڈو اور شنگو کو رکھنے کی رعایتیں تری بھون مہادیوی پرّو (TRIBHUVANAMAHADEVIPARRU.) ، ندو وکرائی پرّو (NADU VUKARAI PARRU) اور نینملی پرّو (NENMALIPARRU) کے تین گاؤں کے کیکولاؤں کو بھی دی گئیں جس طرح کہ یہ مراعات دریائے پنّائی (PINNAI) کے کنارے بسے ہوئے گاؤں کے بنکاروں کو حاصل تھیں۔ جس کتبہ میں یہ بات درج ہے اس میں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے جو لوگ اس حق پر اعتراض کریں گے انھیں بھی وہی سزا بھگتنی پڑے گی جو سیلنگا نلّور (SELINGANALLUR) کے کتبے میں اس کے لیے متعین کی گئی ہے[43]۔ اسی طرح تیرو ویدی راجیہ (TIRUVADI RAJYA) میں سداشیو کے ایجنٹ وِرپا نایک کے زمانہ میں ایلائی وانیار (ILAIVANIYAR) نے اس مقام کے کیکولاؤں کے لیے ذہبی حقوق و مراعات منظور کیے جو ایک پرانے سنگی کتبے کے مطابق، جسے کسی نے مٹا دیا ہے، پہلے رائج تھے[44]۔

حجّام

سولہویں صدی کے نصف آخر میں حجاموں کو ریاست کی جانب سے کچھ رعایتیں ملی تھیں۔ سداشیو اور اس کے وزراء نے حجاموں کو خصوصی عنایتوں کا مستحق کیوں سمجھا اس کی قطعی وجہ معلوم نہیں ہے 1545ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ رام راج اڈیار نے کوندجا (KONDOJA)

Marfat.com

حجام سے خوش ہو کر علاقہ (تمکور ضلع) کے حجاموں کو بعض ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔[76] 1547-49ء کے ایک دوسرے کتبہ میں درج ہے کہ بلائی (شہر) کے تموجا کوندوجا اور بھدری نے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کر لی تھی اور اس بادشاہ (سداشیو) نے ان کی طرف سے کی ہوئی ایک درخواست کی بنا پر انھیں مانیا (MANYA) کے طور پر ایک ٹیکس عطا کر دیا تھا۔[77] لیکن 155ء کے ایک دوسرے کتبے میں درج ہے کہ تموجا کوندوجا نے ایک درخواست رام راجیا کو دی جس نے خود سداشیو سے درخواست کی چنانچہ اس نے سلطنت کے چاروں حدود کے اندر بعض محاصل اسے اور اس کے خاندان کو عطا کر دیئے۔[78] تیلگو شاعر ردریا (RUDRAYYA) اپنی نیرن کوشو پاکھیانم (NIRAN KUSOPAKHYANAM) میں لکھتا ہے کہ اس نے سداسیو سے ملاقات کا موقع بادشاہ کے ایک مقرب حجام کوندوجو کے توسط سے حاصل کیا تھا جس نے ان حجاموں پر عاید ٹیکسوں کی معافی کے حصول میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس معافی میں جبری محنت متعینہ لگان، زمین کا محصول، مہانومی (MAHANAAMI) شعلین، اور برادا (BIRADA) وغیرہ شامل تھے۔[79]

ڈومبرا

(DOMBARAS)

ڈومبر عام طور پر تماشا دکھانے والے لوگوں کا ایک فرقہ تھا۔ غیر ملکی سیاحوں مثلاً عبدالرزاق اور لنسکوٹن (LINSCHOTEN) نے ان سے متعلق چند بیانات چھوڑے ہیں۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے زیادہ تر پالتو سانپوں کا استعمال کرتے تھے۔ وہ جادوگری اور فال نکالنا جانتے تھے۔ ایرانی سیاح یہ بتلاتا ہے کہ یہ تماشا دکھانے والے کس طرح ڈنڈوں پر ناچتے تھے اور اپنے کرتبوں میں ہاتھیوں کو استعمال کرتے تھے۔ یہ لوگ ان عوام اور خاص کے لیے جو مہانومی کے جشن کے لیے دارالسلطنت میں جمع ہوتے تھے بڑی تفریح کا سامان فراہم کرتے تھے۔[80] ان کے مکانات بہت چھوٹے اور نیچے ہوتے تھے۔ جو گھاس پھوس سے ڈھکے ہوتے تھے اور جن میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ ان میں گھاس کی چٹائیاں، انجیر کے پتے اور کھانے پکانے کے لیے مٹی کے برتن ہوتے تھے۔ یہ تماشا دکھانے والے لوگ بسا اوقات آپس میں متفق ہو کر مندروں کو بعض عطیات دیتے تھے۔ شا کھات 1451ء کے ایک کتبہ کے مطابق ڈومبر ذات کے دو افراد نے وہ رقم تیرو وینگل ناتھ (TIRUVENGALANATHA) کے مندر کو عطیہ میں دے دی تھی

Marfat.com

جو وہ ہر سال عطیہ دتیاگم (TYAGAM) کے طور پر گاؤں سے حاصل کرتے آئے تھے۔ (اس) ذات کے افراد نے اس بات کا بھی ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ وہ گاؤں میں اپنے تماشے نہیں دکھائینگے۔

دائیں بازو اور بائیں بازو کی ذاتیں (RIGHT HAND AND LEFT HAND CASTES.)

مملکت کے متعدد قومیں دو جماعتوں میں منقسم تھیں۔ جو ولنگائی (VALANGAI) اور ایدنگائی (IDANGAI) جماعتوں یا دائیں بازو اور بائیں بازو کے طبقات کے نام سے معروف تھیں چند کتبات میں درج ہے کہ ہر جماعت اسی طرح کے ۹۸ ذیلی فرقوں میں منقسم تھی۔ اگرچہ ہمیں ہر جماعت کے فرقوں کی تعداد کا ذکر ملتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ واقعتاً یہ ۹۸ فرقے کون کون سے تھے۔ لیکن ان فرقوں کے ساتھ ساتھ اٹھارہ پیشہ ور ذاتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ غالباً یہ ۹۸ فرقے انھیں ۱۸ ذاتوں کے ذیلی فرقے تھے۔ بچانن (BUCHANAN) کو، جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں میسور آیا تھا، مندرجہ ذیل ذاتیں ملی تھیں جو دائیں بازو اور بائیں بازو کے طبقات کی تشکیل کرتی تھیں۔

بائیں بازو کے طبقات

(1) پانچالر (PANCALA)

(2) بیری چٹی تاجرین (BERRICETTY MERCHANTS.)

(3) دیوانگا (DEVANGA) بنکاروں کا ایک طبقہ۔

(4) ہگنی گارو (HEGANIGARU) وہ لوگ جو ملون (MILL) میں دو بیلوں کا استعمال کرتے تھے۔

(5) پلی وانلو (PALIACANLU) کاشتکاروں کے دو قبیلے جو کرناٹک نسل کے نہیں ہیں۔

(6) بائی درو (BAYIDARU) شکاری۔

(7) مادی گرو (MADIGARU) چمڑا کمانے والے یا جوتا بنانے والے

پانچالر پوری جماعت کے سربراہ تھے۔ اور مادی گرو دونوں طبقوں کے درمیان تمام جھگڑوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے جنگجو تھے۔

دائیں بازو کے طبقات

(1) متعدد تجارتوں کے بنجی گرو (BANJIGARU)

Marfat.com

(2) ودی گرو (WADIGARU) شودر ذات کے اور کرناٹک نسل سے تعلق رکھنے والے کاشتکار۔

(3) جوتی پھنا (JOTIPHANA) تیل نکالنے والے جو کولھو میں ایک بیل استعمال کرتے تھے۔

(۴) رنگرو (RANGARU) کپڑوں پر چھپائی کرنے والے اور درزی۔

(5) لدرو (LODERU)

(6) گجراتی (GUJARATI)

ان دونوں جماعتوں کی اصل کا مسئلہ بہت سے محققین کی توجہ کا مرکز بنا لیکن اس دلچسپ مسئلہ کا کوئی قطعی حل پیش نہیں کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ دقت طلب اس بنا پر ہے کہ ہر جماعت میں مختلف ذاتوں، مختلف دھندوں، مختلف پیشوں اور مختلف تجارتوں میں لگے ہوئے افراد ملتے ہیں اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ برہمن اور چند دیگر فرقے، جو چھتری اور ویشیا ذاتوں کے تحت آسکتے تھے خود کو ان دونوں جماعتوں کے حدود سے علیحدہ رکھتے تھے۔ مزید براں ان کی اصل کے سلسلہ میں بہت سی روایتیں ہیں۔

ٹی۔ ڈبلو۔ ایلیس (T.W.ELLIS) کا خیال ہے کہ غیر ملکی قوموں کے ساتھ میل جول نے جنوبی ہندوستان کے لوگوں کے ایک طبقہ کے عادات واطوار میں بعض تبدیلیاں پیدا کردی تھیں جن کی بنا پر مالکان زمین جو عموماً قدامت پسند تھے، انھیں ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سماجی اختلافات ولنگائی اور ایدنگائی طبقات کے وجود کا سبب بنے جن میں سے "اول الذکر میں تمام کاشتکار قبائل شامل ہیں جو بالکل مختلف حالات میں اپنی قدیم برتری کو قائم رکھنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور موخر الذکر طبقہ میں زیادہ تر تاجر پیشہ اور صنعت کار قبائل شامل ہیں جو اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ اس سے اپنا دامن بچالے جائیں[۶۶]" اور موجودہ دور میں وہ عام طور پر اس میں کامیاب بھی ہیں ڈاکٹر گسٹو اپرٹ (DR. GUSTAVAPPERT) کا خیال یہ ہے کہ یہ صنعت کاروں کی کاشتکاروں کے خلاف ایک گروپ بندی تھی، اول الذکر کی جینوں (JAINS) کی ماتحتی میں، اور مؤخر الذکر کی برہمنوں کی ماتحتی میں[۶۷]۔ اگرچہ مؤخر الذکر (برہمنوں) نے خود کو ان طبقات سے الگ رکھا۔

ایم۔ شری نواس آئینگر کچھ اور خیالات پیش کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان دو جماعتوں کے درمیان سماج کی تقسیم یا تو اس بنا پر عمل میں آتی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ سماجی سطح

Marfat.com

پر بلند ہونے کی خواہش مند تھے یا جینوں اور برہمنوں کی باہمی نفرت وکدورت نے انھیں منقسم کر دیا تھا[54] لیکن . . . اگرچہ عوام کو دو جماعتوں میں منقسم کر دینے میں ان اسباب کا کچھ دخل ضرور تھا لیکن ان کے جھگڑوں کی زیادہ تر وجہ ان مراعات کا مسئلہ تھا جو بعض سماجی اور مذہبی مواقع پر حاصل ہوتی تھیں۔ان مواقع کا ذکر کرتے ہوئے جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے تھے، ابے دوبیس (ABBE DUBAIS) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "جھگڑوں کی اصل وجہ شاید شادیوں کے موقعوں پر چپل پہنے یا گھوڑے کی پشت اور یا پالکی پر سوار ہو کر سڑک پر چلنے کا حق ہے۔ کبھی تو دوران سفر مسلح چوبداروں کو رکھنے کا حق اس کا سبب بنتا ہے۔ اور کبھی جلوس کے آگے آگے ڈھول بجانے یا عوامی جشن کے موقعوں پر مقامی موسیقاروں کو ساتھ رکھنے کی رعایت اس کا باعث بنتی ہے۔ یہ شاید یا تو معمولی قسم کا ایک مخصوص باجا ہے جو ایسے مواقع پر استعمال ہوتا ہے جو جھگڑے کا سبب بنتا ہے اور یا اس کا سبب ان جشنوں کے موقع پر کچھ مخصوص رنگوں کے جھنڈوں یا دوسرے ساز و سامان کو لے جانے کا حق ہوتا ہے"[56]۔

ولنگائی اور ایدنگائی طبقے جو پانڈیچری کے قریب رہتے تھے چند مخصوص رعایتوں کے لیے آپس میں لڑتے رہتے تھے جیسے مثلاً شومک کلی (SAVALAKKALI) ، سفید چھتری، سفید گھوڑے اور پانچوں شیمبوؤں (SEMBUS) کو استعمال کرنے کا حق[57]۔ اسی طرح ایدنگائی اور ولنگائی کیفیت (VALANGAIKAIFIYAT) میں ان کے آپسی جھگڑوں کے متعلق جوان کے درمیان بعض مخصوص سماجی مراعات مثلاً گرودا جھنڈے (GARVDABANNER) کو استعمال کرنے کے حق کے لیے ہوتا تھا اور ان جھگڑوں کے تصفیہ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے[58]۔

وجے نگر کے زمانہ میں بھی یہ جماعتیں اکثر آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ اور 1593-94ء کے ایک کتبے کے مطابق اس طرح کا ایک جھگڑا چار سال تک جاری رہا[59]۔ شمالی آرکٹ ضلع کے ملیم پٹو (MALAYAMPATTO) مقام کی ایک نامکمل دستاویز میں ایدنگائی اور ولنگائی فرقوں کے درمیان ایک جھگڑے کے تصفیہ کا ذکر ملتا ہے۔ اس تنازعہ میں دونوں جانب کے لوگوں کی جانیں ضائع ہوئی تھیں[60]۔ 1438-39ء میں ایک جگہ کے لوگوں نے آپس میں سمجھوتہ کیا تھا کہ اگر ولنگائی یا ایدنگائی طبقے کا کوئی فرد کسی تنازعہ کا سبب بنے گا یا عوامی تہواروں کے موقعوں پر آپس میں جھگڑا کرے گا تو ایسے اشخاص کو بلا تکلف بھالوں سے اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا"[61] ان دونوں طبقات

Marfat.com

کا باہمی تعہ... ا... سنت تھا کہ ۱۴۴۰ء میں دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر واقع ایرن گول پانڈی ولنادو (IRUNGO LAPANDI VALNADU) کے اطراف میں آباد اٹھارہ فرقوں میں سے دو کے ولنگائی اور ایدنگائی طبقوں کے سماج میں ان کے طور طریقوں سے متعلق ایک سمجھوتہ کیا گیا۔[62]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں فرقہ وارانہ نوعیت کا ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا چنانچہ زنگائی ہمیں ایدنگائی وری (IDANGAI VARI) کا حوالہ ملتا ہے۔[63] ان جماعتوں کی مشترکہ سرگرمی نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی دستوری انجمنیں (CAUSTITUTIONAL ASSOCIATION) بنائیں اور حکومت کے ساتھ ایک منظم جماعت کی حیثیت سے معاملہ کریں انھوں نے ٹیکسوں کی ان رقموں کو متعین کر دیا جو انھیں حکومت کو ادا کرنی تھیں اور ایک زمانہ میں تو انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ برہمنوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو جسمانی سزا دیں گے جو ان سے اس رقم سے زیادہ کا مطالبہ کریں گے جتنا انھوں نے ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔[64]

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، تامل کے علاقہ پر تیلگو اور کنارا لوگوں کے قبضہ کر لینے کے باعث بہت سے سماجی مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے تامل کے علاقہ میں ان کی نو آبادکاری کی بنا پر اصل باشندوں کے سماجی حیثیت پر سخت اثر ڈالا۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے آقاؤں کی پیروی کی اور ان کے ساتھ وہاں آباد ہو گئے۔ چنانچہ فاتح کی حیثیت سے لوگوں کے مقابلہ میں ایک بلند سماجی حیثیت کے حامل تھے۔ ایم۔ شری نواس آہنگر کا خیال ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم باشندوں نے اپنے اصل پیشوں کو چھوڑ کر ادنیٰ اور معمولی پیشوں کو اختیار کر لیا۔ مثال میں وہ سیمنوں کا نام لیتا ہے جنھوں نے ... غالباً نئے لوگوں کی آمد پر چمڑا کمانے کے پیشے کو چھوڑ کر معمولی پیشے اختیار کر لیے تھے۔[65]

توتین

(TOTTI YANS)

ان نو آبادکاروں میں سب سے پہلے جو ہمارے جائزہ کے مستحق ہیں وہ توتین یا کمبل اتار (KAMABALATTAR) ہیں۔ یہ اصلاً گڈریے تھے لیکن جنوب میں انھوں نے معمولی پولیگاروں (PALIGARS) کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔[66] ان میں تعدد شوہر اور مابعد البلوغ شادیاں رائج تھیں۔ اور بسا اوقات دولہا دلہن سے چھوٹا بھی ہوتا تھا۔ ان میں عورتوں کی عصمت کی کوئی

Marfat.com

اہمیت نہ تھی۔اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کے باپ یا اس کے دوسرے رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم رکھ سکتی تھی۔طلاق،عقد بیوگان اور بعض معاملات میں ستی (SATI) بھی جائز تھی۔توتین (TOTTIYANS) عموماً وشنوائی ہوتے تھے۔لیکن ان کے سب سے بڑے دیوتا جکن (JAKKANNA) اور بومکا (BOMMAKKA) تھے جنھوں نے ستی کا ارتکاب کیا تھا۔[67]

توتین کی خود اپنی فرقہ وارانہ تنظیم تھی۔1369ء میں پولیو ناد (PULLIYAnad) کے توتین نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو کوئی ایک خاص ٹیکس ادا نہیں کرے گا اسے نادو اسمبلی ، پنچالم (PONCALAM) پشیائی اور 18 نادڈوں،،سے خارج کر دیا جائے گا۔[68]

سوراشٹر

(SOURASTRAS)

عوام کا ایک دوسرا گروہ جس نے جنوب میں نوآبادی بنائی تھی۔وہ سوراشٹر تھے۔ان کا اصلی وطن غالباً گجرات تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر جنوب میں آباد ہو گئے تھے۔وہ جزیرہ نما میں کپڑوں کی سپلائی کرتے تھے۔وہ طویل مدت تک وجے نگر میں رہے لیکن جب یہ مملکت جنوب کی طرف پھیلی تو وہ بھی اسی طرف چلے گئے اور مدورا کے اردگرد آباد ہو گئے۔بڑی حد تک شاہی سرپرستی میں رہنے اور امراء کے لیے اعلیٰ و نفیس کپڑے بہم پہونچانے کی بنا پر وہ جلد ہی جنوبی ہندوستان کی ایک خوشحال قوم بن گئے جو اپنی صنعتی سرگرمیوں میں مصروف تھی بہت سے دوسرے فرقوں کے افراد کی طرح انھوں نے بھی اپنی سماجی حیثیت بلند کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے برہمن ذات کے نام اختیار کر لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اصلاً وہ برہمن تھے لیکن انحطاط کا شکار ہو گئے تھے،انھوں نے کچھ افسانوں کو شہرت دی۔بعض حقوق کے سلسلہ میں ان کا برہمنوں کے ساتھ جھگڑا تھا اور ریاست کو اس سلسلہ میں مداخلت کرنی پڑتی۔مثال کے طور پر منگمال (MANGAMMAL) کی حکومت کے زمانہ میں مدورا کے گورنر نے برہمنوں کی اپاکرم (UPAKARMA) کی رسم کو ادا کرنے یا مقدس دھاگے (کی رسم) کو از سر نو آغاز کرنے کی وجہ سے سوراشٹر فرقہ کے اٹھارہ افراد کو گرفتار کر لیا تھا۔ ملکہ نے ان رسوم و رواج کی ادائیگی کے لیے پتونل کارنوں (PATTUNAL KERANS) کی حقوق کی تحقیق و تفتیش کے لیے شاستروں کے عالموں کی ایک میٹنگ طلب کی۔اس میٹنگ نے مدعا علیہم کے حق میں فیصلہ کیا

Marfat.com

چنانچہ ملکہ نے انھیں کھجور کے پتہ کا ایک انعام دیا جواب تک مدورا میں محفوظ ہے[69]۔ اسی زمانہ سے سوراشٹروں نے "کھانے، پینے، لباس، پوجاپاٹ کے طریقوں اور ناموں سے متعلق، جنوب کے برہمنوں کے بہت سے طریقوں کو اپنا لیا اور اب تو انھوں نے برہمنوں کے بہت سے خطابات بھی مثلاً ایر (AIYAR) اچاریہ اور بھاگوتر (BHAGUVATAR) اختیار کر لیے ہیں[70]۔"

رڈی

(REDDIS)

تیلگو علاقہ کے رڈی جو عموماً کاشتکار تھے، وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ دو طبقوں میں منقسم تھے۔ پونگلی رڈی (PONGULA RADDIS) اور پنتا رڈی (PANTA REDDIS)۔

مختلف ذاتوں اور فرقوں کے مہاجرین کے ایسے بہت سے ریلے تھے جو شمال سے ہندوستان کے تامل کے علاقہ میں چلے گئے تھے۔ ان میں سے۔ تیلگو برہمن، اپلین (UPPILIANS) (نمک بنانے والے) تیلگو کے دھنئے اور رنگ ساز شینین (SENIANS) (تیلگو بنکار)، حجام چمار، دھوبی، اڈن (ODDANS)، ڈومبن (DOMBANS) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فصل دوم

سماجی رسمیں

شادی

کسی بھی ملک کی سماجی رسموں میں سے شادی کی رسم سب سے زیادہ اہم ہے اگرچہ ہندوؤں کے نزدیک شادی ایک مذہبی رسم ہے لیکن یہ زبردست سماجی اہمیت کی حامل ہے۔

اگرچہ قدیم سنسکرت ادب میں شادی کی آٹھ قسموں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تمام قسمیں وجے نگر کے زمانہ میں بھی رائج تھیں۔ کنیادان ہی شادی کی ایک ایسی قسم تھی جو سب سے زیادہ رائج اور مقبول تھی۔

اس ذیل میں یہاں شادی بیاہ سے متعلق چند ضمنی خصوصیات مثلاً جہیز کی رسم اور بچپن میں شادی

Marfat.com

کے رواج کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ وجے نگر کے زمانہ میں جہیز دینے کا رواج عام تھا اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کے خلاف لوگوں میں سخت ناراضگی تھی۔ اس رواج کی موجودگی کی توثیق بہت سے کتبات سے ہوتی ہے 1379ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ پولی یورنا دو (PULLIYURNADU) کے ایک تہائی حصہ کا گاؤں پنگائی پلی (PANGAIPALLI) جو نمبی اروی شٹی یار (NAMBI IRAVI SETTIYAR) نامی ایک شخص کے قبضہ میں تھا اس کی لڑکی کے لڑکوں اروی نین (IRAUIYANNAN) کیشو شٹی یار (KESAVA - SETTIYAR) اور دوسروں کو بطور جہیز عطا کر دیا تھا۔[71] بسا اوقات موجودہ زمانہ کی طرح اس زمانہ میں بھی شادی کے اخراجات کی رقم جائداد کی فروخت کے ذریعہ فراہم کی جاتی تھی۔ چنانچہ 1406ء میں اچپا (ACAPA) کے بیٹے وتپا (VITTAPPA) نامی ایک شخص نے "شادی کے موقع پر" دیگر اراضی کے ساتھ ساتھ کندولی (KANDAVELLI) کے گاؤں کو فروخت کر دیا تھا۔[72] 1424ء کے لگ بھگ آلوا پربھو بومی یکا ہگدیتی (ALVA PRABHU BOMMIYAKKALLEG- GADITI) کے بیٹے نے شادی کے موقع پر استھانک (STHANIKA) مندر کے پجاری) دیوپنا آیا (DEVAPPANNA AYYA) کے بیٹے بونا آیا (BOVANNA AYYA) کے ہاتھوں کچھ زمین فروخت کی تھی۔[73]

گاؤں والوں نے اکثر اپنے یہاں کی زمینوں کو جہیز کے طور پر باہری لوگوں کے پاس منتقل کرنے کے خلاف قوانین بنائے۔ چنانچہ مان گادو (MAINGADU) (چینگل پٹ ضلع) کے گاؤں کے باشندوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا تھا کہ استری دھن (STRIDHANA) کے طور پر کسی باہری شخص کو زمین ہرگز نہیں دی جائے گی۔[74]

دیورائے دوم کے زمانہ میں پدائی ویدو سلطنت کے برہمنوں نے دلہن کی قیمت کی رسم کی برائی کو اس شدت سے محسوس کیا کہ اس مقام کے برہمنوں نے جو مختلف ذیلی فرقوں سے متعلق تھے، آپس میں ایک سمجھوتہ کیا جس کی حیثیت سماجی قانون کے ایک حصہ کی سی ہے جس کتبے میں یہ قانون درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "پدائی ویدو سلطنت (راجیم) کی مذہبی تعلیمات کے ہر شعبہ کے بڑے بڑے لوگوں نے ارکا پوسر کر نی (ARKAPU SAKARANI) کے (دیوتا) گوپی ناتھ کے روبرو ایک دستاویز (جو) ایک سمجھوتہ (پر مشتمل ہے) کو ترتیب دیا جس میں مقدس قانون طے کیا۔ (اس دستاویز) کے مطابق پدائی ویدو گوتر (GOTRAS)، سوتر

(SUTRAS) اور شاکھا (SAKHAS) کے ہوں، اگر کوئی سلطنت (راجیم RAJYAM)
(یعنی) کناڈیگا (KANNADIGAS) ، تمیرا (TAMIRAS) ، تیلونگا (TELUNGAS)
ایلات (ILATAS) وغیرہ کے برہمن خواہ وہ کسی شادی کو انجام دیں تو آج سے اسے کنیا دان کے ذریعہ انجام دیں۔ جو لوگ کنیادان کے طریقہ کو اختیار نہ کریں گے (یعنی) وہ لوگ جو سونا لے کر لڑکی بیاہیں گے اور وہ لوگ جو سونا دے کر شادی کریں گے دونوں ہی . . . بادشاہ کی جانب سے سزا کے مستحق ہوں گے اور انھیں برہمنوں کے فرقہ سے خارج کردیا جائے گا یہ تھا اس دستاویز کا مضمون جو انھوں نے ترتیب دیا تھا[75]۔ یہاں ایک دلچسپ نکتہ توجہ کے لائق ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ یہ اصلاح کا ایک معاہدہ تھا جسے پدائی ویدوراجیم کے برہمن فرقے نے خود اپنے طور پر کیا تھا ریاست نے اس میں کوئی مداخلت نہ کی تھی سوائے اس کے کہ جو معاہدہ برہمنوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا، ریاست نے اسے نافذ کردیا[76]۔

جس طرح دلہن کی قیمت کے متعلق ہوا اسی طرح لوگوں نے 1553ء میں آپس میں ایک معاہدہ چند مریاداؤں (MARYADA) کے بارے میں کیا۔ مذکورہ بالا سال میں کوندپلی (KONDAPALLI) سے لے کر راجا مہندراپورم (RAJA MAHENDRAPURAM)
تک کے پورے علاقے کے عوام نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلی شادی کے موقع پر اولی مریادا (OLIMARYADA) سونا ہونا چاہئے۔ نیز یہ کہ لڑکے والے $12\frac{1}{2}$ (چینم CINNAM) (چینم ؟) چاندی اور لڑکی والے $20\frac{1}{2}$ (چینم ؟) سونا دیں گے[77]۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جانبین میں سے کم از کم ایک کی جانب سے شادی کے لیے سودے بازی کی یہ بری رسم شاکھا 1347 (1425ء) میں اسی طرح رائج تھی جیسے کہ یہ موجودہ دور میں ہے[78]۔ بہرحال ہمیں یہ نہیں معلوم کہ شادی سے متعلق پدائی ویدوراجیم میں کی گئی اصلاحات کی نقل برہمنوں نے مملکت کے دوسرے حصوں میں کی یا نہیں۔

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں کے احکامات کے بموجب مملکت وجے نگر کے برہمن اپنی لڑکیوں کی شادی نسبتاً کم عمری ہی میں کردیتے تھے۔ لنسکوٹن (LINSCHOTEN) جس نے اپنے سفر کے دوران اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا، لکھتا ہے "جب لڑکی سات سال کی اور لڑکا ۹ سال کا ہوجاتا ہے تو ان کی شادی کردی جاتی ہے۔ لیکن وہ اس وقت تک ایک دوسرے کے قریب نہیں آتے جب تک کہ لڑکی اتنی بڑی نہ ہوجائے کہ اس کے یہاں بچے ہوسکیں"[79]۔ برہمنوں

Marfat.com

کے اس رواج کی تقلید بڑی حد تک چند دیگر طبقوں نے بھی کی چنانچہ فرشتہ کے مطابق ہندوستان کے رواج کے بموجب نہال نامی ایک کسان لڑکی کی شادی اسی ذات کے ایک نوجوان کے ساتھ بچپن ہی میں کردی گئی تھی۔

ستی
(SATI)

وجے نگر کے زمانہ میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ایک دوسری سماجی رسم سہگمن (SAHA - GAMANA) یا ستی تھی۔ کنارا کے اضلاع میں ایسے متعدد ستی کل (SATI KALS) یا ماستی کل (MASTIKALS) ملتے ہیں جہاں ستی کرنے والی عورتوں کی پتھروں پر تراشیدہ تصویریں ملتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض تصویروں کے نیچے کچھ عبارتیں (بھی) کندہ ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ کن حالات کے تحت سہگمن انجام دیا گیا تھا۔ تقریباً ہر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر آیا اس نے ستی کی رسم کے عام رواج کا مشاہدہ کیا اور اس کے متعلق ایک بیان بھی قلمبند کیا ہے۔ بربوسا (1516ء)، نونیز (1535-36ء)، سیزر فریڈرک (1567ء)، لنسکوٹن (1583ء) براداس (1614ء) پیٹرو ڈلا ولے (PIETRODELI AVALLE) (1623ء) یہ تمام سیاح اس کی نہایت واضح اور سچی تصویریں پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ستی کو انجام دیا جاتا تھا۔ لیکن جس طرح اس رسم کو انجام دیا جاتا تھا اس کی تفصیلات کے سلسلہ میں ان میں آپس میں اختلاف ہے جس کی تین توجیہیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(1) عوام کے ایک طبقہ نے جو طریقہ اپنایا تھا وہ دوسرے طبقہ کے رسم و رواج کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس طبقہ کے ذریعہ اپنائے گئے طریقہ کار سے یقیناً مختلف رہا ہوگا۔ اس لیے کہ مملکت کا ہر فرقہ اس طرح کے سبھی معاملات میں اپنا ایک مخصوص رواج رکھ سکتا تھا۔ (2) مرور ایام کے ساتھ ساتھ رسوم و رواج میں کچھ تبدیلیاں آگئی ہونگی۔ (3) ایک مقام کا رواج دوسرے مقام سے مختلف ہوتا ہوگا اور چونکہ تمام سیاح صرف ایک ہی مقام پر نہیں آئے تھے اور نہ وہ ایک دوسرے کے ہمعصر تھے۔ لہٰذا انھوں نے اس رسم سے متعلق اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق مختلف بیانات قلمبند کردئے۔ بربوسا لکھتا ہے کہ اگر عورت غریب اور "نیچی نسل" کی ہوتی تھی تو وہ خود کو اپنے شوہر کی جلتی ہوئی چتا میں ڈال دیتی تھی اور نذر آتش ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر وہ اونچی نسل کی ہوتی تھی تو وہ خود کو فوراً نہیں جلا دیتی تھی بلکہ شعلوں کی نذر ہونے سے پہلے وہ بعض رسومات ادا کرتی تھی۔ وہ کچھ وقت موسیقی، ناچ، گانوں اور دعوتوں میں گذارتی تھی۔ اس کے بعد وہ قیمتی

Marfat.com

لباس زیب تن کرتی اور بقیہ جائداد کو اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتی پھر وہ ہلکے خاکی رنگ کے یا سفید گھوڑے پر سوار کی جاتی اور سڑکوں سے ہو کر شمسان گھاٹ لے جائی جاتی جہاں اس کے لیے آگ روشن کی جاتی تھی۔ وہاں ایک مختصر کپڑے کے علاوہ جو اس کی کمر پر ہوتا تھا اپنے تمام کپڑے اتار دیتی تھی پھر وہ ایک مختصر سی تقریر کرتی جس میں وہ وہاں پر مجتمع لوگوں کو جتلاتی کہ وہ اپنے شوہر کی محبت میں اپنے آپ کو نذر آتش کر رہی ہے اگرچہ وہ اس کے لیے پابند نہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے سر پر تیل انڈیل لیتی اور شعلوں میں کود کر جان دے دیتی۔ نونیز بھی تقریباً انھیں تفصیلات کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ شوہر کی لاش کو آگ لگا دیئے جانے کے بعد . . . ایک برہمن، اپنے یہاں کے قانون کے مطابق بیوہ کے ساتھ چند رسمیں ادا کرتا تھا اس کے بعد وہ اپنے تمام ہیرے جواہرات اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیتی ایک زرد پوشاک زیب تن کرتی، اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ چتا کی طرف بڑھتی اور تین بار اس کا طواف کرتی تھی، پھر اس سیڑھی پر جو اس مقصد کے لیے بنی ہوئی تھی چند سیڑھیاں چڑھتی، اور اپنے ہاتھ میں ایک چٹائی لے کر تا کہ وہ آگ کو نہ دیکھ سکے، سیڑھی کے بالکل اوپر چڑھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جو لوگ وہاں اکٹھا ہوتے تھے آگ میں دو کپڑے پھینکتے تھے جس میں سے ایک میں اس کی کنگھی، آئینہ اور پان اور دوسرے میں چاول بندھا ہوتا تھا بالآخر وہ ان سے رخصت ہوتی اور اپنے سر پر ایک پیالہ تیل انڈیل کر سر کے بل آگ میں کود جاتی تھی[82]۔ چاول اور پان اس کے شوہر کے کھانے کے طور پر ہوتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو تیل وہ اپنے سر پر انڈیلتی تھی وہ اس کے شوہر کے بال کے سنگھار کے لیے ہوتا تھا اگرچہ یہ تیل خود اس کی اذیت کو کم کرنے کے فوری مقصد میں کام آتا تھا۔

سیزر فریڈرک یہ کہتا ہے کہ عورتیں شوہروں کی موت کے دو یا تین ماہ بعد خود کو نذر آتش کرتی تھیں۔ جس خاص دن وہ خود کو نذر آتش کرتی تھی، اس دن وہ ایک دلہن کی طرح کپڑے پہنتی تھی اور اسے گھوڑے یا ہاتھی کی پشت پر یا کسی چھوٹی اسٹیج پر جسے آٹھ آدمی اٹھائے ہوتے تھے، شہر کا گشت کرایا جاتا تھا اور اس مقام تک پہونچایا جاتا تھا جہاں مردوں کو جلایا جاتا تھا۔ وہ دعوتیں کرتی اس کے بعد دریا میں غسل کرتی تا کہ اپنے گناہوں کو دھو ڈالے۔ پھر وہ ایک زرد پوشاک پہنتی اور اس بلندی پر چڑھ جاتی جو اس مقصد کے لیے بنائی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے سر پر تیل انڈیل لیتی اور خود کو ان شعلوں کے نذر کر دیتی جو اس کے لیے روشن کیے جاتے تھے[83]۔

Marfat.com

اگرچہ عوام کے چند طبقات کی عورتیں یا تو اپنے شوہروں کے ساتھ ہی یا چند دنوں بعد اس آگ میں جل کر ستی کی رسم انجام دیتی تھیں جو اسی مقصد کے لیے روشن کی جاتی تھی۔ لیکن کچھ دوسری اور خاص طور پر بنگایت (طبقہ کی عورتیں) اپنے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن ہو کر اس رسم کو انجام دیتی تھیں۔ نونیز اس طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ (عورتیں) بڑی خوشی سے اس قبر میں اتر جاتی ہیں جس کے اندر مٹی کی دو جگہیں بنائی جاتی ہیں۔ ایک شوہر کے لیے اور دوسری عورت کے لیے۔ لوگ ان میں سے ہر ایک کو اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں اور انھیں آہستہ آہستہ ڈھانپتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوری طرح ڈھک جاتے ہیں۔ اور اس طرح عورت اپنے شوہر کے ساتھ مر جاتی ہے[85]۔ بربوسا کہتا ہے کہ جو لوگ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ دفن کرتے تھے وہ اپنی گردنوں میں تمبرن (TAMBA RANE) پہن لیا کرتے تھے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ یہ لوگ گردن کی بلندی تک کا ایک بڑا گڈھا کھودتے ہیں اور اسے اس میں زندہ اتار دیتے ہیں۔ اسے اس کے پیروں پر کھڑا کر دیتے ہیں اور اس کے ارد گرد بیلچوں سے مٹی ڈالنے لگتے ہیں اور مٹی اپنے پیروں سے روندتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گردن تک اچھی طرح کسی ہوئی مٹی سے ڈھک جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس کے اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح وہ وہاں موت و زیست کے درمیان مٹیوں میں گڑی کھڑی رہتی ہے۔ اور لوگ اس کے لیے دوسری رسمیں انجام دیتے ہیں[86]۔ . . سیزر فریڈرک کا خیال ہے کہ 'ادنیٰ قسم کے لوگوں' کے درمیان یہ رواج تھا کہ وہ عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے اور انھیں مٹیوں میں بند کرنے سے پہلے ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے[87]۔ گسپرو بلبی (GASPERO BALBI) جس نے 1582ء میں اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا، کہتا ہے کہ یہ رسم سوناروں میں عام تھی۔ ستی کے اس طریقہ کا تذکرہ بھی اس عہد کے کتبات میں ملتا ہے[88]۔

عوام کا جو طبقہ ہگمن انجام دیتا تھا وہ عموماً مملکت کے امراء کا طبقہ ہوتا تھا جو بادشاہ، بڑے بڑے رؤسا، امراء اور فوجیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ کتبات کے مطابق جو کافی تعداد میں ہیں عوام کے وہ طبقات بھی جو گودا اور نایک کے ناموں سے معروف تھے ہگمن یا ستی کو انجام دیتے تھے[89]۔ آخیر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کی بیوائیں بھی ستی کی رسم انجام دیتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ ستی کی انجام دہی کے متعلق جو بیان نکوٹن نے پیش کیا ہے وہ برہمن فرقے ہی کی رسم سے متعلق رکھتا ہے[90]۔ اگرچہ خود کو ہلاک کرنے کا رواج وجے نگر کے زمانے میں بہت زیادہ مقبول عام تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیواؤں کے لیے لازمی نہیں قرار دیا گیا تھا۔ غالباً اس کی ادائیگی

Marfat.com

میں شوہر کی محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا اور اسے رضا کارانہ طور پر انجام دیا جاتا تھا۔ بربوسا قطعی طور پر کہتا ہے کہ متعدد عورتیں، اپنی ہلاکت سے تھوڑی دیر قبل تک بھی خود کو ہشاش بشاش رکھتی تھیں اور اپنے اردگرد اکٹھا لوگوں سے درخواست کرتی تھیں کہ وہ غور کریں کہ ان کی بیویوں کا ان پر کیا حق ہے جو خود مختار ہونے کے باوجود خود کو ان کی محبت میں نذر آتش کر دیتی ہیں۔[92]

شیموگا ضلع کے سورب (SORAB) تعلقہ کی ایک دستاویز کے مطابق بوما گودا (BOMMA GAUDA) نامی ایک شخص کی بیوی نے "بڑے شوق سے" سہگمن انجام دیا تھا۔[93] اسی طرح 1376ء کے ایک کتبہ کے مطابق جب آولی (AVALI) کے باچی گودا (BACI GAUDA) کا انتقال ہوا تو اس کی دوسری بیوی مدی گوری MUDDI GAURI نے سہگمن انجام دیا تھا۔[94] لیکن اس کتبہ میں اس کی پہلی بیوی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سہگمن کی ادائیگی کو انفرادی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اگرچہ ستی محض ایک رضا کارانہ عمل تھا لیکن مملکت وجے نگر میں اس کی عام مقبولیت کی وجہ بتلانا مشکل ہے۔ اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہوئے ہروی (HERVAY) اس خیال کا اظہار کرتا ہے "اپنی عورتوں کے (ممکنہ) ناجائز تعلقات کے انتہائی حسد نے جس کی آگ ہندو شہزادوں کے سینوں میں بھڑکتی رہتی تھی، ان تاناشاہوں کو سماج کی عام بندشوں اور صنف نازک کے محافظ کی حیثیت سے ان کے ناگزیر فرائض سے اس حد تک بے بہرہ کر دیا تھا کہ اپنی بیوہ عورتوں کے ذریعہ نئے تعلقات کے کسی بھی امکان کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے اپنے ظالمانہ اختیارات کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مذہب کے لبادے میں انھوں نے اس رواج کا آغاز کیا کہ شوہروں کے انتقال کے بعد غم و افسوس کے فوری تاثر کی رو میں بیوہ عورتوں کو زندہ جلا دیا جائے۔[95] ستی کے عام رواج کی دوسری وجہ مرنے والے شخص کی عظمت اور تقدس کا اظہار رہا ہوگا۔ ہندو معاشرہ مرد کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ فطری طور پر عورتوں کے لیے جو مرد کے لیے اور مرد کے ذریعہ زندگی گزارتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی موت کے بعد زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا ہے۔ ان کے مطابق "بیوگی ایک ایسا وحشتناک اور پراذیت تجربہ تھا کہ اس سے بہتر ان شعلوں کی نذر ہو جانا تھا جو اس کے شوہر کی لاش کو جلاتے تھے"۔[96]

ستی کی ادائیگی کی یادگاریں قائم کی جاتی تھیں جو ستی کل (SATIKALS) کے نام

Marfat.com

سے معروف ہیں۔ جن پران بیوہ عورتوں کی تصویریں نقش ہیں جو اپنے شوہروں کی موت پر ستی ہو گئی تھیں۔ یہ (تصویریں) عموماً ایک نوکدار کھمبے یا ستون پر تراشی جاتی ہیں جس سے عورت کا داہنا ہاتھ باہر نکلا ہوا ہوتا ہے جو کہنی سے اوپر کی جانب مڑا ہوتا ہے۔ ہاتھ اس طرح اٹھا ہوا ہوتا ہے کہ اس میں انگلیاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں اور عموماً انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان ایک لیمو رکھا ہوا دکھلایا جاتا ہے یہ وہی (تصویر) ہے جس کی طرف پرانے کتبات میں اشارہ کیا گیا ہے جہاں عورتوں کے متعلق . . . یہ بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے "بازو اور ہاتھ حوالے کر دیئے"[97]

ستی کل میں عموماً دو تصویریں ہوتی ہیں۔ نچلی تصویر ایک یا دو بیویوں کے ساتھ شوہر کی ہوتی ہے اور بالائی تصویر میں ایک لنگ یا گھونگا دکھایا جاتا ہے۔ جو علی الترتیب شیو اور وشنو کی علامت ہوتی ہے جس کے بغل میں شوہر اپنی بیوی یا بیویوں کے ہمراہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ تمام کے تمام جنت میں پہونچ گئے ہیں۔ ستی کل میں اٹھے ہوئے ہاتھ کے متعلق رائس کہتا ہے "انسانی ہاتھ کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ اسے کو مدن کائی (MADANA-KAI) کہتے ہیں یعنی مدن یا کوپد (CUPID) پیار یا محبت کا ہاتھ۔"[98]

سہگمن کے مسئلہ کا یہ پہلو کہ آیا یہ ایک اختیاری عمل تھا یا جبری، ہمیں اتنے ہی اہم ایک اور مسئلے کی تحقیق کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی شوہر کی موت پر بیوہ عورت کا اپنے سر کے بالوں کو صاف کرا دینا۔ یہ ایک انوکھی رسم ہے جو ہندو معاشرے میں اور خاص طور پر برہمنوں میں رائج ہو گئی ہے۔ اس رسم کے بارے میں بربوسا نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ واضح ہے کہ جو عورتیں سہگمن انجام نہیں دیتی تھیں انھیں بہت ہی ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے اعزہ ان کے سروں کو مونڈ دیتے تھے اور انھیں خاندان کے لیے ننگ و عار سمجھ کر نکال دیتے تھے۔[99] نکوٹن بھی اس رواج کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے "اگر اتفاقاً کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ عموماً ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مرنے سے انکار کر دیتی ہے، تو لوگ اس کے سر کے بال بالکل کاٹ دیتے ہیں اور وہ اپنی آئندہ زندگی میں ہیرے اور جواہرات کا استعمال ہرگز نہیں کر سکتی ہے۔ اور اس وقت سے اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کو ایک بے دیانت عورت شمار کیا جاتا ہے۔"[100] اس طرح سروں کے بال مونڈ دینا ان عورتوں کے لیے سزا کی حیثیت رکھتا تھا جو ستی کی عام رسم کی خلاف ورزی کرتی تھیں۔[101]

Marfat.com

فصل سوم

عورتیں

کسی مخصوص زمانہ میں عورتوں کی حیثیت کے مطالعہ کے لیے بہتر ہے کہ انھیں دو گروہوں یا دو قسموں میں منقسم کر دیا جائے ان (دو گروہوں) کو ہم عام گھریلو عورتوں اور عوامی عورتوں کا نام دے سکتے ہیں۔ گھریلو عورتیں، جو فطرۃً گھر ہی میں رہنا پسند کرتی تھیں، شاذ و نادر ہی وجے نگر کے سماجی تیوہاروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے گھروں سے باہر نکلتی تھیں، صرف عوامی عورتیں ہی، جو بڑی تعداد میں راجدھانی میں رہتی تھیں، ان میں حصہ لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود عوامی عورتیں دو گروہوں پر مشتمل تھیں۔ ایک وہ جو راجدھانی میں آزادانہ طور پر رہتی تھیں اور سماجی جشنوں میں حصہ لیتی تھیں اور دوسری وہ رقاصائیں تھیں جو مندروں سے منسلک ہوتی تھیں۔ جن کا دربار کے جشنوں یا تیوہاروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ کسی بھی غیر ملکی سیاح نے جو وجے نگر آیا تھا گھریلو عورتوں کے بارے میں کوئی تفصیلی بیان قلم بند نہیں کیا ہے۔ البتہ پائز نے ایک مختصر لیکن درست بیان قلم بند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "یہ لوگ (برہمن) تمام کے تمام شادی شدہ ہیں اور ان کی بیویاں بڑی خوبصورت ہیں، یہ بیویاں بالکل گھر ہی میں رہنا پسند کرتی ہیں اور شاذ و نادر ہی گھروں سے باہر نکلتی ہیں۔ یہ عورتیں ہلکے رنگ کی ہوتی ہیں اور ان برہمنوں کی برادری میں تو ملک کے انتہائی صاف رنگ کے مرد اور عورتیں پائی جاتی تھیں۔ اگرچہ دوسری برادریوں میں بھی بالعموم ہلکے رنگ کے مرد پائے جاتے ہیں تاہم ان کی تعداد کم ہے۔"[102]

ہاں حرم ضرور بہت سے غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا ہے تمام مشرقی بادشاہوں کی طرح وجے نگر کے حکمراں بھی ایک بڑا حرم رکھتے تھے۔ گو حرم بڑا ہوتا تھا لیکن ان میں سے صرف چند ہی عورتوں کو شاہی ملکہ کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ اور اسی بنا پر ان کا درجہ زیادہ بلند ہوتا تھا۔ بادشاہ متعدد بیویاں رکھتے تھے۔[103] لیکن ان میں سے چند ہی خاص بیویاں ہوتی تھیں چنانچہ کرشن دیو رائے کی قانونی طور پر بارہ بیویاں تھیں۔ جن میں سے تین خاص تھیں "ان تینوں بیویوں میں سے ہر ایک کے بیٹے سلطنت کے وارث تھے۔"[104] وینکٹ پتی دوم (VENKATIPATI)

Marfat.com

کی چار بیویاں تھیں[105]۔ بربوسا کہتا ہے کہ بادشاہ کا دل جیتنے کے لیے ان عورتوں میں آپس میں اس قدر حسد اور رقابت ہوتی تھی کہ ان میں سے بعض بعض کو مار ڈالتی تھیں اور بعض خود زہر کھا لیتی تھیں[106]۔ لیکن . . . پائز کہتا ہے کہ بادشاہ کی خاص بیویوں میں سے "ہر ایک کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو دوسری کے حاصل ہوتا تھا تاکہ ان کے درمیان تفرقہ یا ناخوشگواری رونما نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ان میں سے آپس میں بڑی دوستی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے تئیں زندگی گذار رہی تھی[107] . . .

ان میں سے ہر بیوی کے پاس ایک گھر، خادمائیں، گھر کی دیکھ بھال کرنے والی اور محافظ عورتیں اور ضروری نوکرانیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہ تمام کی تمام عورتیں ہوتی تھیں۔ سوائے ان خواجہ سراؤں کے جنھیں ملازمت پر رکھا جاتا تھا۔ ان (شاہی) عورتوں کو دیکھنے کی کسی شخص کو بھی اجازت نہ تھی۔ الّا یہ کہ وہ اعلیٰ حیثیت کا ایک نہایت بوڑھا شخص ہو اور جسے بادشاہ کی جانب سے خصوصی اجازت حاصل ہو۔ بادشاہ کی بیویوں کو عموماً بند ڈولیوں میں لے جایا جاتا تھا تاکہ انھیں کوئی دیکھ نہ سکے اور ان کے صرف خواجہ سرا ان کے بالکل پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس غیر معمولی دولت اور ہیرے اور جواہرات ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس متعدد خادمائیں ہوتی ہیں جو "بے شمار ہیرے اور جواہرات، لعل و یاقوت اور چھوٹے چھوٹے موتیوں سے اتنی آراستہ و پیراستہ ہوتی تھیں، جتنا ممکن ہو سکتا تھا[108]۔ پائز یہ بتاتا ہے کہ بادشاہ اپنی بیویوں کو اپنے پاس بلانے کے لیے کس طرح حکم دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ایک خواجہ سرا کو حکم دیتا تھا کہ وہ جائے اور فلاں مخصوص بیوی کو بلا لائے خواجہ سرا اس کی اطلاع محافظ خواتین کو دیتا تھا اور خود زنان خانے کے باہر انتظار کرتا تھا۔ محافظ خواتین ملکہ کو مطلع کرتیں کہ انھیں بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ اس کے بعد یا تو خود ملکہ بادشاہ کے قصر میں چلی جاتی یا خود بادشاہ اس کے محل میں۔

محل میں ملازم عورتوں کے مکانات، محل کے مضافات ہی میں ہوتے تھے۔ بربوسا کہتا ہے کہ وہ تمام کی تمام محل کے اندر ہی مجتمع رہتی تھیں جہاں وافر مقدار میں ان کی تمام ضروریات اور بہترین رہائش گاہیں موجود ہوتی تھیں[110]۔ پائز بھی بادشاہ کی بیویوں کے مکانات اور ان کی خدمت میں لگی ہوئی عورتوں کا تذکرہ کرتا ہے[111]۔

حرم میں عورتوں کی تعداد کے متعلق ہمارے ماخذوں میں اختلاف ہے لیکن بربوسا

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سی عورتیں ہوتی تھیں۔ نیکولوڈی کونٹی NICOLODEICONTI میں وجے نگر کے بادشاہوں کے متعلق تبلاتے ہوئے لکھتا ہے" وہ اپنے لیے بارہ ہزار بیویاں رکھتا ہے جن میں سے چار ہزار بیویاں جہاں کہیں بھی وہ جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلتی ہیں اور وہ محض باورچی خانے کے کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں بیویاں جو نہایت اچھی طرح مسلح ہوتی ہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر چلتی ہیں باقی ماندہ کو لوگ ڈولیوں میں لے کر چلتے ہیں۔ ان میں سے دو یا تین ہزار کو بیویوں کی حیثیت سے اس شرط پر منتخب کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی موت پر خود کو رضا کارانہ طور پر اس کے ساتھ نذر آتش کر دیں گی جو ان کے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا"[112] عبدالرزاق، دیورائے دوم کے حرم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس میں" تقریباً ۷۰۰ شہزادیاں اور مدخولہ عورتیں" تھیں[113]۔ لیکن پائز لکھتا ہے کہ کرشن رائے کے حرم میں بارہ ہزار عورتیں تھیں[114]۔ اس مخصوص تفصیل کے سلسلہ میں نونیز کا خیال ہے کہ اچیوت کے زمانہ میں ان کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی[115]۔

شاہی حرم کی عورتیں اعلیٰ مرتبے کی ہوتی تھیں۔ ان میں سے بعض سلطنت کے بڑے بڑے امراء کی بیٹیاں ہوتی تھیں۔ جبکہ بعض مدخولہ عورتیں ہوتی تھیں اور بعض خادمہ کے فرائض انجام دیتی تھیں جیسا کہ بربوسا کا بیان ہے، اس مقصد کے لیے پوری مملکت سے نہایت خوبصورت اور صحتمند عورتیں حاصل کی جاتی تھیں تاکہ وہ نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ اس کی خدمت کر سکیں۔ اس مصنف کے مطابق یہ عورتیں ناچ اور گانے کے ذریعہ بادشاہ کو انتہائی محظوظ کرتی تھیں[116]۔ کسی لڑکے کو دس سال کی عمر کو پہونچ جانے کے بعد ان کے ساتھ رہنے کی اجازت نہ تھی۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ جب بھی مملکت کے کسی حصہ میں کوئی خوبصورت لڑکی پائی جاتی تو اس کی ماں اور باپ کی اجازت کے بعد اسے خرید لیا جاتا حرم میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اس کی پرورش کی جاتی اور اس کے بعد کوئی (مرد) اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن اس کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا[117]۔

محل میں عورتیں بہت سی خدمات انجام دیتی تھیں۔ بربوسا کہتا ہے کہ وہ (محل کے) دروازے کے اندر تمام کام کرتی تھیں اور محل کے تمام فرائض انجام دیتی تھیں[118]۔ اس کے خیالات بظاہر ان عورتوں سے صرف چند پر لاگو ہوتے ہیں جو بعض کاموں میں خاص طور پر لگی ہوتی تھیں اس مسئلہ میں نونیز کا بیان بالکل صاف اور واضح ہے جب وہ یہ لکھتا ہے" بادشاہ ان کے

Marfat.com

علاوہ کچھ اور عورتوں کو بھی رکھتا ہے۔ اپنی ذاتی خدمت کے لیے وہ دس باورچی عورتوں کو رکھتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر باورچی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ان موقعوں کے لیے ہوتی ہیں جب وہ شاہی ضیافتیں منعقد کرتا ہے۔ لیکن یہ دس (باورچی عورتیں) بادشاہ کے علاوہ کسی اور کا کھانا نہیں پکاتیں اس کے پاس ایک خواجہ سرا ہے جو باورچی خانہ کی حفاظت پر مامور ہے اور وہ زہر کے خوف سے کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا ہے دستر خوانوں پر کھانا چننے کے فرائض بھی عورتیں اور خواجہ سرا ہی انجام دیتے ہیں[119] یہ عورتیں محل کی بہت سی اندرونی اور بسا اوقات بہت سی بیرونی خدمات پر بھی مامور ہوتی تھیں۔ ان میں سے چند وہ تھیں جو محل کے اندرونی حصہ میں نہ صرف بادشاہ کی بیویوں کو بلکہ خود بادشاہ کو بھی اپنے کاندھوں پر لے جاتی تھیں اس لیے کہ بادشاہ کے مکانات بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ اور ایک مکان اور دوسرے مکان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوا کرتا تھا۔ پرتگالی مصنف کے بیان کے مطابق ان کے علاوہ کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو پہلوانی کرتی تھیں۔ نجومیوں اور رقصہ گوؤں کا تو خیر ذکر ہی کیا کچھ اور عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ان تمام اخراجات کا حساب وکتاب رکھتی تھیں جو محل کے اندر واقع ہوتے کچھ دوسری عورتوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ مملکت میں ہونے والے تمام واقعات کو قلمبند کرتیں اور بیرونی محررین کی تحریروں سے اس کا مقابلہ کرتیں۔ ان سب کے علاوہ محل میں موسیقار عورتیں بھی ہوتی تھیں جو آلات موسیقی بجاتی۔ اور گانا گاتی تھیں[120]۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے پائز لکھتا ہے "کچھ عورتیں تو وہ ہیں جو تلوار اور ڈھال چلاتی ہیں، کچھ پہلوانی کرتی ہیں، کچھ اور بانسریاں اور دیگر باجے بجاتی ہیں اور اسی طرح ان کے یہاں ایسی عورتیں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں۔ کپڑے دھوتی ہیں اور (محل کے) دروازوں کے اندر دوسرے کام انجام دیتی ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح بادشاہ کے محل کے خانہ داری کے کاموں کو سنبھالنے کے لیے عورتیں ہوتی تھیں[121]

نونیز کہتا ہے کہ ریاست میں عورتیں ذمہ دار عہدوں پر فائز تھیں[122]۔ اگر اس کا بیان درست ہے تو حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دیگر غیر ملکی سیاح جو وجے نگر آئے تھے ان عورتوں کے متعلق کچھ نہیں بتلاتے لیکن نونیز کی شہادت کی بنا پر ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ عورتوں کو زنان خانہ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہوگی (اس لیے کہ) یہ بات نہایت مشتبہ ہے کہ عورتوں کو (بھی) حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا۔

بہت سی عورتیں فوج کے ساتھ چلتی تھیں۔ بسا اوقات خود رانیاں بھی فوج کے ساتھ

میدان جنگ میں جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ جب کرشن دیو رائے نے 1515ء میں کوند ویدو کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اس کی دو رانیاں چنادیوی اماّ اور تیرومل دیوی اماّ اس کے ساتھ تھیں۔ وہ امریشور کے مندر میں بھی انھیں ساتھ لایا تھا[122]۔ یہ بات پہلے ہی ذکر کی جا چکی ہے کہ بربوسا کا بیان ہے کہ جنگوں کے موقعہ پر بادشاہ تمام لوگوں کو اپنی بیویوں، بچوں اور گھریلو ساز وسامان کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیتا تھا۔ اس لیے کہ، جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "جب بیویوں بچوں اور گھریلو ساز و سامان کی ذمہ داریاں ان پر عاید رہیں گی تو وہ بہتر طور پر لڑیں گے"[124] ان کے علاوہ اور عورتیں بھی ہوتی ہونگی اس لیے کہ جو فوج رائچور گئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ کی فوج کے ساتھ بیس ہزار عورتیں گئی تھیں[125]۔

دربار میں جشنوں کے انعقاد کے موقعہ پر ان عورتوں کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر مہانومی منائے جانے کے موقعہ پر یہ ایک اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ عوامی عورتیں اور بیادر (BAYADERS) (مندر اور محل کی رقاصائیں) نو دنوں کے اس جشن میں ہر صبح مندر اور بتوں کے سامنے دیر تک ناچتی تھیں۔ اسی جشن کے ایک دوسرے موقعہ پر پچیس یا تیس دربان عورتیں اپنے ہاتھوں میں چھڑی اور اپنے کندھوں پر کوڑے لیے ہوئے بہت سے خواجہ سراؤں اور عورتوں کے ہمراہ جو ڈھول، بگل، بانسریاں، وائلن اور بہت سے دوسرے باجے بجاتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں۔ نیز قیمتی لباسوں میں ملبوس دربان عورتوں کے ہمراہ اس مقام پر آتی تھیں جہاں جشن منعقد کیا جاتا تھا۔ اور تین بار وہ ریاست کے ان گھوڑوں کا طواف کرتی تھیں جو جشنوں میں استعمال کیئے جاتے تھے۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کو میدان سے ہٹائے جانے کے بعد بادشاہ کی خوبصورت ترین بیویوں میں سے چھتیس بیویاں سونے جواہرات اور چھوٹی بڑی موتیوں سے آراستہ و پیراستہ وہاں آئی تھیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سونے کا ایک ظرف ہوتا تھا جس میں تیل کا ایک چراغ جلتا رہتا تھا۔ ان خواتین کے ہمراہ بادشاہ کی تمام خادمائیں اور دوسری بیویاں اپنے ہاتھوں میں سونے کی مٹھوں والی چھڑیاں اور جلتی ہوئی مشعلیں لیے ہوئے آتی تھیں۔ وہ خوبصورت اور نوعمر ہوتی تھیں۔ ان کی عمریں سولہ سے بیس سال کے درمیان ہوتی تھی اور وہ ملکہ کی قابل عزت خادمائیں ہوتی تھیں[126]۔

ان (عورتوں) کے علاوہ دارالسلطنت میں بہت سی اور عوامی عورتیں بھی تھیں عبدالرزاق

Marfat.com

ان دل لوٹنے والیوں کے حسن، ان کے ناز و ادا اور نظر بازیوں سے "بہت متاثر تھا۔ ان میں سے ہر ایک موتیوں، قیمتی پتھروں اور گراں بہا پوشاکوں سے آراستہ رہتی تھی اور ہر ایک کے پاس ایک یا دو کنیزیں ہوتی تھیں جو ان کی خدمت میں حاضر رہتیں اور دلوگوں کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی تھیں۔ دارالسلطنت کے متعدد قلعوں میں اس طرح کے بہت سے قحبہ خانے تھے۔[127]

بیشتر عوامی عورتیں غیر معمولی مال و دولت رکھتی تھیں۔ بربوسا ایک مخصوص عورت کی دولت کا تخمینہ کرتے ہوئے لکھتا ہے" ان میں سے بعض . . . اتنی دولت مند ہیں کہ کچھ دنوں پہلے ان میں سے ایک نے جس کے انتقال کے وقت کوئی لڑکا یا لڑکی نہ تھی، بادشاہ کو اپنی تمام جائداد کا وارث بنایا۔ چنانچہ جب بادشاہ نے اس کی چھوڑی ہوئی جائداد کو اکٹھا کرنے کے لیے (اپنا آدمی) بھیجا تو اس کو معلوم ہوا جو ترکہ اس نے چھوڑا ہے وہ ستر ہزار پرداؤ تھا نیز بارہ ہزار کی مالیت اور تھی جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں الگ کر دیا تھا اور اسے اپنی ایک ملازمہ کے سپرد کر دیا تھا جس کی اس نے بچپن سے پرورش کی تھی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ دنیا میں پائی جانے والی تجارتی اشیاء میں یہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ قیمتی شے ہے[128]۔ پائز کو بھی اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ ان عوامی عورتوں کے پاس اتنی زیادہ دولت تھی اس لیے کہ اس کے بیان کے مطابق ان میں ایسی عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ایسی زمینوں کی مالک ہوتی تھیں جو انھیں ڈولیوں اور خادماؤں کے ساتھ دی جاتی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ دارالسلطنت میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک لاکھ پرڈو کی مالک تھی۔[129]

عبدالرزاق اور پائز کے بیانات کے مطابق یہ عورتیں شہر کی بہترین سڑکوں پر رہتی تھیں اور نہایت بدکردار تھیں۔ ان کے محلوں میں بہترین مکانات کی قطاریں تھیں۔ ان کے متعلق ایرانی سفیر کہتا ہے کہ "بعد ظہر وہ گھروں کے دروازوں پر، جو نہایت خوبصورتی سے آراستہ ہوتے ہیں، کرسیاں اور صوفے لگا دیتی ہیں جن پر یہ عورتیں بیٹھ جاتی ہیں۔ جو شخص بھی وہاں جاتا ہے وہ اپنی پسند سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے[130]۔" پائز بھی کہتا ہے" ان کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے اور انھیں ان معزز عورتوں میں شمار کیا جاتا ہے جو سرداروں کی داشتائیں ہوتی ہیں۔ کوئی بھی باعزت شخص بلا کسی احساس جرم کے وہاں آجا سکتا ہے[131]۔"

ان عورتوں کو بعض مخصوص مراعات حاصل تھیں۔ انھیں بادشاہ کی بیویوں کے روبرو

Marfat.com

جانے اوران کے ساتھ وقت گذارنے ،نیز ان کے ساتھ پان کھانے کی اجازت بھی حاصل تھی۔" یہ وہ بات تھی جو کسی دوسرے شخص کے لیے ممکن نہ بھی خواہ اس کا مرتبہ کچھ ہو۔" ان عورتوں کو بادشاہ کی موجودگی میں بھی پان کھانے کی اجازت حاصل تھی۔[132]

بربوسا یہ بیان کرتا ہے کہ وہ کس طرح بادشاہ کو خوش کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ یہ (عورتیں) گاتی ہیں اور اٹھکھیلیاں کرتی ہیں اور بادشاہ کے سامنے ہزاروں قسم کے دیگر خوش کن مظاہرے پیش کرتی ہیں۔ وہ روزانہ متعدد تالابوں میں غسل کرتی ہیں جو اسی مقصد کے لیے ھیں۔ بادشاہ انھیں غسل کے دوران دیکھنے جاتا ہے اوران میں سے جو اسے سب سے زیادہ محظوظ کرتی ہے وہ اسے اپنے محل میں بلا بھیجتا ہے۔[133] عورتوں کے نہاتے وقت تالابوں پر بادشاہ کی یہ آمد ڈارٹے بربوسا کے دماغ کی ایک اپچ نہیں معلوم ہوتا اس وقت جب ہم اس کے بیان کا تقابل اس بیان سے کرتے ہیں جو مدھوراوجیم میں درج جس میں گنگا دیوی بیان کرتی ہے کہ کس طرح اس کا شوہر کمپن داشتاؤں اور دوسری عورتوں سے، جن میں سے ایک یہ گنگا دیوی خود بھی تھی، ان کے غسل کے دوران ان سے دل لگی کرتا تھا۔[134]

طوائفوں پر ایک ٹیکس عاید کیا جاتا تھا اور اُس رقم سے جو بارہ ہزار فنم (FANAM) تک پہونچ گئی تھی پولیس کے سپاہیوں کی اجرتیں ادا کی جاتی تھیں طوائفوں پر اس ٹیکس کا عاید کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وجے نگر میں قحبہ گری کو قانونی حثیت حاصل تھی۔[135]

ان داشتاؤں کے علاوہ ،جو محل سے منسلک تھیں اور دارالسلطنت میں رہتی تھیں دوسری عوامی عورتیں بھی تھیں ،جن کا ذکر پہلے ہی کیا جاچکا ہے ،یہ مندروں سے وابستہ تھیں جہاں یہ اہم خدمات انجام دیتی تھیں .شاید اس بنا پر کہ ان عورتوں کا دربار کے جشنوں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا ،غیر ملکی سیاحوں نے ،جو داشتاؤں کا تذکرہ نہایت خوش کن و دل کش انداز میں کرتے ہیں رقاصاؤں کے اس طبقہ کے بارے میں کوئی خاص تفصیل نہیں دی ہے۔ ہاں کہیں کہیں ان کا کچھ ذکر ملتا ہے۔ پائز مندروں کے بعض تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کسی مندر میں کسی تہوار کا موقعہ آتا تو لوگ فتح کی کچھ گاڑیاں ساتھ ساتھ لے کر چلتے تھے اور رقاصائیں اور دوسری عورتیں موسیقی بجاتی ہوئی ان کے ساتھ چلتی تھیں۔[137] ایک یسوعی، امینوئل ڈی ویگا (EMANUEL DEVELIGA) ، جس نے تیروو الور میں جشن کا ایک جلوس دیکھا تھا، لکھتا ہے کہ اس (جلوس) کے آگے آگے بیس ناچنے والی عورتیں چل رہی تھیں۔ اس کے

Marfat.com

بیان کے مطابق ان عورتوں نے خود کو ہمیشہ کے لیے بتوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا وہ لکھتا ہے" وہ شادی نہیں کر سکتیں لیکن زیادہ تر عصمت فروشی کرتی ہیں۔ تمام کی تمام بہترین اور قیمتی لباس زیب تن کیے ہیں اور روشن قندیلیں لیے ہوئے ہیں۔"[138] پیٹرو ڈیلا ویلے (PIETRODELLAVALLE) ان رقاصاؤں کے ناچتے اور گاتے ہوئے جلوسوں کے ساتھ چلنے کے رواج کا ذکر کرتا ہے۔[139]

یہ عورتیں روزانہ مخصوص اوقات میں دیوتاؤں کے سامنے ناچا اور گایا کرتی تھیں۔ ان کی اس خدمت کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کو خوش کرتی ہے۔ اسی بنا پر یہ عورتیں دیوردیال (DEVARADI YAL) کے نام سے معروف ہیں۔ یہ حقوق موروثی ہوا کرتے تھے۔

ان عورتوں کو عموماً مندر کے فنڈ سے معاوضہ ملتا تھا۔ مثال کے طور پر تیکل (TEKAL) کی ایک دستاویز کے مطابق تیروپّلاندو (TIRUPPALLANDU) پڑھنے کے معاوضہ میں تیکل کے مندر کے حکام اور شو کا پیرومال۔ داسر (SOKKA PERUMADASAR) نامی ایک شخص نے ناچنے گانے والی دو لڑکیوں کو چند زمینیں عطیہ میں دی تھیں۔ مندر کے حکام اور داسر نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ رقص و موسیقی میں ان کی مہارت کے وجہ سے اگر کسی شخص نے ان عورتوں کو پکڑا اور لے جانا چاہا تو وہ انھیں چھڑائیں گے۔[140]

کبھی کبھی یہ دیوداسیاں ان مندروں کی جانب سے جن کی وہ خدمت انجام دیا کرتی تھیں بادشاہ کے پاس جانے والے وفود کی قیادت بھی کرتی تھیں۔ 1433-34ء کے ایک کتبے کے مطابق ایک کیکولا کی بڑی بہن ارم ولتا ناچھیار (AREMVALATTA NACCIYAR) نامی ایک عورت نے جو مادم (MADAM) میں واقع اگنیشور کے مندر سے منسلک تھی، ایک مندر کی جانب سے بادشاہ دیورائے دوم سے ملاقات کی اور اس سے تانبے کی ایک تختی کا عطیہ حاصل کیا جو ایک گاؤں کے سرمایہ عطیہ پر مشتمل تھا اس عورت کی ان خدمات کے عوض مندر کے رودرمہیشوروں (RUDRAMAHESVERAS) نے اسے روزانہ ایک پدکو (PADAKKU) غلہ اور فی ماہ دو نیم روپیہ عطا کرنا منظور کیا تھا۔[141]

مملکت وجے نگر کی عورتوں کا ذکر ان کے علمی و فنی کارناموں کے تذکرہ کے بغیر نامکمل رہ جائے گا۔ بربوسا کہتا ہے کہ انھیں بچپن ہی سے گانے بجانے، ناچنے گردش کرنے اور رہلکے

Marfat.com

قدموں سے چلنے کی تعلیم دی جاتی تھی[142]۔ ان فنون کا علم رکھنے کے علاوہ ان میں بہت سی کافی تعلیم یافتہ ہوتی تھیں۔ کمپن کی بیوی اور ویرکم پراسے چریتم (VIRAKAM PARAYACARITAM) کی مصنفہ ان علمی شہرت رکھنے والی عورتوں میں ایک معزز مقام کی مستحق ہے جب اچیوت رائے نے سوورن میرو (SUVARNAMERU) کا ایک عطیہ دیا تھا تو ووورو تیرو ملما (VODURU TIRUMALAMMA) نامی ایک شخص نے جس کی شناخت ورادامبی کا پرنیم (VARADAMBI KAPARINAYAM) کی مصنفہ تیرو ملامبا (TIRUMALAMBA .) سے کی گئی ہے۔ سنسکرت میں ایک شعر لکھا جس میں ورداما کے ساتھ اچیوت کی شادی کا تذکرہ ہے[143] . . . یہ فہرست نامکمل رہ جائے گی اگر ہم یہاں رگھوناتھ آبھی یودیم (RAGHUNATHABHYUDAYAM) کی مصنفہ راما بھدرامبا (RAMABHADRAMBA) کا خصوصی تذکرہ نہ کریں . . . وہ کہتی ہے کہ رگھوناتھ کے دربار میں بہت سی باکمال عورتیں تھیں جو چاروں قسموں کی نظمیں (چترا CITRA)، بندھا (BANDHA)، گربھا (GARBHA)، اور اسو (ASU) لکھنے میں ماہر تھیں اور مختلف زبانوں کی تصنیفات کے بیان کی اہلیت رکھتی تھیں۔ وہ ست لیکھینی (SATALEKHINI) کے فن اور شعری معمول (پدیاپورنم (PADYAPURANAM) کی خانہ پری میں ماہر ہوتی تھیں وہ ایک گھنٹہ میں سو اشعار کہنے (گھٹی کاشٹ (GHATIKASATA.) اور آٹھ بھاشاؤں (سنسکرت، تیلگو اور چھ پراکرت) لکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ مشہور شعراء کی نظموں اور ڈراموں (کاویوں اور ناٹکوں) کا بیان اور تشریح، دونوں قسموں کی موسیقی (کرناٹا اور دیسی) کی وضاحت کس طرح کی جائے۔ وہ انتہائی خوش گلوئی کے ساتھ اور روینا (VINA) اور اسی طرح کے دوسرے آلات موسیقی مثلاً راون ہشت (RAVANAHASTA) کو بجانا بھی جانتی تھیں[144]۔

فصل چہارم

درباری زندگی

کسی بھی مشرقی دربار کی زندگی کا مطالعہ عموماً دلچسپ ہوتا ہے دربار کی شان و شوکت

Marfat.com

بادشاہ کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا طریقہ، بادشاہ کے تفریحی مشاغل، اس کے ریاستی امور کے انجام دہی کے طریقہ کار اور مروجہ اعزازات جو بعض افسروں اور ملازمین کو عطا کیے جاتے ہیں۔ ان سب کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔

وجے نگر کا بادشاہ بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ وہ جب اپنا دربار منعقد کرتا تو وہ سلطنت کی انتہائی پر عظمت نشانیوں سے گھرا ہوتا تھا اور اس کے دائیں اور بائیں ایک دائرے کی شکل میں بے شمار لوگ کھڑے رہتے تھے[145]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر میں بادشاہ دربار کے انعقاد کے دوران اپنی نشست کے لیے صرف گدوں کا استعمال کرتے تھے مثال کے طور پر وینکٹ دوم "محل کے بیرونی ہال میں بیٹھتا تھا . . . وہ چٹائی پر ایک تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھتا تھا . . . بادشاہ کے پہلو میں . . . اس کا ولی عہد بھی بیٹھتا تھا . . . بادشاہ کے دوسری جانب، ولی عہد کے بالمقابل، اوبو (OBO) (اوبارائے (OBERAYA) اور اس کا بھائی بھی بیٹھتا تھا[146]۔" مہانومی کے جشن کے موقع پر بادشاہ ایک تخت شاہی پر بیٹھتا تھا جس کی وضاحت عبدالرزاق نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "یہ سونے کا بنا ہوا ایک نہایت وسیع تخت تھا جس میں خوبصورت ہیرے جڑے ہوتے تھے اور اسے انتہائی نزاکت اور عمدگی سے مزین و آراستہ کیا گیا تھا تاکہ دنیا کی کسی مملکت میں اس سے بہتر (تخت) تخلیق نہ کیا جا سکے۔ تخت شاہی کے سامنے زیتونی (ZAITUNI) ساٹن کا ایک گدا تھا جس کے گرد تین قطاروں میں نہایت خوبصورت اور عمدہ ہیرے جڑے ہوتے تھے[146]۔" (الف) نیکولس پمینٹا (NICHOLASPIMENTA) تو 1599ء میں جنجی آیا تھا۔ وہ وہاں کے نایک کے دربار کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: "ہم نے اسے ایک لمبی ریشمی پوشاک میں ایک ریشمی قالین پر" دو گدوں پر ٹیک لگائے "لیٹا ہوا پایا۔ اس کی گردن سے ایک بڑی زنجیر اس کے سینہ پر لٹک رہی تھی جو ہیرے اور جواہرات سے پر تھی اس کے لمبے لمبے بال تاج پر ایک جوڑے کی شکل میں بندھے ہوتے ہیں جو ہیرے اور جواہرات سے مرصع تھا اور چند شہزادے اور برہمن اس کی خدمت میں حاضر تھے[147]۔"

جن اہم ترین تہواروں میں بادشاہ کی موجودگی ضروری ہوتی تھی ان میں سے ایک مہانومی تھا۔ اس تہوار نے جو اصلاً مذہبی نوعیت کا تھا، رفتہ رفتہ سیاسی و سماجی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اس تہوار کی صدارت، جو نو دنوں تک جاری رہتا تھا، بادشاہ کرتا تھا۔ ان نو دنوں میں رقص، کشتیاں اور تفریح کے دوسرے اسباب فراہم ہوتے تھے۔ جیسا کہ

Marfat.com

عبدالرزاق لکھتا ہے" یہ شاہی میلا نہایت رنگ برنگی نمائشوں کے ساتھ جاری رہتا۔ کوئی شخص بغیر تفصیل میں گئے ان مختلف قسم کے پٹاخوں، آتشبازیوں اور دوسری تفریحات کو بیان نہیں کرسکتا جن کا انتظام وہاں کیا جاتا تھا[۵۹]۔ پائز بھی مہانومی کی تقریبات کا ایک دلچسپ بیان پیش کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ کس طرح ان تقریبات میں بادشاہ کی موجودگی ضروری ہوتی تھی[۶۰]۔

وجے نگر کے بادشاہ اپنی فوج کا سالانہ معاینہ کرتے تھے۔ سپاہیوں، ہاتھیوں گھوڑوں اور سرداروں کے میدان میں اکٹھا ہوجانے کے بعد مجمع میں انتہائی خوشی اور مسرت کے نظاروں کے درمیان بادشاہ اپنی فوج کا معائنہ کرتا تھا[۶۱]۔

مشرقی درباروں کی زندگی کی ایک اہم خصوصیت جاگیرداروں اور سرداروں کے ذریعہ بادشاہ وقت کو سلامی (SALAM) دینے کی رسم ہے۔ ہر غیر ملکی سیاہ، جو وجے نگر کے دربار میں آیا، وہ اس رسم سے متاثر ہوا اور اپنے بیانات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پائز لکھتا ہے کہ سردار دروازے پر منتظر رہتے اور روزانہ بادشاہ کو سلامی دیتے تھے جس میں وہ اپنے سروں کو جھکاتے اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنے سروں پر لالیتے تھے۔ وہ لکھتا ہے" جیسے ہی وہ سامنے آتے ہیں وہ اسے سلامی دیتے ہیں اور اس سے دور دیواروں سے لگ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ آپس میں گفتگو نہیں کرتے اور نہ وہ اس کے سامنے پان کھاتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنی قمیصوں (کبیا COBAYAS) کی آستینوں میں ڈال لیتے ہیں اور آنکھیں نیچی کرلیتے ہیں۔ جب بادشاہ ان میں سے کسی سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تو ایک دوسرے شخص کی وساطت سے کرتا ہے۔ تب وہ شخص جس سے بادشاہ گفتگو کرنا چاہتا ہے اپنی نگاہیں اوپر اٹھاتا ہے اور بادشاہ اس سے جو سوال کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتا ہے یہ (سردار) اسی انداز سے کھڑے رہتے یہاں تک کہ بادشاہ انھیں جانے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ اس کے بعد وہ سب کے سب اسے سلامی دینے کو مڑتے ہیں اور باہر چلے جاتے ہیں[۶۲]۔" نونیز نے بھی اس رسم کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ہر شخص خود آتا تھا اور بعض افسران جن کی تعداد دس یا بارہ ہوتی تھی بادشاہ سے اس کا تعارف کراتے تھے ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ جب یہ سردار آجائیں تو وہ کہیں" اعلیٰ حضرت اپنے فلاں سردار کو ملاحظہ کیجئے جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے[۶۳]۔" ایک دوسری اتنی ہی اہم رسم بادشاہ کی قدمبوسی تھی جس کے بارے

Marfat.com

میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ خصوصی شرف محض چند ہی اشخاص کو حاصل ہوتا تھا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ دنائیک (DANAIK) کو اس کی سیلون سے واپسی کے بعد "بادشاہ کی قدمبوسی کا اعزاز بخشا گیا تھا۔"[153] نونیز اس رسم کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے "بادشاہ کی طرف سے یہ بہت بڑی عزت افزائی ہے اگر وہ کسی شخص کو اپنی قدمبوسی کی اجازت دے دے اس لیے کہ وہ اپنے ہاتھ کبھی نہیں بڑھاتا کہ کوئی اسے بوسہ دے۔"[154]

ایک اور رسم جو محسوس ہوتا ہے کہ رائج تھی لیکن جس کو غیر ملکی سیاح محسوس نہ کر سکے وہ اسے تحائف پیش کرنے کی رسم تھی جب کوئی شخص بادشاہ سے ملاقات کے لیے جاتا چنانچہ مثال کے طور پر پلوتاندی کپاچاری امبلکارن (PALUTTANDI KUPPACARI – AMBALAKKARAN) نامی ایک شخص نے جب تیرو ملائی نایک اور کیلون سیتوپدی مدو رام لنگا پانڈا دیان (KILAVAN SETUPADI MUDDU RAMA LINGA – PANDUDAIYAN) کی خدمت میں تانبے کی تختی پر ایک عطیہ کے لیے درخواست دی تو کہا جاتا ہے کہ اس نے سینی شکرائی (SERI SAKKARAI) (یعنی دانے دار شکر) نذریں پیش کر کے ان لوگوں تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس ضمن میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اعلیٰ عہدیداروں سے ملاقات کے لیے یہ قدیم دستور آج بھی ہے۔[155]

سفر ہو یا حضر بادشاہ کے جلو میں افسروں اور ملازمین کی ایک چھوٹی سی جماعت موجود رہتی تھی جو اس کے ذاتی عملہ کی حیثیت رکھتے تھے اور جن سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہیں گے۔ ان میں سے اہم ترین وہ شخص تھا جسے نونیز سکریٹری کے نام سے پکارتا ہے یہ شخص جو کچھ بادشاہ کہتا، جو عطیات وہ دیتا جن لوگوں سے وہ گفتگو کرتا اور جن موضوعات پر گفتگو کرتا اور اسی طرح کی دوسری تفصیلات کو قلمبند کر لیتا تھا۔ نونیز کہتا ہے کہ ان لوگوں کو ایونجلوں (EVANGELISTS) کی حیثیت دی جاتی تھی اس لیے کہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کبھی بادشاہ کچھ کہتا تھا تو اس میں یقیناً کوئی نہ کوئی (اہم) بات ضرور ہو گی جس کو قلمبند کر لینا چاہیے۔[156] ایک پان بردار ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا جس کو کتبات میں ادپم (ADAPPAM) کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بادشاہ کا "محض ایک معمولی پان کا ملازم" تھا مگر ریاست میں اس کی حیثیت، وقار اور اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ نونیز ہمیں بتاتا ہے کہ جو ملازم کرشن دیو رائے کو پان پیش کرتا تھا اس کے پاس پندرہ ہزار پیادے اور

Marfat.com

دو سو گھوڑے تھے[157]۔ بربوسا ہمیں بتاتا ہے کہ مدورا کا عظیم نایک (NAIGUE) بسنگا (BISNAGA) کے بادشاہ کا پانوں کا ملازم تھا اور بادشاہ کو چھ لاکھ پگوڈا ٹیکس کے طور پر ادا کرتا تھا اور بہت سے بادشاہ اور امرا اس کے باجگذار تھے[158]۔

چند دوسرے ملازمین بادشاہ کے پوشاک خانہ کے نگراں تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ بادشاہ کسی لباس کو ایک بار سے زیادہ نہیں پہنتا تھا اور جیسے ہی وہ اس لباس کو اتارتا، اسے ان مخصوص افسروں کے حوالے کر دیتا جو اس ڈیوٹی پر متعین تھے یہ افسر جن کپڑوں کے نگراں ہوتے انھیں اس کا باقاعدہ حساب پیش کرنا ہوتا تھا۔ ان مخصوص افسروں کی ضرورت اس بنا پر تھی کہ بادشاہ کپڑے گوناگوں قسم کے اور نہایت قیمتی ہوتے تھے[159]۔ ربادشاہ کے ہاں) چوری (CAURI) اور چامر (CAMARA) بردار بھی ہوتے تھے جو انھیں بادشاہ کے دربار عام میں جلوہ افروز ہونے کے وقت اس کے سر پر جھلتے تھے۔ پائز کہتا ہے کہ یہ پر (PLUMIS) عظمت و وقار کی علامت ہوتے تھے[160]۔

وجے نگر کے دربار کی شان و شوکت کا انحصار دوسرے تمام مشرقی درباروں کی طرح بڑی حد تک گھوڑوں اور سرداروں کی اس تعداد پر تھا جو دربار کی شان و عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے۔ درحقیقت وجے نگر کے دربار میں سرداروں کی اعلیٰ سماجی حثیت ان کے فرائض کی نوعیت سے متعین ہوتی تھی جو وہ دربار میں انجام دیتے تھے۔ محل کے محافظ دستوں اور محل کی پیادہ فوج کے سرداروں کو مستقبل کے مغل دربار کی طرح ایک امتیازی حثیت حاصل تھی۔ یہ سردار جہاں کہیں بھی بادشاہ جاتا اس کے ہمراہ رہتے اور دوران سفر خیموں میں بھی دربار کی شان برقرار رکھتے تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ جب بادشاہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو عموماً دو سو سوار اس کے محافظ دستہ کے جنھیں وہ تنخواہ دیتا تھا، اور ان سرداروں کے علاوہ، جن کی تعداد چالیس یا پچاس ہوتی تھی اور جو ہمیشہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتے، سو ہاتھی بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اچھی حثیت کے دو ہزار آدمی بھی ڈھالیں لٹکائے اور داہنے اور بائیں قطار میں بادشاہ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ القائد (ALCAID) کا سربراہ بھی تقریباً تیس سواروں کے ہمراہ دربانوں کی طرح اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے لیے آگے آگے چلتا تھا لیکن القائد کے سربراہ کے ہاتھوں میں ایک دوسرے قسم کا ڈنڈا ہوتا تھا۔ میر آخور دو سو سواروں کے ساتھ عقب کے دستہ کے ساتھ چلتا تھا سوار دستہ

Marfat.com

کے پیچھے سو ہاتھی ہوتے تھے جن پر نہایت اعلیٰ مرتبے کے لوگ سوار ہوتے تھے۔ میر آخور کے آگے بارہ گھوڑے ہوتے تھے جن پر زین کسے ہوتے تھے اور ان کے آگے پانچ ہاتھی چلتے تھے یہ سب کے سب خاص طور پر بادشاہ کے لیے رہتے تھے۔ ان ہاتھیوں کے آگے پچیس سوار اپنے ہاتھوں میں جھنڈے لیے اور نقارے باجے اور موسیقی کے دوسرے آلات کو زور زور سے بجاتے ہوئے چلتے تھے ان لوگوں کے بھی آگے ایک بڑا ڈھول (پیچا PICHA) ہوتا تھا جس کو لوگ دونوں طرف سے اٹھائے ہوئے اور بجاتے ہوئے چلتے تھے۔ بادشاہ خود گھوڑے پر سوار ہو جانے کے بعد دو سو سواروں، سو ہاتھیوں اور محافظ دستہ کے ڈھال برداروں کو شمار کرتا تھا اور جو وہاں نہیں ہوتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی اور اس کی جائداد ضبط کر لی جاتی تھی۔[۱]

جب وینکٹ نے اپنی بیویوں کو باغ میں ایک ضیافت دی تو وہ شہر سے باہر باغ کی جانب اپنے خدم وحشم کے ساتھ اس طرح روانہ ہوا تھا "مقدمۃ الجیش سواروں کے ایک بہترین دستہ پر مشتمل تھا جس کی قیادت ایک مسلمان سردار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ چار پانچ سردار تھے اس دستہ میں بہت سے ریشمی جھنڈے تھے جن کے بعد بگل اور وینا بجانے والوں کی جماعت تھی۔ یہ جماعت متعدد اونٹوں پر سوار تھی۔ بہت سے پیادہ سپاہی بھی موجود تھے۔ ان کے بعد ڈیلی وائے (دلوائے DELEVAIS (DALAVAYS)) یا بڑے۔ بڑے سردار تھے یہ سب پیدل چل رہے تھے اور پورے طور پر مسلح تھے۔ ان کے پیچھے ایک شاہی ہاتھی تھا جس پر شاہی جھنڈا تھا۔ اس کے گرد پیش دربار کے بہت سے امرا تھے۔ ان کے پیچھے لوہے کا ایک بہت بڑا گھنٹہ جس کو چار مزدور لے کر چل رہے تھے اور چار سپاہی اسے مستقل بجا رہے تھے۔ ان کے بعد خود بادشاہ ایک طلائی پالکی پر آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے گرد متعدد درباری اور ملازمین تھے جو اپنے ساتھ چار نہایت خوبصورت چھتریاں لیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہی شاہی نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ ایک سفید جنگلی گائے کی بال دار دم، جسے مشرق میں بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے ایک مچھلی اور ایک شیر کی بڑی شبیہیں اور اس کے بعد ایک اور جھنڈا۔ ان کے پیچھے مملکت کا بڑا ڈیلی وائے چل رہا تھا اور سب سے آخر میں بادشاہ کی بیویوں کی معیت میں جن کے ساتھ طلائی اور نقرئی ڈولیوں پر سوار بہت سی عورتیں، نہایت شان و شوکت سے شہزادہ (رنگا) چل رہا تھا۔ رانیاں سونے کی چمکتی ہوئی ڈولیوں پر سوار تھیں

Marfat.com

جو قیمتی پتھروں سے آراستہ سونے کے غلافوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہر ڈولی کے ساتھ دو چھتریاں لگی تھیں تاکہ انھیں دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھا جا سکے۔ ان کے علاوہ بہت سی خادمائیں بھی تھیں جو اپنی مالکاؤں کے اردگرد پنکھے جھل رہی تھیں یہ تھی اس کے شاہی جلوس کی ترتیب جب وہ شہر کے مضافات میں ایک باغ میں چھٹی گذارنے کے لیے گیا تھا۔ وہ غروب آفتاب کے بعد اسی دن لوٹ آیا چنانچہ راستے میں اتنی قندیلیں روشن کی جاتی تھیں کہ رات میں دن کا سماں بن جاتا تھا۔[163]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے سلاطین اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے ایک باضابطہ نظام الاوقات پر عمل کرتے تھے۔ کرشن دیورائے اپنی آمکتا مالیادا میں لکھتا ہے "ایک بادشاہ کو صبح کے وقت عالموں، نجومیوں اور ان افسران کی صحبت میں گزارنا چاہیے جو اس کی فلاح و بہبود کی تحقیق و تفتیش میں کوشاں رہتے ہیں اور اس کے بعد اسے یاما (YAMA) ٹیکس وصول کرنے والے (کالیستھا KAYASTHA) اور روزراء اور ان کے ماتحتوں کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ دوپہر قاصدوں، کشتی لڑنے والوں، بہترین باورچیوں اور شکاریوں کی صحبت میں گزارنی چاہیے۔ سہ پہر کو اور دیوتا کی پوجا کے اوقات میں اسے عظیم لوگوں (آریا ARYA) کے مذاہب (DHORMIS) سے اچھی واقفیت رکھنے والے زاہدوں کی صحبت میں رہنا چاہیے اور راتیں اپنی محبوباؤں (حرم) کی صحبت میں گزارنی چاہیے۔"[164]

لیکن پائز جس کو بادشاہ سے ذاتی تعارف حاصل تھا وہ کرشن دیورائے کے مستقل نظام الاوقات کے بارے میں ایک مختلف بیان دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ ہر روز طلوع آفتاب سے قبل ایک کوارٹلہو (QUARTILHO) (تین چوتھائی پائنٹ) جنجلی کا تیل پینے کا عادی تھا۔ اور اس تیل کی اپنے پورے جسم پر مالش کرتا تھا۔ وہ اپنی کمر میں ایک چھوٹا سا کپڑا باندھ لیتا اور اپنے ہاتھوں پر مٹی کے بنے بھاری بوجھ اٹھاتا تھا اور اس کے بعد تلوار لے کر اس وقت تک مشق کرتا رہتا جب تک وہ تیل کو پسینے کے ساتھ بہا نہ دیتا تھا پھر اپنے پہلوانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ کشتی لڑتا۔ اس کے بعد وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو جاتا اور پو پھوٹنے تک اسے میدان میں ایک جانب سے دوسری جانب دوڑاتا اس کے بعد ایک برہمن کی مدد سے جو اس کا بڑا مقرب تھا غسل کرتا اور پھر محل کے اندر اپنے عبادت خانے

Marfat.com

میں چلا جاتا اور رواج کے مطابق عبادتیں اور رسمیں بجا لاتا۔ ان تمام چیزوں سے فراغت کے بعد وہ دربار عام میں جاتا اور اپنی سلطنت کے عہدیداروں اور اپنے شہروں پر حکومت کرنے والے افراد کے ساتھ اپنے امور انجام دیتا۔ اور اس کے محبوب و پسندیدہ لوگ اس سے گفتگو کرتے ان اشخاص کے ساتھ دلچسپ موضوعات پر گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جو امراء اور سردار دروازے پر اس کے منتظر رہتے تھے، وہ آتے اور اسے سلامی دیتے۔[165]

نونیز یہ تمام تفصیلات نہیں بتاتا بلکہ صرف اتنا کہتا ہے کہ صبح دس یا گیارہ بجے جب بادشاہ اپنی بیویوں کے پاس آتا تھا تو امراء اسے سلامی دینے جاتے تھے۔[166] چنانچہ اس کے بیان کے مطابق بادشاہ دربار عام میں دس بجے کے قبل نہیں آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بیان دوسرے یاما سے متعلق ہے جسے بادشاہ کو "آکتا مالیاد" کے مطابق کایستھوں کے ساتھ گذارنا چاہیے تھا۔ بہرحال کرشن دیورائے کی تصنیف میں ورزش اور محل کے اندر عبادت خانے میں عبادت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس کا تذکرہ پائز نے خاص طور سے کیا ہے۔ چند امور کو اپنے "مقربین" کے ساتھ انجام دینے سے متعلق پائز کا بیان بظاہر ان افسروں اور جاسوسوں کی طرف اشارہ ہے جو بڑی تعداد میں ملازم رکھے گئے تھے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ امراء بادشاہ کو سلامی دینے کے لیے آتے تھے۔

جو لوگ نمایاں خدمت انجام دیتے تھے انھیں بادشاہ بعض اعزازات اور خصوصی مراعات عطا کرتا تھا۔ نونیز کہتا ہے کہ سب سے بڑا اعزازی تمغہ جو اچیوت رائے کسی امیر کو دیتا تھا وہ سونے اور قیمتی پتھروں سے مزین گایوں کی سفید دموں سے بنے دو پنکھوں اور کنگنوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق، جب وہ اپنے سرداروں یا ان اشخاص کو جنھوں نے اس کے لیے بہترین خدمات انجام دی ہوں یا جن سے وہ بہترین خدمات لینا چاہتا تھا، خوش کرنا چاہتا تو انھیں ان کے ذاتی استعمال کے لیے اعزازی کھوبند عطا کرتا تھا۔ چنانچہ ان تحائف کو بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ یہ تمغے جو امراء کو دیئے جاتے تھے عموماً زمین پر رکھ دیے جاتے تھے جہاں سے وہ امراء انہیں اٹھا لیتے تھے جب کسی مخصوص شخص کا کسی اہم عہدے پر تقرر ہوتا تو اسے بھی کچھ چیزیں اس کے عہدے اور مرتبے کی علامت کے طور پر عطا کی جاتی تھیں۔ کرشن دیورائے کے دو کتبات کے مطابق نندلا آپا (NADENDLA APPA) کو "پُر شکوہ بادشاہ اور اس کے وزیر تما کی جانب سے ایک

Marfat.com

پالکی رکھواستعمال کرنے کا حق)، دو کوڑیاں (COURIS) اور ایک چھتری وینی کونداگتی اور کنک گیری شہر سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ اور ایک بڑی فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ . . . نیز اس سلطنت کی مکمل گورنری کا عہدہ عطا کیا گیا تھا[167]"

فصل پنجم

طرزِ رہائش، کھانا اور لباس

رہائش کا ہیئت

غیر ملکی سیاحوں نے جو وجے نگر اور دوسرے اہم صوبائی مرکزوں میں گئے تھے، ان مقامات کے بڑے بڑے شہروں، اور بہترین قصروں اور مکانات سے متعلق شاندار بیانات قلمبند کیے ہیں لیکن ہندوستان دیہاتوں کا ملک تھا، جیساکہ وہ آج بھی ہے اور گاؤں کی زندگی اتنی زیادہ پرکشش نہ تھی کہ سیاحوں کا قلم اس طرف متوجہ ہوتا چنانچہ اس کا تذکرہ پیش کرنا مشکل ہے کہ مملکت میں دیہاتوں کی صحیح تعداد کیا تھی۔ عبدالرزاق مغربی ساحل کے علاقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ "ہر دن کسی ایسے شہر یا گاؤں میں" پہونچتا تھا جو کافی آباد ہوتا تھا[168]۔ روسی سیاح نیکیشن کہتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں کے درمیان بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے نیز یہ کہ روزانہ اس کا گذر ایسے ایسے تین اور بسا اوقات چار مقامات پر سے ہوتا تھا[169]۔ پائز بھی بہت سے شہروں اور فصیل سے گھرے گاؤں کا تذکرہ کرتا ہے[170] لیکن مملکت میں گاؤں کی تعداد سے متعلق ہمیں کوئی قطعی اندازہ نہیں ہے[171]۔

وجے نگر کے شہر اور اس کے بلند و بالا محلوں کی تفصیلی بیان کے لیے غیر ملکی سیاحوں کی تحریریں ناگزیر افادیت کی حامل ہیں ایرانی سفیر کہتا ہے کہ شہر وجے نگر کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ اس میں سات مستحکم دیواریں تھیں جو ایک دوسرے کے اندر واقع تھیں اور یہ ساتواں (اندرونی) قلعہ تھا جس کے اندر بادشاہ کا محل واقع تھا۔ پائز بھی اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ بادشاہ کا محل بھی دوسرے محلوں کی طرح ایک نہایت مستحکم دیوار سے گھرا ہوا تھا اور اس کے اندر نہایت کشادہ جگہیں تھیں[172]۔ بادشاہ کے محل کے دروازے کے باہر دو تصویریں

Marfat.com

میں جن کی نقاشی اس طرح کی گئی تھی گویا وہ زندہ ہوں۔ پائز کے مطابق وہ کرشن دیورائے اور اس کے باپ کی تصویریں تھیں۔ (دروازے) کے اندر بائیں طرف تلے اوپر دو ہال تھے ایک نچلا ہال دو چھوٹی سیڑھیوں کے برابر زمین کی سطح سے نیچے تھا۔ ان سیڑھیوں کا بالائی حصہ پرنا بہ چڑھا ہوا تھا۔ یہاں سے اوپر جانے کے تمام راستے پر سونے کی لائنیں پڑی ہوئی تھیں اور بیرونی حصہ گنبد نما تھا۔ اس میں بید کا بنا چار سمتی ایک پورچ تھا جس میں قیمتی پتھروں کے نقش و نگار بنے تھے۔ اس ہال میں ایک بستر لگا ہوا تھا۔ محل کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں تراشے ہوئے پتھروں اور ہاتھی دانت کے بنے ہوئے کھمبے تھے ان کے عقب میں وہ ہال تھا جہاں رقص ہوتا تھا[174]۔

محلوں کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ تھی کہ ان کی دیواروں پر تصویروں کی نقاشی کی گئی تھی۔ پائز کہتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہ کے محل میں بہت سے ہال تھے اور ان میں سے ایک کے سامنے "افسانوی جنگجو عورتوں کی طرح، تیر و ترکش سنبھالے ہوئے عورتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں[175]۔

وجے نگر کے امرا بھی ہر طرح کی ضروریات سے آراستہ اور پر مکانات میں رہتے تھے بربوسا بتلاتا ہے کہ شہر میں بادشاہ کے محلوں کے طرز پر بنے ہوئے بہت سے محل تھے (جس میں بہت سے گھرے ہوئے صحن اور بہترین طریقے پر بنے ہوئے بڑے بڑے مکانات ہوتے تھے) ان میں بڑے بڑے جاگیردار اور گورنر رہا کرتے تھے[176]۔ بادشاہ کے محلوں کی طرح عموماً امرا کے مکانات میں بھی احاطے ہوتے تھے۔ پائز کے بیان کے مطابق دارالسلطنت کی دوسری فصیل سے لے کر بادشاہ کے محل تک بہت سی سڑکیں تھیں اور مکانوں کی قطاریں تھیں جن پر "نہایت خوش کن تصویریں اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے[177]۔ شہر کے مالدار تجار بھی ایسے ہی مکانات میں رہتے تھے۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ وہاں ایک کشادہ اور خوبصورت سڑک تھی جس پر عمدہ عمدہ مکانات تھے جو ان مالدار لوگوں کی ملکیت میں تھے جو ان میں رہنے کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے[178]۔ شہر میں رہنے والی رقاصائیں بھی ایسے ہی عمدہ مکانات میں رہتی تھیں۔ عبدالرزاق لکھتا ہے کہ دارالضرب کے پیچھے ایک طرح کا بازار تھا جو تین سو گز سے زیادہ لمبا اور بیس گز چوڑا تھا۔ اس کے دونوں جانب مکانات خانہ با [illegible] اور باہر کی صحن [illegible]

تھے۔ ان کے سامنے کرسیوں کے بجائے بہترین پتھروں کے بلند نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں[179]۔ امراء اور رقاصاؤں کے ان مکانات کے درمیان جو گذرگاہیں بنتی تھیں ان کے دونوں جانب شیر، چیتے، ریچھ اور دوسرے جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں جن کو اس خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کہ وہ زندہ معلوم ہوتی تھیں[180]۔ پاری جاتا پہرنمو (PARI - JATAPAHRANAMU) ۔ بھی ذکر کرتا ہے کہ ان مکانوں میں چڑیوں، ہنسوں، کبوتروں، طوطوں اور دوسرے پالتو جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی تھیں[181]۔

اگرچہ وہ لوگ جوان تمام چیزوں کا بار اٹھا سکتے تھے، اس قسم کے بڑے بڑے مکانات میں رہتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی طبقہ کے لوگوں کو یہ آرام و آسائش میسر نہ تھی۔ پائز کہتا ہے کہ وجے نگر میں ایک لاکھ سے زیادہ رہائشی مکانات تھے جو تمام کے تمام یک منزلہ تھے اور ان کی چھتیں مسطح تھیں ان میں سے ہر ایک کے چاروں طرف نیچی چہار دیواری تھی[182]۔ وہ بظاہر ان مکانات سے بہت متاثر تھا اور وہ کہتا ہے کہ مکانات کا مجموعی نقشہ بہت عمدہ تھا اور وہ کھلی ہوئی چھتوں کے مانند تھے[183]۔ لیکن غریب لوگ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور پھوس کے مکانات میں رہتے تھے جس میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا تھا[184]۔ درمیانی طبقہ کے لوگوں کے مکانات پیشہ کے اعتبار سے لمبی لمبی سڑکوں پر ترتیب دئے گئے تھے اور ان میں کافی کشادہ اور کھلی جگہیں تھیں[185]۔ پیشہ کے اعتبار سے لوگوں کے مکانات کی اس ترتیب کی توثیق بھی کتبات سے ہوتی ہے جن میں اس طرح کی سڑکوں مثلاً کمّالتیرو (KAMMALATTERU) (یعنی صنعت کاروں کی سڑک) اور کیکوتیرو جلاہوں کی سڑک کا تذکرہ ملتا ہے[186]۔ اس طرح کے بیشتر مکانات کے فرش مٹی کے ہوتے تھے۔ انھیں گوبر اور پانی کی پوتائی کرکے صاف وستھرا رکھا جاتا تھا[187]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں بعض وہ مخصوص سہولتیں مہیا تھیں جو چھوٹے چھوٹے شہروں اور گاؤں میں حاصل نہ تھیں۔ ان میں سب سے مقدم خوشنما تفریحی باغ یا پارک تھے۔ مثال کے طور پر شہر وجے نگر میں درختوں کے بہت سے باغات تھے۔ بادشاہ کے محل کے قریب کھجور اور دوسرے زیادہ پھل دینے والے درختوں کا ایک باغ تھا۔ موری باشندوں (MOORISH) کے محلے کے قریب بھی پھلدار درختوں کے بہت سے باغات تھے۔ بیشتر حصہ میں آم، سپاری کے درخت اور کٹھل، نارنگی اور لیمون کے درخت

Marfat.com

ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوتے تھے کہ ایک گھنے جنگل کا منظر پیش کرتے تھے[189]۔ ان علاقوں میں بہت سی جگہ پانی کی نہریں تھیں جو ان تک پانی پہونچاتی تھیں اور بعض علاقوں میں جھیلیں بھی تھیں[190]۔ ایک اور سہولت جو وجے نگر جیسے بڑے شہروں کو غالباً حاصل تھی وہ شہری نوبت تھی جو دن میں صحیح وقت معلوم کرنے کے واسطے میں لوگوں کے لیے بڑی مددگار ثابت ہوتی تھی[191]۔

غذا

کھانے پینے کی جن چیزوں کی مملکت وجے نگر میں کاشت کی جاتی تھی وہ تھے چاول، جوار، غلے، سیم اور لوبیا وغیرہ اور دوسری فصلیں تھیں۔ غلوں کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تھی اس لیے کہ لوگوں کے لیے بطور غذا استعمال ہونے کے علاوہ وہ گھوڑوں کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ اچھے قسم کے گیہوں کی کاشت بھی کی جاتی تھی اگرچہ چھوٹے پیمانہ پر۔ ان چیزوں کو، سیم، مونگ، دال، گھوڑے کا چنا اور بہت سے دوسرے بیجوں کو بازار میں رکھا جاتا تھا اور نہایت سستے داموں پر فروخت کیا جاتا تھا۔ پائز کہتا ہے کہ گیہوں دوسرے غلوں کی طرح اتنا عام نہ تھا اس لیے کہ موروں (MORS) کے علاوہ انھیں کوئی اور نہیں کھاتا تھا۔ مرغے اور پرندوں کے گوشت کو بھی عوام کے بعض طبقے غذا کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ شہر کے اندر تین پرندوں کا گوشت ایک وٹنم (VJNTEM) میں خریدا جا سکتا تھا جبکہ شہر سے باہر چار میں[193]۔

جب عبدالرزاق وجے نگر کے دربار میں آیا تو اسے روزانہ دو بکریں، چار جوڑی پرندے پانچ من چاول اور ایک من مکھن نیز ایک من شکر دی جاتی تھی[192]۔ نونیز اشیائے خوردنی کی ایک دلچسپ فہرست دیتا ہے جو وجے نگر کے سلاطین کی غذا میں شامل تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ بادشاہ ہر قسم کی چیزیں کھاتے ہیں سوائے گائے اور بیل کے گوشت کے۔ ان جانوروں کو بت پرستوں کے پورے ملک میں انھیں کہیں نہیں مارا جاتا تھا کیونکہ وہ ان کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بکری کا گوشت، سور، ہرن، تیتر، خرگوش، فاختہ، بٹیر اور ہر قسم کے پرندے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گوریاں، چوہے، بلیاں اور چھپکلیاں بھی، اور یہ سب کے سب شہر بسنگا کے بازار میں فروخت ہوتے ہیں[194]۔ اس بیان سے پائز اور بربوسا کے بیانات کا موازنہ کیا جاسکتا ہے

Marfat.com

پائزان جانوروں پر مشتمل غذا کا ذکر کرتے ہوئے، جو وجے نگر میں استعمال ہوتی تھی۔ کہتا ہے کہ شہر میں جو بھیڑیں ذبح کی جاتی تھیں ان کی تعداد بے شمار تھی اس لیے کہ ہر گلی میں ایسے لوگ موجود تھے جو اتنا زیادہ صاف اور فربہ گوشت فروخت کرتے تھے کہ وہ سور کا گوشت معلوم ہوتا تھا" اور بعض مخصوص گلیوں میں کچھ قصائیوں کے مکانات میں تو سور بھی تھے جو اتنے سفید اور صاف تھے کہ "کسی شخص کو کسی دوسرے ملک میں بھی اس سے بہتر نہیں مل سکتے تھے"[196] اشیائے خوردنی سے متعلق بربوسا کا بیان بھی نونیز کے انتہائی مبالغہ آمیز بیان میں ایک توازن پیدا کردیتا ہے اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ گائے کے گوشت کے علاوہ جس کی "ان کی تنگ نظر اصنام پرستی نے ممانعت کردی تھی"[197] یہ لوگ دوسرے گوشت اور مچھلی کھاتے تھے"

اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ گوشت استعمال کرتے تھے لیکن بظاہر تمام لوگوں میں اس کا استعمال رائج نہ تھا۔ برہمن اور لنگاپت صرف سبزیاں کھاتے تھے۔ نونیز وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اول الذکر نہ تو کبھی کسی جاندار کو مارتے تھے اور نہ کھاتے تھے[198]۔ بربوسا بھی لکھتا ہے کہ ان کی غذا شہد، مکھن، چاول اور شکر پر مشتمل تھی جسے دال یا دودھ کی طرح دھیمی آنچ پر پکایا جاتا تھا۔ اسی طرح جنگم (JANGAMAS) بھی نہ تو گوشت ہی کھاتے اور نہ مچھلی[199] برہمنوں کے گھروں کے کھانے کا کچھ اندازہ ہمیں آمکتا مالیادہ سے بھی ہوتا ہے۔ موسم بہار میں یہ کھانا چار یا پانچ عمدہ مسالہ دار سالن، گھی، مکھن، ودام (VADAMS)، ورول (VARAVALS) اچھے چاول کے کھانے اور رسم (RASAM) پر مشتمل ہوتا تھا اور ان سب کے پکانے میں ناریل کا استعمال کیا جاتا تھا۔ موسم گرما کا کھانا۔ کولو (KULU)، اکسورسم (IKSUR ASAM)، ناریل کا پانی، پھل، خوشبودار پانی، آم اور ان دوسری اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا۔ جو موسم کے لحاظ سے خوشگوار ہوتی تھیں[200]۔

شاہی باورچی خانے سے متعلق معلومات ہمیں نونیز کی کتاب سے ملتی ہیں وہ کہتا ہے کہ اپنے کھانے پینے کے سلسلہ میں بادشاہ کے کوئی اخراجات نہ تھے (اس لیے کہ روزانہ اسے اس کے امرا بھیج دیتے تھے) جو چاول، گیہوں، گوشت اور جنگلی پرندوں اور تمام ضروری اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا شاہی باورچی خانے میں تقریباً دو سو ادنیٰ محافظین ہوتے تھے جنکے اوپر چار اشخاص (نگراں) اور محافظ دستہ کے دو افسران بھی ہوتے تھے جو سپاہیوں کے سردار تھے لیکن ان پاسبانوں، کو چار یا پانچ دروازوں سے زیادہ اندر جانے کی اجازت نہ تھی اس

Marfat.com

لیے کہ اندر صرف خواجہ سرا اور عورتیں ہوتی تھیں[201]۔ بہرحال یہ مورخ خود اپنے بیان کی تردید کر دیتا ہے جب وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ بادشاہ اچیوت رائے کے پاس اس کی ذاتی ملازمت میں دس کھانا پکانے والی عورتیں تھیں جو بادشاہ کے علاوہ کسی اور کا کھانا نہیں پکاتی تھیں[202]۔ لیکن کبھی کبھی جب بادشاہ ضیافتیں ترتیب دیتا تو چند اور افراد کو بھی اس کام پر مامور کر دیتا اس کے پاس ایک خواجہ سرا تھا جو باورچی خانے کے دروازے کی نگرانی کرتا تھا جس کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ یہ دیکھے کہ زہر کے خدشہ کی بنا پر محل میں کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ بادشاہ بالعموم تنہا کھانا کھاتا تھا اور اسے وہ عورتیں کھانا کھلاتی تھیں جو کھانا تیار کرتی تھیں۔ وہ اس کے لیے تین پائے کا ایک اسٹول رکھ دیتیں تھیں جو گول اور سونے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور اس کے اوپر کھانا چن دیا جاتا تھا جو سونے کے بڑے بڑے ظروف میں لایا جاتا تھا جبکہ چھوٹے برتن سونے کی کشتیوں میں لائے جاتے تھے جن میں سے چند قیمتی پتھروں سے مزین ہوتی تھیں۔ میز پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا البتہ ایک کپڑا اس وقت لایا جاتا تھا جب بادشاہ کھانا ختم کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھوں اور منہ کو دھوتا تھا[203]۔

عبدالرزاق کہتا ہے کہ "کافروں" کے یہاں یہ رواج تھا کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی میں نہیں کھاتے تھے[204]۔ لیکن نونیز دیورائے دوم کے بھائی کی طرف سے دی گئی ایک دعوت کے متعلق بتلاتے ہوئے کہتا ہے کہ مدعو امرا اپنی اپنی میزوں پر تھے البتہ وہ یہ (ضرور) لکھتا ہے کہ ان کے یہاں کا رواج یہ تھا کہ کھانے اور پینے کی جو چیزیں بھی وہاں موجود ہوتی تھیں ان سب کو میزوں پر چن دیتے تھے اور ہال میں ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں کھانے کے لیے آئے ہوتے، کوئی اور موجود نہ ہوتا تھا[205]۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کھانا کھانے کے لیے پتوں کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ 1524ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ شوریارا جا نامی ایک شخص نے ایک مندر کے تمل ملازمین کو چند امور انجام دینے کے عوض اس بات سے بری کر دیا تھا کہ وہ اس مندر کے لیے پتوں کو (جو کھانا کھانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے) مفت مہیا کیا کریں۔ بظاہر سپاری کے پتے بھی کھانا کھانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے[206]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مقامات پر کھانا کھلانے کے لیے عوامی مکانات ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر وجے نگر میں اس طرح کا ایک کھانے کا مکان تھا جس میں پتھر کی پٹیاں جن میں چاول

Marfat.com

اور شوربے کے لیے جگہیں بنی ہوتی تھیں، کھانا کھانے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ ممکن ہے کہ سیاحوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہو کہ وہ ان پٹیوں کی نوعیت کے مطابق پیسے ادا کریں جن کا انھوں نے کھانے کے لیے انتخاب کیا تھا[208]۔ اس طرح کے مقامات کے علاوہ بہت سے سرائے بھی تھے جہاں چند مخصوص دنوں تک سیاحوں کو مفت کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر چنگل پت ضلع میں واقع کو دووانئے مقام سے دستیاب ۱۴۸۹ء کی ایک دستاویز میں برہمن سیاحوں کے کھانے کے لیے کمبو (KAMBU) کا اہتمام کیے جانے کا تذکرہ ملتا ہے[209]۔ مملکت کے بعض مقامات پر بظاہر مٹھائیوں (مٹھائی انگدی (MITAYIANGADI) کی دوکانیں بھی ہوتی تھیں[210]۔

لباس

سلاطین ایک بڑی رقم اپنے لباس پر خرچ کرتے تھے۔ دیورائے دوم زیتون (ساٹن) کی پوشاک میں دربار میں آتا تھا[211]۔ پائز کے بیان کے مطابق کرشن دیورائے مخصوص قسم کا سفید لباس پہنتا تھا جس پر سونے سے گلاب کے پھول کڑھے ہوتے تھے[212]۔ نونیز بھی کہتا ہے کہتا ہے کہ بادشاہ نہایت اعلیٰ درجہ کی سلک کے کپڑے (پچھوئی (PACHOUS) پہنتا تھا جس پر سونے کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔ جو ایک کپڑا دس پرداؤ کی قیمت کا ہوتا تھا۔ یہ سلاطین کبھی کبھی اسی طرح کی ایک بجوری (BAJURIS) بھی پہنتے تھے جو اسکرٹ کے ساتھ منسلک قمیصوں کے مانند ہوتی تھیں[213]۔ جب وہ جنگ کے لیے جاتے تھے تو گدّے دار سوتی کپڑے پہنتے تھے جس کے اوپر ایک دوسری پوشاک پہنی جاتی تھی جس پر سونے کی ایک تہہ چڑھی ہوئی ہوتی تھی اور چاروں طرف ہیرے جواہرات ٹکے ہوتے تھے[214]۔

بادشاہ "دو بالشت لمبی سونے کے کامدار کپڑے کی ایک ٹوپی" بھی پہنتے تھے جو پائز کے مطابق گلیشیائی (GALICIAN) کلاہ کے طرز کی ہوتی تھی اور اس کے اوپر ایک باریک کپڑا چڑھا ہوتا تھا جو پورے کا پورا سلک کا ہوتا تھا[217]۔ نونیز جس نے بھی اچیوت کو ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا تھا، یہ بتلاتا ہے کہ اس کی قیمت ۲۰۰ کروزدو (CRUZADOS) تھی اور مزید یہ بھی کہتا ہے کہ جب اس ٹوپی کو وہ اپنے سر سے اتارتا تھا تو پھر اسے دوبارہ نہیں پہنتا تھا[218]۔

Marfat.com

عام لوگ نیچے کمر بھر کپڑے پہنتے تھے" جو کٹی پلیٹ میں کسکر بندھا ہوتا تھا اور سوتی یا سلک یا معمولی کامدار کپڑے کی سفید چھوٹی سی قمیص پہنتے تھے" جو دونوں جانگھوں کے درمیان تک آتی تھیں لیکن سامنے سے کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔ وہ اپنے سروں پر چھوٹی چھوٹی پگڑیاں باندھتے تھے جبکہ کچھ لوگ سلک یا کامدار کپڑوں کی ٹوپیاں پہنتے تھے[219] سیزر فریڈرک بھی عوام کے لباس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ بیزنگر (BEZENEGER) میں جو پوشاک لوگ استعمال کرتے ہیں وہ آدمی کی حیثیت کے مطابق مخمل، ساٹن، سلک، اسکارلٹ (SCARLET) یا سفید بمباسٹ (BUMBAST) کے کپڑوں کے ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر ایک لمبا ہیٹ ہوتا تھا جسے کولائی (COLAE) کہا جاتا تھا جو مخمل، ساٹن سلک، اسکارلٹ کا بنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی کمروں میں لنگوٹ باندھنے کے بجائے کوئی عمدہ رد بمباسٹ کا کپڑا پہنتے تھے۔ وہ ترکوں کے طرز پر جانگھیا پہنتے تھے۔

اون کا استعمال بہت کم کیا جاتا تھا نیکو کونتی کہتا ہے کہ یہ لوگ جسم کے گرد ایک سوتی کپڑا پہنتے تھے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ یہ لوگ گرمی کی شدت کی بنا پر زیادہ کپڑے نہیں پہن سکتے تھے[221]۔

لوگ جوتوں کے استعمال کے بھی عادی تھے۔ نیکولوڈی کونتی نے یہ لکھا ہے کہ لوگ ارغوانی اور سرخ فیتوں کے سینڈل پہنتے تھے[222] بربوسا نے بھی لوگوں کے اپنے پیروں پر بلا موزہ کے بجائے قسم کے جوتے پہننے کے رواج کا ذکر کیا ہے[223]۔ پائز جوتوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "جوتوں کے کنارے قدیم طرز پر نوکیلے ہوتے ہیں (اس کے علاوہ) کچھ دوسری طرح کے جوتے بھی ہوتے ہیں جس میں تلے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا لیکن اوپر پٹے ہوتے ہیں جو انھیں پیروں میں رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان کی ساخت ویسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ قدیم رومی لوگ پہنا کرتے تھے اس لیے کاغذات یا دستاویزات میں آنے والی چیزیں آپ کو بس اتنی ہی ملیں گی کہ آپ انھیں انگلیوں پر شمار کر لیں[224]۔ نیز فریڈرک بھی لکھتا ہے کہ لوگ اپنے پیروں میں ایک مسطح اونچی چیز پہنا کرتے تھے جسے اسپرلھ (ASPERGH) کہا جاتا تھا[225]۔ لیکن یہاں بھی صرف مالدار لوگ ہی جوتے پہنتے تھے کیوں کہ جیسا کہ خود پائز کہتا ہے کہ "لوگوں کی اکثریت یا تقریباً تمام لوگ ملک میں ننگے پیر رہتے ہیں[226]۔ نیکیتن بھی کہتا ہے کہ دکن کے لوگ ننگے پیر چلتے پھرتے تھے[227]۔

Marfat.com

چھتریاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ بربوسا تصویر کشی کرتا ہے کہ انھیں کس طرح پکڑا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے "یہ لوگ (امرا اور بادشاہ) ایک اور شخص کو لے کر چلتے ہیں جو انھیں سایہ بہم پہونچانے اور بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک چھتری (لغوا ایک سایہ دار ہیٹ جس میں ایک دستہ لگا ہوتا ہے) لیے رہتا ہے اور ان (چھتریوں) میں سے کچھ تو انتہائی اعلیٰ درجہ کی تیار کردہ سلک کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں سنہرے جھالر قیمتی پتھر اور چھوٹے چھوٹے موتی ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ نیز انھیں اس طرح بنایا جاتا ہے کہ انھیں کھولا اور بند کیا جا سکے اور ان کی قیمت تین یا چار سو کروزدو ہے"[228]۔ بظاہر یہ تمام چیزیں عام لوگوں کی بابت نہیں ہیں اس لیے کہ وہ انتہائی "غربت" کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ورتھما کہتا ہے کہ عام لوگ کپڑے کے اس ایک ٹکڑے کے علاوہ جو ان کی کمر پر ہوتا تھا بالکل برہنہ رہتے تھے[229]۔

عورتیں یعنی داشتائیں اور امراء کی بیویاں بھی نہایت قیمتی کپڑے پہنتی تھیں۔ بربوسا یہ کہتا ہے کہ یہ عورتیں یا تو انتہائی باریک سوتی کپڑے کی پوشاکیں پہنتی تھیں اور یا شوخ رنگوں کی ریشمی پوشاکیں جو پانچ گز لمبی ہوتی تھیں اور جن کا ایک حصہ نچلے حصہ میں لپیٹ کر باندھا جاتا اور دوسرا حصہ ان کے سینوں پر سے گذار کر ایک کندھے پر اس طرح ڈال دیا جاتا تھا کہ ایک بازو اور کندھا کھلا رہتا تھا[230]۔ پٹرو ڈیلا ویلے بھی عورتوں کے لباس کے بارے میں ایک بیان قلمبند کرتا ہے۔ اس کے مطابق عورتیں کمر سے نیچے سلک کے ایسے لباس پہنتی تھیں جن پر صورتیں بنی ہوتی تھیں۔ بالائی پوشاک کے بارے میں وہ لکھتا ہے "وہاں (کمر) سے (ان کا) اوپری حصہ یا تو برہنہ رہتا ہے یا بالکل خالص سوتی کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جو یا تو ایک ہی رنگ کا ہوتا ہے یا ان پر متعدد رنگوں کی دھاریاں بنی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جسموں پر دو کپڑے پہنتی تھیں ایک چھوٹا ہوتا تھا جو صرف سامنے کے حصہ کو ڈھانکتا تھا اور دوسرا کچھ بڑا ہوتا تھا جو پورے جسم کو ڈھانک لیتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی کہتا ہے "تقریباً سبھی لوگ، مرد اور عورتیں دونوں ایک سوتی کپڑا پہنتے ہیں جو جسم کے گرد لپٹا ہوا ہوتا ہے تاکہ سامنے کا حصہ اس سے ڈھک جائے یہ گھٹنوں تک لٹکتا رہتا ہے اور اس کے اوپر سوتی یا سلک کی ایک پوشاک ہوتی ہے جو ۔۔۔ عورتوں کے یہاں ٹخنوں تک (لٹکتی) رہتی ہے"[232]۔ آمکتا مالیاد میں بھی اس قسم کے دوہرے لباس کا، جو عورتیں استعمال کیا کرتی تھیں، حوالہ ملتا ہے جب اس میں پاوادا (PAVADA) اور پٹیا (PAITA) (بیرونی لباس) کا تذکرہ کیا جاتا ہے[233]۔

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کبھی کبھی سر پر بھی کوئی چیز پہنتی تھیں۔ پیائر لکھتا ہے کہ جو عورتیں مہانومی جشن میں حصہ لیتی تھیں وہ اونچی اونچی ٹوپیاں (COKAES) پہنتی تھیں جن پر موتیوں کے بنے ہوئے پھول کشیدہ ہوتے تھے۔[234] لیکن نہ تو بربوسا اور نہ ہی پیٹرو ڈیلاویلے سر کے اس لباس کا کوئی ذکر کرتا ہے جسے عورتیں پہنتی تھیں، بلکہ اول الذکر کہتا ہے کہ ان کا سر کھلا رہتا تھا اور بال "سر کے بالکل اوپر ایک جوڑے میں بندھے رہتے تھے۔"[235] موخرالذکر بھی کہتا ہے کہ ان کے "سر زرد اور سفید پھولوں سے آراستہ ہوتے تھے جو ایک اونچے بڑے تاج کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ کچھ تو اس طرح چمکتے تھے جیسے سورج کی کرنیں اور کچھ ایک دوسرے میں گوندھے ہوتے تھے اور مختلف انداز میں نیچے اس طرح لٹکتے رہتے تھے کہ ایک نہایت خوشنما منظر پیش کرتے۔"[236] چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر کا لباس بعض رسوم و رواج کے موقعوں پر صرف کچھ ہی عورتیں استعمال کرتی تھیں۔

چند مقامات پر عورتیں جوتے (بھی) پہنتی تھیں۔ نیکولوڈی کونتی جس نے اس رواج کا ذکر کیا ہے، کہتا ہے "چند مقامات پر عورتیں جوتے پہنتی ہیں جو پتلے چمڑے کے بنے ہوتے ہیں اور سونے اور سلک کے ملمع سے مزین ہوتے ہیں۔"[237]

لیکن یہ تمام تفصیلات صرف اعلیٰ طبقے کی عورتیں کی بابت ہیں اس لیے کہ اور تمام عورتیں اتنے سارے سامان تعیش کی استطاعت نہ رکھتی ہونگی۔

فصل ششم

سامان تعیش

دربار کی شان و شوکت اور عوام کے چند طبقوں کے کردار نے چند چیزوں کی ضرورت پیدا کی جس کو پورا کیا جانے لگا۔ لوگ عیش و عشرت کے چند ایسے ساز و سامان کی خواہش مند تھے جو نہ صرف ان کی حیثیت و مرتبے کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا تھا بلکہ ان کے جذبہ نمائش کی تسکین کے لیے بھی یہ اسباب تعیش، زیورات عطریات، پان اور دیگر نشاط انگیز اشیاء پر مشتمل تھے۔

Marfat.com

زیورات

ہندو قیمتی زیورات کے بڑے دلدادہ تھے جنھیں وہ عموماً اہم مواقع پر پہنا کرتے تھے۔ کوئی بھی غیر ملکی سیاح، جو وجے نگر آیا تھا، ان قیمتی ہیرے جواہرات سے جنھیں بادشاہ اور عوام دونوں ہی استعمال کرتے تھے، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق ان زیورات کا تذکرہ کرتے ہوئے جنھیں دیورائے دوم پہنا کرتا تھا، لکھتا ہے کہ "اس کی گردن کے گرد ایک ایسا کالر تھا جو شاہی حسن رکھنے والے سچے موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ جس کی قیمت کا تعین کرنا ایک جوہری کے لیے مشکل ہوگا۔"[238] پائز نے بھی کرشن دیورائے کی گردن میں ہیروں کا ایک پٹکا (پدم (گلے میں) لٹکنے والا) دیکھا جو نہایت قیمتی تھا۔[239]

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا عام لوگ بھی خود کو قیمتی زیورات سے آراستہ کرتے تھے۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ "ملک کے سارے باشندے، خواہ اونچے طبقے کے ہوں یا نیچے طبقے کے، یہاں تک کہ بازار کے دست کار، اپنے کانوں، اپنی گردنوں، بازوؤں، کلائیوں اور انگلیوں میں ہیرے کے اور ملمع کیے ہوئے زیورات پہنتے ہیں۔"[240] بربوسا بھی قیمتی پتھروں سے مزین بہت سی انگوٹھیوں اور ان کے کانوں میں آویزاں بہت سے کان کے چھلوں کا ذکر کرتا ہے جن میں بہت سے عمدہ موتی جڑے ہوئے تھے۔[241]

جو زیورات عورتیں پہنتی تھیں ان کے متعلق بھی ہمیں ایسی ہی قیمتی تفصیلات ملتی ہیں۔ بربوسا عمدہ سونے کے تار کی بنی ناک کی کیل، جس کے ساتھ ایک موتی نیلم یا یاقوت کا آویزہ لٹکتا رہتا تھا، متعدد ہیرے جڑی ہوئی کانوں کی بالیاں، سونے، جواہرات اور نہایت عمدہ مرجانی موتیوں سے بنے ہوئے ہار، اور مرجانی موتیوں کے بنے کنگنوں کا جو وہ اپنے ہاتھوں میں پہنے رہتی تھیں، تذکرہ کرتا ہے۔[242] عورتوں کے متعلق پائز کا بیان زیادہ تفصیلی ہے۔ جو عورتیں مہانومی کے جشن کے موقعہ دارالسلطنت میں اکٹھا ہوئی تھیں، ان کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی گردن میں سونے اور جواہرات کے گلوبند، جن میں بکثرت زمرد، ہیرے، یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے جب ہاتھوں میں متعدد کنگن اور (کمر میں) سونے اور قیمتی پتھروں کے متعدد پٹکے پہنے ہوئی تھیں جو تقریباً نیچے نصف ران تک تلے اوپر لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ عورتیں بہت سے دوسرے زیورات

Marfat.com

جیسے مثلاً ٹخنوں کے گرد موتیوں کی زنجیریں بھی پہنے ہوئی تھیں۔[243]

کتبات بھی ہمیں ان زیورات کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں جو اس زمانہ میں استعمال ہوتے تھے ۱۴۴۶ء کے ایک کتبہ میں مندرجہ ذیل زیورات کا تذکرہ ملتا ہے۔ تلج (پٹہ) گردن کی زنجیر (پٹہ کارائی PALLAKKARAI) جڑے ہوئے گردن کے دو چھلے (ایرندوٹپکارائی IRANDUPATTAKKARAI) ناک کا زیور موکوتی MUKK - (بتوں کے لیے آنکھیں (تیروکن مار ULLE) TIRUKKANMALAR) سینے کے زیورات (پدکم PADAKKAM) وغیرہ۔[244]

ممتاز اشخاص امتیازی علامت کے طور پر گن دپندارم (GANDAPENDARAM) یا بہادروں کی پنڈلیوں کا ایک زیور (ANKLEST) بھی پہنا کرتے تھے۔

عطریات اور پھول

خوشبو کے لیے لوگ۔ عطریات کا استعمال کرتے تھے۔ وہ غسل کے بعد سفید سندل کی لکڑی، ایلوا (ALOES)، کافور، مشک اور زعفران کی، جو تمام کے تمام اچھی طرح پسے ہوئے اور گلاب کے عرق میں گوندھے ہوتے تھے، اپنے بدن پر مالش کرتے تھے۔[245] عورتیں موسم سرما میں اپنے سینوں پر زعفران یا مشک لگاتی تھیں۔[246] عطریات کے ساتھ خوشبودار پھول بھی قابل ذکر ہیں جو عورتیں استعمال کرتی تھیں۔[247]

پان

ایک نشاط انگیز چیز جسے آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی لوگ استعمال کرتے تھے وہ پان تھا جسے لوگ چونے اور سپاری کے ساتھ کھاتے تھے۔ ایرانی سفیر اس رواج کا ذکر کرتا ہے اور بڑی سادگی سے اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ "یہ غالباً پان کے پتے اور اس کی نشاط انگیز خصوصیتوں ہی ہیں جنھوں نے اس ملک (وجے نگر) بادشاہ کو اس لائق بنایا ہے کہ وہ اتنے بڑا حرم رکھے"۔[248] یہ پان تمام رواجی جشنوں کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا تھا اور مہمانوں کو سب سے پہلے پیش کی جانے والی چیز یہی تھی۔[249] لیکن وجے نگر کے دربار کا یہ ایک خصوصی دستور تھا کہ ناچنے والی عورتوں کے علاوہ کسی اور کو بادشاہ کے

Marfat.com

سامنے پان کھانے کی اجازت نہ تھی[250]۔

بستر

عیش و عشرت پر اسرافات کا اظہار، جو وجے نگر کے دربار میں رائج تھے۔ ان قیمتی اور انتہائی آراستہ و پیراستہ بستروں سے بھی ہوتی ہے جو محل میں استعمال ہوتے تھے۔ پائز اور نونیز محل میں استعمال ہونے والے بستروں اور بچھونوں کی دلچسپ تفصیل پیش کرتے ہیں۔ محل کے سونے کے ایک کمرے کا ذکر کرتے ہوئے پائز لکھتا ہے "اس میں ایک چارسمتی پورچ (PORECH) ہے جو بید کا بنا ہوا ہے اور اس کے اوپر لعل و جواہر نیز دیگر قیمتی پتھروں اور موتیوں کا کام ہے اور پورچ کے اوپر سونے کے دو آویزے ہیں تمام قیمتی پتھر دل کی شکل میں تراشے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چھوٹی موٹی موتیوں کے کام کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ گنبد پر اسی قسم کے آویزے ہوتے ہیں۔ اس کمرے میں ایک بستر تھا جس کے پائے اسی طرح کے تھے جیسے پورچ کے (محراب کے) تھے اور (اس کی) پٹیوں پر سونا منڈھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر سیاہ ساٹن کی ایک توشک تھی اس کے چاروں طرف ایک بالشت چوڑی موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر دو تکیے تھے اور کوئی اور غلاف نہیں تھا[251]" اس کے علاوہ وہ "پردوں والی چاندی کی ایک مسہری" کا ذکر کرتا ہے۔ نونیز کے یہاں بھی وجے نگر کے محل کے بستروں کا کچھ ذکر ہے۔ اچیوت رائے کے بارے میں بتلاتے ہوئے وہ کہتا ہے "وہ مسہریاں جن پر اس کی بیویاں سوتی ہیں چاندی کی تختیوں سے ڈھکی اور مزین ہیں۔ ہر بیوی کے پاس اس کا اپنا ایک بستر ہے جس پر وہ سوتی ہے اور خود بادشاہ کی مسہری پر سونے کی تختیاں اور کنارے ہیں اور اس کے سب پائے سونے کے بنے ہوئے ہیں اس کی توشک سلک کی ہے اور اس کے گاؤ تکیوں کے کناروں پر چھوٹے بڑے موتیوں کا کام کیا ہوا ہے اس طرح کے چار تکیے اس کے پائینتی بھی ہیں اور اس (بستر) کے اوپر سلک کے ایک کپڑے کے علاوہ کوئی چادر نہیں ہے۔ بادشاہ کے ہمراہ ہمیشہ ایک مچھر دانی رہتی ہے جس کا فریم چاندی کا ہے[252]۔ اس کا ایک مکان لوہے کے ٹکڑوں کا بنا ہوا ہے جس کے اندر ایک بڑا بستر ہے جو ان موقعوں کے لیے ہے جب وہ میدان جنگ

Marfat.com

میں جاتے[253] "وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر اس کا بیٹا یا بیٹی بھی اس کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے تھے تو وہ ہاتھی کے دانت کی بنی اور طلائی کام سے مرصع ایک مسہری بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا[254]۔

جھولنے والی مسہریاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ پائز کہتا ہے کہ ایک مخصوص دالان میں ایک مسہری تھی جو چاندی کی زنجیروں کے ذریعہ لٹکی ہوئی تھی" مسہری کے پائے سونے کی چھڑوں کے ایسے عمدہ بنے ہوئے تھے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں اور مسہری کی پٹیوں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس مسہری کے پائے سونے کے تھے جس میں بہت سے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور پٹیوں پر سونا چڑھا ہوا تھا[255]۔

ظروف

دربار کے تعیش کا اظہار ان برتنوں سے بھی ہوتا جو محل میں استعمال کیے جاتے تھے۔ تمام وہ اشیاء جو محل میں دسترخوان پر استعمال ہوتی تھیں۔ مثلاً تسلے، پیالے، تپائیاں، صراحیاں اور دوسری چیزیں سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ کمروں (کی دیواروں) پر چاندی کی تختیاں اور سونے کے تار چڑھے ہوئے تھے۔

فصل ہفتم

کھیل کود اور تفریحات

عوام کی سماجی سرگرمیوں کا بیان کھیل کود اور ان تفریحات کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہ جائے گا جن سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے۔ حقیقتاً یہ عوام کی زندگی کے زیادہ روشن پہلوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر ان کی سماجی سرگرمیاں زیادہ پرکشش اور دلچسپی کا باعث نہیں بن سکتیں۔

ایک کھیل جس میں اونچے اور نیچے طبقے کے لوگ بہت زیادہ حصے لیتے تھے وہ کشتی تھا۔ اس طرح کی کشتیوں کی ایک عجیب خصوصیت یہ تھی کہ ان میں انتہائی سنجیدگی سے ایسے زبردست گھونسے مارے جاتے تھے کہ دانت ٹوٹ جاتے، آنکھیں پھوٹ جاتیں،

Marfat.com

چہرے بگڑ جاتے اور کبھی کبھی تو کشتی لڑنے والے، لوگوں کو ان کے دوست اس حالت میں اٹھا کر لے جاتے کہ ان کی آواز نہ نکل رہی ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ کبھی کبھی بہترین کشتیوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان کے کپتان اور جج ہوتے تھے جو میدان میں ہر ایک کے لیے مساوی حیثیت متعین کرتے اور جیتنے والے کو اعزازات بھی عطا کرتے تھے[259]۔ نونیز، پائز کے مندرجہ بالا بیان کی توثیق کرتا ہے جب وہ لکھتا ہے "ان جشنوں کے لیے بادشاہ کے پاس ایک ہزار کشتی لڑنے والے ہیں جو بادشاہ کے سامنے کشتی لڑتے ہیں لیکن ہمارے طرز پر نہیں کیونکہ ان کے ہاتھوں میں دو نوکدار کڑے ہوتے ہیں جن سے وہ حملہ کرتے ہیں اور (ان میں) جو شخص زیادہ زخمی ہو جاتا ہے وہ جاتا ہے اور ایک ریشمی کپڑے کی شکل میں اپنا وہ انعام لے لیتا ہے جسے بادشاہ ان کشتی لڑنے والوں کو دیتا ہے۔ ان کا ایک کپتان ہوتا ہے اور یہ لوگ (پہلوان) مملکت میں کوئی اور کام نہیں کرتے ہیں[260]"۔

ڈوجیرک (DUJARRIE) کشتی کے مقابلوں کے متعلق مندرجہ ذیل بیان دیتا ہے "جو شخص کشتیاں لڑنے والا ہوتا ہے وہ اپنے کپڑے اتار دیتا ہے۔ اس کے بعد متعدد مضبوط اور کسرتی بدن رکھنے والے نوجوان جنھیں گیٹا (GEITA) کہا جاتا ہے اور جو پہلے ہی سے تیار رہتے ہیں، اس شریف آدمی (کے جسم) کی مالش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اسے مضبوط بنانے کے لیے وہ اس کے ساتھ گھونسے بازی، اچھل کود، شمشیر زنی کی مشق اور دوسری مشقیں کرتے ہیں اور وہ ایسا اس وقت تک کرتے رہتے ہیں کہ اس کے خوب پسینہ بہنے لگے۔ پھر گیٹا لوگ اس شخص کے پورے جسم پر مٹی ملتے ہیں اور اس کی مالش کرتے ہیں نیز اس کے ہاتھوں اور پیروں کو ہر سمت توڑتے مروڑتے ہیں اس طرح گویا وہ اس کے جوڑ جوڑ کو الگ کر دیں گے۔ آخر میں اس شخص کا بدن جھاڑا جاتا ہے۔ اس پر تیل کی مالش کی جاتی ہے اور اسے گرم پانی سے دھویا جاتا ہے اور جب (بدن) خشک ہو جاتا ہے تو وہ کپڑے پہن لیتا ہے۔ یہ لوگ اس قسم کی مشقیں شب کے کھانے سے قبل تقریباً روزانہ کرتے ہیں تاکہ وہ چاق چوبند اور صحت مند رہ سکیں اس طرح ستر برس کا بوڑھا آدمی بھی صرف تیس سال کا محسوس نظر آتا ہے[261]"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ خود کشتی کی مشق کرتے تھے اس لیے کہ پائز کہتا ہے کہ کرشن دیو رائے اپنے پہلوانوں میں سے ایک کے ساتھ روزانہ کشتی لڑا کرتا تھا[262]۔

Marfat.com

کشتیوں کے ساتھ ساتھ غالباً ڈوئیل (DUEL) کا رواج بھی تھا۔ ان اشخاص کی بڑی عزت کی جاتی تھی جو کوئی ڈوئیل لڑ چکے ہوتے تھے اور مر جانے والے شخص کی جائداد زندہ رہ جانے والے کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ نونیز کے مطابق جس نے مندرجہ بالا تفصیلات قلمبند کی ہیں، کوئی شخص بھی وزیر سے اجازت لیے بغیر ڈوئیل نہیں لڑ سکتا۔ البتہ یہ اجازت بالکل رسمی ہوتی تھی اور فوراً ہی عطا کر دی جاتی تھی[263]۔ بربوسا بھی ان ڈوئیلوں کا تذکرہ کرتا ہے جنھیں اس نے خود دیکھا تھا اور اس کے بیانات اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہیں کہ ان میں ان (مقابلوں) سے متعلق دلچسپ تفصیلات ہیں۔ وہ کہتا ہے "ان کے یہاں ایک دوسرے کو ڈوئیل کے مقابلہ کے لیے چیلنج کرنے کا رواج ہے اور جب چیلنج قبول کر لیا جاتا ہے اور بادشاہ اپنی اجازت دے دیتا ہے تو جن کو مقابلہ کے لیے چیلنج دیا گیا ہے وہ ڈوئیل کا دن مقرر کرتے ہیں۔ جو ہتھیار استعمال ہوتے ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ پیمائش کے مطابق ہوں یعنی ایک شخص کے ہتھیار کی لمبائی اتنی ہی ہو جتنی کہ دوسرے شخص کے ہتھیار کی ہے۔ بادشاہ ہر فریق کے حامیوں اور مقابلہ کے لیے میدان کا تعین کرتا ہے اور جب یہ باتیں مکمل ہو جاتی ہیں تو وہ وہاں نہایت ہشاش وبشاش (تقریباً) برہنہ میدان میں جاتے ہیں۔ چیزوں کے ساتھ صرف ایک چھوٹا سا کپڑا ان کی کمر میں بندھا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنی اپنی دعائیں مانگنے کے بعد وہ لڑائی شروع کرتے ہیں اور چونکہ وہ (تقریباً) برہنہ ہوتے ہیں لہٰذا بادشاہ اور اس کے دربار کی موجوگی میں صرف چند ہی ضربوں کے بعد مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے مقابلہ کے دوران ان کے حامیوں کے علاوہ جو اپنے آدمی کی طرف کھڑے ہوتے ہیں کوئی دوسرا شخص ان سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ ان کے یہاں (اس مقابلہ کا) یہ دستور اس قدر عام ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص روز ہی قتل ہو جاتا ہے[264]۔ کسٹن ہڈا (CASTANHEDA) بھی اس دستور کا ذکر کرتا ہے اور وہ مزید کہتا ہے کہ جس شخص کو بادشاہ ڈوئیل کی لڑائی میں زیادہ بہادر سمجھتا تھا اسے سونے کی ایک زنجیر دیتا تھا اور بادشاہ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس (بہادر) کی اس شخص کے مقابلہ میں حفاظت کرے گا جو اس (کی بہادری) کو چیلنج کرے گا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کچھ لوگ عورتوں کی محبت میں بھی ڈوئیل لڑتے تھے اور اس کے اوپر کبھی کبھی اپنی جانیں گنوا بیٹھتے تھے[265]۔ جہاں اس طرح کے ڈوئیل اور کشتیاں لڑی جاتی تھیں وہاں ان کے لیے بظاہر مخصوص ورزش گاہیں (GYMNASIUM) ہوتی تھیں اور ان کے اخراجات کے لیے انھیں ٹیکسوں سے

Marfat.com

مستثنیٰ زمینیں عطا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ چندرولّی (CANDRAVALLI) مقام کی ایک دستاویز مورخہ 1677ء میں ایک ورزش گاہ کے اخراجات کے لیے ٹیکس سے بری ایک زمین کے عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے[266]۔ رگھوناتھ آبھی ادیم (RAGHUNATHA BHYUDAYAM) میں بھی تنجور مقام میں اس قسم کی ایک پرورش گاہ کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے[267]۔

فادر ڈوجیرک چندرگیری کی ورزش گاہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "اس کے لیے موزوں مکان کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے جس کے فرش پر چونے کی ایک تہ ہوتی ہے جو اتنا صاف ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک راستہ سا بنا ہوتا ہے جس پر سرخ مٹی بچھی ہوتی ہے جس پر وہ اس طرح آرام کرتے ہیں گویا نرم بستر پر ہوں[268]۔"

تفریح کا ایک اور ذریعہ شکار کھیلنا تھا جو نہ صرف بادشاہوں کی بلکہ عوام کی بھی ایک تفریح تھی۔ وجے نگر کے بادشاہ ہاتھیوں کے شکار میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ دیورائے دوم کو گجپت کارا (ہاتھیوں کا شکاری) کہا جاتا تھا[269]۔ بادشاہ ہاتھیوں کا شکار ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی بہت محظوظ ہوتے تھے۔ یہ بات گجوتائی کنڈواردلیا (GAJAVETTAI KANDUAHULIJA) (جس نے ہاتھی کے شکار کا مشاہدہ کیا) کے خطاب سے عیاں ہے[270]۔ ہاتھیوں کا شکار کرنے اور انھیں پکڑنے کے لیے جو طریقے اپنائے جاتے تھے عبدالرزاق تفصیل سے ان کا ذکر کرتا ہے[271]۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سوروں اور ہرنوں کا شکار بھی کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اکثر گجر گیا دہار (GAJENRGAYAVIHAR) (ہاتھیوں کا تفریحاً شکار کرنے والے) کا خطاب اختیار کرتے تھے[272]۔ دیورائے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے سور کے ایک شکار کی کوشش کی تھی[273]۔ ان تمام شکاروں میں بظاہر باز اور شکرے کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جاتا تھا جیسا کہ سالووا (SALUVA) اور رائے پکسی سالووا (BAYAPAKSI SALUVA) جیسے الفاظ و خطابات سے ظاہر ہوتا ہے[274]۔ لیکن فرشتہ کہتا ہے کہ شکرے کے استعمال سے ہندو نابلد تھے[275]۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے کیوں کہ ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو باز و شاہین کے استعمال سے واقف تھے جیسا کہ مذکورہ بالا خطابات سے عیاں ہے[276]۔

لوگوں کی ایک تفریح شہ سواری بھی تھی۔ مندر کی دیواروں پر گھوڑوں پر سوار افراد کی تصویروں کا کندہ ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کتنے بڑے پیمانے پر گھوڑے جنگوں میں استعمال

Marfat.com

کیے جاتے تھے۔ اپّا نایک نامی ایک سردار کو 1383ء کے ایک کتبہ میں منڈلیکاؤں (MANDALIKAS) کا چیمپین کہا گیا ہے۔ جو ایک اسٹول یا رکاب کی مدد سے گھوڑے پر پر سوار ہوتا تھا۔[277] اس خطاب سے ظاہر ہے کہ شہ سواری کس قدر مقبول تھی۔

عوام کی دوسری تفریحات میں سے ایک شطرنج کا کھیل تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیورائے کی لڑکی اس کھیل میں مہارت رکھتی تھی۔[278]

ان کھیلوں کے علاوہ جن سے لوگ محظوظ ہوتے تھے، تھیٹر اور رقص و سرور بھی ان کے لیے بڑی تفریح اور دل کے بہلاوے کا باعث بنتے تھے۔

وجے نگر کے ناٹک کے متعلق ہمیں کچھ تفصیلات اس عہد کے ادب میں ملتی ہیں ملیکا رجنا رائے (MALLI KARJUNA RAYA) کے ایک ہم عصر شاعر گنگا دھر نے پاواچالا (PAVACALA) ریاست کے حکمراں کی درخواست پر سنسکرت میں گنگا داس پرتاپ ولاسم (GANGADA SAPRATEPAVITASAM) نامی ایک اعلیٰ درجہ کا ڈرامہ لکھا تھا اس تصنیف پر اسے کنک آبھیشیک (KANAKABHISEKA) (سونے میں غسل) کے اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ لیکن دربار میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس ڈرامے کو اسٹیج کرتا لہٰذا ملیکا رجنا کے دربار کے ایک اداکار نے یہ تجویز رکھی کہ وہ گنگا داس کے دربار میں جا کر اس نئے ڈرامے کو اسٹیج کرے۔[279] کرشن دیورائے نے، جو جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بذات خود بڑا عالم تھا، جامباوتی کلیانم (JAMBAVATTIKALYANAM) نامی ایک ڈرامہ سنسکرت میں لکھا تھا۔ تصنیف کے دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ اس ڈرامہ کو ان لوگوں کے سامنے اسٹیج کیا گیا تھا جو وجے نگر میں ویروپاکسیا کے چترا (CHAITRA) (موسم بہار کے جشن میں شرکت کے لیے جمع ہوئے تھے۔[280] کتباتی ثبوت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں لوگ تھیٹر سے واقف تھے۔ 15-1514ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ تیروپتور (TIRUPPATTUR) کے سوم رس کے بیٹے کرنم بس پرسا (KARANAM BASAPARASA) نے نتوا ناگیا نامی ایک شخص کو، جس کا باپ جگیا (CEGAYYA) تائی کندن آٹک (TAYIKKINDANATAK) نامی ڈرامے سے متعلق تھا، اور پوتا دری کے نتوا تمیا (NALLUVA TIMMAYA) کی بیٹی کو، جو ایک پاتری (PATRI) (اداکارہ؟) تھی زمین کا ایک تحفہ دیا تھا۔[281] چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں ناٹک

Marfat.com

نہ صرف یہ کہ لکھے جاتے تھے بلکہ عوام کے سامنے انھیں اسٹیج بھی کیا جاتا تھا۔

ڈرامے ہی کی ایک مختصر پیمانے پر نقل کٹھ پتلی کا تماشا تھا جو وجے نگر کے زمانہ میں بہت مقبول معلوم ہوتا ہے ۱۵۲۱ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ آپاکونتی پیل (UPPAKUNTIPALE) کے گاؤں کو جو سدلی (SADALI) کی ملکیت میں تھا، گنگارائے دیو مہاراجہ آپانامی ایک شخص نے کٹھ پتلی کا تماشہ دکھانے والے (بوماّلاتے BOMMALATA) پروتی پرنرور پا کے بیٹے کرشما کرشنپا (KRSNAPPA) کو عطیہ میں دیا تھا[282]۔ اس سے پہلے کی ایک دستاویز میں بھی کٹھ پتلی کا تماشا دکھانے والوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے "جس طرح اسٹیج کا منتظم کٹھ پتلی کا تاگا کھینچتا ہے اور اسے نچاتا ہے اسی طرح (؟) وہ میرے افعال کو کنٹرول کرتا ہے . . . ."[283]

رقص کسی بھی تھیٹر کی ایک لازمی خصوصیت ہے اور وجے نگر کے دربار میں اس فن کی بہت زیادہ ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ گوپا ٹپا نے ناچ اور گانے پر ایک کتاب لکھی تھی[284]۔ وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ فن کمال کے اس درجہ پر پہونچ چکا تھا کہ مثال کے طور پر، جب عبدالرزاق نے مہانومی۔ کے جشن کے موقعہ پر بتوں کے سامنے اس کا مظاہرہ دیکھا تو وہ اتنا محظوظ ہوا کہ وہ کہتا ہے کہ "لڑکیوں کے پیر اس خوبصورتی سے تھرکنے لگے کہ عقل اپنے حواس کھو بیٹھی اور روح خوشی سے مدہوش ہوگئی"[285]۔ دیوداسیاں (خدا کے خدمت گزار) جس نام سے کہ رقاصائیں معروف تھیں، مندروں سے منسلک رہتی تھیں اور جب دیوتا کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تھا تو وہ بتوں کے سامنے ناچتی تھیں اور خود اسے (دیوتا کو) کھانا اور دوسری ضروری اشیا، پیش کرتی تھیں[286]۔ نونیزان رقاصاؤں کے متعلق، جو مندروں سے منسلک تھیں، بتلاتے ہوئے کہتا ہے، کہ ہر سنیچر کو وہ پابند تھیں کہ محل میں جاکر بادشاہ کے بت کے سامنے، جو محل کے اندرونی حصہ میں ہوتا تھا رقص کریں[287]۔ بربوسا کہتا ہے کہ ان ناچنے والی لڑکیوں کو ناچنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ محل میں رقص کے لیے ایک ہال تھا جہاں عورتیں داشتائیں ضروری تربیت حاصل کرتی تھیں۔ پائز اس ہال کا تفصیلی بیان پیش کرتا ہے۔ ہال طویل اور پتلا تھا جس کے چاروں طرف متعدد ستون تھے جن پر ملمع تھا۔ ہر دو ستونوں کے درمیان لکڑی کی ایک پٹی تھا جن پر تصویریں بھی بنی ہوتی تھیں اور ان تصویروں اور کھمبوں کے درمیان منقش طشتریوں کی طرح پھول پتیاں بنی ہوئی

Marfat.com

تھیں جو تمام کی تمام سرخ و نیلی پتیوں کے مخصوص رنگوں سے آراستہ ہوتی تھیں یہ تصویریں رقاصاؤں کی ہوتی تھیں جو چھوٹے چھوٹے ڈھول لیے ہوتی تھیں۔ دستونوں کے درمیان کی پٹیوں پر بنی ہوئی تصویروں میں کسی ناچ کے اختتام کے وقت رقاصاؤں کی حالت کی عکاسی اس طرح کی گئی تھی کہ ہر پٹی پر ایک رقاصہ ناچ کے اختتام پر ایک مخصوص انداز میں دکھائی گئی تھی۔ یہ عورتوں کو سکھلانے کے لیے تھا تاکہ اگر وہ اس انداز کو بھول جائیں جن پر انھیں اپنا ناچ ختم کرنے کے بعد کھڑا رہنا چاہیے تھا تو وہ ان پٹیوں کو دیکھ لیں جہاں اس حالت کو دکھایا گیا جس پر انھیں ناچ کے خاتمے پر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے ذریعہ وہ اپنے ذہن میں یہ رکھ سکتی تھیں کیا کرنا ہے۔ وہاں ایک رنگا ہوا طاق بھی تھا جسے عورتیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتی تھیں تاکہ وہ اپنے جسم اور ٹانگوں کو اچھی طرح پھیلا سکیں اور ڈھیلا کر سکیں یہاں انھیں یہ سکھایا جاتا تھا کہ وہ اپنے پورے جسم کو لچکدار بناویں تاکہ ان کا رقص زیادہ پرکشش ہو سکے۔ بادشاہ ان رقصوں کو دیکھتے تھے۔ ہال کی دیوار پر وسط میں بارہ سال کی ایک لڑکی کی ایک طلائی تصویر رکھی ہوئی تھی جس کے ہاتھ اس حالت میں تھے جو وہ ناچ کے اختتام پر اختیار کرتی تھیں[288]۔ تنجور کا رگھوناتھ نایک رقص کے فن اور اس کے قوانین میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ اس نے ناچ کا ایک نیا طرز وضع کیا جو اس کے نام پر رگھوناتھ ولاس کے نام سے معروف ہے[289]۔

ناچ کے ساتھ ساتھ کولاتّم (KOTALLAM) یا چھڑیوں کا ایک کھیل بھی تھا۔ نوجوان لڑکیاں خوش وضع لباس اور چھوٹے چھوٹے جتھوں میں سڑکوں پر گشت کرتی تھیں۔ ان سب کے دونوں ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی گول رنگین چھڑیاں ہوتی تھیں جو تقریباً ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ لمبی ہوتی تھیں جنھیں وہ ایک دوسرے پر موسیقی کی کسی دھن میں بجاتی تھیں جن سے ڈھول اور دوسرے آلات موسیقی کی سی آوازیں نکلتی تھیں اور گروہ کی سب سے زیادہ مشّاق لڑکی کسی گانے کا ایک مصرعہ گاتی جس کے خاتمے پر وہ تمام کی تمام اپنی دھن کی بحر کے مطابق سات یا آٹھ بار کول، کول، کول (COLE) کے الفاظ دہرا کر اس کا جواب دیتیں[290]۔ اس طرح وہ سب کی سب مندر میں جاتیں اور ان کے پیچھے پیچھے دوسری عورتیں ہوتیں اور رات گئے تک مندروں میں حلقہ بنا کر ناچتی رہتیں[291]۔ پیٹرو ڈیلا ویلے جس نے اس رسم کو قلمبند کیا ہے، لکھتا ہے کہ یہ ایک جشن تھا جسے وہ مہودک (MALODAKA)

Marfat.com

کی بیوی، گوری (GAURI) کے اعزاز میں دی گئی ایک دعوت کے اختتام پر تین دن تک مناتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ اس جشن کو لڑکیاں مناتی تھیں[292]۔

وجے نگر کے دربار میں موسیقی کی بڑی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ کتبات میں بعض آلات موسیقی کے نام درج ہیں مثلاً بھیری، ڈنڈوبھی (DUNDUBHI) ہماموراج (MAHAMURAJA) اور وینا[294] طنبور (TAMBURU) کے استعمال سے بھی لوگ بخوبی واقف تھے اور 1533ء کے ایک کتبے میں زمین کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جسے اپّا نایک نامی ایک شخص نے ہوروولی (HURUVALI) میں واقع ہنومنت مندر کے طمبورین (TAMBURU) بجالانے والوں تمّاتوکرارتیج (TAMBIATU KARARIGE) کو عطیہ میں دیا تھا[295]۔ ینگ یائی شیلنگ لین (YINGYAISHENGLAN) کے مطابق کالیکٹ کے لوگوں کا آلہ موسیقی بوتل نما تونبے کا بنا ہوتا تھا جس کے تار تانبے کے ہوتے تھے۔ اس میں درج ہے کہ ساز بجاتے وقت دھات کے ٹکڑوں کے بجنے کی آوازیں سروں میں سنی جاسکتی تھیں[296]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں اور سولہویں دو صدی کے دوران جنوبی ہندوستان میں علم موسیقی میں بہت سی تبدیلیاں لائی گئیں جو اس موضوع پر کتابوں کی تصنیف کا باعث بنیں گوپاٹپا (GOPATIPPA) نے موسیقی پر ایک کتاب لکھی جس میں ناچنے اور گانے کے مختلف طرزوں کا تعین کیا[297]۔ کہا جاتا ہے کہ موسیقی اور خطابت میں کرشن دیو رائے کا کوئی ہمسر نہ تھا[298]۔ کرشن جو ایک بہت بڑا عالم موسیقار اور وینا بجانے کے فن کا ماہر تھا اور جو راگھویندر (RAGHUVENDRA) کا پرنانا تھا اس نے کرشن دیورائے کو وینا بجانے کے فن کی تعلیم دی تھی اور اس سے گرو دکشینا کے طور پر قیمتی موتیوں کا ایک ہار اور دیگر جواہرات حاصل کیے تھے[299]۔ شری پادرائے سوامی کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سالووانرسمہا کا استاد تھا اس سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ اس نے موسیقی کے سیکڑوں سروں کو ترتیب دیا تھا مثلاً اوگا بھوگا، سولادی، گیتا اور پربندھا۔ شری وادی راجا سوامی، پورندر داس اور کنک داس نے جو داس کوٹا (DASAKUTA) سے تعلق رکھتے تھے، کی دو قسم کے گانوں کو ترتیب دیا تھا۔ ایک گیتا اور پربندھا اور دوسرا اگا بھوگا[300]۔ کہا جاتا ہے کہ پورندر داس نے ہر راگ کی وضاحت یک گانے سے کی تھی اور اس کے ترتیب دئے ہوئے راگوں کی مجموعی تعداد کا تخمینہ 475000 ہے[301]۔ رام رائے وینا کی موسیقی اور گانے سے بہت محظوظ ہوتا تھا[302]۔ مزید یہ کہ رامیا

Marfat.com

ماتتیا (RAMAYAMATYA) کی سورمل کانیدھی (SVAREMEL KALANIDHI.) کے مطابق رام رائے اپنے اوقات موسیقی اور دیگر فنون میں ماہر عالموں کے درمیان گذارا کرتا تھا اس رامیا ماتیانے فن موسیقی میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وینکٹادری کے مشورہ پر اس نے اپنی کتاب سورمل کانیدھی بھی لکھی تھی جو فن موسیقی پر ہے اور اس تصنیف میں اس نے عالموں کے درمیان موسیقی کے متعدد متنازع فیہ نکات کے تصفیہ کی کوشش کی ہے[303]۔

تنجور کا رگھوناتھ نایک موسیقی کا مستند ماہر تھا۔ وہ نئے راگ مثلاً جینتاسین (JAYANTA – SENA) اور نئے تال مثلاً رامانندا (RAMANANDA) کا موجد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے متعدد موسیقاروں کو وینا بجانے کی تعلیم بھی دی تھی۔ اس نے خود اپنے نام پر ایک نئے میل (MELA) کو بھی ایجاد کیا تھا جس پر کسی بھی معروف راگ کو بجایا جاسکتا تھا[304]۔

تنجور کے گوندادکشت کے بیٹے وینکٹامکھی (VENKATA MAKHI) نے علم موسیقی پر چترڈنڈی پرکاشیکا (CATURDANDI PRAKASIKA) نامی ایک اہم کتاب لکھی تھی۔ وہ تاناپاچاریا (TANAPPACARYA) کا ایک شاگرد تھا جو شارنگادیو (SARANGADEVA) کے تعلیم یافتہ خاندان کا ایک فرد تھا۔ اس کی کتاب موجودہ زمانے کے جنوبی (ہندوستان کے) طرز موسیقی کی بنیادوں کا تجزیہ پیش کرتی ہے اور اس کے راگوں کی قسموں کو بیان کرتی ہے۔ (اس میں) راگوں کو بہتر ابتدائی راگوں میں ترتیب دیا گیا ہے جس کو میل کرت (MELAKOTTAS) کہا جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ وہ متعدد راگ بھی منسلک ہیں جو انھیں سے مشتق ہیں۔ اس مصنف نے راگوں کی وضاحت کے لیے صرف بارہ[12] سروں (SEMITONES) کو استعمال کیا ہے[305]۔

عورتیں بھی کرناٹا اور دیشا دونوں قسموں کی موسیقی کو سمجھنے پر قدرت رکھتی تھیں۔ وہ نہایت شیریں انداز میں گانے اور وینا اور اسی طرح کے دوسرے آلات موسیقی مثلاً راون ہست RAVANHASTA کو بجانے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ رگھوناتھ نے ان سب کی مہارت کا امتحان لیا اور انھیں کنک آبھیشکا (KANAKABHISEKA) کا اعزاز بخشا۔ چند گانے جو اس کے سامنے گائے گئے تھے ان کو اسی نے وضع کیا تھا۔ جو اصل راگ گائے گئے وہ یہ تھے۔ جیسے منگلا کیمل لیلا (MANGALAKAILA) جیسے نسارو (JAYARISSARU) اور لیمبرترا (KIGACHITDA) چندتال جن پر یہ گائے گئے یہ تھے۔ رتی لیلا، تورنگ لیلا، رنگابھرن، انگابری کرمن (ANANGAPVITA KARANA)، ابھینندن، نندنندنا اور ابھی مالا۔

Marfat.com

حواشی

باب ہشتم

لے اپی گرافیا اندیکا 3، ص 125
ٹے اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI، 11
ٹے اپی گرافیا کرناٹیکا 6، KOPPA، 32
ٹے اپی گرافیا کرناٹیکا، 8، TIRTHAHALLI، 14
ٹے سورسیز از ایس، کے، اینگر ص 143
ٹے ایلیٹ، ح، س، 4، ص 105
ٹے سیول، ح، س، ص 246، نونیز کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً ص 390
ٹے آنکتا، کھنڈ 4، اشلوک 276
ٹے بربوسا، 1، ص 217
ٹے سیول، ح، س، ص 361
ٹے ایضاً ص 245، باربوسا، 1، ص 217 بھی ملاحظہ ہو۔
ٹے سیول، ح، س، ص 245
ٹے ایضاً
ٹے HIS. PILGRIMS، از پرکاز، 10، ص ص 255-256
ٹے آنکتا، کھنڈ 4، اشلوک 217
ٹے ایضاً کھنڈ 4، اشلوک 261
ٹے دیا یوگی چرترم (VYASAYOGICARITRAM) دیباچہ 91-95، سومناتھ (SOMANATHA)

Marfat.com

کا 40 بحوالہ سیلیٹور، ح، س، 2 ص 126

18ھ 1906 کا 47، رپورٹ، 1907، پیراگراف 59

19ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1907، پیراگراف 53

20ھ ملاحظہ ہو ویمن (VEMANA) کے اشعار، ترجمہ از براؤن، دیباچہ ص 3

21ھ ایضاً۔ B.K. سوم، اشلوک 164-166، ص ص 170-171 وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے "اپنے تمام مطالعوں کے بعد ہوش و حواس کی مکمل حدوں تک پہونچ کر بھی اور روحانیت کی خلاف ورزی نہ کرنے کے باوجود جیسے ہی وہ (برہمن) کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تھا تو اپنی تمام پاکدامنی کو بھول جاتا ہے" (ایضاً اشلوک 270، ص 200

22ھ HIS. PILGRIMS، از پرکاز، 10 ص ص 255-256

23ھ گیسرو بلبی (GASPARO BALBI)، پرکاز کی HIS. PILGRIMS، ص 148

24ھ بیس یا چوبیس میل، رموسیو (RAMUSIO)، آٹھ فرسخ، اسپینی

25ھ بربوسا، 1، ص 217

26ھ سیول، ح، س، ص ص 379-380

27ھ ایضاً، ص 280

28ھ مدراس ایپی گرافی رپوٹس 1913، پیراگراف 60، مملکت وجے نگر میں ان کی پیدائش اور وہاں ان کے پھیل جانے سے متعلق ایک دوسرے خیال کے لیے ملاحظہ ہو STUDIES IN THE HISTORY OF THE THIRD DYNASTY OF VIJAYANAGAR، از این۔ وینکٹ رامنیا N. VENKATARAMANAYYA.

29ھ 1917 کا 694

30ھ 1920 کا 402

31ھ 1920 کا 403

32ھ 1912 کا 586، ویراویتو دینوں (VIPRAVITODINS) کے ثواب کے لیے ایک مندر کو ایک عطیہ دیے جانے کے بارے میں ملاحظہ ہو [illegible] اور [illegible] کا 395۔

Marfat.com

33ھ 1917 کا 804، دستاویز کی تاریخ شاکھا 10303 ہیولمبی (HEVILAMBI)
ہے۔ظاہر کہ یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں۔

34ھ 1916 کا 44

35ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، BELUR ،5

36ھ 1916 کا 309 اور 378، رپورٹ، 1917، پیراگراف 55

37ھ NELLORE INSCRIPTION 2، NELLORE ،54

38ھ ایضاً، 3، UDAYAGIRI ،20، مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1892 کا 204،
TOPOGROPHICAL LIST OF INSCRIPTIONS OF THE MADRAS PRESIDENCY
ازوی رنگاچاریہ (V. RANGACHARYA، NELLORE، 771

39ھ 1922 کا 65 رپورٹ 1922، پیراگراف 54

39ھ الف 29-1928 کا 293، رپورٹ، پیراگراف 66

40ھ 1911 کا 319

41ھ 1918 کا 162، 1921 کا 473، 29-1928 کا 291، رپورٹ، 1929، پیراگراف 62

42ھ 1925 کا 422، یہاں درج شدہ تاریخ بظاہر غلط ہے۔کتبہ کی تاریخ شاکھا 1409 وشواوشو (VISVAVASU) سمہا (SIMHA) ہے۔دیگر دو کتبات میں جن کا حوالہ دیا جاچکا ہے، درج ہے کہ شاکھا 1407 میں وسو موجود تھا۔علاوہ بریں، 1921 کے 473 اور 29-1928 کے 291 کے مطابق ولودیلم بٹو (VALUDILAMBATTU) راجیہ کے کیکولاؤں کو وہی مراعات حاصل تھیں جو کانچی پورم اور ویرنچی پورم کے کیکولاؤں کو حاصل تھیں۔اس بات سے ظاہر ہے کہ کانچی کے کیکولاؤں کو مراعات یقیناً پہلے عطا کی گئی تھیں۔چنانچہ کتبہ کی تاریخ غلط ہے۔

43ھ "اچھے اور برے مواقع"، کا جملہ ظاہر کرتا ہے کہ ان فرقوں کو یہ مراعات صرف رسوم ورواج کے مبارک یا غیر مبارک موقعوں پر ہی حاصل تھیں۔

44ھ 1917 کا 368، رپورٹ، 1918، پیراگراف 70

45ھ 1922 کا 41، ایلائی وانیار (ILAIVANIYARS) ایک برادری ہے جس کا خاص.

Marfat.com

پیشہ پان کی بیلوں کی کاشت اور اس کے پتوں کی فروخت ہے۔

46ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 12، تری بھون مہادیوی پررو (T. P.)، 126

47ھ انڈین اینٹکوری، 10، ص 65

48ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 11، HOLAKANURN، 6

49ھ مدراس اپی گرافی رپورٹس 1926، رپورٹ، پیراگراف 43

50ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 11، HOL/KANURN۔ متعدد کتبات میں ان معافیوں کا تذکرہ ملتا ہے، اپی گرافیا کرناٹیکا 13، TARIKERETALUQ، نیلور انسکرپشنز KN، 2، 20؛ اپی گرافیا کرناٹیکا 11، HOLALKIRE، 1905 کا 318، 1906 کا 472 اور 514، 1913 کا 218، 1915 کا 475، 1920 کا 354، 1926 کا 352 وغیرہ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے ان معافیوں کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل ہے، عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ رام راج کو ندجا حجام سے بہت زیادہ خوش تھا اس لیے کہ وہ داڑھی بنانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا (راج، کرشن شاستری، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 09-1908، ص 198، حاشیہ 5) بہر حال بادشاہ اور وزیر کے دل میں حجاموں کے لیے جو خاص خیال تھا سلیٹور اس کی وضاحت کی کوشش کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کرناٹک کے اضلاع میں کورمبروں کی طاقت واثر ورسوخ کو ختم کرنے میں ان (حجاموں) کا تعاون بھی شامل رہا ہو اور اپنے اس دعوٰی کی تائید میں وہ لکھتا ہے کہ "جن کتبات میں ان معافیوں کا تذکرہ ملتا ہے وہ بادامی (BADAMI) کے اطراف میں مجتمع ہیں اور اس خط پر پھیلے ہوئے ہیں جو کلادگی (KALADGI)، چیتل درگ (CHITA-LDROOG.) اور تمکور (TUMKUR) کے اضلاع پر محیط ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں تامل اور تیلگو کے بہت سے اضلاع کے حجاموں کے حق میں بھی ٹیکسوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ بلا سبب معافیاں ان کے حق میں بھی اس بنیاد پر دی گئی ہوں کہ وہ ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے سلیٹور احتیاطاً یہ اضافہ کرتا ہے کہ "ممکن ہے کہ مستقبل کی تحقیقات ہمیں اس لائق کر دیں کہ ہم ان واقعی حالات و مواقع کو جان سکیں جنھوں نے کورمبروں کی کہانی میں حجاموں کو بھی شامل کر دیا تھا۔ SOCIAL AND POLICAL LIFE.، جلد 2، ص ص 47 اور 48، حاشیہ 10)

51ھ ان کے کرتبوں کے تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو HISTORY OF INDIA.، از ایلیٹ 4

Marfat.com

ص ص 118-119، اور HIS. PILGRIMS از پرکاز، ۱۰ ص ص 247-248

52ـه 1926 کا 309، رپورٹ 1926 پیراگراف 41

53ـه کورل (KURAL) ازٹی ڈبلو ایلس (T.W.ELLIS) ص 44، بحوالہ MAD-
ORG. INHABI- ،1887-88 ، RAS JOURNAL OF LITORATNS AND SCIENCE .
TANTS OF BHARATVERSHA ، ص ص 85

54ـه ایضاً ص ۹۰

55ـه TAMIL STUDIES ، ص ص 73، 92، 108، ڈاکٹر ایل ڈی برنٹ DR. L.D. BARNELT
کے خیالات کے لیے ملاحظہ ہو ایپی گرافیا انڈیکا 15، ص 81

56ـه HINDUS MANNERS COSLOMS AND CEREMONIES. ،1، ص 26

57ـه MACHENZIACOLLEETION. ، از ولسن، ص 428، ایدنگائی اور ولنگائی برادری کے لوگوں
کا بیان، TAMIL LOCAL TROCTS. ، از تیلور (TAYLOR)

58ـه CATALOGUE RAISONRD ، از تیلر ، ص ۔" ویشنوا (VAISNAVA)
برہمنوں اور ان کے متقدین کے درمیان جو بائیں بازو کی اصطلاح سے معروف
تھے، ایک زبردست جھگڑے سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جھگڑا گرودا (GARUDA)
علم یا ایک ایسے جھنڈے جس پر ویسنوا کے چیل یا عقاب کا ایک نقشہ بنا تھا، استعمال کرنے کے
سلسلہ میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس جھنڈے کو رکھنے کے حق نے اور اس مسئلہ نے کے یہ جھنڈا دونوں
طبقوں میں سے کس کا ہے، اتنا زبردست جھگڑا کھڑا کر دیا کہ اس مسئلہ کو ثالث کے طور
پر وِکرم دیو پیرو مال (VICKRAMA COLADEVA PERUMAL) کے
سپرد کر دیا گیا اس شہزادے نے کنجیورم مقام کی تانبے کی تختیوں کی قدیم دستاویزات کو کھدوا
کر ان کی جانچ کا انتظام کروایا اور قانونی ماہرین سے مشورہ کیا۔ نتیجتاً گرودا جھنڈے پر شیوا کا
دعویٰ تسلیم کر لیا گیا لیکن دوسری بات جو نتیجتاً واقع ہوئی وہ ان مراعات کی زیادہ واضح توضیح و تعریف
تھی ان دونوں طبقوں کے لیے مناسب تھیں یا مناسب نہیں تھیں کتاب میں ان طبقوں
یا برادریوں کو بھی گنا دیا گیا ہے جن کے درمیان ویسنو اور شیوا کی دونوں جماعتیں منقسم تھیں نیز پرائیروں

Marfat.com

(PARAIRS.) اور دیگر طبقوں کو بھی گنا دیا گیا ہے جو دائیں بازو کے طبقے کے تحت آتے ہیں۔ جانبین کی ان برادریوں کی تعداد 98 بتائی جاتی ہے۔ ذیلی تقسیمیں ایسی برادریوں کے اشخاص پر مشتمل تھیں جو کسی ذات سے متعلق ہوتے تھے، یعنی پرایر نہ تھے۔

59ھ 1905 کا 422

60ھ 1921 کا 185

61ھ CATALOGUE RAISONNE، از ٹیلور 3، ص 305

62ھ 1926 کا 253

63ھ 1906 کا 4، 1910 کا 215

64ھ 1918 کا 92، 1914 کا 59 وغیرہ بھی ملاحظہ ہو، دونوں طبقات کے سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے QUARTERLY JOUHAL OF ASIATIC HISTORICAL RESEARCH. SOCIETY میں سی۔ ایس شری نیواسس اچاری (C.S.SRINIVAS ACLARI) کا ایک مضمون* بھی ملاحظہ ہو 4، ص ص 77-85، سالم گزیٹیر (SALEM GAZETTEER) از اچار، دس، جز 1، ص 25، حاشیہ 2، ORIENTAL INHERITOGE OF BHARATAVARASHA، از اپرٹ (OPPERT.) ص 90، حاشیہ 59۔

65ھ TAMIL STUDIES. ص 85

66ھ نیلسن ان نوآبادکاریوں کا نام وڈوگا (VODUGA) بتلاتا ہے اور انھیں کاورر (KAVARERS)، گولا GOLLAS، ردّی، کماور (KAMMAVARS) اور ٹوٹین (TOTTIYANS) یا کمار (KAMBALAR) میں منقسم کرتا ہے۔ ان میں سے آخری تین کاشتکار تھے MADURA MANUAL جز 2، ص 80

67ھ ان کے ایک بیان کے لیے رنگاچاری کی انڈین اینٹیکویری 1915 ص ص 135-137 ملاحظہ ہو CASTES AND TRIBES، 7 ص ص 183-197 از تھرسٹن (THURSTON) بھی ملاحظہ ہو۔

68ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، HOSKOTE، 103 (الف)

Marfat.com

حاشیہ ۶۹ MATHURA GOZETTEER 3%

حاشیہ ۷۰ ایضاً

حاشیہ ۷۱ اپی گرافیا کرناٹیکا ۹، hoskote، ۱۰۸ اور ۱۰۹

حاشیہ ۷۲ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI، 134

حاشیہ ۷۳ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، TIRTHAHALLI، 175

حاشیہ ۷۴ ۱۹۰۸ کا 354، ریورٹ، ۱۹۰۹، پیراگراف 67

حاشیہ ۷۵ 1887 کا 47، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس ۱ نمبر 56 ص ص 82-84

حاشیہ ۷۶ اس کے برعکس ملاحظہ ہو ڈاکٹر ایس. کے. اینگر کا - QUERTESLY J OUSUAL OF MY THE SOCIETY، 6، ص 49

حاشیہ ۷۷ 1892 کا 337 MACKENZIE MANUSCRIPTIONS .. 16 (15-3-4) ص 12، اولی (OLI) دلہن کی قیمت کی طرح کی ایک چیز ہے۔ عام طور پر یہ اصطلاح نیچے طبقے کے لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ مندرجہ ذیل کہاوت سے اس کے معنی واضح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (کتبات میں ملاحظہ ہو)

حاشیہ ۷۸ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 8-1907، ص 230

حاشیہ ۷۹ HIS. PILGRIMS، از پرکازہ ۱۰، ص 256

حاشیہ ۸۰ THE RISE از برگس (BRIGGS) 2 ص 380

حاشیہ ۸۱ بربوسا ۱، ص ص 213-216

حاشیہ ۸۲ سیول، ر، س، ص ص 391-393 پی، وی، جگدیش ایر کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانے کے برہمنوں کو ایک ایسے پودے کی واقفیت تھی جس کا عرق جب صندل کے پانی سے ملا کر ستی کرنے والی عورت کے پورے جسم پر مل دیا جاتا تھا تو اسے آگ کی حدت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ اس کا خیال ہے لوگ غالباً اس پودے کے عرق کو استعمال کرتے تھے ان کی تصنیف CUSTOMS ص 93 ملاحظہ ہو

حاشیہ ۸۳ SUTTEE، از ایڈوارڈ تھومسن (EDWARD THOMPSON) ص 43

حاشیہ ۸۴ HIS. PILGRIMS، از پرکازہ ۱۰، ص ص 94-96 ——— دوسری تفصیلات کے

Marfat.com

سے لیے ملاحظہ ہو ایضاً از نسکوٹن، پرکاز، ص ص 256-257؛ براداس، سیول، ح، س، ص 224، TRAVELS از پیٹرو ڈلا ویلے (PIETRODELLAVALLE)، 2، ص ص 266-267-

۸۵ سیول، ح، س، ص 292-293

۸۶ بربوسا ا، ص ص 218-219

۸۷ HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص ۹۶

۸۸ ایضاً، ص 148

۸۹ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 496، 165 وغیرہ

۹۰ اپی گرافیا کرناٹیکا 9، DG. 116؛ اپی گرافیا کرناٹیکا 7 SHIKARPUR، 302، اپی گرافیا کرناٹیکا 8 SAGARTALUQ 8، وغیرہ۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ غالباً ستی شیموگا ضلع میں خاص طور پر بڑے پیمانے پر رائج تھی۔

۹۱ ملاحظہ HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص ص 256-257

۹۲ بربوسا ا، ص 215، نشان زدہ جملہ ہمارا اضافہ ہے۔

۹۳ اپی گرافیا کرناٹکا 8، SORAB 495

۹۴ اپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 106

۹۵ SOME RECORDS OF CRIME، 2، ص 506 بحوالہ SUTTEE از تھومپسن، ص 45

۹۶ تھومپسن، ح، س، ص 48

۹۷ HAMPI RUINS، از لونگ ہرسٹ (LONGHAIRST) ص 38

۹۸ میسور انسکرپشنز ص 126 اور (SOCIAL AND POLITICAL LIFE IN VEJAYANAGARA EMPIRE، از سلیٹور 2، ص 96 اور حاشیہ 2۔

۹۹ بربوسا ا ص 216

۱۰۰ HIS. PILGRIMS، از پرکاز ۱۰، ص 257

۱۰۱ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس رسم کا رواج کب سے شروع ہوا۔ قدیم ہندو قانون ساز بیوہ ہونے والی عورتوں کے بالوں کو مونڈ لیے جانے کی رسم کا تذکرہ نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر منو یہ

Marfat.com

حکم نافذ کرتا ہے "ایک وفادار بیوی کو، جو اپنے شوہر کے ساتھ (موت کے بعد) رہنا چاہتی ہے، کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرنا چاہیے جو اس شخص کو ناراض کر دے جس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا خواہ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو . . . موت تک اسے (مشکلات پر) صابر و شاکر رہنا چاہیے، اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے اور پاک دامن رہنا چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان فرائض کو ادا کرتی رہے جو ان بیویوں کے لیے (متعین) ہیں جنکے صرف ایک شوہر ہیں (منو 5، 156-158) لیکن محض مخصوص جرموں کے سلسلہ میں جیسے مثلاً ایک برہمن عورت ایک شودر کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے یہ تھا کہ وہ اس کی سزاوار ہوتی تھی کہ اس کے سر کے بال مونڈ دئے جائیں اور اس کے جسم پر مکھن مل دیا جائے اور اس حالت میں اسے برہنہ ایک گدھے پر بٹھا کر سڑکوں پر گھمایا جائے۔ (وشیشتھا VASISTHA 21، 1، ص ۱۰۹)

102ھ سیول، ح، س، ص 246

103ھ بربوسا 1، ص 208

104ھ سیول، ح، س، ص 247

105ھ ARAVIDU DYNASTY ا ص ص 495 اور 502

106ھ بربوسا 1، ص 208

107ھ سیول، ح، س، ص 249 ۔ اس عہد کے ادبی مضامین کا مقبول ترین موضوع ان ہمسر بیویوں کی رقابت تھا۔ کرشن دیو راۓ کی اہلیہ تیرو ملا دیوی سنگا (SANGA) کی رقیب ہو سکتی تھی۔ غالباً بربوسا، پائز کے مقابلہ میں حقیقت سے زیادہ رقیب ہے۔

108ھ ایضاً ص ص 247-248

109ھ ایضاً، ص 249

110ھ بربوسا 1، ص 208، سیول ایضاً ص 129

111ھ سیول، ایضاً، ص ص 264-265

112ھ INDIA از میجر، ص 6

113ھ HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4 ص 114

114ھ سیول، ح، س، ص 282

115ھ ایضاً، ص 382

Marfat.com

116ه بربوسا ۱ ص 208

117ه HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ 4 ص ص 114-115۔ اس ضمن میں ملاحظہ ہو THE RISE، از بر از برگس 2 ص ص 390-381 جہاں مدکل (KULKAL) کے حیند نہالل (NAHAL) نے سونے کے اس ہار کو لینے سے انکار کر دیا تھا جسے دیورائے اوّل نے اسے تحفہ میں پیش کیا تھا اس لیے کہ وہ ڈرتی تھی کہ "جو بھی بیج نگر (BEEJNAGGUR) کے حرم میں داخل ہو گیا اسے اس کے بعد اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے ملاقات کی بھی اجازت نہ ہوگی"

118ه بربوسا ۱ ص 208

119ه سیول، ح، س، ص ص 382-383

120ه ایضاً، ص 382

121ه ایضاً، 248- 249 اور 382 TN ۱،۱

122ه ایضاً، ص 383

123ه آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا، ۱۹۰۸-۰۹، ص 178

124ه بربوسا جلد ۱ ص 225، ملاحظہ ہو ANTE ص 165

125ه سیول، ح، س، ص 328

126ه ایضاً ص 262، 267، 273-274 اور 378۔

127ه HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4 ص ص 111-112

128ه بربوسا ۱ ص 226، ڈیمس موجودہ روپے کی شکل میں یہ رقم 32,000 G. بتلاتا ہے (ملاحظہ ہو TN. ۱ ص 226)

129ه سیول، ح، س، ص 270

130ه HISTORY OF INDIA از ایلیٹ 4، ص ص 111-112 INDIA از ہیمز ص 47

131ه سیول، ح، س، ص 242

132ه ایضاً ص 242 اور 269

133ه بربوسا ۱، ص

134ه مدھوراوجیم، کھنڈ 6، اشلوک 56-65

Marfat.com

135 HISTORY OF INDIA، 4، ص 12-

136 ملاحظہ ہو OXFORD HISTORY OF INDIA، از ونسنٹ اسمتھ (VINCENTSMITH)
ص 314-

137 سیول، ح، س، ص 262-

138 HIS. PILGRIMS، از پرکاز 10 ص ص 220-221-

139 TRAVELS، 2، ص ص 259-260-

140 اپی گرافیا کرناٹیکا 10، MR. 19، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1913-14، پیراگراف 111-

141 1919 کا 229، رپورٹ، 1919، پیراگراف 38-

142 بربوسا 1، ص 208-

143 1904 کا 1922ء، 9 کا 708، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923 پیراگراف 81، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920، پیراگراف 89-

144 SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 291، ملاحظہ ہو کھیل کود اور تفریحات کے موضوع کے تحت-

145 HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ 4 ص 113

146 ڈوجیرک DUJARRIC، 1 ص ص 654-677، بحوالہ AVAVIDU DYNASTY از ہراس (HERAS)، 1، ص 466، HISTORICAL FRAGMENTS، از اورمے (ORME) بھی ملاحظہ ہو، ص 61-

146 (الف) HISTORY OF INDIA.، از ایلیٹ 4 ص 120-

147 HIS. PILGRIMS، از پرکاز 10 ص 208-

148 HISTORY OF INDIA.، از ایلیٹ 4 ص 119-

149 سیول، ح، س، ص ص 269-274-

150 ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 275-278-

151 ایضاً ص 250-

152 ایضاً ص 372-

[illegible] HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ 4 ص [illegible]-

[illegible] سیول، ح، س، ص [illegible]-

Marfat.com

155 مدراس اپی گرافی رپورٹس CHENNAPATNA 1910-11 کا 15 اور 6 ملاحظہ ہو رپورٹ 1911، پیراگراف 62 یہ ایک قدیم ہندو رواج ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی یہاں تک کہ بوڑھے یا بچوں سے ملاقات کے لیے بھی خالی ہاتھ نہ جائے۔ اسے کچھ پھل یا جیسا کہ مذکورہ بالا مثال میں ہے، مٹھی شکر بطور تحفہ ساتھ لے جانا چاہیے۔

156 سیول، ح، س، ص ص 374-375

157 سیول، ح، س، ص 237۔

158 ایضاً ص 230، سداشیو کے ادپم (ADAPPAM) کی حیثیت سے کرشن آپا نایک نامی ایک شخص کے حوالے کے لیے ملاحظہ ہو اپی گرافیا کرناٹیکا DG. 11 - 18 - 18۔ ممکن ہے کہ ادپم کے ماتحت دو درجوں کے ملازمین، پیریا پلاّئی اندان - PERIYAPILLAI (YANDANS) (اونچے درجے کے ملازمین) اور چِنّا پلاّئی اندان (CINNAPILLAIYANDAN) (نیچے درجے کے ملازمین) ہوتے ہوں جیسا کہ پدوکوتائی دربار میں تھے۔ P. 446 PUDUKKOTTAI STATE MANUAL -

159 سیول، ح، س، ص 383

160 ایضاً ص 269

161 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کو ادب میں وترہست (VETRAHASTAS) کہا گیا ہے۔

162 سیول، ح، س، ص ص 371-372۔

163 DUJARRIC ، 1، ص ص 673 - 674؛ بحوالہ ARAVIDU DYNASTY. 1، ص ص 496-497

164 کھنڈ 4، اشلوک 271

165 سیول، ح، س، ص ص 249 - 250

166 ایضاً، ص 372

167 اپی گرافیا کرناٹیکا 6، ص ص 130-131 یہاں مذکور کنک گیری کے شہر کی شناخت نلور ضلع میں واقع کانی گیری مقام سے کی جاسکتی ہے دریائے کرشنا پر واقع امراوتی سے اس کی شناخت کرنے میں لوڈرس (LUDERS) غلطی پر ہے۔

Marfat.com

168ھ HISTORY OF INDIA. ازایلیٹ 4، ص 104۔

169ھ INDIA ازمیجر ص 12۔

170ھ سیول، ح، س، ص 237

171ھ سداشیو کے زمانہ کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ کنتلا دیشں KUNTALADESA جس پر وہ حکومت کرتا تھا اس کی وسعت 27 ہزار یوجنا (YOJANAS) تھی اس بات سے ایس، وی، وینکٹ ایشور یہ استنباط کرتے ہیں کہ مملکت میں 27 ہزار گاؤں تھے۔ INDIAN CULTURE THROUGH THE AGES، 2، ص 172) بہرحال اس مفروضہ کا کوئی جواز نہیں نظر آتا۔

172ھ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ 4، ص ص 106-107۔

173ھ سیول، ح، س، ص 251۔

174ھ ملاحظہ ہو ایضاً، ص ص 286-288۔

175ھ ایضاً، ص 287۔

176ھ بربوسا 1، ص 202۔

177ھ سیول، ح، س، ص 254۔

178ھ ایضاً، ص 255۔

179ھ HISTORY OF INDIA، ازایلیٹ 4، ص 111۔

180ھ ایضاً، ص 111۔

181ھ کھنڈ 1، اشلوک 106۔

182ھ سیول، ح، س، ص 230؛ ناگلاپورا (NAGATAPURA) کے مکانات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو، ص 246، ص 244 بھی ملاحظہ ہو۔

183ھ ایضاً، ص 286۔

184ھ HIS. PILGRIMS ازپرکاز 10، ص 262، بربوسا 1 ص 202، سیول، ح، س، ص 129۔

185ھ بربوسا 1، ص 202۔ اس سلسلہ میں ڈلس نے یہ تبصرہ لکھا ہے "پیشہ کے مطابق کے الفاظ کو الگ الگ نہیں ظاہر کیا گیا ہے بلکہ یہ بلوٹیو (BUTTAH) (249) اور ویرا (VIEYRA)

Marfat.com

(1815) کے مطابق اررور (ARHJAR) کے نقطے میں مضمر ہیں یہ اشارہ تہ کارتوں عاور دستکاروں کے خود اپنے اپنے علاقوں میں محل وقوع کی طرف ہے جو آج بھی ہندوستانی ہیروں میں مرائج ہے" (ایضاً حاشیہ ۱) موری (MOORISH) حلقے کے سلسلہ میں ایک نوٹ کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیول، ح، س، ص 256

186ھ 1911 کا 396

187ھ 1911 کا 319

188ھ پٹرو ڈیلا ویلّے کے ذریعہ اس علاقہ کی ہم عصر اطلاع کے لیے ملاحظہ ہو اس کی TRAVELS 2، ص ص 230-231، NOTESUN RELATIM SAND TRADEOFCHIRS از روک ہل ROCK HILL وغیرہ بھی ملاحظہ ہو TOUNG PAO 16 ص 456 -

189ھ سیول، ح، س، ص ص 256-257

190ھ ایضاً

191ھ پاری جاتا (PARIJALA) کھنڈ 2، اشلوک 3

192ھ سیول، ح، س، ص 257

193ھ ایضاً، ص 257

194ھ HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ، ۴، ص 113۔

195ھ سیول، ح، س، ص 375

196ھ ایضاً، ص 258

197ھ بربوسا، ۱، ص 217

198ھ سیول، ح، س، ص 390

199ھ بربوسا ۱، ص ص 217-218

200ھ کھنڈ ۱ اشلوک 80 اور 81

201ھ سیول، ح، س، ص 371

202ھ ایضاً، ص 382

203ھ ایضاً، ص ص 383-383 —

Marfat.com

204ھ HISTORY OF INDIA. ازایلیٹ 4، ص 115

205ھ سیول، ح، س، ص 303 ؛ یہاں ایرانی سفیر اور نونیز کے بیانات متضاد ہیں۔ موخرالذکر کے بیان کی روشنی میں یہ رائے قائم کرنا درست ہے کہ اول الذکر کا بیان ناقابل اعتماد ہے اور یہ کہ محض چند ہی لوگوں، غالباً نیچی ذاتوں کے لوگوں کو اس طرح کی دعوتوں سے الگ رکھا جاتا تھا، اسی طرح نونیز کا اس رواج کی طرف اشارہ کو کر دسترخوان بچھا دینے کے بعد کھانا لگا دینے والے کھانا لگا کر باہر رہ جاتے تھے۔ ایک عام دستور کی حیثیت نہیں دینی چاہیے اس لیے کہ مخصوص حالات اور جن اسباب کی بنا پر دعوت دی جاتی تھی ان کے وجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہو گا کہ ملازمین کو دعوت کے کمرے کے باہر رکھا جائے۔

206ھ 1912 کا 91

207ھ آمکتا، کھنڈ 4، اشلوک 35

208ھ HISTORY OF THE DECCAN ازگریبل (GRIBBLE) ا ص ص 70، 71 ملاحظہ ہو۔

209ھ 1920 کا 109، 1901 کا 152 بھی ملاحظہ ہو۔

210ھ کرناٹکا کوی چرت (KARNATAKA KAVICARITE) ، 2، ص 336

211ھ HISTORY OF INDIA ، ازایلیٹ، 4، ص 113 اور TN.

212ھ سیول، ح، س، ص 251

213ھ سلک کی وردیاں (SILKEN TROPPINGS) ایضاً ص 377)

214ھ ایضاً ص 283

215ھ ورتھا، جونس (JONES) ، ص: 129

216ھ ایضاً

217ھ سیول، ح، س، ص ص: 251-252

218ھ ایضاً ص 383، براداس BARRADAS ان ٹوپیوں کے آغاز کے متعلق ایک بیان دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو POLITICAL AND SOCIAL LIFE IN THE VIJAYANAGAR EMPIRE ازسلیٹور 3، ص 299۔

219ھ بربوسا ا ص 205

Marfat.com

220 HIS. PILGRIMS ازپرکاز ۱۰ ص ۹۹۔

221 INDIA ازمیجر (MAJOR)، ص 22۔

222 ایضاً

223 بربوسا ا ص 205

224 سیول، ح، س، ص 252

225 HIS. PILGRIMS ازپرکاز ۱۰، ص ۹۹

226 سیول، ح، س، ص 252

227 INDIA ازمیجر، ص 12

228 بربوسا ۱، ص ص 206-207، ڈیس (DAMS) نے چھتریوں پر ایک نوٹ لکھا ہے وہ لکھتا ہے "اپنی مکمل آرائش اور بہت زیادہ قیمتی ہونے کی بنا پر یہ یقیناً ایک ایسا سامان تعیش ہوگا جسے صرف کافی مالدار لوگ ہی استعمال کرتے ہوں گے"

(ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 206-207 TN.)

229 درتھا، جونس (JONES)، ص 129

230 بربوسا، ۱، ص 207

231 TRAVELS ص ص 257-258

232 INDIA. ازمیجر، ص 22

233 کھنڈ ۴، اشلوک 18

234 سیول، ح، س، ص 273

235 بربوسا ۱، ص 207

236 TRAVELS 2، ص 258

237 INDIA ازمیجر، ص 23

238 HISTORY OF INDIA ازالیٹ

239 سیول، ح، س، ص 252

240 HISTORY OF INDIA ازالیٹ ۴، ص ۱۰۹

241 بربوسا ۱ ص 207

Marfat.com

۲۴۱ے برلوسا ا ص 207

۲۴۲ے ایضاً ص ص 207-208

۲۴۳ے سیول، ح، س، ص 273

۲۴۴ے 1891 کا 35

۲۴۵ے برلوسا، جلد ا، ص 205

۲۴۶ے آمکتا 2، اشلوک 60

۲۴۷ے برلوسا ا، ص 207

۲۴۸ے HISTORY OF INDIA ازایلیٹ ۴ ص ۱۱۴

۲۴۹ے TRAVELS از پٹرو ڈیلاویلے ا ص ص 36-37

۲۵۰ے سیول، ح، س، ص 242

۲۵۱ے اس پر سیول کا حاشیہ ملاحظہ ہو ص 285 ، ایضاً

۲۵۲ے ایضاً، ص 285

۲۵۳ے ایضاً، ص 286

۲۵۴ے سیول، کا حاشیہ ملاحظہ ہو، ح، س، ص 285

۱۵۵ے ایضاً ص ص 369-370

۱۵۶ے ایضاً، ص 370

۱۵۷ے ایضاً، ص 287

۱۵۸ے ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 369-370، اور ص ص 285، 289 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۵۹ے پائز، سیول، ح، س، ص 271، ص 268 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۶۰ے ایضاً، ص 378

۱۶۱ے ڈوجیرک، ا، ص ص 684-685، بحوالہ ARAVIDU DYNASTY ازہراس ا ص ص 313-314

۱۶۲ے سیول، ح، س، ص، 249

۱۶۳ے ایضاً، ص ص 383-384

۱۶۴ے برلوسا ا، ص ص ۱۹۰-۱۹۱

Marfat.com

265 کسٹن بدا، BK. 2، باب 16، ص 53- برپوسا 2، ص 234 حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے جلد ا ص 190 حاشیہ 2 بھی ملاحظہ ہو۔ ایک پیشہ ور شخص کے ساتھ ڈوئیل لڑنے کے لیے کرشن دیو رائے کی جانب سے ویربھدرا کو دی گئی دعوت کے سلسلہ میں نونیز کے بیان کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیول، ر،س، ص ص 319-320

266 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1929 نمبر 2

267 SOURCES ازایس، کے، اینگر ص 265

268 ڈوجیرک ا، ص 684-685، بحوالہ ARAVIDU DYNASTY از ایچ ہراس ا، ص ص 314-315، سیول، ر،س، ص 378 بھی ملاحظہ ہو۔

269 ارکیولوجیکل سروے رپورٹس 08-1907 ص 250، اس خطاب پر تفصیل کے لیے بھی ملاحظہ ہو۔

270 1908 کا 357

271 HISTORY OF INDIA ازالیٹ 4، ص ص 109-111-

272 اپی گرافیا کرناٹیکا، .G.U 67

273 ایضاً CHANNARAYAPATNA، 195

274 اپی گرافیا کرناٹیکا 10، .MR، 11

275 THE RISE ازبرگس 2 ص 405

276 HISTORY OF INDIA، ازالیٹ 4 ص 121 بھی ملاحظہ ہو۔ جہاں شکرے بازوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ دیورائے دوم نے انھیں ملازم رکھا تھا اگرچہ ہمیں اس مقصد کا ذکر نہیں ملتا جن کے لیے ان کو رکھا گیا تھا۔

277 میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 15-1914، پیراگراف 59

278 SOME MILESTONES OF TELUGU LITERATURE ازایس سبرامیا پنتولو SUBBARAMAYYA PANTULU انڈین انٹیکوری 26 ص 299-

ایس، کے، اینگر (SOURCES ص 138) کے مطابق کرشن رائے نے شاعر نندی تمیا (NANDI TIMMAYYA) کو جوا کھیلنے میں اس کی مہارت کی بنا پر ایک اگر ہارا

Marfat.com

(AGRAHARA) عطیہ کیا تھا۔ لیکن جو جملہ یہاں زیر غور ہے وہ یہ ہے کرشن رائے کشتیشا کونا
سمالبدھا گھانا چتور نتیانا مہاگراہارا سرمانیو تودو - KRSNARAYA KSITISA KARUNA (
SAMALABDHA GHANA CATURANTAYANA MAHAGRA HARA SAMMANAYUTUDU)
یعنی وہ شخص جس کی کرشن رائے نے اپنی مہربانی سے گھانا چتور نتیانا (پالکی ؟) اور ایک مہاگراما (بڑا گاؤں) سے نواز کر عزت افزائی کی۔

279ء SOURCES ازایس۔کے۔اینگر ص 66

280ء ایضاً، ص 142

281ء 1915 کا 558

282ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، SD. 100

283ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، GB. 29

284ء SOURCES ازایس۔کے۔اینگر ص 63

285ء HISTORY OF INDIA. ازایلیٹ، 4، ص 118

286ء سیول، ر۔س۔ ص ص 241-242

287ء ایضاً، ص 379

288ء سیول، ر۔س۔ ص 288-289

289ء SOURCES ازایس۔کے۔اینگر ص 291

290ء یہ بظاہر گلنے کی ترجیع ہے۔

کولی کولی کولنا کولی

KOLU KOLE KOLANNA KOLE

کولو کولی کیلی میلو کودی

KOLU KOLE CELIMELU KOVE

291ء TRAVELS ازپیٹرو ڈیلا ویلے، 2، ص ص 258-259۔

292ء ایضاً، ص 259۔ مذکورہ جشن تامل کے پونگل (PONGAL) (جشن) کی طرح کا ایک نہایت مشہور گوبی پنڈوگا (GOBBIPANDUGA) (جشن) ہے۔

Marfat.com

293۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 153

294۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 2، SORAB 258

295۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB 379، دوسرے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو ایپی گرافیا کرناٹیکا 12 نمبر 29

296۔ NOTES ON THE RELATIONS AND TRADE OF CHINA
از روک ہل (ROCKHILL)، تونگ پاو (TOUNG PAO) 16، ص 458۔

297۔ SOURCE S از ایس، کے، اینگر ص 63

298۔ ایپی گرافیا انڈیکا، ۱، ص ۴۰۱

299۔ ایس، کے، اینگر، ح، س، ص 252

300۔ VIJAYANAGARA CENTERERY VOLUME ص 375

301۔ ملاحظہ ہو QUESTUPY JOURNAL OF THE MYTHIE SOCIETY 24، شمارہ ۱، ص 21

302۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا، 12، CK. 39

303۔ سورل کلاینڈھی، مولفہ ایم، ایس، رام سوامی ایّر، دیباچہ ص ص 15۔ SOURCES.
از ایس، کے، اینگر، ص ۲۷۹۔

305۔ THE MUSIC OF INDIA از پوپلے (POPLEY)، ص ص 18-19

306۔ رام بھدرامبا (RAMEBHADRAMBA) از رگھوناتھ آبھی ادیم، SOURCES. از ایس، کے، اینگر، ص ۲۹۱۔

Marfat.com

باب نہم

مذہب

فصل اوّل

تمہید

سنہ عیسوی کے بعد کی صدیاں جنوبی ہندوستان میں شیوزم (SAIVISM) اور ویشنوزم (VAISNAVISM) کی ترویج و اشاعت میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ شیورشی تیرو ناوکرشو (TIRUNAVUKKARASU) تیرو جنان سمبندا (TIRUJUNANA SAMBANDA) سندررا اور مانکا واچک (MANIKKAVACAKA) اور ناین ماروں (NAYANMARS) نے جنوبی ہندوستان میں بھکتی کی تحریک کا آغاز کیا پہلے تین افراد نے دیوارموں (DEVARAMS) کی تصنیف کی جب کہ مانکا واچک نے تیرو واچکم (TIRUVACAKAM) لکھی۔ ان تمام افراد نے بھکتی کی اہمیت پر زور دیا بھکتی کی اس تحریک کے شانہ بشانہ ایک اور تحریک اچل رہی تھی جو مذہب کے فلسفیانہ پہلو کی اہمیت پر زور دے رہی تھی۔ اس کی قیادت شری شنکر (آٹھویں صدی) کر رہے تھے جنھوں نے ویدانتا (VEDANTA) کے نظریہ کی وضاحت کی اور اپنے فلسفہ کی بنیاد ویدوں اور راسمرتیوں پر رکھی۔ ان کے خیال میں شیو (SIVA) اور وشنو (VISNU) کے درمیان کوئی فرق نہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نظریہ وحدت وجود کا کٹر نظریہ تھا۔ اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے انھوں نے شری نگری (SRINGERI) ، کانچی (KANCI) ، جگن ناتھ اور دوارکا ــ ان چار مقامات پر چار مٹھ

Marfat.com

(MATHAS) قائم کیے تھے جن میں سے ہر ایک مقام پر انھوں نے ایک ایسے مذہبی پیشوا کا تقرر کیا جس کا باضابطہ طور پر جانشین ہوتا تھا۔

اسی طرح، وشنوزم کے سلسلہ میں، جنوبی ہندوستان میں چند وشنوا مبلغین کا ظہور رہا جو آلواروں (ALVARS) کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کی تعداد بارہ تھی اور ان میں پوئی گائی الوار (POYGAI ALVAR) ، نما آلوار (NAMMA ALVARS) ، کل شیکھر الوار (KULASEKHARA ALVAR) ، پیریا آلوار PERIYA ALVAR) اور تیرومنگائی الوار (TIRUMANGAI ALVAR) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیفات کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ وشنو کے لیے ان کی انتہائی والہانہ اور حقیقی محبت سے مملو ہیں اور یہ تصنیفات اپنی انتہائی سنجیدگی اور حدت شوق میں، دیورام (DEVARAM) میں شیو درویشوں کے ذریعہ خدا سے کی گئی اتنی ہی مستحکم اور موثر التجاؤں کے بالکل مساوی ہیں۔ ان کی محبت یا بھکتی پرپٹی PARAPATTI کے نظریہ کی بنیاد ہے جو وشنو فلسفہ پر بہت زیادہ غالب نظر آتا ہے[1]۔ وشنو آلواروں کے بعد چند ویشنو آچاریوں کو فروغ حاصل ہوا، جیسے ناتھ منی (NATHAMUNI) اور الوندار (ALAVANDAR) ، (یمونا آچاریہ (YAMUNACARYA) جنھوں نے آلواروں کے نظریہ کو پیش کیا اور اس کی تشریح اور تکمیل کی۔ انکے بعد شری رامانجو چاریہ (SRI RAMANUJACARYA) آئے جو گیارہویں اور بارہویں صدی میں تھے جبکہ شنکر نے وحدت وجود کے نظریہ پر زور دیا تھا، رامانجو چاریہ نے وشسٹ آدوتیا (VISISTADVAITA) کا نظریہ پیش کیا۔ شنکر کے ادوتیا کے نظریہ کے مطابق صرف برہمن ہی ایک حقیقت ہے اور دوسری تمام چیزیں برہمن کے لازمی خصائص ہونے کی حیثیت سے حقیقی اور دائم ہیں۔

تیرہویں صدی میں مادھوآچاریہ (MADHVACARYA) نامی ایک اور عظیم مفکر اور فلسفی ہوئے جنھوں نے دوتیا (DVAITA) کے نظریہ کی تبلیغ کی۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی نفس خدائے عظیم کے ساتھ متحد نہیں ہے بلکہ ایک الگ چیز ہے نیز یہ کہ تمام اشیا حقیقی اور دائم ہیں۔

یہ تحریکیں آہستہ آہستہ ملک میں پھیل رہی تھیں کہ اچانک چودھویں صدی میں مسلم حملوں نے اپنے تمام لازمی نتائج کے ساتھ جنوبی ہندوستان میں مذہبی تحریکوں کو ایک نئی قوت بخشی۔

Marfat.com

چودھویں صدی کے آغاز میں وندھیاس (VINDHYAS) کے جنوب کا ہندوستان ایک قابل افسوس تصویر پیش کر رہا تھا۔ اس وقت یہ (خطہ) آپس میں جنگ وجدال کرنے والی سلطنتوں کا ملک تھا اور یہ علاقہ چار اہم طاقتوں۔ دیوگیری کے یادووں، وارنگل کے کاکیتاؤں، دوارسمدر کے ہوئے شالاوں اور انتہائی جنوب کے پانڈیاؤں (PANDYAS) میں منقسم تھا۔ اسی زمانہ میں دہلی کے سلاطین نے جنوبی ہندوستان کی سیاست میں مداخلت شروع کی اور اس طرح اس علاقہ میں پھیلی ہوئی ابتری میں اضافہ کر دیا۔ محمد بن تغلق نے 1327ء میں ہوئے شالا کے علاقہ پر حملہ کیا اور بلال سوم (BALLALA III) کو اطاعت پر مجبور کیا۔ انتہائی جنوب کے پانڈیا دربار میں جانشینی کے مسئلہ پر سندرا پانڈیا اور ویر پانڈیا کے درمیانی نزاع نے مملکت کو کمزور بنا دیا اور مسلم حملہ آوروں کے لیے یہ آسان کر دیا کہ وہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کریں، اس کے علاقوں کو تاراج کریں اور ملک کی ابتری میں اضافہ کریں۔ جنوبی ہندوستان میں ابتدائی یورشوں کے بعد 1327ء میں محمد بن تغلق نے تمام کرناٹک کو اس کے پورے عرض وطول میں دریائے عمان (OMAN) کے ساحلوں تک اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ اور مدورا پر حکمرانی کیلیے جسے اس نے دہلی ہی کا ایک صوبہ بنا دیا تھا، جلال الدین کا تقرر کیا۔ لیکن جلال الدین نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ تغلق نے اس باغی سردار کے خلاف ایک مہم بھیجی لیکن اس کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں (بعد میں) مدورا کا سلطان مارا گیا اور اس کا داماد غیاث الدین اس کی جگہ تخت پر بیٹھا جس نے ویر بلال کے ساتھ ایک جنگ میں ہندوؤں کو "بدترین شکست" دی اور ہوئے شالا حکمراں کو قتل کر دیا۔ غیاث الدین کے بعد یکے بعد دیگرے ناصر الدین، عادل شاہ، فخر الدین، مبارک شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ اس کے جانشیں ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے شہزادے کمپن کی ابتدائی جنگوں کے نتیجہ میں تقریباً 78-1377ء میں سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کا تسلط ایک مستقل ظلم تھا۔ ابن بطوطہ اپنے بہنوئی غیاث الدین کو ایک بے رحم وجابر حکمراں سمجھتا تھا اور وہ کہتا ہے کہ وہ "انسان کی شکل میں ایک شیطان تھا"۔ مندر مسلمانوں کے حملوں کا نشانہ بنے اور شری رنگم اور چدمبرم کی مشہور ومعروف زیارت گاہوں کو شدید نقصان پہونچا۔ جیسے ہی مسلمان شری رنگم کے قریب پہونچے و دانتا دکشت نے شری رنگا ناتھ کی شبیہ اس مقام سے ہٹالی۔ پانڈیا تاریخ (PANDYAN CH- RONICLE) میں درج ہے کہ مدورا کا حقیقی سرپرست دیوتا ملیالم کے علاقوں

Marfat.com

میں چلا گیا۔ اس کے بعد مندر کی دیوار، اس کے چودہ مینار اور اس کی اندرونی سڑکیں تباہ و برباد کر دی گئیں[58]۔ ایک کتبہ میں مدورا میں مسلمانوں کی حکومت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔
"یہ دور تولکنوں (مسلمانوں TULUKKANS) کا دور تھا۔ دیوتاؤں کی دیو دان اراضیوں پر کودی مائی (KUDIMAI) ٹیکس عاید کیا گیا بہرحال مندروں میں پوجا بلا کسی کمی کے کی جاتی تھی۔ اولو (ULAVU) یا مندر کی اراضیوں کی کاشت گاؤں کے پٹہ دار باری باری سے کرتے تھے[59]۔" گنگا دیوی کی مدھورا وجیم بھی مدورا پر مسلمانوں کے تسلط کی نوعیت اور اس کے اثرات کا ذکر انتہائی واضح لیکن قدرے شاعرانہ انداز میں کرتی ہے اس میں درج ہے کہ "یہ مقام جواب ویاگھرا پوری (VYAGHRAPURI) (چدمبرم) کے نام سے معروف ہے، مستقل ایسا ہی ہے۔ اس لیے کہ یہ مقام جہاں کبھی انسان بستے تھے اب شیروں کا مسکن ہے۔ شری رنگم کا ویمان (VIMAN) (مرکزی زیارت گاہ کا گنبد) اس قدر خستہ حالت میں ہے کہ اب یہ محض آدی شیشا (ADISESA) کا چھجہ ہی ہے جو رنگاناتھ کی مورتی کو گرنے والے کھنڈرات سے بچائے ہوئے ہے۔ گجارانیا (GAJARANYA) شری رنگم کے قریب تیروانکاول (TIRUVANIKKAVAL) جمبوکیشورم (JAMBU KESVARAM) کا سردار، جس نے ایک مرتبہ ایک ہاتھی کو اپنی پوشاک کے لیے چمڑا حاصل کرنے کی غرض سے مارا تھا، اب دوبارہ اسی حالت کو پہنچ چکا ہے اس لیے کہ اس کے تمام کپڑے اتار کر اسے برہنہ کر دیا گیا ہے جبکہ متعدد دوسرے مندروں کا گربھ گرھا (GARBHGRHA) (مرکزی زیارت گاہ) منہدم ہو رہا ہے، اس کا منٹپ (MANTAPA) جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہے اور مندر کے لکڑی کے دروازے دیمک کی نذر ہو چکے ہیں۔ جہاں کبھی مرڈنگم (ایک قسم کے ڈھول MRDANGAM) کے خوش کن نغمے گونجتے تھے۔ اب وہاں ان گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جنہوں نے اسے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ دریائے کاویری جس کو مستحکم پشتوں سے پابند کیا گیا تھا اور جس کا بہاؤ باقاعدہ نہروں کی جانب تھا اب ہر سمت میں بہنا شروع ہو گیا ہے۔ اگرہاروں (AGRAHARAS) میں جہاں عموماً آگ میں پیش کیے جانے والے نذرانوں کا دھواں (یاگ دھوما YAGADHUMA) نظر آتا تھا اور جہاں جگہ جگہ ویدوں کی دھنیں سنائی دیتی تھیں وہاں اب ہمیں مسلمانوں کے ذریعہ بھونے جانے والے گوشت کا دھواں (نظر آتا) ہے اور صرف ان بدمعاشوں کی کرخت آوازیں سننے کو ملتی ہیں۔ ناریل کے

Marfat.com

ان خوبصورت درختوں کو، جو مدورا شہر کے چاروں طرف واقع باغوں کی زینت تھے ان گھس آنے والوں نے کاٹ ڈالا ہے اور ان کی جگہ ہمیں بہت سے شولا (SULA) رو میخیں جن پر لوگوں کو ہلاک کیا جاتا ہے) نظر آتے ہیں جن میں انسانی کھوپڑیوں کے بنتے ہوئے ہار لٹک رہے ہیں جو قدرے جداگانہ انداز میں ناریل کے پیڑوں کی مشابہت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور ان کی یاد دلا رہے ہیں دریائے تامراپرنی (TAMRAPARANI) کا پانی جو اس میں غسل کرنے والی نوجوان دوشیزاؤں کے سینوں سے چھڑائے جانے والے صندل کے لیپ سے سفید ہو جاتا تھا وہ اب وحشی پاپیوں کے ذریعہ ذبح کی جانے والی گایوں کے خون سے سرخ ہو رہا ہے۔

اس طرح جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کے قبضہ نے ہندوؤں میں خوف و دہشت کا کا زبردست احساس پیدا کر دیا۔ ہندو خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور انھوں نے متحدہ اقدام کی ضرورت محسوس کی۔ وہ مسلمانوں کے حملوں کے ریلے کو (دریائے) کرشنا کے جنوب سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ جنوبی ہندوستان میں ہندو اتحاد کے مسئلہ کو مستحکم کرنے کی ان کی اس خواہش نے ان کے متحدہ اقدام اور ایک طاقتور حکومت کے قیام کو ضروری بنا دیا چنانچہ اس مملکت کا قیام، جو جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کرنے والی تھی، جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کے دعوی خود مختاری کے استقرار کی نشاندہی کرتا ہے۔

وجے نگر کی بنیاد کا مقصد اپنے کردار میں مذہبی تھا۔ ہندو اپنے مذہب، اپنی روایات اور اپنے دھرم کو اسلام کے حملوں سے محفوظ کرنے کے لیے فکرمند تھے۔ اس نے یہ ضروری کر دیا کہ ملک میں مذہب کی تجدید کے لیے زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے مذہبی امور میں ان کی یہ سرگرمی کہ اس کو اسلام سے محفوظ رکھا جائے، اس بات کا باعث بھی بنی کہ ادب کی طرف بھی زیادہ زیادہ توجہ دی جائے اس لیے کہ ہندوستان میں ادبی تخلیقات کی نوعیت اور ان کی تعداد زیادہ تر ملک کی مذہبی تحریکات پر مبنی تھی۔ چنانچہ وجے نگر (کی سلطنت) کے قیام کے تین اثرات مرتب ہوئے مسلمانوں کو روکا جا سکا، مذہب کے احیاء کو ایک نئی قوت ملی اور یہ دور ایک زبردست ادبی نشاۃ ثانیہ کے لیے ممتاز ہے۔ اس (سلطنت) کے قیام کے فوراً بعد ہی سنگم (SANGAM) بھائیوں اور ان کے بیٹوں، خاص طور پر بکا کے لڑکے کمپن نے جنوبی ہندوستان کو مسلمانوں کے تسلط سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ کویلولوگو (KOYILOLUGU) کے مطابق شری رنگم میں واقع رنگاناتھ کے بت کو جوتش کودی (JYOTI SKODI) تیرومالی رنجولائی (TIRUMALI RUNJOLAI) (الگرکوئل - ALAGARKO)

Marfat.com

(YIL) کولکوڈی (KOLIKKUDI) (کالی کٹ) اور رنگانور- (RANGA-NUR) کے راستے تیرو نارائن پورم (TIRUNARAYANPURAM) لے جاکر وہاں کچھ دنوں تک رکھا گیا اس کے بعد آخر میں اسے تیروپتی (TIRUPATI) منتقل کر دیا گیا۔ جب جنجی کے حکمراں گوپنا (GOPANNA) نے بت کے ان تعزیرات کو سنا تو وہ اسے جنجی لے آیا جہاں اس نے اسے اپنے دارالسلطنت کے قریب شنگاورم (SINGAWARAM) میں واقع اور پہاڑوں میں تراشی ہوئی رنگا ناتھ کی خوبصورت زیارت گاہ میں رکھا۔ اسی دوران اس سردار نے جسے شری رنگم کا حاکم بنایا گیا تھا اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے صدر مقام شری رنگم سے چھ میل مشرق میں واقع ایک گاؤں کنّانور (KANNANUR) منتقل کر دیا اور اس مقام کو شری رنگم کے مندر کی بیرونی دیواروں کو ڈھا کر اس کے پتھروں سے مستحکم کیا۔ شین گپی ران (SINGAPPIRAN) نامی ایک کنییال (KANNIYAL) برہمن نے مندر کو تباہی سے بچانے کے مقصد سے شری رنگم کی ایک رقاصہ کے توسط سے۔ جس کے مسلمان سردار کے ساتھ گہرے روابط تھے، مسلمان سردار کے یہاں ایک ملازمت حاصل کر لی تھی اور وفاداری سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ جیسے ہی وجے نگر کی حکومت کے قیام کی خبریں جنوبی ہندوستان کے پریشان حال لوگوں کے کانوں تک پہونچیں شین گپی ران کے بیٹے تیرو منتون نمبی (TIRUMANNATTUN NAMBI) نے گوپن- (GOP-PANNA) کو شری رنگم کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے مندر کے استھاناتاروں - (STHAN-ATTARS) میں سے اتم نمبی نامی ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا۔ جلد ہی جنجی اور سمایاورم (SAMAYAVARAM) کے درمیان رابطہ قایم ہوگیا 1370-71ء میں گوپنا نے مسلمان سردار کو" جو شراب نوشی اور عیاشی کی بنا پر بالکل خستہ حال ہو چکا تھا اور کسی حملے کی مدافعت سے بالکل ہی قاصر تھا"، شکست دے دی اور مندر میں رنگا ناتھ کے بت کو دوبارہ بحال کر دیا۔

جنوب میں کپن کی سرگرمیاں وہاں مسلم اقتدار کے لیے پیام اجل ثابت ہوئیں۔ اس نے برباد، ویران مندروں کو دوبارہ بحال کیا اور ان میں پوجا پاٹ کا دوبارہ آغاز کیا جس وقت وہ جنوب میں سرگرم عمل تھا اسی وقت سنگم کے جوشیلے بیٹے شمال میں اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اسلامی حملوں کے ریلوں کو روکنے کے دشوار کام میں شرنگری مٹھ (SRINGERI MATH) ودیا تیرتھ (VIDYA TIRTHA) اور ودیارنیا (VIDYARANYA) کے ممتاز مذہبی پیشواؤں نے بھی ان کی مدد کی۔ بعد کی روایات تو ہندو مذہب اور دھرم

Marfat.com

کی حفاظت کے لیے شہر وجے نگر کی بنیاد کا سہرا بھی ودیارنیا کے سر باندھتے ہیں شیوزم کے پاشوپت (PASUPATA) نظریہ کا حامل کریاشکتی پنڈت (KRIYASAKTI PANDIT) نے بھی اسلامی حملے سے جنوب کو محفوظ رکھنے کی اس ہندو کوشش میں ساتھ دیا۔" قومی نفسیات کا یہ مسلمہ عنصر ہے کہ جہاں کوئی معاشرہ اپنی دفاع کر رہا ہوتا ہے تو وہ اپنی تمام موروثی روایات کو انتہائی عزیز رکھتا ہے اور ان تمام اچھی اور بری چیزوں کو جو اس نے وراثت میں پائی ہیں اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ قدامت پرستی ایک قومی خوبی بن جاتی ہے اور اس کا برقرار رکھنا قومی وقار کا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ وہ وقت اصلاحات کا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ ریاست کے وجود کا مقصد ان چیزوں کا تحفظ ہوتا ہے جو باقی رہ گئی ہیں چنانچہ بادشاہوں کی راسخ الاعتقادی ریاست مرکزی خیال بن گئی یہی وجہ ہے کہ وہ عظیم ریاستیں جنھوں نے مسلم اثرات کا مقابلہ کیا تھا۔ ۔ مثلاً وجے نگر۔ ۔ راسخ الاعتقادی کا قلعہ بن گئیں جہاں ان رسوم کو، جنھیں آزاد ہندوستان میں کبھی قبولیت عام حاصل نہیں ہوئی تھی۔ مسلمہ اور ناقابل تغیر شمار کیا جانے لگا۔ وہ آدرش جس کی حفاظت کے لیے وجے نگر اور اس کی بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے 1376ء کے ایک کتبے سے اچھی طرح واضح ہے جس میں درج ہے" دنیا میں یشدا (YASDA) اور نند گوپا (NANDA GOPA) کے یہاں اچھوت (کرشنا) نے جنم لیا اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ اخیر میں جب دنیا پر ملیچھو (MALECCHAS) کا غلبہ ہو جائے گا وہ اس وقت دنیا کو اس سے نجات دلانے کے لیے ایک بادشاہ کی حیثیت سے دوبارہ نمودار ہوگا۔ چنانچہ پمپاپوری (PAMPAPURI) کے علاقہ میں سنگم اور اس کی بیوی کامام بیکا (KAMAMBIKA) کے یہاں اس نے بکا مہی پتی (BUKKAMAHIPATI) کی حیثیت سے جنم لیا[8]۔ یہ مذہبی جوش اور اخلاقی بیداری کا دور تھا جب ہندو طاقتوں کو تقویت ملی۔ اس طرح کی تحریک میں بادشاہوں کی دلچسپی کا اندازہ ان خطابات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جنھیں وجے نگر کے ابتدائی سلاطین نے اختیار کیا جیسے مثلاً ویدمارگ پرتی استھانیا اچاریہ (VEDA MARGA PRATI STHAPNACARYA) اور ویدیکا مارگ پرتستھانیا آچاریہ (VAIDIKA MARGA PRATI STHAPANACARYA) یہ وہ زمانہ بھی تھا جب "شنکر"، رامانج، مادھو اچاریہ کی تعلیمات، ویدانتا ادویتا اور دویتا فرقوں کے نظریات اور جنگموں اور لنگایتوں وغیرہ کے مسلک پر نہ ختم ہونے والے مباحثے ہوئے جن میں ہر ایک اپنے اپنے اصولوں کو نہایت جوش خروش سے پیش کرتا تھا[9]۔" گرو پرمپرا (GURU PARAMPARA) کے مطابق ادویتا کے مبلغ ودیارنیا (VIDYARANYA)

Marfat.com

اور دوتیا نظریہ کے تابع اکسوبھیامنی (AKSOBHYAMUNI) کے درمیان اپنے اپنے نظریہ وجود غیر حقیقی (MAYA) اور وجود حقیقی (TATTVA) کے بارے میں اختلاف تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے اعتراضات وجے نگر کے بادشاہ کے توسط سے ثالثی کے لیے ودانتا دیشیکا (VEDANTA DESIKA) کے پاس بھیجے جو اس وقت شری رنگم میں تھے، لیکن وشستادوتیا کے مبلغ نے اپنا فیصلہ اکسوبھیامنی کے حق میں سنایا۔ اگرچہ اس حکایت میں واقعات کا تسلسل شبہ سے بالاتر نہیں تاہم "یہ حکایت . . . نظریات کے ان دو مکاتیب خیال کے مابین اختلاف کو پوری طرح واضح کرتی ہے[۵۴]"۔ لیکن انتہائی فلسفیانہ مسائل پر اس طرح کے شدید مناقشوں اور نظریاتی اختلافات نے بھی ان مخالف فرقوں کو اپنے مذہب کی بقا کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے سے باز نہ رکھا۔ ودیارنیا کی سرگرمی سے، جو وجے نگر کے شاہی خاندانوں سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، ہم زیادہ بہتر طور پر واقف ہیں۔ اس نے مذہب کے احیا کے کام میں ہکّا اوّل اور ہریہر دوم کی مدد کی اور اپنے کام کو ان کی اعانت سے انجام دینے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے مذہبی عزائم میں کچھ سیاسی مشاغل کا بھی اضافہ کیا اور نہایت جرأتمندی کے ساتھ ایک سیاست داں اور معمار سلطنت کا کردار ادا کیا[۵۵]۔ ودیارنیا کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ودانتا دیشیکا کو، جو ستیامنگلم (SATYAMANGALAM) میں مقیم تھے وجے نگر آنے کی دعوت دی تھی شاید اس لیے کہ دونوں مل کر کام کریں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیشیکا نے اس زمانہ کی سیاسی تحریکات میں کھل کر حصہ لینے پر عزلت گزینی کی زندگی کو ترجیح دی جہاں سے وہ ملک کی آزادی کے لیے کام کرتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ چودھویں صدی کے عظیم ادوتیا مبلغ سے متضاد تھے۔

جنوبی ہندوستان کو اسلامی حملوں سے بچانے اور ہندو مذہب کے احیاء کے لیے ادبی تخلیقات اور قدیم کتابوں کی شرح و تفسیر ضروری تھی تاکہ ہندو مذہب کے اصول و عقائد کی تشریح و توضیح کی جاسکے۔ وجے نگر کا قیام اور جنوبی ہندوستان میں زبردست ادبی تحریک کا طوزان باعتبار زمانہ ایک ہی ساتھ واقع ہوا تھا۔ چودھویں صدی سے مملکت وجے نگر میں ادب کے مختلف شعبوں میں بڑے بڑے محققین کا ایک سلسلہ فروغ پا رہا تھا جو جنوبی ہندوستان میں رائج مختلف مکتب خیال کے پیروکار تھے۔ یہ زمانہ زبردست ادبی سرگرمیوں کا زمانہ تھا جس کا آغازساین آچاریہ (SAYANACARYA) اور ودانتا دیشیکا سے ہوا تھا۔ دکن کی ہندو سلطنتوں کی تباہی کی بنا پر عالموں کی ایک بڑی تعداد ترک وطن کر کے جنوبی ہندوستان چلی آئی تھی اور انھیں وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل ہوئی۔ ساین اچاریہ اور اس کے بھائی

Marfat.com

مادھواچاریہ نے ایک ایسے اسکول کی بنیاد ڈالی تھی جو ویدوں ، ارنیکوں (ARANYAKAS) اور برہمنوں پر تبصرے لکھتا تھا ۔ اس طرح یہ زبردست مذہبی اور ادبی سرگرمیوں کا دور تھا۔

وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان کے سبھی مذہبی فرقے مثلاً شیو، وشنو، مادھو، جین، مسلمان اور وجے نگر کے بعد کے دور میں عیسائی بھی ایک دوسرے کے شانہ بشانہ مل کر رہتے تھے ۔ وجے نگر کے رایوں (RAYAS) نے عام طور پر مملکت میں مذہبی تحریکات کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی۔

فصل دوم

ہندوازم

۱ ۔ شیوزم (SAIVISM)

مملکت وجے نگر کے مذہبی گروہوں میں شیواؤں کی بڑی اکثریت تھی ۔ انھیں تین چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے ۔ (۱) ادوئیتین (ADVAITIN) یا اسمارتا (SMARTAS) (2) پاشوپت (PASUPAT) اور (3) ویرشیوا (VIRA SAIVA)۔

(۱) ادوئیتین ۔ ادوئیتین شری شنکر کے نظریئے کے پیرو تھے جو عدم ثنویت (NON-DUALISM) کے عقیدے کی تبلیغ کرتے تھے ۔ مملکت وجے نگر میں دو مٹھ تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں شری شنکر نے قائم کیا تھا ۔ ان میں سے ایک شرنگری میں تھا اور دوسرا کانچی میں، جو بعد میں کومباکونم (KUMBAKONAM) منتقل کر دیا گیا۔ دو چھوٹے چھوٹے مٹھ اور بھی تھے ۔ ایک پشپاگیری (PUSPAGIRI) میں اور دوسرا ویرو پاکسم میں ۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب قائم کیے گیے ۔ عظیم عالم اور ادیب ودیارنیا ، ادوتیا کے مبلغ تھے اور شری نگری میں واقع ان کے مٹھ کو وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی ۔ 1346ء میں پانچوں سنگم بھائیوں نے اس مٹھ کو ایک مشترکہ عطیہ دیا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ودیارنیا کی موت ہمپی (HAMPI) میں واقع ہوئی ۔ کانچی میں واقع شنکراچاریہ

Marfat.com

کے مٹھ کو بھی، جیساکہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔

شنکر کے ویدانتی اسکول نے وقتاً فوقتاً بڑے بڑے اور مشہور عالم پیدا کیے جنھوں نے کتابیں لکھیں اور ادوتیا کے نظریات کی تشریحیں کیں۔ وہ دوسرے نظریات کے نمایندوں سے مباحثے بھی کرتے تھے۔ روایت سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ مادھو کے ایک شاگرد اور دوتیا نظریہ کے ایک ترجمان اکسوبھیامنی کے ساتھ ودیارنیا کا ایک نظریاتی مباحثہ ہوا۔ ایک زبردست عالم اور فلسفی اپیا دکشت (APPAYYA DIKSITA)، جنھوں نے سولھویں صدی میں فروغ پایا، ایک مباحثہ جو (عالم) تھے اور انھوں نے اعلیٰ فلسفیانہ مسائل پر کوماکونم میں واقع مادھو مٹھ کے وجے اندر تیرتھ کے ساتھ مباحثے کیے۔

(2) پاشوپت :۔ وجے نگر کے زمانہ میں ادوتینوں یا اسمارتوں کے ساتھ ہی پاشوپتوں نے بھی فروغ پایا۔ انھوں نے شیوآگموں (SIVA AGAMAS) کی طرف زیادہ توجہ دی اگرچہ اس بنا پر انھوں نے ویدوں کو رد نہیں کیا۔ وجے نگر کے زمانہ تک اس مکتب خیال کے شیو جنوبی ہندوستان کے علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ ان کے خود اپنے گرو اور ترجمان تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے اولین چند بادشاہ شیوزم کے اسی مکتب خیال کے پیرو تھے۔ غالباً ہری ہر اول اور بکا اول بظاہر کاشی ولاس کریا شکتی (KASIVILASA KRIYA SAKTI) کے شاگرد تھے جو ایک پاشوپت تھے۔ وہ عظیم وزیر او جنرل مادھو کے بھی گرو تھے جو 1368ء کے ایک عطیہ میں ان کا تذکرہ کرتا ہے[13]۔ انھیں کریا شکتی گرو کی خواہش پر مادھو نے ایک مخصوص شیوا اندر کی تھی جو ایک سال جاری رہی اور جس کے اختتام پر اس نے خود اپنے اثاثوں کے فنڈ سے کشمیر کے ان اسّی[8] صاحب علم برہمنوں کو ایک عطیہ دیا تھا جو شیوا رسوم کی بہترین واقفیت رکھتے تھے اور شیوا مسلک کے مخلصین میں سے تھے[14]۔ یہ غالباً یہی (گرو) تھے جنھوں نے شیوا گمسارا سمگرہا (SAIVAGAMASARA SANGRAHA) کی تصنیف کی تحریک کی تھی جسے مارپا اور مادھو نے مشترکہ طور پر لکھا تھا[17]۔ ہری ہر اول انھیں اپنا کل گرو سمجھتا تھا[19]۔ کمار کمپن بھی، جس نے سلطنت وجے نگر کے لیے جنوبی اضلاع فتح کیے تھے، کریا شکتی گرو کو اپنا کل گرو مانتا تھا[15]۔ ہری ہر کے بیٹے اندی بکا نے کریا شکتی سے اجازت لے کر ہی ودیا شنکر کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا[16]۔ بنگلور ضلع میں واقع واگت (VAGATA) کے ایک کتبے کے مطابق خود کریا شکتی نے مقامی وشنو مندر کو عطیہ میں چند زمینیں دی تھیں[17]۔ یہ دونوں کتبات صاف الفاظ میں

Marfat.com

بتلاتے ہیں کہ کریا شکتی گرد، جو اگرچہ خود راسخ الاعتقاد شیوا مسلک کے پیرو تھے، نہ صرف یہ کہ ادویتیوں کے ساتھ رواداری سے پیش آتے تھے بلکہ وشنواؤں کے ساتھ بھی۔ یہ بات واضح طور پر رواداری کے اس عام جذبے کو ظاہر کرتی ہے جو مملکت میں رائج تھا۔[22]

(3) ویر شیوا:۔ (VIRA SAIVAS) ویر شیوا مملکت کا ایک با اثر مذہبی فرقہ تھا۔ یہ شیوا کی ایک دوسری شاخ تھی۔ ویر شیوزم کو ایک مذہب کی حیثیت سے مقبولیت کا رخ کل چوریاؤں (KALCURAYAS) کے بادشاہ بجل (BIJJAL) کے ایک معاصر اور وزیر لسوا (ورسبھا VRSBHA) نے دیا تھا۔ اس کے لیے راستہ بہر حال شیوا مبلغین کے ایک سلسلہ نے ہموار کیا تھا۔ انھوں نے ودانتیوں کے فلسفیانہ نظریات سے اپنا کوئی زیادہ تعلق نہیں رکھا۔ ”جس فلسفہ کو جنگم (JANGAMAS) بظاہر مانتے تھے وہ ودانتی نظریہ ہے لیکن درحقیقت وہ خدا کے وجود (نہ کہ وحدت وجود) میں لسوا (ورسبھا) کے شاگرد ہیں جو شیوا کی پوجا کی تعلیم اس کے انتہائی مکروہ انداز لنگا (آلہ تناسل کی مورت PHALLUS) کی پرستش کی شکل میں دیتا تھا جبکہ اس کے تابعین جو جنگموں ”دورہ کرنے والوں“ یا لنگائیتوں ”آلہ تناسل کی مورت رکھنے والوں“ کے نام سے پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ بت پرستی کے ساتھ خدا کے وجود کے قائل ہیں جن میں ودانتی تصوف کی بس ایک معمولی سی جھلک ہی پائی جاتی ہے۔[23] وہ کٹر شیوا ہیں اور ہمیشہ اپنے ساتھ آلہ تناسل کی مورت (لنگم) رکھتے ہیں۔ وہ ویدوں کی سند کے منکر ہیں۔ تناسخ کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے۔ بچپن کی شادی کے مخالف ہیں، بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کے نظریہ کو مانتے ہیں اور برہمنوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ کنارا کے علاقہ میں یہ اب بھی ایک نہایت طاقتور فرقے کی حیثیت رکھتے ہیں اور خاص طور پر تجارت پیشہ طبقوں میں۔

(4) شیوا سدھانتیں (SAIVA SIDDHANTINS) وجے نگر کے زمانہ تک مذہب بڑی حد تک ایک طرف تو مذہبی رسوم اور دوسری طرف فلسفیانہ قیاس آرائیوں سے وابستہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ذات پات کا نظام بہت سخت ہو گیا تھا اور عبادت کی جگہ رسوم و رواج نے لے لی تھی چنانچہ ذات پات اور مذہبی رسوم و رواج کی جزئیات کے خلاف ایک عمومی بغاوت پھیل گئی اور دیسی زبانوں کے آزادانہ استعمال کی وجہ سے ملک کے مذہبی ادب کے مطالعہ کا دائرہ وسیع ہو گیا چنانچہ اندھی تقلید کے خلاف وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی اس بےچینی کے نتیجہ میں شیواؤں میں شیوا سدھانت ازم (SIDDHANTISM) کے نظریہ نے عروج پایا۔ اس تحریک کا بانی میکندد یو (MEYKANDA DEVA) نامی ایک شخص تھا جس نے شیوجنان بودھم (SIVAJ .

(NAN BODHAM) لکھی جس میں اس مسلک کے اصول وعقاید درج ہیں[24]۔ اس نے تمام مذہبی دیوتاؤں میں شیوا کی اہمیت پر زور دیا اور شیوازم کو عوام کا پسندیدہ مذہب بنادیا۔ پٹی رگریار (PATTIRAGIRIYAR) پٹن اتو پلا نیار (PATTANATTU PIL LAIYAR) پرن جوتی مونیور (PARAN JOTI MUNIVAR) اور چند دیگر مقامات میں میکندا کے تابعین کی ایک بہترین جماعت تھی۔ انھوں نے مذہبی رسوم اور تقریبات کے مقابلہ میں بھگتی یا زہد وتقویٰ کی اہمیت پر زور دیا۔ شیو واکیر (SIVA VAKYAR) بتوں کی پوجا کا مذاق ان الفاظ میں اڑاتا ہے "پتھروں کو پھولوں سے آراستہ کرنے کا کیا فائدہ؟ گھنٹیوں کو بجانے، عبادت واطاعت کی ظاہری رسوم کو بجالانے، مندروں کا چکر لگانے لوبان کا دھواں اڑانے اور بازاری انداز میں سجی ہوئی اشیاء کے چڑھاوے چڑھانے میں کونسا حقیقی مذہب ہے؟"۔ زیارت کے لیے رخصت سفر باندھنے کے متعلق وہ سوال کرتا ہے "کیا گنگا میں ایک غسل سیاہ کو سفید بنا سکتا ہے؟"۔ پٹن اتو پلائی یار کو زندگی سے کوئی محبت نہ تھی وہ جسم کے متعلق کہتا ہے "یہ ایک ایسی ملکیت ہے جس پر مختلف چیزوں کا دعویٰ ہے، آگ کا، کیڑے مکوڑوں کا مٹی کا چیلوں کا، گیدڑوں کا اور بازاری کتوں کا۔ مزید براں اس کے اجزائے ترکیبی غلیظ اور بدبودار ہیں۔" وہ خود خدا کی محبت پر زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک عبادت کے طریقے اور مذہبی کتابیں تمام کی تمام "خدا کے ساتھ فریب" ہے۔ وہ خدا کے ساتھ حقیقی محبت پر زور دیتا ہے[25]۔ وجے نگر کے زمانہ میں یہ تحریک آہستہ آہستہ جنوبی ہندوستان میں پھیل گئی۔

2۔ ویشنوزم (VAISHNAVISM)

وجے نگر کا دور شری ویشنوزم کے پھولنے پھلنے کے لیے نہایت سازگار تھا۔ عظیم ویشنو فلسفی اور مبلغ رامانج کے زمانہ سے ہی ویشنوا مسلک کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن چند دہائیوں سے اس کے پیرووں نے اس کی تعلیمات میں چند تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں اور چند ایسے نظریات اور رسوم کا اضافہ کر دیا تھا جن کا اس فرقے کے بانی نے حکم نہیں دیا تھا اور جن کو وہ کبھی منظور نہ کرتا۔

چنانچہ رامانج کی موت کے چند ہی سالوں بعد ویشنو دو حصوں میں منقسم ہو گئے جن میں سے ہر ایک کے مختلف مذہبی اور سماجی مسائل کے بارے میں خاص نظریات تھے۔ ان کے اختلافات عموماً نظریاتی اور سماجی نوعیت کے تھے۔ پہلا متنازع فیہ مسئلہ یہ تھا کہ عبادت کے لیے

Marfat.com

واسطہ سنسکرت کو بنایا جائے یا تامل کو اور حصول نجات کے لیے سنسکرت کے ویدوں کو پڑھا یا جائے یا تامل کے پربندھوں (PRABANDHAS) کو۔ حالانکہ مذہبی عبادات میں ان کے استعمال کے سلسلہ میں خود رامانج نے سنسکرت کی کتابوں اور تامل کی تصنیفات کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ لیکن آگے چل کر جب وشنو لوگ دو بڑے اور مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئے تو ان میں سے ہر ایک نے ایک زبان کو ترجیح دی۔ جبکہ ودگلائی (VADAGALAI) وشنواؤں نے تامل کے پربندھوں پر ویدوں کو ترجیح دی، تنگلائی (TANGALAI) وشنواؤں نے سنسکرت ادب پر تامل کے پربندھوں کو ترجیح دی۔ لیکن جبکہ اول الذکر نے تامل کو نظر انداز نہیں کیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ودانتا دیشیکا نے تامل میں بہت سی کتابیں بھی لکھی تھیں، موخر الذکر نے سنسکرت کو نظر انداز کیا۔

یہ مسئلہ بھی کہ نجات کس طرح حاصل ہو سکتی ہے دونوں فرقوں کے درمیان اختلافات کا ایک سبب تھا۔ اس نظریہ کو کہ حصول جنت کے لیے بھکتی ایک نہایت لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے الواروں نے ترقی دے کر پرپتی (PARAPATTI) یا شر ناگتی (SARNAGATI) (خود سپردگی) کا نظریہ بنا دیا تھا۔ رامانج نے جو ایک وشنو ودانتین تھے، خود سپردگی کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا تھا اور انھوں نے اپانیسدوں (UPANISADAS) اور ودانتا سوترز (VEDANTA SUTRAS) کی وضاحت اسی نظریہ کی روشنی میں کی تھی۔ لیکن ان کے عصر کے بعد وشنواؤں کے درمیان اس بارے میں اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے کہ کن حالات اور کن طریقوں کے ذریعہ ایک شخص نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ قدرت کی مشیت کے آگے خود کو سپرد کر دینے سے قبل ایک شخص کو خود اپنی ریاضتوں کے ذریعہ نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب وہ سمجھ لے کہ وہ صرف اپنی کوششوں کی بنیاد پر نجات حاصل نہیں کر سکتا تبھی اسے قدرت کے فضل و کرم کے سامنے خاکسارانہ طور پر خود کو سپرد کر دینا چاہیے۔ لیکن تنگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ ایک ایسے شخص کے لیے جو نجات کا خواہش مند ہو خود اپنی کوششیں ضروری نہیں اس لیے کہ قدرت کا فضل و کرم بلا تحریک غیر اور بے کراں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص اپنی کوششوں کے بغیر بھی جنت تک پہونچ سکتا ہے اگر محض وہ اپنے کو خدا کے سپرد کرے۔ اس مسئلہ پر ان کے خیالات کو ایک تمثیل سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ودگلائیوں کا خیال تھا کہ نجات حاصل کرنے کے لیے ایک شخص کو اسی طرح کوشش کرنی چاہیے جس طرح ایک بندر کا بچہ اپنی ماں

Marfat.com

کے ایک جگہ سے دوسری جگہ اچھلتے کودتے وقت اس سے چمٹا رہتا ہے۔ تنگلائیوں کا استدلال یہ تھا کہ چوں کہ خدا کا فضل وکرم بلا محرک ہوتا ہے اور اس طرح کام کرتا ہے جس طرح ایک بلی اپنے بچوں کو اپنے منہ میں لے کر چلتی ہے لہٰذا ایک شخص اپنی کوششوں کے بغیر بھی نجات حاصل کر سکتا ہے اور اس کے امڈتے ہوئے احسانات کو قبول کر لینے کے جذبے کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں[52] اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بھنڈارکر (BHANDARAKAR) لکھتا ہے

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رامانج کے فلسفہ کا رجحان بھگتی یا خدا کی بندگی کے روایتی طریقے کو ایک خالص برہمنی شکل دینا تھا اور یہ بات و دنگلائی نظریات میں قطعی طور پر نظر آتی ہے جبکہ تنگلائی یا جنوبی علم زیادہ آزاد خیال ہے اور وہ اس نظام کے نظریات کو ایسی شکل دیتا ہے کہ وہ شدروں پر بھی لاگو ہو سکے[53]"

خدا کے فضل و رحمت کی نوعیت کے سلسلہ میں خیالات کا یہ اختلاف گناہ و عفو کے بارے میں دیگر اختلافات کا باعث بنا۔ تنگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ چونکہ خدا کا فضل وکرم بلا محرک ہے لہٰذا ممکن ہے کہ لوگ بلا خوف سزا گناہوں کا ارتکاب کریں لیکن ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ بلا خوف سزا گناہوں کا ارتکاب ممکن نہیں کیوں کہ خدا گناہوں کے ارتکاب کو محض نظر انداز کر دیتا ہے وہ انکا خیر مقدم نہیں کرتا۔

پھر یہ دونوں فرقے لکشمی کی حیثیت کے سلسلہ میں بھی مختلف خیالات رکھتے تھے، ودگلائی فرقہ کا خیال تھا کہ لکشمی کو خدا سے مختلف کوئی حیثیت نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ وہ اسی میں اور اسی کے ذریعہ قائم ہے۔ وہ خدا کے ساتھ ایک ہے چنانچہ کائنات کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داریوں میں اس کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ لیکن تنگلائی فرقہ اسے ایک نیچی حیثیت دیتا تھا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ دوسروں کی طرح لکشمی بھی ایک محدود مخلوق ہے لیکن خدا کی خدمت گذاری کی حیثیت سے وہ ایک بلند مقام کی حامل ہے اور خدا اور گنہگاروں کے درمیان محض ایک شفیع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے مطابق وہ گناہ کرنے والے کی صرف شفاعت کر سکتی ہے کسی آزادانہ اقدام کا اختیار نہیں رکھتی۔

ذات پات کے سلسلہ میں بھی ان دونوں فرقوں کے درمیان اختلافات تھے۔ ودگلائی ذات پات کے نظام پر یقین رکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایک شخص اپنے ورن پر عاید قوانین کا پابند ہے۔ لیکن تنگلائیوں کا خیال تھا کہ ایک سچا پرنپا (PRAPANNA) تمام ذاتوں اور فرقوں سے بالاتر ہے اور وہ کہتے تھے کہ نیچی ذات کا ایک شخص (بھی) ایک برہمن

Marfat.com

کے ہی برابر ہے اگر وہ سچا بھکت ہے۔

اسی طرح تنگلائی اتنے آزاد خیال تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی تعلیم نیچی ذات کے ایک معلم سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے جبکہ ودگلائی اس طرح کے نظریات کی مخالفت کرتے تھے۔ ودگلائی جاتر پر یقین رکھتے تھے لیکن تنگلائی کم از کم نظریاتی طور اس کے قائل نہیں تھے۔ مذہبی رسوم مثلاً شرادھا (SRADDHA) کے بارے میں بھی ان کے درمیان اختلافات تھے۔ جبکہ ودگلائیوں کا خیال تھا کہ شرادھا کے دن صرف خدا کو کھانا پیش کیا جانا چاہیے۔ ان کے مخالفین کا خیال تھا کہ اسے نتیاؤں (NITYAS) اور اچاریوں کے سامنے بھی پیش کیا جانا چاہیے پھر اسی طرح جبکہ اول الذکر قربانیوں کے اثر پر یقین رکھتے تھے موخر الذکر جانوروں کے ساتھ بے رحمی کی بنا پر اسے قابل ملامت سمجھتے تھے۔ سماجی رسوم کے بارے میں بھی ان کے درمیان اختلاف رونما ہو گئے جب کہ ودگلائی نامم (NAMAM) کو یوں رکھتے تھے تنگلائی اسے یوں رکھتے تھے۔ جہاں اول الذکر بیوہ عورتوں کے سر کو مونڈنے کی تاکید کرتے تھے، موخر الذکر اس پر معترض تھے اور کہتے تھے کہ سر مونڈنے کی اس رسم کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پوجا کے وقت تنگلائی گھنٹیاں نہیں بجاتے تھے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ویدانتا دیشیکا وینکٹا ناتھ کے گھنٹے (GHANTA) کا ایک اوتار تھے لیکن ودگلائی گھنٹیاں بجاتے تھے۔ تنگلائی لوگ ایک دوسرے کے سامنے سجدہ کرتے تھے بغیر یہ خیال کیے کہ جس شخص کو سجدہ کیا جارہا ہے وہ بوڑھا ہے یا جوان، شدر ہے یا برہمن، گرو ہے یا چیلا، مرد ہے یا عورت اور سجدہ دیوتا کی موجودگی میں کیا جارہا ہے یا گرو کی موجودگی میں۔ لیکن ودگلائی احتجاج کرتے تھے کہ نمسکارم (NAMA - SKARAM) صرف چھوٹا بڑے کو، شدر برہمن کو، چیلا اپنے گرو کو اور صرف مستحق عورتوں کو کیا جاسکتا ہے جیسے مثلاً کسی گرو کی بیوی یا ماں کو۔ اور وہ اس بات کے (بھی) قائل تھے کہ یہ رسم کسی دیوتا کی موجودگی میں ہرگز ادا نہیں کی جانی چاہیے۔[29]

ویدانتا دیشیکا، جنھوں نے چودھویں صدی میں تامل کے علاقہ میں فروغ پایا، وہ رامانج کے نظریات کو بحال کرنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ قدامت پرست راسخ الاعتقادی کے ایک زبردست مبلغ بنکر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک جماعت تھی جو رامانج کے نظریات کو قبول کرنے پر تیار تھی۔ چنانچہ یہ لوگ ودگلائی فرقے یا شمالی مکتب خیال کے افراد کے نام سے معروف ہوئے۔ دوسرا گروہ جو قدامت پرست راسخ الاعتقادی کے خلاف لڑ رہا تھا اس کی قیادت الور تیرون گیری (TIRUNAGIRI ALVAR) کے رہنے والے اور شری شیلا (SRISAILA)

Marfat.com

کے ایک شاگرد منوال مہا منی (MANAVALA MAHAMUNI) کر رہے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے چودھویں صدی کے نصف اوّل میں فروغ پایا اور وہ بڑی حد تک جنوبی مکتب خیال کے تابع تنگلائیوں کے ایک علیحدہ فرقے کی حیثیت سے قیام کے ذمہ دار تھے۔ ودگلائیوں کے قائد نینار اچاریار (NAINAR ACARYAR) تھے، جو وردا چاریہ کے نام سے بھی معروف ہیں جو ویدانتا دیشیکا کے لڑکے اور جانشین تھے۔ سماجی اصلاحات کے دشوار ترین کام میں منوال مہامنی کی پیروی ان آٹھوں مٹھوں میں جو انہوں نے خود اسی مقصد سے قائم کیے تھے، ان کے جانشینوں نے کی۔ یہ مقبول عام تحریک جلد ہی عوام میں پھیل گئی اس لیے کہ اس کی بے تعصبی کی بنا پر اس کے حلقہ اثر میں اونچی و نیچی دونوں ہی ذاتوں کے لوگ داخل ہو رہے تھے اور ایک صدی کے اندر اندر اس نئے عقیدے کے ماننے والوں کی تعداد ودگلائیوں کے مساوی ہو گئی۔

3- ولبھ فرقے (THE VALLABHA SECT)

وشنواؤں میں بھکتی کی تحریک ولبھ اچاریہ نامی ایک فرقہ کی بنیاد کا باعث بنی جس کا نام اس کے بانی کے نام پر پڑا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا بانی کرشن کی ذات کے ایک حصہ کا ایک مادی شکل میں اظہار تھا۔ جس مذہب کی وہ تبلیغ کرتے تھے اس کے مطابق وشنو سب سے بڑا خدا تھا اور اس کی پرستش نوجوان کرشن کی شکل میں کی جانی چاہیے جو رادھا سے متعلق تھے۔ ولبھ اچاریہ کا خیال تھا کہ دیوتا کرشن کی پرستش برت رکھ کر اور روزہ اور نفس کشی کر کے نہیں کرنی چاہیے بلکہ پوجا کرنے والے اپنے آپ پر کوئی پابندیاں عاید کیے بغیر ایسا کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے مطابق چوں کہ ہر نفس ذات عظیم کا ایک حصہ ہے لہٰذا انسان پر کسی طرح کی پابندی عاید نہیں کرنی چاہیے۔ بھکت کو کھانا پینا چاہیے۔ اپنی بھوک اور دیگر تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے اور نہایت آسودگی کی حالت میں کرشن کی عبادت کرنی چاہیے۔

ایک روایت ہے کہ ولبھ اچاریہ کو وجے نگر کے کرشن دیو رائے نے اپنے دربار میں مدعو کیا تھا جہاں ایک مناظرہ منعقد کیا گیا تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ مادھو کے مشہور معروف مبلغ ویاسرائے تیرتھ (VYASARAYA TIRTHA) کے مقابلہ میں وہ کامیاب ہوئے اور وشنواؤں کے سب سے بڑے اچاریہ منتخب کیے گئے۔ بعد میں انھوں نے نو برس سے زیادہ عرصہ تک ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور بالآخر بنارس میں مقیم ہو گے جہاں کہا جاتا ہے کہ

Marfat.com

انھوں نے اپنے فلسفہ اور مذہب پر ستر۷۰ اہم کتابیں لکھیں۔ ان کے مذہب کے پیروزیادہ تر بمبئی اور گجرات کے تاجر پیشہ طبقوں میں نیز مدراس پریسیڈنسی کے چند علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پروہت جن کو مہاراج کہا جاتا ہے، شادی شدہ ہوتے ہیں اور ان کا انتخاب تیلگو کے برہمنوں میں سے کیا جاتا ہے جو اس عظیم بانی کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

اس نے مذہب کے پیروؤں نے اس کے بانی کی انتہائی فلسفیانہ تعلیمات کو نہایت مبالغہ آمیزی کے ساتھ پیش کیا خصوصاً مذہب کے بارے میں ان کے غیر راہبانہ نظریہ کو جس سے انھوں نے غیر شائستہ اور مادی معنی مراد لیے "چنانچہ کرشن کے لیے ان کی عقیدت نہایت بری رسوم میں بدل گئی اور ان کا پورا کا پورا نظام بگڑ گیا"[30]

4۔ مادھوازم (MADHVAISM)

ابتداً اس (مسلک) کو تیرھویں صدی میں مادھو نے اپنے نظریہ ثنویت (THEORY OF DUALITY) کی تبلیغ واشاعت کے لیے قایم کیا تھا۔ وجے نگر کے زمانہ میں اس مذہبی مسلک پر، ماننے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ بڑے بڑے مادھو مبلغین میں سے چند کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ ان میں سے ایک پدمنابھ تیرتھ (PADAMABHA TIRTHA) تھے جو مادھواچاریہ کے سب سے پہلے جانشین تھے۔ وہ پادرائے مٹھ (PADRAYA MATHA) کے سربراہ تھے۔ (اس) مٹھ کے ممتاز سربراہوں میں سے ایک شری پادرائے تھے جو سالو وازسمہا کے معاصر تھے۔ مادھو تیرتھ بہت بڑے عالم تھے جو مادھواچاریہ کی قایم کردہ اترادی مٹھ (UTTARADI MATHA) کے صدر تھے ان کی جانشینی اکسوبھیا تیرتھ (AKSOBHYA TIRTHA) نامی ایک شخص نے کی جو ودیارنیا کے ہم عصر تھے۔ ان دو مشہور و معروف مبلغوں کے درمیان اختلاف کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ اکسوبھیا کے دو شاگرد تھے۔ جیا تیرتھ (JAYA TIRTHA) اور راجندر تیرتھ۔ یہ دونوں انتہائی لائق منطقی تھے۔ لیکن مادھو مبلغین میں سے سب سے زیادہ ممتاز مبلغ ویاسرائے (VAYAS - ARAYA) تھے جو کرشن دیورائے کے ہم عصر تھے۔ بانی کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے آٹھ مٹھ قائم کیے گئے تھے اور یہ لوگ (ان کے جانشین) وفاداری سے ان کے کام کو آگے بڑھا رہے تھے ویاسرائے، برہمنیا تیرتھ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک غیر معمولی صلاحیتوں کے منطقی اور ودانتین تھے اور انھوں نے دوتیا کے فلسفیانہ نظام کے بعض اہم پہلوؤں پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے

Marfat.com

تات پریا چندریکا (TATPARYA CANDRIKA) ترک تندوا (TARAKATANDAVA) اور نیائے امرت (NYAYAMRTA) قابل ذکر ہیں۔ وہ "تمام شاستروں" کے مفسر بھی تھے اور وشنو سدھانت پرتشتھاپن اچاریہ (VAISNAVA SIDHANTA PRATISTHAPAN ACARYAH) کہے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرشن دیورائے کے بڑے مقرب تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک زبردست بلا کو ٹالنے کے خیال سے جس کے متعلق یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ اگر بادشاہ ایک خاص وقت تک تخت پر قایم رہا تو وہ مملکت پر نازل ہوگی۔ بادشاہ تھوڑے عرصہ کے لیے دیاسرائے کے حق میں تخت سے دستبردار بھی ہوگیا تھا۔[32] بادشاہ نے انھیں عطیہ میں متعدد گاؤں عطا کیے تھے۔[33] وہ کئی برس تک تیروپتی میں مقیم رہے۔[34] سولھویں صدی کی ایک تصنیف سمپردائیک اولدیپیکا (SAMPRADAYAKULADIPIKA) کے مطابق ویاسرائے تیرتھ نے کرشن دیورائے کے دربار میں منعقد ایک نشست کی صدارت کی تھی جس میں مباحثہ کے دوران ولبھ اچاریہ نے اپنے مخالفین کو شکست دی تھی۔[35] پروفیسر آفرشٹ (PROF. AUFRECHT) کا خیال ہے کہ ویاسرائے مٹھ بنیاد (خود) انھوں نے ڈالی تھی۔[36] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ہمپی (HAMPI) میں ہوا تھا۔ آج بھی جب کوئی مقدس یاتری پمپاکستر (PAMPAKSETRA) (ہمپی) جاتا ہے تو دریائے تنگبھدر میں واقع نوبرندیون (NAVABRNDEVANA) نامی ایک جزیرے میں اس عظیم مذہبی مبلغ اور عالم کا مقبرہ اسے دکھلایا جاتا ہے۔[37]

دوسرے عظیم مادھو مبلغ وجے اندر تیرتھ نامی ایک شخص تھے جو عظیم اپیادکشت کے معاصر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 64 کلا (KALA) یا علمی شعبوں کے ماہر تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا آخری دور کومبا کونم میں گذارا اور اس مقام کے ویرشیوا گرو کے ساتھ ان کا ایک فلسفیانہ مباحثہ ہوا جو بارہ دنوں تک جاری رہا اور جس کے اختتام پر وہ کامیاب نکلے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

وادی راجا تیرتھ (VADI RAJA TIRTHA) بھی، جو سودے مٹھ (SOUDE) MATHA میں واگشیا تیرتھ (VAGISA TIRTHA) کے جانشین تھے، ایک بہت بڑے عالم اور ایک مشہور بحاث تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں تھیں۔ اسی طرح سدھندر تیرتھ (SUDHINDRA TIRTHA) کے شاگرد راگھویندر تیرتھ

Marfat.com

(RAGHAVENDRA TIRTHA) بھی ایک بڑے عالم تھے جو سترھویں صدی میں ہوئے ہیں۔ وہ ایک زبردست مصنف اور ایک مشہور مباحثہ جو تھے۔[38]

فصل سوم

جین ازم

(JAINISM)

وجے نگر کے زمانہ میں جین ازم کو زبردست سرپرستی حاصل ہوئی۔جین مذہب ایک با اثر مذہبی فرقہ تھا جس کے اثر ورسوخ کا دائرہ مملکت کے شمالی اور مغربی حصّوں میں پھیلا ہوا تھا۔وجے نگر کے حکمراں مذہبی رواداری کو نہ صرف یہ کہ ایک معقول حکمت عملی بلکہ اسے ایک سیاسی ضرورت بھی سمجھتے تھے اور جینیوں کے معاملہ میں بھی وہ رواداری برتتے تھے۔مثال کے طور پر جب 1368ء میں جینیوں اور شری ویشنواؤں کے درمیان جھگڑے ہوئے تو بکا اوّل نے ان کے جھگڑوں کا تصفیہ کیا اور ان دو مخالف فرقوں کے درمیان مصالحت کرادی۔یہ جین۔ویشنوا معاہدہ جنوبی ہندوستان کی مذہبی تاریخ کے ایک اہم دور کی نشاندہی کرتا ہے۔جس طریقے سے یہ مصالحت کرائی گئی تھی وہ بہت دلچسپ ہے۔بکا اول نے دونوں فرقوں کے قایدین کو بلا بھیجا اور یہ اعلان کیا کہ چوں کہ ان دونوں فرقوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے لہٰذا انھیں دوست بنکر رہنا چاہیے۔کہا جاتا ہے کہ اس نے جینیوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر اٹھارہ ناڈوں کے شری ویشنواؤں کے ہاتھوں میں دیا۔ان میں شری رنگم، تیروپتی، کانچی اور میلکوٹ کے آچاریہ اور بعض دوسرے ویشنوا فرقے جن میں تیروکول (TIRUKULAS) اور جامبوکول (JAMBUVAKULAS) یعنی ہوئے سالا اور مدیگا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شامل تھے۔پھر اس نے یہ فیصلہ سنایا "جین مذہب پہلے ہی کی طرح پانچوں عظیم آلات موسیقی اور کلش (KALASA) یا سنگ مرمر کے تراشے ہوئے ظرف (VASE) (کے استعمال) کا استحقاق رکھتا ہے لہٰذا اگر ویشنوا لوگوں سے جین مذہب کو کوئی نقصان یا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو موخرالذکر اسے خود اپنے مذہب کا نقصان یا فائدہ سمجھے گا۔لہٰذا جب تک چاند اور سورج قایم ہیں ویشنو مذہب جین مذہب کی حفاظت کرتا رہے گا۔ویشنوا اور جین ایک ہی جسم (کے حصہ) ہیں۔انھیں الگ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔تیروپتی کا تاتیا اس رقم سے جو پوری مملکت میں جینیوں کے گھر سے وصول کی جاتی ہے۔بیس ملازم رکھے گا جو بلگولہ (BALGOLA) کے دیوتا کے لیے حفاظتی دستہ کے طور پر کام کرے گا اور جینیوں کے منہدم مندروں کی مرمت کرائیگا

Marfat.com

جو شخص بھی اس فرمان کی خلاف ورزی کرے گا وہ بادشاہ اور سنگھ اور سمو دائے سے غداری کرے گا۔"
اس مصالحت کے سلسلہ میں ایک حقیقت قابل توجہ ہے۔ ان کتبات کا ابتدائی شعر شری ویشنوا کے مبلغ رامانج کی مدح میں ہے اور یہ شعر ان پانچ اشعار کا آخری شعر ہے جن کو دھاتو پانچک (DHATU PANCAKA) کہا جاتا ہے اور جو رامانج کی مدح میں ہیں۔

ہری ہر دوم کا وزیر ایروگپا ڈنڈناتھ (IRUGAPPA DANDA NATHA) ایک جین تھا۔ وہ پشپا سینا (PUSPASENA) کا شاگرد تھا اور اس نے وجے نگر میں کنتھ جینالے (KUNTHA JINALAYA) (یعنی) ہمپی میں واقع موجودہ گنی گتی (GANIGITTI) کے مندر کی اور گوٹی (GOOTY) کے پارشوا جینا ناتھ (PARSVAJINA NATHA) کے لیے ایک بستی کی تعمیر کی تھی۔ اس کے کتبات تیروپارتا کونرد (TIRUPPARUTTAKNRU) میں بھی پائے گئے ہیں جو کنجیورم کے قریب جینوں کی ایک چھوٹی سی کالونی ہے جہاں بظاہر اس نے جین مندر کے سامنے ایک منڈپ کی تعمیر کی تھی۔ دیورائے دوم نے وجے نگر کے پنسوپڑی بازار کی ایک سڑک پر ارہت پارشو ناتھ (ARHAT PARSVA NATHA) کے لیے پتھر کا ایک مندر تعمیر کیا تھا۔

کرشن دیورائے اور اس کے جانشینوں نے بھی جین ازم کی سرپرستی کی۔ اور (یہ مذہب) مملکت وجے نگر کے شمالی اور مغربی علاقوں میں پھل پھول رہا تھا۔

فصل چہارم

عیسائیت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں عیسائیت بالکل شروع ہی میں آچکی تھی۔ چند دستاویزات کے مطابق ۱۴۴۵ء میں دیورائے دوم کے زمانہ میں وجے نگر کا دیوان ایک عیسائی تھا۔ لیکن جنوبی ہندوستان میں عیسائیت کے شیوع کا آغاز پرتگالیوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہی ہوا۔ جو یسوعی ہندوستان آئے تھے ان کا اصل مقصد (لوگوں کا) مذہب تبدیل کرانا تھا اور ان کی کوششیں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔ ۱۵۳۵ء کے لگ بھگ جنوب کے ماہی گیری کے ساحلی علاقے کے پرور (PARAVARS) سب سے پہلے حلقہ عیسائیت میں شامل ہوئے۔ جب وہ ان مسلمانوں کی ظلم و زیادتی کو برداشت نہ کر پائے، جو صدف زاروں پر اجارہ

Marfat.com

داری کے دعویدار تھے، تو پیرورُوں نے پرتگالی مبلغ ڈاکٹر پیرو وزڈی امرول، (DR. PEROVAZDE AMARAL) سے جو اس وقت کوچین میں تھے، مدد طلب کی اور اس کے عوض انھوں نے عیسائیت قبول کر لینے کا وعدہ کیا۔ آگے چل کر ان یسوعیوں نے جو مدورا میں مقیم تھے باضابطہ طور پر تبدیلی مذہب کا بیڑا اٹھایا، تقریباً بیس ہزار پیرورُوں کو عیسائی بنایا گیا۔

مدورا کے نایک دربار میں روبرٹ ڈی نوبیلی (ROBERT DE NOBILI) نامی ایک یسوعی مبلغ نے ہندوؤں میں تبدیلی مذہب کی ایک باضابطہ مہم چلائی اس لیے کہ اس کا خیال تھا کہ وہ خدا کا کوئی صحیح علم نہیں رکھتے۔ اپنے مقصد کی حصول کے لیے اس نے یہ سوچا کہ اسے اپنے تمام آرام و آسائش کو قربان کر دینا چاہیے، ہندو سنیاسی کا سا لباس پہننا چاہیے اور ایک اعلیٰ درجہ کے برہمن کی طرح رہنا چاہیے۔ اس نے سنسکرت تامل اور تیلگو زبانیں سیکھیں۔ اس نے سوچا کہ قبل اس کے کہ وہ انھیں اپنے مذہب میں تبدیل کر سکے اسے اپنے آپ کو انکے نزدیک محترم و محترم بنانا چاہیے۔ بہر حال اس نے ہندو مذہب کی مذمت نہیں کی بلکہ اس نے ہندوؤں کے سامنے اپنا ایک نمونہ پیش کر کے انھیں اپنے مذہب کو قبول کرنے پر مائل کرنا چاہا۔ اس لحاظ سے وہ ایک نہایت اعلیٰ شخصیت کا حامل تھا اس لیے کہ اگرچہ وہ ترکیبیں جو اس نے عوام کو عیسائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اختیار کی تھیں تنقید سے بالاتر نہیں ہیں پھر اس کو اپنے مذہب سے اتنا بے پناہ خلوص تھا اس کے نزدیک اپنے مقصد کی حصول کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کی بھی کوئی قیمت نہ تھی۔ لیکن بہرحال اس کے دل جیت لینے والے طور طریقے خلوص نیت، پرزور اسلوب بیان محض چند ہی لوگوں کو اس کے حلقہ اثر میں لا سکے اور عوامی سطح پر تبدیلی مذہب کی کوششوں میں نوبیلی ناکام رہا جس کی توجیہ بآسانی کی جا سکتی ہے۔ فادر فرنڈس نامی اس کا ایک ہم پلہ مبلغ اس کے طریقہ کار کا مخالف تھا جس کے لیے وہ کہتا تھا کہ اس (طریقہ کار) نے عیسائیت کی جڑیں کاٹ دیں۔ اس سے قطع نظر جس زمانہ میں وہ جنوبی ہندوستان میں آیا تھا وہ زمانہ اس کی نئے اعتقاد کی تبلیغ کی پالیسی کے لیے سازگار نہ تھا اس لیے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب شری ویشنو زم، جس کے مطابق خدا کی نظر میں آدمی اور آدمی کے درمیان کوئی فرق نہ تھا، جنوبی ہندوستان میں پھیل چکا تھا چنانچہ عیسائی مذہب میں ہندوؤں کو کوئی نیا جذب نظر نہ آیا لہٰذا روبرٹ ڈی نوبیلی عیسائیت کو پھیلانے کی کوششوں میں ناکام رہا گو اس نے اپنی تمام کوششیں کیں اور اپنے تمام عیش و آرام قربان کر دیا۔

یسوعیوں کی سرپرستی وجے نگر کے بادشاہ وینکٹ دوم نے بھی کی۔ اس نے اکثر انھیں اپنے

Marfat.com

یہاں بلایا، اعزازات بخشے، ان کی ان فلسفیانہ مباحثوں کو سنا جو اس کے سامنے یسوعی پادریوں اور ان کے مخالف ہندو عقاید کے علمبرداروں کے درمیان منعقد ہوئے تھے۔ انھیں یہ اجازت دی گئی کہ وہ چندر گیری اور ولور میں اپنے کلیسا قائم کریں۔ وینکٹ نے ان کے لیے ایک ہزار سونے کے سکوں کی سالانہ آمدنی بھی مقرر کر دی۔ اس سالانہ آمدنی سے چندر گیری کے تبلیغی مرکز اور اس کالج کو جو انھوں نے سینٹ تھوم (ST. THOME) میں قائم کیا تھا، چلایا جاتا تھا۔

فصل پنجم

اسلام

چودھویں صدی کی ابتدا میں جنوبی ہندوستان پر مسلمانوں کی یورش کے ساتھ ہی ان کے اور ہندوؤں کے درمیان شدید منافرت پھیل گئی۔ مسلمانوں نے ہندو مندروں کو تاخت و تاراج کیا اور ہندوؤں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ لیکن مملکت وجے نگر کے قیام و توسیع کے ساتھ ہی جنوبی ہندوستان میں وہ ٹھنڈے پڑ گئے اور اسی زمانہ سے وہ ایک علیحدہ فرقے کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ ہندوؤں نے بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ رکھا۔

دیورائے دوم نے مملکت میں آباد ہونے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کر کے ایک مثال قائم کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جانشینوں نے بھی اس کی اس پالیسی کی۔ سی کی فرشتہ کہتا ہے کہ دیورائے نے اپنی فوجی تنظیم میں چند اصلاحات کیں، مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں داخل کیا، انھیں جاگیریں عطا کیں، اپنے دارالسلطنت میں ان کے لیے ایک مسجد بنوائی اور یہ حکم جاری کیا کہ اپنے مذہب کی بجاآوری میں کوئی انھیں پریشان نہ کرے۔ اس نے یہ فرمان بھی جاری کیا کہ اس کے تخت کے سامنے ایک قیمتی ڈیسک پر ایک قرآن بھی رکھ دیا جائے تا کہ مسلمان اپنی شریعت کی خلاف ورزی کیے بغیر "اس کے سامنے تسلیمات بجا لاسکیں"۔ مسلمانوں کے ہندو ملازمت میں لیے جانے کا ثبوت کتبات میں بھی ملتا ہے۔ ۱۴۳۰ء کے ایک کتبہ میں درج ہے کہ دیورائے دوم کی ملازمت میں دس ہزار تورسکا (TURUSKA) شہسوار تھے۔ ۱۴۴۵ء کے ایک دوسرے کتبے میں بادشاہ ویر پرتاپ دیو کے ایک ملازم کی حیثیت سے احمد خاں نامی ایک شخص کا ذکر ہے نیز یہ کہ اس (احمد خان) نے ایک کنواں بنوایا تھا۔ باربوزا ان مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ہندو بادشاہ کی ملازمت میں تھے، ایک موری (MOORISH) محلّے کا تذکرہ

Marfat.com

کرتا ہے جو شہر کے بالکل کنارے واقع تھا اور کہتا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اسی ملک کے باشندے تھے، جنھیں بادشاہ کی جانب سے تنخواہیں ملتی تھیں اور جو اس کے حفاظتی دستہ سے تعلق رکھتے تھے[55] کرشن دیو رائے ان پر اس قدر اعتماد کرتا تھا کہ رائچور کے خلاف اپنی مہم میں اس نے اپنے ہراول دستہ کی قیادت ان موزوں کے سپرد کردی تھی جو اس کی شاہی ملازمت میں تھے[56] ہندوؤں کے جذبہ صلح پسندی کی نشاندہی اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ 1537ء میں ایک پرہیزگار ہندو نے مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنوائی تھی[57] یہی پالیسی سداشیو اور رام راج نے بھی اپنائی تھی۔ بادشاہ کے قائم مقام جسے دیو رائے دوم نے بھی اس وقت اپنے پاس ایک قرآن رکھوایا جب مسلمان اس کے پاس تسلیمات پیش کرتے آئے تھے[58] بہت سے مسلمانوں کو ہندو ملازمت کے اہم عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ ان افسروں میں سب سے نمایاں امور خان (AMUR KHAN) نامی ایک شخص تھا جس کی ضروریات کے لیے رام راج نے ایک جاگیر عطا کردی تھی[59] عین ملو کا عین الملک جیلانی) ایک دوسرا اہم افسر تھا جس کی درخواست پر بادشاہ کے قائم مقام نے بیون ہلی کا گاؤں برہمنوں کو عطیہ میں دے دیا تھا[60] یہ افسر قائم مقام کا اس قدر معتمد تھا کہ وہ اکثر و بیشتر اسے اپنا بھائی کہہ کر پکارتا تھا[61] ایک اور شخص دلاور خاں نے جو رام راج کا ایک ایجنٹ تھا بات اگرہارا (BATA - AGRAHARA) کی حیثیت سے ایک گاؤں عطیہ میں دیا تھا[62] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیجے نگر کے سلاطین درگا (DARUGA) کی بہت زیادہ ہمت افزائی کیا کرتے تھے جو غالباً مسلمان درویش بابا نتا (BABA NATTA) کا مزار تھا اور اس کی یا اس کے مزار کی نگرانی کرنے والے درویشوں کی منجمانہ پیشن گوئیوں کو بادشاہ اور کاشتکار دونوں ہی بہت اہمیت دیتے تھے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے بادشاہوں نے اس ادارے کو بہت سے گاؤں عطیہ میں دیئے تھے۔ جس کا مقصد ہورا (HORA) (فن زائچہ نویسی HOROS COPY) کے مطالعہ کی ہمت افزائی تھا۔ مثال کے طور پر وینکٹ دوم نے 39-1638ء میں پینو گوندا میں واقع بابیا (BABAYYA) کی درگاہ کو عطا کردہ بعض گاؤں کی تجدید کی تھی[63] اسی طرح مدورا کی نایک ملکہ منگمال (MANGAMMAL) نے 02-1701ء میں بابا نتا کے درگاہ کو ترچناپلی کے قرب وجوار میں واقع چند گاؤں عطیہ میں دیئے تھے۔ اس عطیہ کی وجہ یہ پیشن گوئی تھی کہ "تنجاوور کے ریاستی امور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے، جو درست ثابت ہوئی[64]

Marfat.com

فصل ششم

بادشاہوں کا مذہب اور شری ویشنوازم کی توسیع

وجے نگر کے خاندان کی مذہبی تاریخ مملکت کے مذہبی تحریکات کی تاریخ کا لب لباب ہے وجے نگر کے ابتدائی بادشاہ راسخ العقیدہ شیو تھے لیکن بعد کے حکمراں کٹر ویشنو ہو گئے تھے جو وجے نگر کے شری دیرو پاکسا کے مقابلہ میں تیروپتی کے وینکٹیشا (VENKASA) دیوتا سے زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ حکمراں بادشاہوں کے عقیدے میں اس تبدیلی کا مملکت کے عوام کے عقیدوں پر براہ راست اثر پڑا اور سولہویں اور سترہویں صدی میں جنوبی ہندوستان میں شری ویشنوزم تعجب خیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔

سنگم خاندان کے اولین افراد، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، شیو تھے جو کشمیر کے شیوزم اسکول کے پیرو تھے اور جو پاشوپت (...ATA) کے نام سے معروف تھے۔ کریا شکتی پنڈت ان کے گرو تھے اور رہپی کا شری دیرو پاکسا ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا جبکہ شری دیرو پاکسا ان کی دستخط مہر (SIGN MANUAL) تھی۔ یہ حکمراں شرنگری مٹھ سے نہایت دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ودیا تیرتھ اور ودیارنیا جو اس مٹھ کے صدر تھے اور جنھوں نے مملکت وجے نگر کے قیام میں کافی حصہ لیا تھا، اس خاندان کے ابتدائی حکمرانوں میں بہت معزز و محترم سمجھے جاتے تھے۔ 1346ء میں پانچوں سنگم بھائیوں نے اس مٹھ کو ایک مشترکہ عطیہ دیا تھا۔ 1330ء میں ہری ہر دوم کے ایک بھتیجے چنپا ادیار نے ودیا بھوشن دکشت کو، جو بہت بڑے عالم اور ودیارنیا کے شاگرد تھے، اگر ہارا کا عطیہ دیا تھا اور خود ان کے نام پر گاؤں کا نام ودیارنیا کھا تھا۔ پندرہویں صدی کے دوران وجے نگر کے خاندان کے عقیدہ میں ایک تدریجی تبدیلی رونما ہوئی اور حکمراں ویشنوزم کی پاسداری کرنے لگے۔[96]

سالووا (سلاطین بھی) وشنوا تھے جو اہوبلم (AHOBALAM) کے نرسمہا اور تیروپتی کے وینکٹیشا سے اتنی ہی عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے شیوزم کی سرپرستی بھی کی۔ انھوں نے اپنے مہادان (MAHADAN) شیوا اور وشنو دونوں کے مندروں کو دیئے۔ لیکن ویشنو مندروں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی اور انھیں بڑے پیمانہ پر عطیات دیئے گئے۔ بہرحال وجے نگر کا شری دیروپاکسا سالووں کے سب سے بڑے دیوتا کی حیثیت سے برقرار رہا۔

تالووا (TALUVA) سلاطین، کرشن دیو رائے، اچیوت رائے اور سداشیو رائے

Marfat.com

کے زمانوں میں وشنوزم کی پیروی کرنے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ کرشن دیورائے نے جو اگرچہ ایک کٹر وشنو تھا، شیواؤں کی مساوی طور پر سرپرستی کی اور شیوا مندروں کو عطیات دیئے۔ 1517-18ء میں اس نے کول منڈلم میں واقع شیوا اور وشنو مندروں کے حق میں ٹیکسوں کی بعض مدوں کی معقول مقدار معاف کر دی جو دس ہزار پون (PON) کی رقم کو پہونچتی تھی 1517ء میں اس نے دیوتا پونم بل ناتھ (PONNAMBALA NATHA) کے مندر کے شمال گوپورا کی تعمیر کی تھی۔ اس نے شمال میں اپنی کامیاب مہموں کے بعد اپنے جنوب کے دورے کے دوران چدمبرم میں اس دیوتا کی عبادت کی تھی۔ اس نے کالاہستی (KALAHASTI) اور تیروناملائی میں واقع شیوا مندروں کی اصل عمارتوں میں بہت سے اضافے بھی کیے تھے۔ اس نے خود دارالسلطنت کے گن پتی مندر کو کافی عطیے دیئے تھے۔ اس نے راجدھانی میں واقع ویروپاکسا مندر کی اندرونی زیارت گاہ کے سامنے ایک رنگ منڈپ (RANGAMANTAPA) سلبی ہال) اور اس کے پہلے ایک گوپورا (GOPURA) بنوایا تھا۔ اس نے اس کے سامنے واقع ایک بڑے گوپورا کی مرمت بھی کرائی تھی۔ اس نے دیوتا ویروپاکسا کو ایک طلائی کنول جس میں نو قسم کے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور ایک سانپ نما زیور تحفہ میں دیا تھا۔[70]

لیکن کرشن دیورائے کی جانب سے وشنو زیارت گاہوں کو دیئے ہوئے عطیات زیادہ اور قیمتی تھے۔ جب اس نے ادے گیری کے قلعے کو دوبارہ فتح کیا تو اسے اس میں دیوتا کرشن کا ایک بت ملا جسے وہ بڑے احترام کے ساتھ دارالسلطنت لے آیا اور اسے ایک مندر میں رکھ دیا۔ جسے خاص طور پر اسی مقصد سے بنایا گیا تھا۔[71] جب وہ 1514ء میں دیوتا وینکیٹشا کو تسلیمات پیش کرنے تیروپتی گیا تو وہاں اس نے تیس ہزار سونے کے سکوں سے دیوتا کو نہلا دیا اور اسے ایک سہ قطاری مالا اور نہایت قیمتی سونے کے کنگنوں کا ایک جوڑا پیش کیا جس میں موتی، ہیرے، یاقوت اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔[73] الآسانی پدنا (ALLASANI PEDDANA) اپنی منوچرتا موکے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس کا سرپرست کرشن دیورائے وینکیٹشا کا بڑا عقیدت مند تھا۔[74] اس کا اظہار بادشاہ اور اس کی بیویوں کی تانبے کی بنی ہوئی ان تصویروں سے بھی ہوتی ہے۔ جو اب بھی تیروملائی میں شری وینکیٹشا کے مندر میں موجود ہیں۔[75] دوسرے سال اس نے اہوبلم کے دیوتا اہوبل نرسمہا (AHOBALA NARSIMHA) کو ایک مالا، ایک گوشوارہ جس میں ہیرے اور زمرد جڑے تھے، ہیروں کے کڑے، سونے کی ایک تختی اور ایک ہزار وراہ (VARAHAS) پیش کیے۔[76] اس نے کانچی ورم میں واقع وردراج سوامی (VARADARAJA SVAMI)

Marfat.com

مندر میں بہت سے اضافے بھی کیے۔[77]

کرشن دیو رائے وتھوبا (VITHOBA) کا ایک زبردست پرستار تھا وتھوبا مسلک وشنوزم کی ہی ایک شکل تھی جو مہاراشٹر کے علاقے میں رائج تھی۔ کرشن دیو رائے نے اپنے دل کے اس دیوتا کے لیے اپنے دارالسلطنت میں ایک مندر نذر کیا تھا۔ "اگر کسی زیارت گاہ کی حیثیت اور اس کی اعلیٰ فنکارانہ نوعیت ہی اس زیارت گاہ میں موجود شے سے اس کے تعمیر کنندہ کی عقیدت وخلوص کی شدت کا تعین کر سکتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرشن دیو کے دل میں سب سے اونچا مقام وتھوبا کا تھا۔"[78]

کرشن دیو رائے کے وشنوزم کی طرف جھکاؤ کا اندازہ اس حوصلہ افزائی سے بھی ہوتا ہے جو اس نے وشنوا رخ کی مشہور ادبی شخصیتوں کے ساتھ کی۔ بادشاہ شری وشنوا کے ایک ممتاز مبلغ وینکٹ ناتاریا کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس نے اسے مملکت کے تمام شری وشنواؤں کا سربراہ بنا دیا تھا۔ 1523ء میں بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ہر عوامی اجتماع میں اسے اعلیٰ ترین حیثیت دی جائے اور اس نے اسے اس بات کا ایک پروانہ بھی دیا تھا۔ اسی وشنوا مبلغ کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ وہ مذہبی اور سماجی معاملات میں مجرمین کو سزا دے سکتا ہے۔[79] ایک اور ممتاز مبلغ جسے وجے نگر کے شاہی دربار میں زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ ویاساتیرتھ یتندر (VYASATRTHA YATINDRA) تھا جو دویتا نظریے کا بہت بڑا عالم اور ترجمان تھا۔ اسے متعدد گاؤں عطیہ میں ملے تھے۔[80]

اچیوت رائے ایک سرگرم وشنوا تھا۔ لیکن دوسرے مذاہب اور فرقوں سے رواداری کا برتاؤ رکھتا تھا۔ مندروں اور اداروں کو اس کے عطا کردہ متعدد بڑے بڑے عطیات سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جبکہ اپنی حکومت کے نصف اول میں اس نے شیوزم اور وشنوزم دونوں کی مساوی طور پر سرپرستی کی تھی، نصف آخر میں اس کا جھکاؤ وشنوزم کی طرف کچھ زیادہ تھا۔ چنانچہ 1534ء میں اس نے چند گاؤں اس طور پر عطیے میں دیے تھے کہ انھیں کانچی ورم کے دیوتا وردراجا اور ایکامبر ناتھ (EKAMBERA NATHA) کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے اور اپنا یہ حکم اس نے اس مقام پر متعین اپنے ماتحت افسر کے نام بھی بھیج دیا تھا مگر چوں کہ وہ افسر ایک سرگرم وشنوا تھا لہٰذا اس نے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق کام نہ کیا بلکہ اس نے عطیہ کا بڑا حصہ وردراجا اور چھوٹا حصہ ایکامبر ناتھ کی زیارت گاہ کو دیا۔ اچیوت رائے کو جب اس غیر مساوی تقسیم کی خبر ہوئی تو اس نے زمین کو قرعہ اندازی کے ذریعہ دونوں مندروں کے درمیان از سر نو تقسیم کیا۔[81]

Marfat.com

لیکن وردراجا سوامی کے مندر کو اس کے زیادہ عطیات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک سرگرم ویشنوا تھا۔ اس نے کانچی میں موتیوں کا تولا بھارا (TULABHARA) انجام دیا تھا اور وردراجا سوامی کے مندر میں معقول عطیے دیئے تھے۔[82] اس نے وجے نگر کے وتھل مندر کو متعدد عطیے دیئے جن میں ایک سورن کسما (SVARNKSMA) یا سونے کی زمین تھی۔[83] 1534ء میں اس نے وتیسنور (VITTHALESVARA) کی موجودگی میں ان دو شری ویشنوا برہمنوں میں سے ہر ایک کو، جو مندر میں ایک پورانم (PURANAM) پڑھا تھا، عطیہ میں ایک زمین دی تھی جس کے ساتھ ایک مکان بھی تھا۔[84] 1539ء میں اس نے ایک عطیہ دیا تھا جسے "آنند ندھی (ANAND-NIDDHI) کہا جاتا تھا جس کے ذریعہ اسے یہ دعویٰ ہے کہ اس نے وشنو کو خوش کیا اور برہمنوں کے کوبیرا (KUBERAS) بنوائے تھے۔[85] اس نے دیکھا نسا سترا VACKHANSA SUTRA کے رسوم کے مطابق مئی 1539ء چدمبرم میں دیوتا تلائی گوندراجا کی مورتی نصب کی تھی اور مندر میں روزانہ کی عبادتوں کے لیے 500 پون کا عطیہ دیا۔[86] اخیر میں اس بات کا اظہار کہ اچیوت ایک سرگرم وشنوا تھا، اس طرح کے جملوں سے بھی ہوتا ہے جیسے "وہ وشنو کے قدموں سے جا ملا" جو اس کی موت کے ذکر کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔[87]

ویشنوازم نے سداشیو کے زمانہ میں مملکت میں مزید طاقت حاصل کی۔ اس زمانہ میں یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ قانونی حکمراں سداشیوا اور دراصل حکمراں رام راج دونوں ہی مملکت میں ویشنوزم کے سرگرم پیرو تھے۔ اس زمانہ میں ویشنو مندروں کو دیئے جانے والے عطیات بہت زیادہ اور نہایت قیمتی ہیں اور شری ویشنوا کے مبلغین کی زیادہ قدر و منزلت کی گئی۔ شری پیرو بودر (SRIPERU MBUDUR) (ضلع چنگلی پت) اور شری موسنم (جنوبی ارکٹ ضلع) کے ویشنو مندر مخصوص عطیات کے مرکز تھے۔ اور تیروپتی اور تیرو ملائی (چتوڑ) کے مندروں کا تو خیر کہنا ہی کیا۔

رام راج نے شری ویشنوا کے تلاپاکم (TALLAPAKKAM) خاندان کے مبلغین کی بڑی عزت افزائی کی۔ ان (مبلغین) میں سے چند یہ تھے انماچاریہ (ANNAMACARYA) تیرولی اچاریہ یوگی اور تلاپاکم تیرو ونگلاناتھ (TALLAPAKAM TIRUVENGALANATHA) یہ پرم یوگی ولاسمو (PARAMYOGIVILA SAMU) نامی کتاب کا مصنف اور رودانتا کے دو اسکولوں کا بانی تھا۔[89] کرشن دیورائے کے معلم اور استاد گووند دیشک کی جگہ تاتاچاریہ نے لے لی جو ایک مشہور ویشنوا مبلغ تھے۔[90] پرپنا مرتم کے مطابق اسی زمانہ میں وڈائے چاریہ نے ایک مذہبی تنازعہ میں چترکوٹ (CITRAKOTA) (چدمبرا) کے تمام شیوا محققین کو شکست

Marfat.com

ری جس میں اپیادکشت بھی شامل تھا اور ردواچاریہ) تاتاچاریہ اور رام راج کے تعاون سے اس مقام میں گوندراجا کی عبادت رائج کرنے میں ہو گئے[91] تاتاچاریہ نے اپنی مشہور تصنیف پنچمت بھنجنم (PANCAMAT BHANJANAM) لکھی۔ دوائے اچاریہ نے بھی دکشت کی تصنیف ادوتیادیپیکا (ADVAITA DIPIKA) کے رد میں اپنی چند ماروتم (CANDAMARUTAM) لکھی[92] اس زمانہ کے دوسرے شری ویشنو مبلغ کندال شری رنگا چاریہ (KANDA SRIRANGACARYA) کی تحریک پر 31 گاؤں کا ایک عطیہ شری پیرومبودور چنگل پٹ ضلع میں رامانج کوتم کو عطا کیا گیا[93]

ارویدو بادشاہوں کے اقتدار میں آنے کے بعد شری ویشنوزم کو سلاطین کی اور بھی زیادہ حمایت حاصل ہوئی۔ خود تیرومل اول ہری کے لیے شہد کی طرح (میٹھی) عقیدت کا ایک خزانہ تھا[94]۔ اس نے کانچی، شری رنگا، شیشلاچل (تیرو پتی)، کنک سبھا (چدمبرم) اور آہوبلادری میں تولاپورس (TULAPURASA) اور دیگر عطیات دیئے تھے[95] اگرچہ وہ ایک کٹر ویشنو تھا تاہم عطیات کے دعائیہ اشعار اور خاتمہ کے سلسلہ میں اس نے وہی پرانا طرز اختیار کیا تھا، سب سے پہلے گنادھی پتی (GANNADHIPATI) کو تسلیمات پیش کی تھیں، دعائیہ اشعار میں شیوا اور لیلاوراہا وشنو (LELA VARAHA) کو مخاطب کیا جاتا تھا اور خاتمہ میں کناری (زبان) میں تحریر کیا ہوا۔ شری ویروپاکسا کو بدستور برقرار رکھا جاتا تھا۔

شری رنگا بھی ایک کٹر ویشنو تھا اریولی منگلم (ARIVILI MANGALAM) کی تختیوں میں اسے "وشنو کے عبادت گذار" کے نام سے پکارا گیا ہے[96]۔ شری ویشنوزم کے لیے شری رنگا کی اہم خدمات میں سے ایک اہوبلم کے مندر میں پوجا پاٹ کی دوبارہ بحالی تھی۔ اس مقام پر ابراہیم قطب شاہ اور ہندی اننت پورم (HANDE ANANTAPURAM) کے سردار ملکپا (MALAKAPPA) نے قبضہ کرلیا تھا، شری رنگا نے انھیں شکست دی اور مندر کو جین گارو (JAYANGARU) کو واپس کر دیا جو اس کا نگراں تھا[97] میل کوٹ، شری پیرومبودر شری موسنم تریپلی چین (TRIPLICANE) میں واقع ویشنو زیارت گاہیں اس زمانہ میں متعدد عطیات کے مرکز تھے۔ ایتور کمار تیرومل تاتاچاریہ (ETTUR KUMAR TERUMALA TATACARYA) جیسے شری ویشنو کے عالموں کو شاہی دربار کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ شری رنگا نے کانچی میں واقع وشنو کے مندر میں بہت سے اضافے اور اصلاحات کیں جس کے لیے اس نے تیروپنی شنگارائین گار TIRUPPANI SINGARAINGAR

Marfat.com

نامی ایک شخص کو اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا[98]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں رامانج کو دیوتا مان لیا گیا تھا اور ان کی پوجا کی جاتی تھی بسنہ 1575ء کی ایک دستاویز کے مطابق شری رنگا، اس کے گرو تاتاچاریہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے میلکوٹ کے مندر میں شری رامانج کی تعریف میں ودانتا دکشت کی لکھی ہوئی ایک نظم یتی راجہ سپتتی (YATIRAJASAPTATI) کے پڑھے جانے کا انتظام کیا تھا[99]۔ لیکن وہ اپنے اجداد کی طرح شیوا سے کوئی نفرت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنے عطیات کے شروع میں شیو، وشنو اور گنیش کے لیے تعظیم بجالانے کے طریقے کو برقرار رکھا[100]۔

تیرومل اور شری رنگا کے عہد تک "وجے نگر کے تخت کو ویروپاکسا کے بازوؤں کے سایہ عاطفت ہی میں سمجھا جاتا تھا[101]۔ وینکٹ دوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی شاہی پالیسی میں ایک تبدیلی رونما ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے دور حکومت میں شری وینکٹیشا وجے نگر کے شری ویروپاکسا کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس کے عطیات پر شری وینکٹیشا کے دستخط ہوتے ہیں۔ ابتدائی مناجات کا مخاطب بھی وہی یا رام یا وشوک سینا (VISVAKSENA) یا دشنو ہوتا ہے[102]۔ جاند کو "تاریکی دور کرنے والی عظیم روشنی" کے پرانے نام سے یاد کیئے جانے کے بجائے اسے لکچھمی کا بھائی کہہ کر پکارا جاتا ہے[103]۔ مزید براں، وینکٹ کے عطیات عام طور پر تیروپتی کے دیوتا وینکٹیشا کے سامنے دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح "وجے نگر کے لوگ پہلے تو ودیا نگر سے جنوب میں پینوگونڈا PENU GONDA کی جانب منتقل ہوئے اور پھر وہاں سے چندرگیری کی طرف۔ ویروپاکسا کے قدموں سے وینکٹیشا کے قدموں میں اور شیوزم سے ویشنوزم کی طرف[104]۔ وینکٹ کا گرو اور شری ویشنوزم کا ایک عظیم مبلغ تاتاچاریہ اس کے دربار میں زبردست اثر ورسوخ رکھتا تھا تیرومل شری نواس آچاریہ کنڈال اپل اچاریہ (KANDALA APPALACARYA) اور تالاپاکا تیرومل اچاریہ (TALLAPAKA TIRUMALACARYA) چند دوسرے شری ویشنو مبلغ، جنھوں نے وینکٹ کے زمانہ میں فروغ پایا تھا، تیروپتی اور اہوبلم جیسے مقامات اہم ویشنو مراکز تھے۔ وینکٹ کے سکوں سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک کٹر ویشنو تھے۔ اس کے سونے کے سکے، جو وینکٹ پگوڈا کے نام سے معروف ہے، کے سیدھے رخ پر وشنو کی تصویر ہے جو ایک محراب پر کھڑا ہے جبکہ اس کے الٹے رخ پر ناگری کتبہ شری وینکت ایشورائے نمہ (مقدس وینکت ایشا کی مدح کنندہ ہے[105]۔

اروید و خاندان کے بعد کے حکمران مثلاً رام دیو دوم، وینکٹ سوم اور شری رنگا سوم بھی

Marfat.com

کرطویشنو تھے۔ لیکن ابتدائی دور کی طرح ان کے عہد میں بھی تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جاتا تھا۔ رام دوم نے گو خود ایک سرگرم ویشنو تھا لیکن اس نے شیوا مندر کو عطیات دیئے۔ اس طرح 1615ء میں اس نے موپینا پور (MUPINA PURA) کے ویرو پاکسا مندر کی مرمت کرائی تھی اور دیوتا پر چڑھاوے، مستقل طور پر جلنے والی قندیل، رقاصاؤں، موسیقاروں اور آرائش و زیبائش کے لیے اس نے گیارہ گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا۔ لیکن مندر کو ایک بار پھر مرمت کی ضرورت ہوئی اور پوجا بند ہو گئی۔ چنانچہ رام دیو نے اس کی مرمت کرائی اور دیوتا کو پھر اس میں نصب کیا۔[101]

شری رنگا نے سینے آچاریوں کی مدد سے شری ویشنو زم کی ترویج اور اشاعت کی ہمت افزائی کی۔ 1641ء میں اس نے سویم آچاریہ پوروسوں (SVAYAM AGARYA PURUSAS) میں سے ایک نلاں چکرورتی وینکٹ اچاریہ نامی ایک شخص کے حق میں ایک عطیہ دیا۔[102] اس نے چدمبرم میں واقع گوندراجا کی زیارت گاہ میں چند اصلاحات کیں اور لگان سے مستثنٰی پانچ گاؤں کا ایک عطیہ دیا کہا جاتا ہے کہ اس نے ان راستوں کو بھی متعین کر دیا تھا جن پر ہو کر وہاں جلوس گزرتے تھے۔ اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے چدمبرم میں واقع شیوا اور ویشنو مندروں کے حکام کے درمیانی جھگڑوں کو اگرچہ محض وقتی طور پر ہی ہی ختم کر دیا تھا۔[103] 1646ء کی ایک دستاویز میں درج ہے کہ کس طرح پماسانی تمائے نایودو (PEMASANI TIM - MAY NAYUDU) نامی ایک شخص نے گھنڈی کوٹا شیما (GHUNDI KOTASEMA) کے سینے آچاریہ کی حیثیت سے بکاپٹنم تاتا اچاریہ (BUKKAPATNAMTATACARYA) نامی ایک شخص کا تقرر کیا تھا۔ اور اس بات کا بھی انتظام کیا تھا کہ وہ گرو شیوا (GURU SEVA) حاصل کرے، ہری سیوا کے موقع پر موجود رہے اور ان لوگوں کی سرزنش کرے جو سیدھے راستے سے منحرف ہو جائیں۔[104]

اس طرح مملکت میں شری ویشنو زم کی اشاعت ایک حد تک اس حوصلہ افزائی کی بنا پر ہوئی جو ریاست نے اسے دی تھی، اس لیے کہ بادشاہوں نے اسے اپنے عقیدے کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ لیکن تیزی کے ساتھ اس عقیدے کی توسیع اور نئے نئے ویشنو مندروں کی تعمیر یا پرانے مندروں کی بحالی یا از سر نو قیام مخالفت کے بغیر تکمیل کو نہیں پہونچا تھا۔ ہر ہر مرحلے پر شیواؤں نے ویشنو زم کی توسیع کی مخالفت کی۔ اس نے بسا اوقات ایسی سنگین صورت اختیار کر لی کہ جانیں . . . نے جانی نقصان اٹھایا۔ فادر این پمینٹا (FR. N. PIMENTA

جو 1597ء میں چدمبرم سے ہو کر گذرے تھے، بعض ان واقعات کے عینی شاہد تھے جو وہاں اس وقت پیش آئے تھے۔ جب جنجی کے کرشنا نایک نے وہاں کے گوندراجا کی زیارت گاہ میں کچھ اصلاحات کی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک زبردست اختلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ کیا چدمبرم کے مندر میں پیری مل (PERIMAL) کی علامت (جو سونے کے پتر چڑھا ہوا محض ایک ستون یا کھمبا تھا جس کا نچلا حصہ ایک بندر (APE) بنا ہوا تھا) کو رکھنا جائز ہے" بعض نے اس کو منع کیا اور بعض نے اس پر اصرار کیا اور جنجی کے نایک (NAICHUS) نے حکم دیا کہ اس کو مندر میں بنایا جائے لیکن جب کرشنپا نے مخالفت کے باوجود مندر کی دوبارہ تعمیر اور مرمت جاری رکھی تو شیوا مندر کے پجاری میناروں پر چڑھ گئے" اور جس وقت وہ (کرشنپا) مندر میں موجود تھا، انھوں نے نیچے چھلانگ لگادی" اور ان میں سے بیس ہلاک ہو گئے کرشن آپا کو طیش آگیا اور اس نے حکم دیا کہ باقی کو گولی ماردی جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور اس طرح دو کو ختم کر دیا گیا" ایک عورت بھی اس جذباتی جھگڑے سے اس قدر مشتعل ہو گئی کہ اس نے اپنا گلا خود کاٹ لیا" لیکن بالآخر کرشن آپا نے اپنے مقصد کو پورا کر ہی لیا۔[111]

اس عہد کی مذہبی تحریکات کی ایک اور خصوصیت بڑے بڑے مذہبی مبلغوں کے درمیان مناظروں کا انعقاد تھی۔ سولہویں صدی کے نصف آخر میں اس طرح کے دو مشہور عالم تھے جو دو مخالف عقیدوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اپیا دکشت ایک کٹر ادوتین تھا جس کا جھکاؤ شیو کی طرف تھا، جبکہ تاتاچاریہ ایک سچا ویشنو تھا کہا جاتا ہے کہ اس طرح کے ایک مذہبی مناظرے میں اپیا دکشت نے اپنے مخالف کو شکست دے دی تھی جس کی بنا پر شاہی گرو کے دل میں دکشت کے خلاف سخت کینہ پرورش پارہی تھی اور روایت کے مطابق، اس نے اس کی زندگی کو ختم کرنے کا ایک منصوبہ بھی بنایا تھا۔[112] اسی طرح کا ایک مناظرہ کومباکونم میں ایک عظیم مادھو شخص وجے اندر تیرتھ اور ویر شیوا مٹھ کے گرو کے درمیان اسی مقام پر منعقد ہوا تھا۔ ان شرائط کے مطابق جو مناظرے سے قبل طے ہوئی تھیں، اگر وجے اندر تیرتھ مناظرے میں شکست کھا جاتا ہے تو اسے شیوا مٹھ میں داخل ہونا پڑتا لیکن اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو شیوا گرو اپنے مٹھ اور اپنی جائداد کو وجے اندر کے حوالے کرنا پڑتا۔ گیارہ دن کے مناظرے کے اختتام پر ویر شیوا گرو نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں وجے اندر تیرتھ نے کومباکونم کے مٹھ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔[112] اس طرح وجے اندر تیرتھ اور اپیا دکشت کے درمیان بھی مناظرے ہوئے تھے۔ دونوں نے ہی کتابیں لکھیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کے نظریات کی مذمت کی۔[113]

Marfat.com

ان تلخ مناظروں اور ایک عقیدہ کے لوگوں کے دوسرے عقیدے کے لوگوں کے خلاف شدید احساسات کے باوجود مملکت میں کوئی ظلم و تعدی نہ تھی۔ جو مذہبی اجتماعات اور مباحثے منعقد ہوتے تھے ان کی نوعیت مذاہب کی ایک پارلیامنٹ میں ہوئے بحث و استدلال کی ہوتی تھی۔ بادشاہ بذات خود اس قسم کے بحث و مباحثہ میں بہت زیادہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ولیم فوسٹر (WILLIAM FOSTER) مغلوں کے دور حکومت میں رواداری کی ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے "یہاں عدم رواداری اور تعصب کا یا مذہب کی بنا پر کسی آدمی کے ساتھ ناروا سلوک کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا بیان ہے جو اسی عہد کے کسی یورپی ملک کے بارے میں مشکل سے دیا جا سکتا ہے[۱۱۱]"۔ فوسٹر کی یہ غیر مشروط تعریف وجے نگر کے ہندو حکمرانوں پر زیادہ مناسب طور پر منطبق کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے ایک ہمہ گیر مذہبی رواداری کی پالیسی اس عہد میں اختیار کی جو مذہبی تعصب و تشدد کا دور تھا جبکہ یورپ کے حکمرانوں نے منظم اور باضابطہ طور پر ظلم و ایذا رسانی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور یہ سب مذہب کے مقدس نام پر تھا۔ وجے نگر کے حکمران اتنے بالغ نظر اور دور اندیش تھے کہ وہ اپنے عہد کی حدود سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن یہ بات بہر حال ذہن نشیں ہے کہ اگرچہ مملکت میں تعصب یا تشدد کی ایک ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی تاہم سلاطین ہمیشہ شری ویشنوزم کے حامی تھے۔ اور اسی وجہ سے مملکت میں تیزی اور کامیابی کے ساتھ اس کی توسیع ہوئی۔

باب ہفتم

مندر اور مٹھ

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مندر اور مٹھ دو ایسے اہم ادارے تھے جنھوں نے عوام کی مذہبی زندگی میں ایک اہم رول ادا کیا جبکہ اول الذکر عوام کے مذہبی جذبات کا عکاس تھا، مؤخر الذکر ادارہ بعض مخصوص مکاتیب خیال کی تبلیغ اور ایک مخصوص انداز میں جو اس کے بانی کے مطابق تھا مذہبی تعلیم کے لیے تھا۔

عہد وسطیٰ کا مندر، مذہبی نقطۂ نظر سے خدا کا ایک گھر تھا[۱۱۲]۔ مندر کا انتظام و انصرام ایسے معتمدین کے ہاتھوں میں ہوتا تھا جو مندر کے ملازمین کی تقرری و برطرفی اور مندر کے اوقاف اور اثاثوں کی دیکھ بھال کا اختیار رکھتے تھے مختصر یہ کہ وہ مندر کے مفادات کے نگراں تھے۔ مندر میں بہت سے ملازم ہوتے تھے۔ جن میں سے مندر کے منتظم اعلیٰ . . . (کوئل کیلوی KOYALKELVI) مندر

Marfat.com

کے اکاؤنٹنٹ (کوئل کنکو KOYALKANAKKU) (یااولا یلتو OLAI ELTTU)[116] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اس میں اعلیٰ چوکیدار، (میکاول یا تیروینی کاول KAVAL) NEYKAVALOR TIRUMENI)[117] اسٹور کا نگراں (ارائی کاول ARAI KAVAL)، خزانچی (پون بندرارم PONBANDARAM) روشنی کے ذمہ دار ملازمین (تیرو ولکوکودی TIRUVILAKKUKUDI)[118] مندر کا پجاری، بانسری بجانے والا اور ڈھول پیٹنے والا اور دوسرے ملازمین کی ایک جماعت بھی تھی جس کے مختلف فرائض ہوتے تھے۔مندر کے دیوتاؤں کے متعلق یہ خیال تھا کہ ان کا ذوق بھی انھیں لوگوں کی طرح تھا جو ان کی پوجا کرتے تھے چنانچہ ناچنے گانے والی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد ان مندروں سے وابستہ ہوتی تھی جن کا یہ فرض تھا کہ دیوتا کے سامنے ناچیں اور گائیں، نہ صرف اس وقت جبکہ ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے بلکہ صبح و شام کو بھی دیوتاؤں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ان کے ناچ اور گانے سے بہت خوش ہوتے تھے چنانچہ ان گانے والی لڑکیوں کو دیورادیار (DEVARA - DIYAR) دیوتا کی خدمت گذار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔مندر کی ان خدمت گذاروں کو اجرت یا مندروں کے لیے نفع بخش خدمت انجام دینے کی شرائط پر زمینوں کے عطیہ کی شکل میں دی جاتی تھی یا انھیں مندروں کی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ دیا جاتا تھا۔کبھی کبھی لوگ ذاتی طور پر ان کے اخراجات کی تکمیل کے لیے زمینوں کا عطیہ دے کر یا روپے کی شکل میں ایک مخصوص آمدنی وقف کر کے مندر کے ان ملازموں کی کفالت کرتے تھے۔

مندر بڑی حد تک تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔اس لیے کہ یہ (مندر) زیارت گاہوں پر ویدوں، پرانوں، یا بعض فرقہ جاتی ادب کو پڑھنے کے لیے ان میں اساتذہ کو ملازم رکھتے تھے۔ تیروپتی سے دستیاب دستاویزات کے ایک مجموعہ کے مطابق ۲۴ برہمنوں نے مندر میں وید کے بھجنوں کو گانے کے سلسلہ میں 1433ء میں ایک قانون بنایا تھا جس کے لیے ششتکوتائی (SITTAKKUTTAI) کے گاؤں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا تھا۔[118] الف 35-1434ء کی ایک دستاویز میں زمین اور گھر کے ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو ان دو وشنو برہمنوں میں سے ہر ایک کو دیا گیا تھا جو بھکتی سنجیونی (BHAKTI SANJIVINI) کے نام سے معروف پرانوں کو نرسنگاپورم (NARSINGAPURAM) کے مقامی مندر میں پڑھتے تھے[119] 1523ء کے ایک کتبے کے مطابق دیوکاپورم (DEVIKAPURAM) میں واقع بکساماٹھ (BIKSAMATHA) کے وشویشور شیو آچاریہ

Marfat.com

(VISVESVARA SIVACARYA) کیکولا مدالس (KAIKKOLA NUDALIS) اور دیوکاپورم میں واقع مندر کے دیگر معتمدین نے اروپنادی (ARRUV-ANPADI) کے ایک پنڈت (ودوان) ودملائیار (VADAMALAIYAR) کو دیودان گاؤں شورپونڈی (SORAPPUNDI) میں زمین اور ایک مکان کا عطیہ دیا تھا[120]۔ شاکھا 1477ء میں تیروپودمرودور (TIRUPPUDAMARUDUR) کے مندر کے حکام نے رام ناتھ نامی ایک شخص کا مندر کے شاعر کی حیثیت سے تقرر کیا، اسے مرود اونکا ویرائن (MARUDAVANKKAVIRAYAN) کا خطاب دیا اور چند اراضیاں اور ٹیکس سے بری ایک مکان کا عطیہ میں دیا۔ بظاہر اس کو کٹائی (KELTTAI) کے دودن کے جشن میں حاضر رہنا پڑتا تھا اور اس موقعہ کے لیے چند اشعار لکھنے پڑتے تھے[121]۔ دوسرے سال سے اسے روزانہ مندر کی جانب سے کھانا دیا جانے لگا[122]۔ اور زمین سال بعد سے ایک ما (MA) زمین عطا کی گئی[123]۔

مندر وہ مقامات تھے جہاں بادشاہ عطیات دیا کرتے تھے ملیکارجن مہارائے نے اس وقت عطیات دئے تھے جب وہ دارالسلطنت میں ویروپاکس مندر کے دان منڈپ میں واقع صدر مقام پر تھا، وجے نگر کے حکمراں جب مملکت میں واقع مقدس مقامات پر آتے تو عطیات تقسیم کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ اپنی تاج پوشی مندروں ہی میں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اچیوت رائے نے اپنی اور اپنی بیوی وردمبا (VERADAMBA) کی تاج پوشی تیروپتی کی مندر میں کی تھی[124]۔

کتبات میں وجے نگر کے زمانہ کی زیارت کے مراکز کی ایک فہرست ملتی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ اہوبلم، شری کاکولم (SRIKAKULAM) ، کال ہستی، تیروپتی، کانچی، تیرودونا ملالی، چدمبرم، کمباکونم، شری رنگم، جمبوکیشورم اور رامنت شیانم۔ ان کے علاوہ چند اور جگہیں بھی تھیں جو نسبتاً کم اہمیت کی حامل تھیں یاترا پر لوگ عموماً پیدل ہی جاتے تھے۔ گو پالکیوں، ورتھ کے گھوڑوں کا استعمال بھی غیر معروف نہ تھا[125]۔ مسافروں کی سہولت کے لیے سڑکوں پر سایہ دار درختوں کا انتظام تھا۔

جنوبی ہندوستان کے مٹھ بھی، عہد وسطیٰ کے یورپ کے صوموں کی طرح نہایت اہم مذہبی ادارے تھے جنھیں ریاست کی سرپرستی حاصل تھی جن کی دیکھ بھال اس دولت سے ہوتی تھی جو ان کے پاس رہتی تھی۔ ان میں سے ہر (مٹھ) ایک سنیاسین (SANYASIN) کی ماتحتی میں ہوتا تھا جو عموماً

Marfat.com

ایک تہذیب یافتہ پیشوا ہوتا تھا جس پر نہ صرف یہ کہ مٹھ کے نظم و نسق کی ذمہ داری ہوتی تھی بلکہ تعلیم کی حوصلہ افزائی کی بھی۔ ان مٹھوں میں عموماً بہت سے شاگرد ہوتے تھے جو اگر کسی برہمن ادارے سے متعلق ہوتے تھے تو ویدوں اور اسی طرح کے دوسرے سنسکرت ادب کا مطالعہ کرتے تھے اور اگر وہ کسی غیر برہمنی ادارے سے متعلق ہوتے تھے تو مقامی (زبان کے) ادب کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح یہ مٹھ اصلاً تعلیمی ادارے تھے۔

وجے نگر کے زمانہ میں ہمیں اس طرح بہت سے مٹھ ملتے ہیں۔ ان سب سے مقدم میسور ریاست میں شرنگری کا مٹھ تھا۔ اصلاً عظیم ادوتیا مبلغ اور فلسفی شری شنکر کے ذریعہ قائم کیا ہوا یہ مٹھ، معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ بڑے دینی پیشواؤں کے ایک سلسلہ کی ماتحتی میں رہا۔ کتبات کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وجے نگر کے زمانہ میں مندرجہ ذیل مذہبی پیشوا تھے۔

ودیا تیرتھ (VIDYA TIRATHA)

بھارتی تیرتھ (BHARTI TIRATHA)

ودیارنیا شری پادا (VIDYA RANYA SRI PUDA)

نرسمہا بھارتی (NARSIMHA BHARATI)

رام چندر بھارتی (RAMA CHANDRA BHARATI)

شنکر بھارتی (SANKARA BHARATI)

چندر شیکھر بھارتی (CHANDRA SEKHARA BHARATI)

پوروسوتم بھارتی (PURU SOTTAMA BHARATI)

رام چندر بھارتی

نرسمہا بھارتی

امدی نرسمہا بھارتی (IMMADI NARASIMHA BHARATI)

ابھی نو نرسمہا بھارتی (ABHINOVA NARASIMHA BHARATI)

سچیدانند بھارتی (SACCIDANANDA BHARATI)

ان میں سے ہر ایک نے پرمہا پری وراجکاچاریہ وریا (PARAMHA PARI - VRAJAKACARYAVARAYA) پرم ہما سنیاسیوں کا بڑا اچاریہ)، پدواکیا پرمان پاراواریارین (PADAVAKYA PRAMAN PARAVARAPARINA) ایسا شخص جس کو قواعد، فلسفہ اور منطق انتہائی معلومات حاصل ہوں)

Marfat.com

یم (YAMA) نیم (NIYAMA) وغیرہ نیز یوگا (YOGA) کی آٹھوں شاخوں کا معتقد، خالص ویدک ادویتیا سدھانت (VUDIKADVAITA SIDDHANTA) کا قائم کرنے والا وغیرہ کے خطابات اختیار کیے تھے۔ یہ لوگ پالکیوں میں چوراہوں پر اس طرح لے جائے جاتے تھے، جیسا کہ انھیں آج بھی لے جایا جاتا ہے، کہ ساری سڑک بند ہو جاتی تھی اور کوئی بھی چیز نہیں گذر سکتی تھی[126] شرنگری مٹھ وجے نگر کے شاہی گھرانے سے نہایت گہرے تعلقات رکھتا تھا۔ اس کے صدر ودیا تیرتھ اور ودیا رنیا نے مملکت وجے نگر کے قیام اور توسیع میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے اس کے اخراجات کی تکمیل اور اس کی مدد کے لیے متعدد مقدس عطیات دئے تھے[127]

دوسرا مٹھ اصلاً کانچی میں واقع تھا اور کانچی کی دیوی کی اعزاز میں یہ کام کوٹی پیٹھ (KAM - AKOTI PITHA) کے نام سے معروف تھا۔ اس کے بارے میں بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے سلسلہ نے یکے بعد دیگرے اس کا نظم ونسق چلایا تھا۔ کتابتی دستاویزات یہ بتاتے ہیں کہ کم از کم تیرھویں صدی میں یہ مٹھ کانچی ہی میں موجود تھا اس لیے کہ تیلگو کے گودا بادشاہ وجے گندگوپال (VIJAYA GANDA GOPALA) کی ایک دستاویز میں ایک عطیہ کا تذکرہ ملتا ہے جو 1293ء میں اس مقام کے مٹھ کو دیا گیا تھا[128]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قیام کے بالکل آغاز ہی سے . . . یہ مٹھ مذہبی پیشواؤں ایک مستقل سلسلے کے زیر قیادت رہا۔ ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔ ویاساچلا (VYASACALA) ، چندر چوڑ (CANDRA - CRIDA) ، سداشیوندر (SADA SIVENDRA) ، پرم شیوندر (PARAMA SIVENDRA) جو نیرور (NERUR) کے سداشیو برہمن کا گرو تھا۔ اور آتم بودھیندر (ATMABODHANDRA) جس نے ایما پر اس نے گرو رتن مالا (GURURATNAMALA) اور نام بودھیندر (NAMA BODHENDRO) لکھی تھی[129] اس مٹھ کے آچاریاؤں کی ایک فہرست کے مطابق جسے ٹی۔ ایس۔ نارائن شاستری نے شائع کیا ہے مذہبی پیشواؤں کے اس سلسلہ کا 55 واں آچاریہ چندر چوڈیندر (CANDR - ACUDANDRA) نامی ایک شخص تھا جو 1506ء اور 1512ء کے درمیان اس کا صدر رہا تھا اور اس کے بعد اس کی جانشینی) سداشیوندر نامی ایک شخص نے کی جو 1512ء اور 1538ء کے درمیان اس کا صدر رہا۔ 1507ء (؟) کی تانبے کی دو تختیوں کے مطابق ویر نرسمہا نے مہادیو بھرسوتی نامی ایک شخص کو جو اس وقت کانچی کام کوٹی پیٹھ کا مذہبی رہنما تھا، عطیہ میں دو گاؤں دئے

Marfat.com

تھے[130] 1522ء میں کرشن دیورائے نے مہادیو سرسوتی کے شاگرد چندر چوڑ سرسوتی کو عطیہ میں دو گاؤں دیئے تھے[131] اسے شیوچیتس (SIVACETAS) (شیو پر دل سے یقین رکھنے والا) یتی راجا (YATI RAJA) (جوگیوں کا شہزادہ) اور دھیمت (DHIMAT) (فلسفی) کہا گیا ہے اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مایا کے نظریہ کا زبردست مبلغ تھا۔ اس کتبے کے اور ویر نرسمہا کے زمانے کے دیگر دو کتبوں کی تاریخ اور مذہبی پیشواؤں کے ناموں کی روشنی میں نارائن شاستری کی فہرست میں دی ہوئی تاریخ کی اہمیت ہماری نظروں میں مشکوک ہو جاتی ہے[122]

مذہبی پیشواؤں کے اس سلسلہ میں چندر چوڑ سرسوتی یا چندر شیکھر سرسوتی کی جانشینی سداشیو سرسوتی نے کی ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چندر شیکھر سرسوتی کا شاگرد تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چندر چوڑ کا دوسرا نام ہے جو ایک پرم ہمسا (PARAHAHAMSA) ۔۔۔ پری وراجک آچاریہ (PARIVRAJAKACARYA) تھا۔ اس جانشینی کی توثیق نارائن شاستری کی فہرست سے بھی ہوتی ہے۔ سداشیو کو 1528ء میں کرشن دیورائے نے چنگل پت ضلع میں واقع ادیم باکم (UDAYAMBAKKAM) کا ایک گاؤں عطیہ میں دیا تھا۔ اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1522ء اور 1528ء کے درمیان چندر شیکھر شاستری کا جانشین ہوا تھا۔ لیکن ہمیں اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے پونیہ شلوک منجری (PUNYASLOKA MANJURI) کو ترتیب دیا تھا جو کام کوٹی پیٹھ کے مذہبی پیشواؤں کے سلسلہ جانشینی کی فہرست پر مشتمل تھی۔[133]

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد یہ مٹھ رچناپلی کے قریب گجارنیا کیشترم (GAJARANYA KSETRAM) یا جمبوکیشورم (JAMBU KASVARAM) میں منتقل ہو گیا۔ 1608ء میں مدورا کے وجے رنگا چوکا ناتھ نایک (VIJAYA RANGA COKKANATHA NAYAKA) نے اس مقام پر واقع شنکر آچاریہ مٹھ میں پوجا پاٹ کے اخراجات کی تکمیل کے لیے اور برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لیے عطیہ میں ایک زمین دی تھی[134] تانبے کی تختی کے کتبے میں درج ہے کہ یہ مٹھ گاؤں کی پون واسی کوندان (PONVA SIKONDAN) نامی سڑک پر واقع تھا اور ابتدائی زمانہ سے ہی مذہبی پیشوا کے قبضہ میں تھا۔ لیکن وہ عمارت جس کی نشاندہی اصل عمارت کی حیثیت سے کی گئی ہے جہاں مٹھ واقع تھی، سرکاری ماہر کتبات کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے علاوہ ہمیں اس بات کی بھی واقفیت نہیں وہاں کیوں اور کیسا مٹھ قائم کی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کام کوٹی پیٹھ کی ایک شاخ ہی ہو لیکن اس کے

Marfat.com

بعد 1379ء میں تنجور کے مراٹھا بادشاہ پرتاپ سمہا کی درخواست پر یہ مٹھ تنجور منتقل کردی گئی۔ اس بنا پر کہ کنجیورم پر اکثر مسلمانوں کا حملہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد وہ کومبا کونم منتقل کردی گئی اور موجودہ مقام پر قائم کی گئی[136]

ویاسرائے متھ ایک اہم ادارہ تھی جسے وجے نگر کے بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی۔ مٹھ کے سربراہ ویاسرائے کو کرشن دیورائے نے متعدد عطیات دیئے تھے اس کی جانشینی ایک دوسرے بڑے عالم وجے اندر تیرتھ نے کی۔ وہ اتنی ہی شہرت کے حامل اور ادویتا نظریہ کے ایک عظیم مبلغ اپیا دکشت کے ہم عصر تھے۔ اس مٹھ کے ایک دوسرے صدر جنھوں نے اس کے کچھ ہی دنوں بعد فروغ پایا راگھو ویندر تیرتھ (RAGHAVENDRA TIRTHA) تھے جو وید کے ایک زبردست عالم اور مفسر تھے۔

گولکی (GOLAKI) مٹھ وجے نگر کے زمانہ میں ایک اہم مذہبی ادارہ تھا اور کڈپہ (CUDDAPAH) کرنول، گنتور اور شمالی آرکوٹ کے اضلاع میں ان کی شاخیں تھیں چند شاخیں پسپاگیری (PUSPAGIRI) تیروپورانتکم (TIRUPURANTAKAM) تیروپرن کنرم (TIRUPPARANKUNRAM) وغیرہ میں تھیں[137] کہا جاتا ہے کہ اس کا روحانی اثر تین لاکھ قریوں تک پھیل گیا تھا۔ دیوکاپورم کے کتبات میں گولکی مٹھ کے ایشاناشیوا چاریہ کا تذکرہ ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاکھا 1442ء سے لے کر شاکھا 1455ء تک اس کے سربراہ رہے تھے۔ لیکن ان کے انتقال کی صحیح تاریخ ہمیں نہیں معلوم وہ مقامی مندر کے ممتاز خزانچی اور معتمد تھے[138] ان کا ایک معاصر وشیشور شیو (VISESVARA-SIVA) نامی ایک شخص تھا جو دیوکاپورم مندر سے بھی بہت زیادہ مربوط تھا[139] دیوکاپورم آج بھی شیو آچاریوں کے ایک سلسلہ صدر مقام ہے جس کے سردار کو اب سنتان شیو اچاریہ (SANTANA SIVACARYA) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بیری چٹی شیوا (BERICETTI SAIVA) تاجروں کے بعض فرقوں کے معلم ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملاندرم (MULLAMDRAM) (شمالی آرکوٹ ضلع) کے ان جنان شیوا آچاریہ (JNANA SIVA CARYA) سے متعلق تھے جو تامل بولنے والے وانیاروں (VANIYARS) (تیلیوں) کے معلم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان جنان شیوا آچاریوں کے اسلاف کا تعلق وجے نگر دربار کے سنسکرت شعراء کے مشہور خاندان دنڈیما (DINDIMA) سے تھا[140]

ہمیں وجے نگر کے زمانہ میں چند غیر برہمن مٹھوں کی موجودگی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ انھیں میں

Marfat.com

سے ایک دھرم پورم مٹھ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے سولہویں صدی میں قائم کیا گیا تھا۔ پورن لنگم پلائی (PURANLINGAM PILIAI) کا خیال ہے کہ اس مٹھ کا بانی کمار کورو پرار (KUMARA KURUPARAR) نامی ایک شخص تھا جو مدورا کے تیرومل نایک کا ہم عصر تھا[141] لیکن تنجور ڈسٹرکٹ گزٹیر (TANJOR DISTRICT = GAZETTEER) کے منصف کا خیال ہے کہ یہ تیرواورر کا جنان پرکاش پنڈرم (JNANAPRECKASAPANDARAM) نامی ایک شخص تھا جسے چند مندروں کا منتظم مقرر کیا گیا تھا[142] اس مٹھ کے سربراہان سدھانت شاستر کے زبردست مبلغ تھے۔ اس مٹھ کے مذہبی پیشواؤں میں قابل ذکر یہ ہیں۔ ویلی امبلا تمبیران (VELLI AMBALA TAMBURAN) سمبند شرنلے سوامی (SAMBANDA SARAN - ALAYA SVAMU) اور ویدیاناتھ نالور (VAIDYANATHE NAVALAR)[143]

شیوا مٹھوں میں سے ایک تیروواودتورائی (TIRUVA VADATURAI) مٹھ تھا جس نے تامل تعلیم کی کافی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس نے اپنے کو تامل فلسفہ اور مذہب کے لیے وقف کر دیا تھا اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مٹھ کا پہلا صدر نمشی والنے دیشی کر (NAMSSEVAYA SIKOR) نامی ایک شخص تھا جس کا زمانہ لگ بھگ سولہویں صدی کے اختتام کا زمانہ تھا۔ اس کی جانشینی تمبیرانوں (TAMBIRANS) کے ایک مستقل سلسلے نے کی جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔ دکشنا مورتی، امبل وان دیشی کر (AMBALAVANA DESIKAR) اور ایشانا دیشی کر (ISANA DESIKAR) عرف سوامی ناتھ دیشی کر - SWAMIN (ATHA DESIKAR)[144] -

فصل ہشتم

تہوار

عوام کی مذہبی زندگی کا ایک اہم پہلو سال کے مختلف حصوں میں تہواروں کا منانا ہے اکثر مذہبی اہمیت کے حامل ان تہواروں کی شان و شوکت دوسری باتوں سے زیادہ محض نمائشی

Marfat.com

ہوتی تھی۔

ان تہواروں میں جو وجے نگر کے زمانہ میں منائے جاتے تھے ایک مہانومی تھا۔ اصلاً درگا دیوی کی خوشنودی کے لیے منائے جانے والے اس تہوار نے وجے نگر کے زمانہ میں زبردست سیاسی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ الف

بادشاہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر محل کے احاطہ کے اندر کھلی جگہ میں ایک عام دربار منعقد کرتا تھا اور لوگ اسے دیکھتے تھے۔ نو دنوں تک منایا جانے والے اس تہوار کے ہر دن بادشاہ اس بت کی پوجا کرتا تھا جسے میدان میں ایک نمایاں جگہ پر نصب کیا جاتا تھا اور رات میں بہت سی بھینسوں اور بھیڑوں کو ذبح کر کے دیوتا کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ لیکن قربانیوں کی صحیح تعداد کے متعلق ہمارے ماخذوں میں اختلاف ہے۔ پائس کہتا ہے کہ پہلے دن چوبیس بھینس اور ڈیڑھ سو بھیڑیں قربانی میں پیش کی جاتی تھیں۔ لیکن نونیز کے مطابق پہلے دن نو بھینسے، نو بھیڑیں اور نو بکریاں قربان کی جاتی تھیں اور اس کے بعد کے ہر دوسرے دن میں ان کی تعداد پہلے والے دن کی تعداد کا دوگنا ہو جاتی تھی۔ لیکن پائس کہتا ہے کہ آخری دن پچاس بھینسیں اور چار ہزار پانچ سو بھیڑیں ذبح کی جاتی تھیں۔ لیکن اس تہوار کا زیادہ دلچسپ پہلو تہوار کے دوران روزانہ متعدد فنون اور کرتبوں کی نمائش میں پنہاں تھا۔ ہر روز مملکت کے امراء بادشاہ کو سلامی دیتے تھے۔ عورتیں ان کے سامنے رقص پیش کرتی تھیں اور کشتیوں کے مقابلے منعقد ہوتے تھے۔ شب میں مشعلیں روشن کی جاتی تھیں اور میدان میں اس طرح رکھی جاتی تھیں کہ سارا میدان دن کے مانند روشن ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد نہایت دلکش کھیل کود کا آغاز کیا جاتا۔ اس کے علاوہ کچھ لوگ گھوڑوں کی پشتوں پر سے جنگوں کا کھیل کھیلتے تھے۔ کچھ لوگ جال لے کر آتے تھے اور مچھلیوں کی طرح ان لوگوں کو پکڑتے تھے جو میدان میں ہوتے تھے۔ وہ بہت سی چرخیاں اور مختلف قسم کی متعدد آتشبازیاں چھوڑتے تھے نیز محل نما ایسے پٹاخے چھوڑتے تھے جن میں آگ لگنے کے بعد گولے (تیر و TIROS.) اور چرخیاں چھوٹتی تھیں"۔ اس کے بعد جشن فتح کی رتھوں کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ یہ رتھیں سرداروں کی ہوتی تھیں اور ان کی ترتیب بھی ان کے مرتبوں کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ ان کے پیچھے گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی اعلیٰ قسم کے کپڑوں کے زین اور ساز سے آراستہ ہوتے تھے اور ریاست کا گھوڑا ان کے آگے آگے ہوتا تھا۔ یہ سب میدان میں بادشاہ کے سامنے پانچ پانچ یا چھ چھ کی قطاریں میں کھڑے کیے جاتے تھے جن کے گرد سے برہمن گزرتے تھے۔ ان کے سردار کے ہاتھوں میں ایک پیالہ اور اس کے ساتھ ایک ناریل تھا یا چاول

Marfat.com

اور کچھ پھول ہوتے تھے اور بقیہ ہر ایک کے ہاتھوں میں پانی کا ایک پیالہ ہوتا تھا۔ اس کے خاتمے کے بعد، سونے اور موتیوں سے لدی پھندی محل کی نوجوان لڑکیاں میدان میں نمودار ہوتی تھیں جن میں سے ہر ایک ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا سونے کا برتن ہوتا تھا جس میں ایک چراغ جل رہا ہوتا تھا اور ان کے پیچھے بہت سی عورتیں ہوتی تھیں جن کے ہاتھوں میں "سونے کی مٹھوں والی" چھڑیاں اور روشن قندیلیں ہوتی تھیں۔ اس عظیم الشان تہوار کا اختتام بادشاہ کے ذریعہ فوج کے معاینہ پر ہوتا جو عوام کے لیے ایک بہترین نظارہ فراہم کرتا تھا۔ فوج اپنی بہترین پوشاک میں شہر سے باہر اکٹھا ہوتی تھی اور بادشاہ مجتمع لوگوں میں انتہائی جوش اور مسرت کے درمیان فوجی معاینہ کا آغاز کرتا۔ پائس جو اس طرح کے ایک معاینے کا عینی شاہد تھا، اپنے بیان کو ان الفاظ میں ختم کرتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ میں اس میں اس قدر کھو گیا تھا کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ خواب تھا اور میں سو رہا تھا۔"[15]

نیکولوڈی کونتی ایک تہوار کا ذکر کرتا ہے جو نو دنوں تک جاری رہا اور اس کی چند دلچسپ تفصیلات پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "تیسرے تہوار میں جو نو دنوں تک جاری رہتا ہے لوگ تمام بڑی بڑی شاہراہوں پر چھوٹے جہازوں کے مستولوں کی مانند بڑی بڑی بلیاں گاڑ دیتے ہیں جس کے اوپری حصہ میں مختلف قسم کے نہایت خوبصورت کپڑوں کے ٹکڑے جن کی بناوٹ سونے کی ہوتی ہے، لگے ہوتے ہیں ان بلیوں میں سے ہر ایک کے بالائی سرے پر روزانہ ایک پرہیزگار، مذہبی اور ایسے شخص کو جو سکون قلب کے ساتھ تمام چیزوں کو برداشت کر سکے، بٹھا دیتے ہیں اور یہ شخص اور خدا کی رحمت کے لیے دعا کرتا ہے۔ (پھر) ان لوگوں پر عوام پل پڑتے ہیں اور ان پر نارنگی، لیمو اور دوسرے خوشبودار پھل پھینکتے ہیں اور وہ ان تمام چیزوں کو نہایت صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔"[16]

دوسرا تہوار جس کا کونتی نے تذکرہ کیا ہے وہ اس کے خیال میں سال نو کا دن تھا جو ڈومنگو پائس (DOMINGO PAES) کے مطابق جس سال وہ وجے نگر آیا تھا، 12 اکتوبر کو پڑا تھا۔ یہ دیپاولی کا تہوار تھا جو وشنو کے ہاتھوں نرکاسور (NARKASURA) کی موت کی یاد میں منایا جاتا تھا۔ کونتی بتلاتا ہے کہ اس موقعہ پر ہر عمر کے مرد اور عورتیں دریاؤں یا سمندر میں غسل کر کے نئی پوشاکیں پہنتے تھے اور مکمل تین دن ناچ گانے اور دعوتوں پر گذارتے تھے[17]۔ پائس بھی اس کو ایک ایسا موقعہ بتاتا ہے جب ہر شخص نئے اور خوبصورت کپڑے پہنتا تھا اور بڑی بڑی دعوتیں منعقد کرتا تھا اور تمام سردار اپنے آدمیوں کو عمدہ کپڑے عطا کرتے تھے جن میں ہر شخص کا اپنا رنگ اور اپنا طرز ہوتا تھا۔" یہ نئے چاند کا دن ہوتا تھا اور پائس یہ بتلاتے ہوئے کہ وہ لوگ سال کا شمار کس طور پر کرتے تھے، کہتا ہے" وہ لوگ سال کو اس مہینے کے نئے چاند سے شروع کرتے ہیں اور مہینوں کا شمار ہمیشہ

Marfat.com

ایک چاند سے دوسرے چاند تک کرتے ہیں[148]"۔

کارتیگائی (KARTTIGAI) کا تہوار وامن (VAMAN) کے روپ میں وشنو کے ہاتھوں بلی (BALI) کی موت کے اعزاز میں منایا جاتا تھا۔ کونتی جس نے اس تہوار کا مشاہدہ کیا تھا اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "وہ لوگ اپنے مندروں کے اندر اور اس کی چھتوں کے اوپر سوسی منی (SUSIMANNI) کے تیل کے بے شمار چراغ روشن کرتے ہیں جو رات و دن جلتے رہتے ہیں[149]"۔

مندر کے تہوار عام طور پر رتھ کے ایک جشن پر ختم ہوتے تھے۔ متعدد غیر ملکی سیاحوں نے اس کو بیان کیا ہے لیکن ان میں سے دو نیکولوڈی کونتی اور نکوٹن اس کے متعلق بعض ایسی دلچسپ تفصیلات پیش کرتے ہیں جو نا قابل یقین معلوم ہوتی ہیں۔ اول الذکر رتھ کے جشن کا ذکر جس کا اس نے خود مشاہدہ کیا تھا ان الفاظ میں کرتا ہے "بیرن گالیہ میں بھی، سال کے ایک مخصوص موقعہ پر وہ اپنے بت کو دو رتھوں میں رکھ کر شہر میں لاتے ہیں۔ ان رتھوں میں قیمتی زیورات سے آراستہ نوجوان عورتیں بھی ہوتی ہیں جو دیوتا کے بھجن گاتی ہیں اور ان کے ساتھ عوام کا ایک جم غفیر رہتا ہے۔ بہت سے لوگ تو اپنے ایمانی جوش سے مغلوب ہو کر خود کو (رتھ کے) پہیوں کے سامنے گذار دیتے ہیں تاکہ وہ اس سے کچل کر ایک ایسی موت سے ہمکنار ہو جائیں جو ان کے خیال میں خدا کے یہاں بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ چند دیگر لوگ اپنے پہلو میں شگاف پیدا کر کے اور اس کے ذریعہ اپنے جسموں میں رسی ڈال کر خود کو ہار کے مانند رتھ سے لٹکا دیتے ہیں اور اس طرح نیم مردہ حالت میں لٹکتے ہوئے اپنے دیوتا کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس طرح کی قربانیوں کو وہ سب سے بہتر اور سب کے نزدیک مقبول ترین قربانی سمجھتے ہیں[150]"۔ موخرالذکر کہتا ہے کہ رتھ کے چلنے کے دوران کچھ لوگ دیوتا کے لیے کچھ مخصوص قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انتہائی جوش اور گہری عقیدت مندی میں اپنے جسموں سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر مندر نما (رتھ) کے سامنے ڈال دیتے ہیں اور کچھ لوگ خود کو رتھ کے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں اور رتھ کو اپنے اوپر سے گذر جانے دیتے ہیں جس سے کچل کر ٹکڑے ٹکڑے اور ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اس طرح مرتے ہیں انھیں پاک اور مقدس شہیدوں میں شمار کیا جاتا ہے اور آئندہ کے لیے عظیم اور مقدس تبرکات کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی قسم کے ہزاروں دوسرے نفرت انگیز توہمات ان میں رائج ہیں[151]"۔ لیکن اگرچہ ان دونوں کے بیانات اس قدر واضح ہیں کہ انھیں غیر معتبر قرار دے کر بالکل مسترد نہیں کیا جاسکتا تاہم ان پر یقین کرنا مشکل ہے[152]۔

Marfat.com

بسا اوقات رتھ کا جشن کئی دنوں تک مسلسل منایا جاتا تھا۔ 1562ء کی ایک دستاویز کے مطابق پندرہ دن تک رتھ کا جشن منانے کے لیے ایک عطیہ دیا گیا تھا۔[153] 1495ء میں نو دن تک رتھ کا جشن منانے کے لیے ایک دوسرا عطیہ دیا گیا تھا۔[154]

تیرا کی ایک اور تہوار تھا جس کا اختتام کئی دنوں بعد ہوتا تھا۔ 1606ء کی ایک دستاویز میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔[155]

موسم بہار کا جشن جو کام (KAMA) کے اعزاز میں منعقد ہوتا تھا، وہ بھی ہر سال منایا جاتا تھا۔ متعدد کتبات میں اس طرح کے تہوار کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایسے ہی ایک کتبے میں کرشن دیو رائے کے متعلق درج ہے کہ "وہ ہر سال موسم بہار کے سنہری جشن کے آقا (کام) کے نام پر ایک قربانی پیش کرتا تھا۔[156]

کام یا کوپد (CUPED) کے مندروں میں اس تہوار کا اختتام ہولی پر ہوتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی، جس نے ایسے ہی ایک جشن کا مشاہدہ کیا تھا، اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "جشن کے دوران وہ ہر گذرنے والے پر یہاں تک کہ خود بادشاہ اور اس کی ملکہ پر زعفران کا پانی چھڑکتے ہیں جو اسی مقصد سے راستے میں رکھا جاتا ہے ہر شخص اسے قہقہہ لگاتے ہوئے قبول کرتا ہے۔"[157] پیٹرو ڈیلا ویلے، جس نے صورت میں اس (تہوار) کا مشاہدہ کیا تھا لکھتا ہے "مارچ کی پندرہویں تاریخ ہندوستانی ہندوؤں کے یہاں جشن کا پہلا دن ہوتا ہے جسے وہ موسم بہار کی آمد پر سڑکوں پر رقص کر کے، مزاحیہ انداز میں ایک دوسرے پر نارنجی پانی اور سرخ رنگ ڈال کر، نیز گانے اور دوسری مضحکہ خیز رسموں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے مناتے ہیں۔[158]

ان (تہواروں) کو درباروں کے انعقاد کے لیے بہترین موقعہ شمار کیا جاتا تھا کرشن دیو ان شعراء کا کلام سنتا تھا جو موسم بہار کے جشن کے موقع پر دربار میں مجتمع ہوتے تھے۔[159] شاعر بادشاہ کا لکھا ہوا ایک ڈراما جامبو کلیانم (JAMBAVA KALIYANNAM) ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جو شری ویروپاکسا کے چیتر موسم (CAITRA) بہار کے تہوار کو دیکھنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔[160]

اس عہد کے کتبات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے اور بھی تہوار ہوتے تھے جو سال کے مختلف موسموں میں منائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ مہینے کے پہلے دن، چاند کی گیارہویں دن، پورے چاند کے دن، نئے چاند کے دن اور پنچ پروم[161] (PANCAPARVAHS)، شیوراتری[162]، مکرسنکرانتی[163]، دشمی[164] (DASAMI)

Marfat.com

ایکادشی اور دیوشی وغیرہ کے تہوار تھے[165]

فصل نہم

گاؤں کے دیوتا اور بت

اس زمانہ کے مذہبی حالات کا بیان گاؤں کے دیوتاؤں اوران کے تہواروں کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہ جائے گا۔ گاؤں کے دیوتاؤں کو گاؤں کے محافظ دیوتا سمجھا جاتا تھا جو وہاں کے عوام کی بری روحوں سے حفاظت کرتے تھے اور لوگ ان کو خوش کرنا چاہتے تھے جیسا کہ وہائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) کہتا ہے "گاؤں کے ان دیوتاؤں کی پرستش کا اصل مقصد ان کو خوش رکھنا اوران کے عتاب سے بچنا ہے۔ اس میں حمد و تشکر، احسانمندی اور محبت کے اظہار یا روحانی یا اخلاقی فیوض و برکات کی حصولی کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا ہے اس کا ایک مقصد ہیضہ اور چیچک . . . سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ بیشتر گاؤں میں پوجا کبھی کبھی ہوتی ہے[166]۔"

گاؤں کے ان دیوتاؤں کی مندروں میں منعقد ہونے والے تہواروں کی ایک اہم خصوصیت خونی قربانیاں ہیں جو ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں۔ راتوں میں بھینس اور بکریاں ان کے سامنے ذبح کی جاتی تھیں اور انھیں ان کو پیش کیا جاتا تھا۔ پائس کہتا ہے کہ شہر بیجے نگر میں ان محافظ دیوتاؤں کے ایک مندر کے علاوہ کسی اور جگہ کبھی کوئی بھیڑ نہیں مارا جاتا تھا۔ بسا اوقات انکو خوش کرنے کے لیے انسانی قربانیاں بھی پیش کی جاتی تھیں پائز اور نونیز کا کہنا ہے کہ ناگلاپور (NAGALAPURA) کے تالاب کی تعمیر کو کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے کے لیے" ساٹھ آدمیوں اور چند گھوڑوں اور بھینسوں کے سر" کاٹے گئے تھے۔ نونیز کہتا ہے کہ یہ لوگ کرشن دیوارائے کے قیدی تھے اور "موت کے سزاوار" تھے[167]۔

اس طرح کی قربانیوں میں جوگی خانہ بدوش بھیکاری بھی کچھ حصہ لیا کرتے تھے ان کی اپنی ملکیت میں کوئی چیز نہیں ہوتی تھی اوران کی پوشاکیں "موری (MOORISH) پیتل پٹیوں پر مشتمل ہوتی تھیں جن سے متعدد سکوں کے پٹے لٹکے رہتے تھے جو (جسم کے) دونوں جانب جھولتے رہتے تھے" ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بربوسا کہتا ہے" وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹی سینگ یا بگل لے کر چلتے ہیں جسے وہ بجاتے ہیں[168]۔ درچا (MARCHA) (دھاردار) کے ایک مندر کو بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے پائس لکھتا ہے کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے وقت جوگی موجود تھا اور یہ کہ جیسے ہی بھیڑ یا بکری کا سر کاٹا جاتا وہ سینگ بجاتا تھا جو اس بات کی علامت ہوتی کہ دیوتا نے قربانی قبول کر لی ہے[168] الف

گاؤں کے دیوتاؤں کی پرستش کی ایک خصوصیت تو وہ تھی جسے کانٹے پر لٹکنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی نوعیت مختلف زمانوں میں مختلف تھی۔ نیکولوڈی کونتی جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے، کہتا ہے کہ لوگ اپنے پہلو میں ایک سوراخ کر لیتے اور خود کو رتھ کے زیور کی مانند اس سے لٹکا دیتے تھے[169] لیکن بربوسا جس نے اسی رسم کا مشاہدہ ایک صدی بعد کیا تھا اس کے بارے میں چند دلچسپ تفصیلات قلم بند کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کانٹے پر لٹکنے کی رسم وہ دوشیزائیں ادا کرتی تھیں جو یہ نذر کرتی تھیں کہ اگر وہ اپنے دل میں بسے ہوئے شخص سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی تو وہ یہ رسم کو ادا کریں گی۔ جب ان کی یہ آرزو مکمل ہونے والی ہوتی تو وہ اس رسم کو ادا کرتی تھیں۔ وہ لوہے کے دو تیز کانٹوں سے جو ان کی کمر میں گھس جاتا تھا، خود کو لٹکا دیتی تھیں۔ یہ کانٹا پانی نکالنے کی ایک کل سے منسلک ہوتا تھا چنانچہ جب وہ اوپر اٹھائی جاتی تو وہ اس کل سے لٹکی رہتیں خون ان کی ٹانگوں سے رواں ہوتا تھا (لیکن) وہ کسی اذیت کا اظہار نہیں کرتی تھیں بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ وہ اپنے خنجروں کو ہلاتی رہتی تھیں اور اپنے اپنے شوہروں پر چونا پھینکتی رہتی تھیں۔ اسی حال میں وہ اس مندر تک لے جائی جاتیں جہاں وہ بت ہوتے تھے جن کے سامنے انھوں نے اس قربانی کی نذر کی تھی۔ اس کے بعد انھیں ان متعلقہ شوہروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اس موقعہ پر برہمنوں اور بتوں کو تحائف بھی پیش کیے جاتے تھے[170] لیکن پیٹرو ڈیلا ویلے جو 1623ء میں منائے جانے والے اکیری (EKKERI) کے جشن کا عینی شاہد تھا، اس کے متعلق ایک مختلف بیان قلم بند کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ بعض مقدس دنوں میں لوگوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے گوشت کو ان کانٹوں میں پھنسا کر لٹک جایا کرتے تھے جو ایک بالائی شہتیر میں بندھے ہوئے تھے۔ یہ شہتیر اسی مقصد سے لگائی جاتی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح لٹکے تھے اس حال میں کہ خون ان کے جسم پر بہہ رہا ہوتا تھا۔ وہ اپنی تلواروں اور ڈھالوں کو بھی فضا میں نچاتے رہتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں اشعار گاتے رہتے تھے[171] لیکن اب اس جشن کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ بچانن 1773ء میں میسور آیا تھا، کہتا ہے "کہ یہ رسم عظیم دیوتاؤں کے سامنے نہیں ادا کی جاتی تھی اور یہ کہ جنوب کے برہمن اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو محض پست ذہنیت رکھنے والے عوام ہی کے لیے مناسب تھی"[172] آگ پر چلنا، جو گاؤں کے دیوتا کی پرستش کی ایک دوسری خصوصیت ہے، یقیناً رائج رہی ہوگی لیکن اب اس رسم کا (بھی) تیزی سے خاتمہ ہو رہا ہے۔

Marfat.com

کرناٹک کے اضلاع کے عوام کے چند طبقات میں ایک دوسرا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ کال بھیروا (KALABHIRVA) کے اعزاز میں کسانوں کی بیویوں کی (چھوٹی اور انگوٹھی کی) انگلی کے آخری جوڑوں کے پاس سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ کاشتکاروں کا وہ طبقہ جو یہ رسم ادا کرتا تھا "انگلی دینے والا طبقہ" کہلاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حال تک وہاں کے مندر میں انگلیوں کو کاٹنے کے لیے مستقل انتظام تھا جس میں انگلی کو کاٹنے کے لیے ایک سونار، اور زخموں کی مرہم پٹی، انگلی پر پھایا لگانے اور اسے اسی طور پر پکڑنے کے لیے تاکہ اس سے فوری طور پر خون نہ بہے، چند دوسرے لوگ ہوا کرتے تھے۔ عقیدت مندوں کو آرچک (ARCAK) ، مندر کے دیگر ملازمین اور گاؤں کے آئیگاروں مثلاً شنبوگ پٹیل، سونار اور حجام وغیرہ کو کچھ متعین حصہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا مزید براں انھیں فی نفر چاول کی ایک مقررہ مقدار بھی لانی پڑتی تھی۔ ایک کتبے میں جو تقریباً چودھویں صدی کا ہے اس میں مقدار کا تعین کیا گیا ہے جو انھیں سوناروں اور دیگر لوگوں کو دینی پڑتی تھی[173]۔

مذہب کا ایک مقبول پہلو جو وجے نگر کے زمانہ میں عام تھا، جیسا کہ وہ آج بھی ہے، وہ ناگوں (سانپوں) کی پرستش تھی۔ ویرو پاکسا ناگوں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ وجے نگر کے حکمراں ناگوں کی پوجا کرتے تھے اور شیو کو ناگ ناتھ یعنی ناگوں کا سردار سمجھتے تھے۔ ان کی مہارانیاں مندروں میں ناگکل (NAGAKKAL) قائم کرتی تھیں جہاں وہ حاضری دیتی تھیں، اور مادہ ناگوں کے مخصوص بت بھی قائم کرتی تھیں[174]۔ بچوں سے محروم عورتیں یہ نذر کرتی تھیں کہ اگر ان کی گود بھر گئی تو وہ ایک ناگکل (پتھر کا ناگ)، ناگ پرتشٹھائی (NAGAPRATISTHAI) نصب کریں گی۔ ناگکل کو بعض منتر پڑھ کر زندگی (پران پرتشٹھائی (PRANAPRATISTHAI) دی جاتی تھی اور اسے ایک پیپل یا مرگوسا (MARGOSA) اور ترجیحاً پیپل کے درخت کے نیچے قائم کیا جاتا تھا۔ وجے نگر کے زمانہ میں ان ناگوں اور ناگینوں کی بڑے پیمانہ پر پوجا کی جاتی تھی[175]۔ اسی طرح گایوں کو بھی بہت مقدس سمجھا جاتا تھا[176]۔

درختوں کی پوجا بھی رائج تھی۔ پیپل اور مرگوسا کے درختوں کو بڑی عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی عبادت کی جاتی تھی۔ برہمنی رسوم کے مطابق ان کی شادی کی جاتی تھی 358۔ ایک کتبہ میں درج ہے کہ ایک مخصوص شخص اروون ہلی (ARUVANHALLI) کے تالاب کے چاروں کونوں پر لگے ہوئے پیپل کے درختوں کی اپنائے نم (UPANAYANAM) (کی رسم) ادا کرتا تھا[177]۔

Marfat.com

حواشی

باب نہم

1. HISTORY OF SRI VAISNAVISM IN SOUTH INDIA از ٹی۔اے گوپی ناتھ ص 29۔
2. THE PANDYAN KINGDOM از کے۔اے نیل کانت شاستری ص ص 201 - 211
3. THE RISE از برگس، ا، ص 413ع
4. ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPT ، ا، ص 35
5. مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1916 ، پیراگراف 33
6. مدھوراوجیم۔ دیباچہ۔ ص ص 5 - 6
7. ملاحظہ ہو مدھوراوجیم، ص ص 12 - 25 ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPT از تیلور 2 جز 3 - 1899 کا 18، SOUTH INDIA UNDER THE MOHAMMADAN INVEDERS از ایس، کے اینگر، ص 116 ، پانڈیا کرانکل اس بات کا دلچسپ بیان پیش کرتا ہے کہ جب مندر کو کمپن نے کھولا تو مندر کا کیا حال تھا۔ اس میں درج ہے "اس وقت تمام چیزیں بعینہ اسی حالت میں پائی گئیں جس حالت میں وہ اس دن تھیں جس دن مندر کو بند کیا گیا تھا۔ وہ چراغ جو اس دن روشن کیا گیا تھا، صندل کا برادہ، پھولوں کے ہار اور وہ زیورات جو عموماً جشن کے دنوں میں صبح کو سجائے جاتے تھے، بالکل اسی حالت میں تھے جیسے وہ عموماً اس طرح کے جشن کے دنوں میں شام کو پائے جاتے ہیں۔" ORIENTAL HIST ORICAL MANUSCRIPT ، ص ص 35-37۔

Marfat.com

۷ الف ORIGIN AND EVOLUTION OF KINGSHIP IN INDIA، از سردار کے۔
ایم۔پانکر (K.M.PANIKKAR)، ص ص 153-154۔

۸ ایپی گرافیا کرناٹیکا، یشودا 46، دیباچہ 23۔

۹ NUM. ORIENT، از ایلیٹ ص 92۔

۱۰ JOURNAL OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY 24، ص 293۔ LIFE AND TIMES OF SRI VEDANTA DESIKA از وی رنگا چاریہ THE LIFE AND TEACHINGS OF MADHAVACHARJAR از سی۔ایم۔پدمن بھاچر (C.M.PADMAN BHACHAR) کوئمبٹور COIMBATORE (1909ء) بھی ملاحظہ ہو۔ بھنڈرکر (BHANDARAKAR)، ویشنوزم، شیوزم کے ذیل میں ملاحظہ ہو، ص ص 59۔

۱۱ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس، 1908، پیراگراف 18-19 ملاحظہ ہو۔

۱۲ LOCAL GOVERNMENT از مکرجی، ص 12۔

۱۳ ایپی گرافیا کرناٹیکا 6، SERINGAPATAN، 1۔

۱۴ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1916، پیراگراف، 97۔

۱۵ ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIKARPUR، 281۔

۱۶ ایضاً۔

۱۷ ایپی گرافیا کرناٹیکا 8، SORAB، 375۔

۱۸ ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، CHENNARAYAPATNA، 256۔

۱۹ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1925، پیراگراف 30۔
میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1918، پیراگراف 105-106، مدھورا وجیم، فصل ۱، اشلوک ۴ مادھوا چاریہ خود کو بکا کا کل گرو کہتے ہیں۔ غالباً سنگم کے بیٹوں کے ایک سے زیادہ کل گرو تھے۔

۲۰ ایپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰، MUDBAGAL، 11۔

۲۱ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، HOLALKERE، 129۔

۲۲ 1377ء کی ایک دستاویز میں سنگنا ادیا (SINGANNA ODEYA) کا تذکرہ جو کمپن اول کا پوتا تھا، اکاش واسی سام ویدیگارو (AKASA VASI SAMA VEDIGARU)

۱۰

Marfat.com

کے ایک شاگرد کی حیثیت سے ملتا ہے۔ کتبہ میں درج ہے کہ اسے بھووینشوری (BHUVANESWARI) کا
اپدیش (UPADESA) اسی گرو سے ملا تھا اور اس موقع پر اس نے پیروسلو
(PERUSALU) کا گاؤں اپنے گرو کو بطور عطیہ دیا تھا (1917 کا 81 6)
غالباً آکاش واشی کی اصطلاح اکاشس موکھین (AKASA MUKHIN)
کی نہایت معروف و مشہور اصطلاح کی بدلی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب یہ ہے
کہ اس فرقہ کے افراد کا دماغ ہمیشہ آسمان پر رہا کرتا تھا۔ لیکن ان کے متعلق ہمیں زیادہ تفصیلات
نہیں مل سکی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1918 پیراگراف 66، -BRAH)
MONIER WILLIAMS) از مونیر ولیمس MANISM AND HINDUISM)
بھی ملاحظہ ہو، ص 98۔

23 RELIGIONS OF INDIA ، از ہوپ کنس (HOPKINS) ص 482۔

24 میکند کا زمانہ مشکوک ہے پروفیسر شیش گری شاستری (SESHAGIRI SASTRI)
کا خیال ہے کہ وہ تقریباً 1550 میں تھا۔ - REPORT ON SANSKIRT AND TAMIL
کا مصنف MANUSCRIPT 1896-97 ص ص 52 اور 56 MADRAS MANUAL
اسے گیارہویں صدی میں بتلاتا ہے اور اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ سدر (SIDDAR)
مکاتیب خیال اتی ویرارام پانڈے (ATIVIRA RAMA PANDAYA)
کے بعد، جسے وہ گیارہویں صدی میں رکھتا ہے، وجود میں آئے تھے (جلد ا ص ص 57
اور 120) لیکن گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ اتی ویر رام پانڈے تقریباً
1336 میں تھا (1904 MADRAS REVIEW) اس ضمن میں
INDIAN ANTIQUARY جلد 43 ص ص 156-157 ملاحظہ ہو ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ میکند زیادہ سے زیادہ بارہویں صدی میں تھا۔ میکند کے چوتھے روحانی جانشیں اوماپتی
شیوا (UMAPATI SIVA) نے اپنی ششنکرپ نراکرنم
(SANKARAPA NIRAKARANAM) شاکھا 1235 (1313ء) میں لکھی
تھی۔ ملاحظہ ہو۔ شیوا سدھانت ورلارو (SIVA SIDDHANTA VARALARU)
از ایس، انورتوی نایکم پلائی (S. ANAVARATAVI NAYAKAM PILLAI)
، ص 33۔

25 ملاحظہ ہو INDIAN ANTIQUARY 43 ص ص 157-158، شیوا سدھانت کی

Marfat.com

سچائی کے موضوع پر ایس-ایس-سوریہ نارین شاستری (S.S. SURYA NARAY-
ANA SASTRI) کے ایک مضمون کے لیے مدراس یونیورسٹی جرنل جلد 2 شمارہ 1،
ص ص 111-127-

26 INDIAN REVIEW دسمبر 1908 VAISNAVISM, SAIVISM AND OTHER MINOR RELIGIONS از بھنڈارکر، ص 57-

28 ملاحظہ ہو JOURNAL OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY، 24، ص ص 126-136، MYSORE CENSUS — REPORT 1891ء، HINDUISM، از مونیر ویلیمس، ص ص 125-155، JOURNAL OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY 1910 ص ص 1103- اور 1912 ص ص 714، RELIGIONS OF INDIA

از برتھ (BARTH) ، ص 227، انڈین انٹی کوٹری 3، ص 175، RELIGIONS OF INDIA از ہوپکنس ص ص 500 — وہ لکھتا ہے "یہ ایک انوکھی تقسیم معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گریرسن (DR. GRIERSON) نے بھی اس اصطلاح کا صحیح مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ JOURNAL OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY 1910ء ص 566، نیتا شاستری NATESA SASTRI کا خیال ہے کہ تنگلائی ویشنواؤں کے رسم ورواج پر شدر ارسم ورواج کا بڑا اثر تھا۔ ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کوٹری، جلد 13 ص ص 252-

29 مونیر ویلیمس، ح، س، ص ص 125

30 BRAHMANISM AND HINDUISM از مونیر ویلیمس، ص 136۔ اور ایم۔ شیش گیری شاستری کی REPORT ON A SEARCH FOR SANSKIRT AND TAMIL MSS جلد 1، ص 16 ملاحظہ ہو۔ INDIAN THEISM از میکنی کول (MACNICOL) ص ص 127-128، اور ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS 12، ص ص 580-583 بھی ملاحظہ ہو۔

31 مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1905، پیراگراف 33

Marfat.com

۳۲ یہ بیان محض ایک قدیم مادھو روایت پر مبنی ہے۔ کسی دوسرے ماخذ سے اس کی توثیق میں دوسرے شواہد نہیں ملتے۔

۳۳ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، CHENNAPATNA 153، ایپی گرافیا کرناٹیکا 370 کا 1919

QUARTERLY JOURNAL OF THE MYTHIC — 857، دیباچہ، ص ص 41

SOCIETY جلد 15، ص ص 43 اور میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 12-1911، پیراگراف 107، 1919، پیراگراف 30، وغیرہ بھی ملاحظہ ہو۔

۳۴ 1899 کا 74۔

۳۵ REPORT ON SEARCH FOR SANSKRIT @ TAMIL MSS. جلد 1 ص 16

۳۶ CATALOGUES CATALOGONU ص 619

۳۷ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 84

۳۸ ایپی گرافیا انڈیکا 12، ص ص 344

۳۹ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دہلی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے شیلوا پلائی (SELVA PILLAI) کے بت کو حاصل کرنے میں رامانج کی مدد کی تھی۔

۴۰ ایپی گرافیا کرناٹیکا 2 (نیا ایڈیشن)، (SORAB) 344، (پرانا ایڈیشن) SORAB 136، ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، MUDGERE TALUQ، 181۔

۴۱ ایپی گرافیا کرناٹیکا 2، دیباچہ، ص 633

۴۲ ایپی گرافیا انڈیکا، 7، ص 115

۴۳ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 1، ص 156

۴۴ 1920 کا 326

۴۵ 1890 کا 42، ایپی گرافیا انڈیکا 7، ص ص 115 - 116

۴۶ ساؤتھ انڈین انسکرپشنس 1، 82، وجے نگر کے پہلے خاندان کے افراد کی جانب سے عطا کردہ ان عطیات اور تعمیرات سے ایم۔ ایس۔ رام سوامی اینگر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ جین لوگ تھے۔ وہ کہتا ہے "یہ واقعات اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ وجے نگر کے حکمراں خاندانوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی سرپرستی کی۔ بلکہ ان میں سے کچھ نے جین عقیدے کو قبول بھی کر لیا تھا۔" (STUDIES IN SOUTH INDINA JAINISM 2 ص 118) لیکن حقایق سے اس کے ان نتائج کی تائید نہیں ہوتی۔ وجے نگر کے بادشاہوں نے کبھی جین مذہب قبول نہیں کیا، اگرچہ انھوں نے بڑے پیمانہ پر اس کی سرپرستی کی جینی مندروں

Marfat.com

اور اداروں کو ان کے ذریعہ دیئے جانے والے بڑے بڑے عطیات مصنف کے دعوؤں کو ثابت نہیں کرتے۔

47ـہ 1928-29 کا 528

48ـہ لیکن بدھ مت کے وجود اور اس کے شیوع کے متعلق ہمارے پاس بہت کم شواہد ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کے بعض علاقوں میں اس کے آثار بہت دنوں تک قایم رہے۔ دو کتبات ایسے ہیں جن میں بدھ مت کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک بیلور تعلقہ کا ہے لیکن یہ جو ثبوت فراہم کرتا ہے وہ بالواسطہ ہے۔ اس میں درج ہے کہ اس مقام کے دیوتا کیشوا (KESAVA) کی پرستش شیوا لوگ بحیثیت شیو، ودانتیں بحیثیت برہما اور بدھ مذہب کے لوگ بحیثیت بدھ کرتے تھے . . . (ایپی گرافیا کرناٹیکا، BELUR 3) کو مباکونم کے دوسرے کتبے میں تیرو وکن دورائی (TIRUVILANDURAI) میں واقع ایک بدھ مندر کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تیرو ملائی راجا پورم (TIRUMALAIRAJA PURAM) کے گاؤں کے باشندوں نے ایک نہر کے لیے زمین حاصل کی تھی جس کے معاوضہ میں کچھ زمینیں عطا کی گئی تھیں (1929 292) اس طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجے نگر کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں بدھ مت بہت دنوں تک قایم رہا۔

49ـہ ملاحظہ ہو DU BRAIMANISME ET DE SE RAPPORTS CVECE LE JUDAISME ET LE CHRISTIANISME از میجر لاؤنن (MGR. LAOA-ENAN) پانڈیچری 1، حصہ 2- 402-403 بحوالہ میسور گزٹ نیا ایڈیشن، جلد 1 ص 341-

50ـہ ARAVIDU DYNASTY ص ص 118-121- اور اس میں مذکورہ HISTORY OF THE CATHOLIC CHURCH IN INDIA از ڈی سا D SA جلد 2 ص 31 بھی ملاحظہ ہو۔

51ـہ ملاحظہ ہو ایضاً از ہراس (HERAS.) ص ص 464-485-

52ـہ فرشتہ انا سکاٹ (SCOTT) جلد 1 ص 118

53ـہ ایپی گرافیا کرناٹیکا 3، SRIRANGAPATAM، 15، دیباچہ ص 23

54ـہ 1904 کا 18

55ـہ سیول رح، س، ص 256

Marfat.com

سے56 ایضاً ص 329

سے57 ایپی گرافیا کرناٹیکا 4، KR. 95

سے58 THE RISE ازبرگس 3 ص 79

سے59 ایضاً ص 328

سے60 ایپی گرافیا انڈیکا 14، ص 210

سے61 THE RISE ازبرگس 3 ص 381

سے62 ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، KOLAR 147

سے63 مدراس ایپی گرافی رپورٹس، CHENNAPATNA 11-1910ء کا 17، رپورٹ 1911، پیراگراف 59-

سے64 11-1910ء کا CHENNAPATNA 19، رپورٹ 1911 پیراگراف 62، میول کی LIST OF ANTIQUARIS بھی ملاحظہ ہو۔ جلد 2، ص 203

سے65 ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، CHENNAPATNA، 256-

سے66 ایپی گرافیا کرناٹیکا 6، SRINGAPATNA، 1-

سے67 ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، KN. 43 ایپی گرافیا کرناٹیکا، 4، CHENNARAYAPATNA 64، ایپی گرافیا انڈیکا 3 ص 118 اور میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1907، پیراگراف 54 بھی ملاحظہ ہو۔ وجے نگر کے بادشاہوں اور شرنگری مٹھ کے درمیان مخلصانہ تعلقات کے حوالہ کے لیے۔

سے68 ایک مشہور و معروف سری ویشنو تصنیف پراپن امرتم (PRAPANNAMRTAM) کے مطابق وجے نگر میں ویروپاکسا کے دور حکومت میں "جس نے تخت اپنی تلوار کے زور سے حاصل کیا تھا" وجے نگر کے حکمرانوں کے عقیدے میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رشتہ دار جنھیں ویروپاکسا نے تخت حاصل کرنے کے لیے مار ڈالا تھا، بھوتوں کی شکل میں نمودار ہوئے اور اس محل میں منڈلاتے رہتے تھے جس میں ویروپاکسا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس محل کو چھوڑ دیا اور دوسرے محل میں رہنے لگا۔ دو ویشنو برہمن اس پرانے محل میں آئے اور انھوں نے ان بھوتوں کو اپنا دربار منعقد کرتے ہوئے دیکھ کر انھیں غلطی سے زندہ انسان سمجھ کر انھیں رامائن پڑھ کر سنایا جسے انھوں نے نہایت دلچسپی سے سنا۔ دربار ختم ہو جانے کے بعد انھوں نے برہمنوں سے کہا کہ وہ ویروپاکسا کے ان رشتہ داروں کے بھوت ہیں جنھیں اس نے مار ڈالا

Marfat.com

تھا اور یہ کہ راما ئن سن کران کو اپنی پیشاچا (PISACA) زندگی سے چھٹکارامل گیا ہے اور وہ ان برہمنوں کو بہت سے سونے کے سکے دے کر آسمان پر چلے گئے۔ ویرو پاکسا کو جب یہ پوری کہانی معلوم ہوئی تو وہ راما ئن کی بڑی قدر کرنے لگا۔ اس نے ویشنو اعقیدے کو بھی قبول کر لیا۔ اور بھوتوں کی مصیبت سے نجات دلانے کے شکریئے کے طور پر اس نے شری ویرو پاکسا کے بجائے شری رام کو اپنی دستخط قرار دے دیا۔ (SOURCES از ایس کے۔ اینگر ص ص 71-73 ؛ نیز متن ا، ۹۰)

اس شری ویشنو اتصنیف کے شواہد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ویرو پاکسا کا عقیدہ تبدیل ہونے لگا تھا۔ ایس کے اینگر کا خیال ہے کہ ویرو پاکسا جس کا اس تصنیف میں حوالہ دیا گیا ہے اس ملیکار جونا کا جانشین تھا جس نے شری شیلم (SRISAILAM) کی تحقیقوں کے مطابق تخت کو "اپنی تلوار کے زور پر" حاصل کیا تھا۔ لیکن ٹی۔ اے۔ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ ویرو پاکسا جس کا اس تصنیف میں حوالہ ہے، ویرو پاکسا دوم تھا جسے ۱۴۰۴ء میں ہری ہر دوم کے انتقال کے بعد تخت کے لیے ہونے والی سہ طرفی جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اور جس نے ایک مختصر مدت تک حکومت کی تھی۔ انھوں نے اپنے اس نتیجہ کی بنیاد ویرو پاکسا کی شری سیلم تحقیقوں میں کی ہوئی شری ویرو پاکسا کی دستخط کے ثبوت پر رکھی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ پراپن امرتم کے بیان کی بادشاہ کے بعد کے کتبات میں پائی گئی دستخط سے تردید ہوتی ہے (اپی گرافیا انڈیکا ۱۵، ص 25) لیکن کسی دوسرے شواہد سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ویرو پاکسا دوم نے شری رام کو اپنی دستخط قرار دیا تھا۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوپی ناتھ راؤ کے استدلال کی توثیق نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ ویرو پاکسا دوم کے جانشین کٹر شیو تھے گو ویشنواؤں کے ساتھ وہ رواداری کا برتاؤ رکھتے تھے اور ویرو پاکسا سوم کے جانشین ویشنوزم کی طرف زیادہ مائل تھے لہٰذا یہ رائے قایم کرنا درست ہوگا کہ ویرو پاکسا جس کا حوالہ پراپن امرتم میں دیا گیا ہے ملیکار جونا کا جانشین تھا اگرچہ کوئی ایسا کتباتی ثبوت نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے بھی دستخط تبدیل کی تھی اور نہ ہی سالوؤں، تالوؤں اور اراویدو خاندان کے ابتدائی حکمرانوں نے بھی دستخط تبدیل کی تھی۔

۶۵ الف۔ اگرچہ چدمبرم میں شمال گوپورم کی تعمیر کا سہرا کرشن دیو رائے کے سر باندھا جاتا ہے لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس کی صرف بالائی عمارت ہی تعمیر کرائی تھی اس لیے کہ پہلی سات منزلوں تک مینار کی بنیاد (BASEMENT) چولا عمارات کے خصوصیات ملتے ہیں جیسے

Marfat.com

مثلاً مندر کے مشرقی اور مغربی گوپورم۔ گوپورم کی بالائی عمارت کی تعمیر کا آغاز کرشن دیو رائے نے کیا تھا جسے اچیوت رائے نے تکمیل تک پہونچایا (جرنل آف اورینٹل ریسرچ جلد 12، ص 172 ملاحظہ ہو جہاں ایس۔ آر۔ بال سبرامانیا ایر (BAL SUBRAMANYA AYYAR) نے اچیوت دیو رائے کے چدمبرم کے ایک کتبے کی اشاعت کی ہے۔)

69۔ 1896 کا 398

70۔ ایپی گرافیا انڈیکا 1، ص ص 366 اور 370؛ آرکیولوجیکل سروے رپورٹس، 9-1908ء، ص 175۔

71۔ 1889 کا 25 اور 26

72۔ 1922 کا 711، 712 اور 713

73۔ 1889 کا 53، 54 اور 55

74۔ فصل 1، اشلوک 47

75۔ ملاحظہ ہو۔ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1904، پیراگراف 9، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1920 پیراگراف 87۔

76۔ 1915 کا 64

77۔ 1919 کا 478، 513 اور 569

78۔ انڈین انٹی کوئری 44، ص 222

79۔ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1918 پیراگراف 110

80۔ ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIMOGA 85، 1905 کا 13 چٹوپادیا منی منجاری CATUPADYAMANIMANJARI ص ص 161-162۔

81۔ 1919 کا 544، 547 اور 584

82۔ 1919 کا 511، 543 اور 546، پیراگراف 20 1920، پیراگراف 47

83۔ ایپی گرافیا انڈیکا، جلد 1، ص 364، ایپی گرافیا انڈیکا 17، ص 71، ایپی گرافیا کرناٹیکا 7، SHIMOGA، 1، ایپی گرافیا کرناٹیکا 10، HASAN 13۔

84۔ 1910 240

85۔ میسور ایپی گرافی رپورٹس 1904، پیراگراف 24، MYSORE AND COORG FROM THE INCRIPTIONS، ص 1191، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس

Marfat.com

۱۹۲۰ء، پیراگراف ۱۵۹ ارکیولوجیکل سروے رپورٹس ۹-۱۹۰۸ ص ۱۱۹،
حاشیہ ۱، مدراس اپیی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 81، اس عطیہ کی صحیح اہمیت معلوم
نہیں ہے۔ جس دستاویز میں اس عطیہ کا ذکر ہے وہ اس کے متعلق بتلاتی ہے کہ "یہ بالکل
نئی چیز" تھی اور "کوہیرا کے نو ۹، خزانوں" سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔ نرسمہا چاریہ کا خیال ہے
کہ یہ عطیہ جیسا کہ ہمادری [redacted] نے اپنی دان کھنڈ (DANA KHANDA)
میں بتلایا ہے "ایک پیالہ بھر روپے" پر مشتمل تھا۔ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس
۱۹۲۰ پیراگراف ۸۰)

۸۶ 1913 کا 272 - چدمبرم میں واقع تلائی گوندراجا سوامی کا مندر ایک بوقلمون تاریخ کا حامل
ہے۔ پرپنامرتم (PRAPANNAMRTAM) کے مطابق گوندراجا کے بت کو،
جو نٹراج کے مندر میں رکھا ہوا ہے، چولا بادشاہ کری می کنٹھ (KIRIMIKANTHA)
نے اس مندر سے ہٹوا دیا تھا۔ (SOURCES ازایس۔ کے اینگر ص
ص ۲۰۲-۲۰۳) کولوتونگا کولن اولا (KULOTTUNGA COLAN ULA)
اور راج راجن اولا (RAJA RAJAN ULA) کے
مطابق بادشاہ کولوتونگا دوم نے گوندراجا کے بت کو اس کے اصل مقام (سمندر) میں پھینکوادیا
تھا۔ ملاحظہ ہو۔ جرنل آف دی بمبی ہسٹوریکل سوسائٹی ۴، ص ۴۰، غالباً رامانج جو اس
وقت زندہ تھے پھینکے ہوئے بت کو واپس لے آئے یا انھوں نے اپنے شاگردوں کی مدد
سے ایک دوسرا بت بنالیا اور اسے اس نے اپنے اس مندر میں رکھوادیا جسے انھوں نے
تیروپتی میں بنوایا تھا (ملاحظہ ہو چینی کوتونگا انپاین سیں تامل
(CENNIKUTO TTUNGAN ANAPAYAN SEN TAMIL) 8 ص ص ۳۰۱
۳۰۲، دی میکنزی کلکشن از ولسن، ص ۲۹۹، ANCIENT INDIA از ایس، کے
اینگر، ص 320 بھی ملاحظہ ہو، گرو پرمپرا (GURUPARAMPARA) کے
مطابق ودانت اچاریہ نے گوپن کے تعاون سے گوندراجا کی زیارت گاہ کی مرمت کروائی
تھی اور چدمبرم میں اسے رکھوادیا تھا حالانکہ شیواؤں نے اسکی بڑی مخالفت کی تھی JOURNAL
(OF THE BOMBAY BRANCH OF THE ROYAL ASIATIC SOCIETY
۲۴، ص ۳۰۹) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیواؤں نے اس بت کو دوبارہ ہٹا دیا۔
چنانچہ اس وقت سے لے کر وجے نگر کے بادشاہ اچیوت رائے کے زمانہ میں 1539ء میں

Marfat.com

اس کی دوبارہ بحالی تک غالباً چدمبرم میں گوندراجا کی کوئی زیارت گاہ نہ تھی۔ 1510 میں کرشن دیورائے نے الگیا تیروچھر امبلم اودیا تمبیرانار۔ (ALAGIYA TIRUUCERRAMBAL AM UDAIYA TIMBIRANAR) کی مہا پوجا کے لیے تین گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا جن کی آمدنی 1400 ریکائی (REKAI) (گدیانہ GADYANA) تھی (1913 کا 223۔ کہا جاتا ہے کہ جب 18-1517 میں وہ وہاں آیا تھا تو اس نے پونم بل (PONNAMBALA) (نٹراج) کے دیوتا کی پوجا کی تھی اور شمالی گوپورم کی تعمیر کرائی تھی۔ (1892 کا 174، 1913 کا 371 اور 374) چنانچہ اگر اس کی آمد کے وقت چدمبرم میں گوندراجا زیارت گاہ ہوتی تو ایک سرگرم ویشنو ہونے کی بنا پر وہ اس (دیوتا) کی پوجا کیے بغیر اور اس کے لیے کچھ عطیات دیئے بغیر یا اس میں کچھ اضافہ کیے بغیر نہ رہتا۔ اگر یہ مندر موجود ہوتا تو یہ اس کو ان مندروں کی فہرست میں شامل کرتا جنھیں اس کے ذریعہ دی گئی دس ہزار وراہ کی اس معافی سے فائدہ پہونچا تھا، جو اس نے کولامنڈلم میں واقع شیوا اور وشنو کے مندروں کے حق میں عطا کی تھی۔ مارچ 1530 میں اچیوت رائے نے نٹراج کا سالانہ جشن رتھ منانے کے لیے اور اس مندر کے شمالی گوپوں کی تعمیر کے لیے 92 گاؤں کا ایک عطیہ دیا تھا (جرنل آف اورینٹل ریسرچ 1938، ص ص 169-178) اس سے یہ واضح ہے کہ اس زمانہ میں مندر میں گوندراجا کی کوئی زیارت گاہ نہ تھی۔ اور اس کی تعمیر 1539 میں ہوئی تھی اس سال کے ایک کتبہ میں قطعی طور پر درج ہے کہ اچیوت رائے نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ویکھا نسا ستر کی رسوم کے مطابق تلائی گوندراجا پیرومال کے بت کو چدمبرم میں نصب کیا جائے اور اس نے یومیہ پوجا کے لیے 500 پون کا عطیہ دیا تھا (1913 کا 272 اور 1915 کا 10) چنانچہ نٹراج مندر کے پہلے پراکار PRAKAR کے اردگرد اونچی سطح کے ایک منتپ پر یہ زیارت گاہ بنائی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نئی زیارت گاہ کے لیے کوئی مستقل بنیاد نہیں ڈالی گئی تھی کیونکہ سیڑھیاں پھولوں کے نقش ونگار اور آرائشی پٹیاں جو پراکار دیواروں اور منتپوں کے چہار طرف آج نظر آتی ہیں انھیں اس وقت بھی نظر آنا چاہیے تھا۔ جب حال ہی میں ویشنو زیارت گاہ کی مرمت اور اس میں بعض اصلاحات کے لیے گوندراجا کی زیارت گاہ کو توڑا گیا تھا۔ اچیوت رائے کے کتبے سے پراپن مرتم میں درج یہ بیان غلط ثابت ہوجاتا ہے کہ گھاتیکاچالا (GHATIKA CALA) (شولینگر SOLINGAR) میں مقیم مہا

Marfat.com

آچاریہ نامی ایک ویشنوا عالم کے ہاتھوں چتر کوٹ کے شیوا محققین کی شکست کے بعد رام راج نے چدمبرم میں ویشنوا زیارت گاہ کو بحال کر دیا تھا۔ SOURCES از ایس۔کے ایِنگر، ص 202؛ ANCIENT INDIA، ص 320)

87ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 9، CHENNAPATNA 186؛ ایپی گرافیا کرناٹیکا 5 HASAN، 7۔

88ھ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1916ء، پیراگراف 72

89ھ ایضاً

90ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 7-1906، پیراگراف 53

91ھ SOURCES۔ از ایس۔کے۔ ایِنگر، ص ص 202-203؛ اگرچہ یہ درست ہے کہ اپیا دکشت نے اپنا آخری سال چدمبرم میں گزارا تھا تاہم دوائے آچاریہ کے ہاتھوں اس کی شکست کا تذکرہ صرف اسی شری ویشنو تصنیف میں ملتا ہے۔ چوں کہ یہ تصنیف جانبدار ہے لہٰذا فطری طور پر اس میں عظیم ادویتا مبلغین کی شکست کا تذکرہ نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ لیکن اس تصنیف سے ایک بات واضح ہے۔ چدمبرم میں واقع گوندراجا کی زیارت گاہ کو خصوصی شاہی حمایت حاصل تھی اس لیے کہ اس میں شبہ ہے کہ اس (حمایت) کے بغیر نٹراج مندر کے مضافات میں اس بت کو دوبارہ بحال کیا جا سکتا تھا۔

92ھ ایپی گرافیا انڈیکا 12، ص ص 346-347

93ھ ایپی گرافیا انڈیکا 4، ص ص 1-22، برٹش میوزیم میں موجود سداشیو کے زمانے کی تختیاں۔

94ھ ایپی گرافیا انڈیکا 16، ص 245

95ھ ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، TUMKUR، 1 کرناٹک 39۔

96ھ ایپی گرافیا انڈیکا 12، ص 357، 1 اشلوک 20

97ھ SOURCES۔ از ایس۔کے ایِنگر، ص ص 233-234، مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1915ء، پیراگراف 17 اور 53۔

98ھ 1921 کا 10، اس زمانہ میں تاتاچاریہ کے اثر و رسوخ کے لیے ملاحظہ ہو۔ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1921ء، پیراگراف 53۔

99ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 7-1906، پیراگراف 50

Marfat.com

100 ایپی گرافیا انڈیکا 9 ص 327 ، ایپی گرافیا انڈیکا 12 ، ص 356

101 انڈین انٹی کوری 44 ص 221

102 ایضاً

103 ایضاً ص 225

104 ایضاً ، وجے نگر کے خاندان کے عقیدے کی اس تبدیلی کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ویروپاکسا کی ناراضگی کا سبب بنی جس نے رکشس تنگدی کے ہاتھوں انکی شکست کی صورت میں انھیں سزا دی ۔ درحقیقت جنگم کلائی جنان (JANGAMA KAL AIJNAN) نامی ایک تصنیف میں رام راج کی شکست اور موت کا ذکر ہے جو سروجنا (SARVAJNA) نامی ایک جنگم درویش اور اس کے بیٹے ویروپن (VIRUPANNA.) نے ، جو کٹر شیو تھے ، پیش گوئی کے انداز میں کہی تھی ۔ (دی میکنزی کلکشن از ولسن ، ص 272)

105 (HULT - از ہلزش ، THE COINS OF THE KINGS OF VIJAYANAGARA INDIAN ANTIQUARY) ZSCH ، 26 ، ص 308 ۔

106 ایپی گرافیا کرناٹیکا 6 ، AN. 103 ، 6

107 ایپی گرافیا کرناٹیکا 10 ، KOLAR 6

108 1913 کا 271

109 TOPOGRACHIAL LIST OF INSCRIPTUM OF THE MADDRAS PRESIDENCY از وی رنگا چاریہ (RANGACHARYA) 2 ، ص 607 ، نمبر 394 ۔

110 HIS PILGRIMS از پرکاز 10 ص ص 208 - 209

111 INDIAN ANTIQUARY 28 ، ص 326

112 ایپی گرافیا انڈیکا 12 ، ص 346

113 ایضاً

114 THE ENGLISH FACTORIES IN INDIA. 1618-21 دیباچہ ، ص 44 ۔

115 مندر کے غیر مذہبی (سیکولر) کاموں کے لیے مقامی حکومت کے باب میں مندر کی فصل ملاحظہ ہو ۔

116 TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRIPT - 1912 کا 415 ،

Marfat.com

IONS ، 2 نمبر 219۔

117؎ 1912 کا 299

118؎ 1912 کا 374

118؎الف TIRULAMALAI TIRUPATI DEVESTHANAM INSCRIPTIONS ، 1 ،

نمبر 199-202

119؎ 1911 کا 240

120؎ 1912 کا 365

121؎ 1916 کا 421

122؎ 1916 کا 413

123؎ 1916 کا 412

124؎ SOURCES ، از ایس کے ایئنگر ص 158

125؎ آمکتا، فصل 2 اشلوک 95

126؎ MYSORE GAZETTEER ، نیا ایڈیشن جلد 5 ص ص 1174-1191 ملاحظہ ہو

127؎ اپی گرافیا کرناٹیکا 6 ، SERINGAPATAM ، ج SERINGAPATAM ، 29 ، 11 ،

13 وغیرہ۔

128؎ C.P. INSCRIPTIONS BELONGING TO THE SANKARACARYA MAH

EAT KUMBA KONAM ، ص ص 7-14۔

129؎ TANJORE DISTRICT GOZETTEER ، جلد 2، ص 231۔

130؎ INSCRIPTIONS BELONGING TO THE SANKARACA RYAMALTAL

KUMBAKUNAM ، ص ص 15-47۔

131؎ اپی گرافیا انڈیکا 13، ص ص 122-123

132؎ گرو پرمپرا استو (GURU PARAMPARA STAVA) کے مطابق چندر شیکھر کے گرو کے گرو پورتا نند ایک مقدس سفر پر نیپال گئے تھے۔ بوہلر (BUHLER) ایک کتبہ کا تذکرہ کرتا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ سوم شیکھر آنند (SOMA SE - KHARANANDA) نامی جنوبی ہندوستان کا ایک سوامی 1503ء میں نیپال گیا تھا چونکہ کتباتی ثبوت سے شنکر اچاریہ مٹھ کی گرو پرمپرا میں درج روایت کی توثیق ہوجاتی ہے

Marfat.com

لہٰذا اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مٹھ کا ایک سوامی نیپال گیا تھا۔ ایس، وی،
وینکٹ یشور کا خیال ہے کہ "مذکورہ سوامی یقینی طور پر یا تو ہمارے عطیہ کا دینے والا
(CHANDRA SEKHARA) ہے یا اس کے گرو کا گرو پرن آنند عرف چندر چوڑ
(CHANDRA CUDA) ہے" لیکن چونکہ بوہلروہ تاریخ بھی دیتا ہے جب سوامی
نیپال آیا تھا اور چونکہ مذکورہ بالا عطیہ کا عطا کنندہ (چندر شیکھر) کے مذہبی پیشوائی کے لیے
مستقبل کے امیدوار کی حیثیت سے اس وقت زندہ رہا ہوگا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ
شخص تھا جو نیپال گیا تھا اس لیے کہ سوم شیکھر اور چندر شیکھر کے نام ہم معنیٰ ہیں اس واضح ثبوت
کی موجودگی میں ہمیں یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ پورن آنند نیپال گئے ہوں گے۔ ملاحظہ
ہو۔ ایپی گرافیا انڈیکا 13، ص ص T.T 125)

۱۳۳ـہ TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص 231۔

۱۳۴ـہ میسور ایپی گرافیا رپورٹس، CHENNEPATNA 15-1914 کا ۴، رپورٹ 1915،
پیراگراف ۵۴، ۱۹۰۹ کی رپورٹ بھی ملاحظہ ہو پیراگراف ۱۰۴

۱۳۵ـہ مدراس ایپی گرافیا رپورٹس ۱۹۰۹، پیراگراف ۱۰۴، 1915 پیراگراف 54

۱۳۶ـہ ملاحظہ ہو TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص ص 231-
232 -

۱۳۷ـہ ۱۹۰۵ کا ۳۲۳، ۱۹۰۵ کا 272؛ TOPOGRAPHICAL LIST OF
INSCRIPTIONS OF THE MADRAS PRESIDENCY از وی رنگا چاریہ،
M.R. 403 ـ

۱۳۸ـہ ۱۹۱۲ کا 352، 368، 373 اور 400، رپورٹ 1913 پیراگراف 55

۱۳۹ـہ 1912 کا 354، 365، 389 اور ۳۹۰ شاکھا 1429 اور 1446 کی تاریخوں کے درمیان کے۔

۱۴۰ـہ مدراس ایپی گرافیا رپورٹس 1924 پیراگراف 50، دیگر حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ 1917
کا 33-38، 1924 کا 209 اور 211 وغیرہ۔
REPORT ON SANSKIRT MSS.، نمبر 2، دیباچہ، ص 18 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۴۱ـہ HISTORY OF TAMIL LITERATURE، ص 297 ـ

۱۴۲ـہ TANJORE DISTRICT GAZETTEER، جلد 2 ص 257۔

۱۴۳ـہ ملاحظہ ہو پورن لنگم پلائی PURPNALINGAM PILLAI، ح، س، ص ص 297-298-

Marfat.com

۱۴۴ھ پرن لنگم پلالی ح، س

۱۴۴ھ الف۔ اس تہوار کی ابتدا صیغہ راز میں ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں پہلا درگا کی پوجا اور دوسرا اسلحوں کی پوجا۔ پہلا پہلو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے پاروتی کے اعزاز میں منایا جاتا ہے جس نے بھینس دیو، بھنڈآسورا (BHANDA SURA) سے ۹ دنوں تک جنگ کی تھی اور دسویں دن یعنی فتح کے دن (وجے دشمی (VIJAYADASAMI) کے دن اسے مار کر فتح یاب ہوئی تھی جنگ کے دوران وہ چندا (CHANDA) اور مندا (MUNDA) دو اور دیووں کو مارنے میں کامیاب ہوئی تھی جو بھنڈآسورا کے نائب تھے چنانچہ اسی بنا پر اسے چامندیشوری (CAMUNDESVARI) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ تہوار کا دوسرا پہلو یہ بتایا ہے کہ اس تہوار کا کچھ نہ کچھ تعلق اندر کی پوجا سے بھی تھا جو فراوانی اور خوش حالی کے لیے عام ویدی دیوتاؤں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہوار کی یہ خصوصیتیں جسے ریاست کے گھوڑے کی پوجا۔ ریاست کے ہاتھی اور دیگر چیزوں کی پوجا بذات خود اندرا کے متعلقہ لوازمات کی پرستش کی نمایندگی کرتی ہیں۔ یا ممکن ہے کہ اس کا تعلق خود درگا ہی سے ہو کیوں کہ للیتا (LALITA) دیووں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوا تھا۔ جبکہ یہ باتیں ہندوؤں کے اس عظیم قومی تہوار کی ممکنہ اصل ہے۔ اس بارے میں ایک یاد داور توجیہیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ تہوار راون پر سری رام کی فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ نونیز، جس نے وجے نگر میں مہانومی کا جشن دیکھا تھا، لکھتا ہے کہ اس نے تہوار کے بارے میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اسے "ان نو مہینوں کے احترام میں منایا جاتا تھا جس کے دوران ہماری دیوی نے اپنے بیٹے کو اپنے رحم میں رکھا۔" (سیول، ح، س، ص 376)

ہندو بادشاہ اس تہوار کو مناسب ڈھنگ سے منانا اپنا فرض سمجھتے تھے کیوں کہ ہندو نظریئے کے مطابق بادشاہ خدا کے سامنے عوام کا نمایندہ ہے چنانچہ ریاست کے مذہب کے محافظ کی حیثیت سے اسے عوام کی مذہبی زندگی کی رہنمائی کرنی پڑتی ہے۔ وہ خود اپنی اور اپنی رعایا دونوں ہی کی جانب سے دیوی کی پوجا کرتا ہے، اور اس کے رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہے۔ دیوی کی فتح کو اچھائی کی برائی پر، انسان کی اس کی پستی پر، علم کی جہالت پر اور روح کی مادہ پر فتح تصور کیا جاتا ہے۔

۱۴۵ھ مندرجہ ذیل حضرات کے ذریعہ اس تہوار کی ایک وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

پائس، سیول، ح، س، ص ص 262 - 279 ، نونیز، ایضاً ص ص 376 - 378 ایلیٹ کا خیال ہے کہ وجے نگر میں ایک سہ روزہ جشن کے متعلق عبدالرزاق کے بیان کی تفصیلات (ایلیٹ ح، س، ۱۷ ص ص ۱۱۷-۱۱۹) بھی مہانومی کے تہوار کے مطابق ہیں۔ لیکن تہوار کی مدت کے متعلق عبدالرزاق کا بیان مبہم ہے۔ وہ لکھتا ہے "مسلسل تین دنوں تک اس وقت سے جب دنیا کو روشن کرنے والا سورج آسمان پر ایک مور کی طرح چمکنے لگتا، اس وقت تک جب شام کی تاریکی کا کوا اپنے بازوؤں اور پروں کو پھیلاتا، یہ شاہی جشن نہایت عظیم الشان مظاہروں کے ساتھ جاری رہتا۔ ان تینوں دن بادشاہ اپنے تخت کی مسند پر بیٹھا کرتا تھا۔" (ح، س، ص ص ۱۱۹ اور 120) سوریانارائن راؤ (SURYANARAYANA RAO) کا خیال تھا کہ غالباً یہ بیان جشن مہانومی کے آخری تین دنوں کے بارے میں ہے جو یکے بعد دیگرے درگا استمی (DURGA STAMI) مہانومی اور وجے دشمی (VIJA-YADASAMI) کے جشن کے دن تھے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ہی اس (راؤ) نے یہ بھی محسوس کیا کہ شاید "یہ توجیہ ممکن نہ ہو۔" (THE NEVETOBE FORGOTTEN EMPIRE) ص ص 325 - 326 .F N یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اس سہ روزہ جشن سے متعلق عبدالرزاق کے بیان کا تعلق دو اسباب کی بنا پر مہانومی سے قطعی نہیں ہو سکتا۔ اول یہ کہ ایک ایسے سیاح سے جس کے بیانات عام طور پر معتدل اور سنجیدہ ہوں، یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جتنے دنوں تک جشن منایا گیا ہے اس کی تعداد کو بتلانے میں غلطی کرے گا۔ دوم یہ کہ ایرانی سفیر کے مطابق وجے نگر میں یہ سہ روزہ جشن جس تاریخ کو شروع ہوا تھا وہ تاریخ جشن مہانومی کے آغاز کی تاریخ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ عبدالرزاق کے مطابق یہ تہوار ماہ رجب (نومبر۔ دسمبر) میں پورے چاند کے دن سے شروع ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو، ایلیٹ، ح، س، ۱۷، ص ۱۱۷)۔ لیکن مہانومی کا جشن کنی (KANNI) کے مہینے میں نئے چاند کے دوسرے دن سے شروع ہوتا ہے جس وقت اشوبجا سدھا (ASVIJA SUDDHA) کا آغاز ہوتا ہے (ستمبر۔ اکتوبر)۔ چنانچہ شواہد کی اس متضاد نوعیت سے یہ بات یقینی ہے کہ عبدالرزاق نے جس تین روزہ جشن کا ذکر کیا ہے وہ مہانومی سے مختلف تھا۔

اغلب یہ ہے کہ اس جشن کی نوعیت ایک ایسے سماجی اجتماع کی تھی جس میں مملکت کے سرداروں اور امراء کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ موقع یقیناً وجے نگر کے بادشاہوں

Marfat.com

کے لیے ایک ایسا مناسب وقت فراہم کرتا تھا کہ وہ جاگیرداروں کے زیادہ سے زیادہ قریب آسکیں (ملاحظہ ہو سورماناراٹن راؤ۔ ر۔ ح، س، ص 326) اس اجتماع کی نوعیت غالباً ویسی ہی تھی جیسی وجے نگر کے بادشاہوں کے لیے اس بڑے اجتماع کی تھی جس کا تذکرہ پہلے ہی کیا جاچکا ہے (ملاحظہ ہو ANBGUARY ص ص 26-27)

۱۴۶ INDIA از میجر، ص 28، اگر یہ تہوار نو دنوں کا تھا تو یہ غالباً مہانومی ہی کا تہوار تھا لیکن اس نے جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ عجیب ہیں۔ بظاہر تفصیلات اس تہوار کے مطابق ہیں جو آج بھی جنوبی ہندوستان کے بعض علاقوں میں منایا جاتا ہے اور جو تامل میں ولوکا مرم تو وتل (VALUKKAMARAM TUVATTAL) کے نام سے معروف ہے بانس کا ایک کھمبا ایک چوراہے پر نصب کردیا جاتا ہے جس پر تیل مل دیا ہے اس کے اوپری سرے پر ایک چھوٹا سا کپڑا بندھا ہوتا ہے جس میں کچھ سکے ہوتے ہیں جنھیں لینے کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو اس کھمبے پر چڑھ جائے اس حال میں کہ لوگ اس (آدمی) پر پانی انڈیلتے رہتے ہیں۔ یہ تہوار اری یدی (URI YADI) تہوار سے بھی ملتا جلتا ہے جو شری کرشن جینتی کے دن رات میں منایا جاتا ہے۔ لیکن یہ تہوار صرف ایک دن منایا جاتا ہے۔

۱۴۷ ایضاً

۱۴۸ سیول، ر، ح، س، ص ص 281-282۔ ص ص 193 اور 140-147 بھی ملاحظہ ہو۔ وجے نگر میں نئے سال کا دن کب منایا جاتا تھا اس کی صحیح تاریخ کے سلسلہ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے بہر حال اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ نیا سال معمول کے مطابق صرف مارچ۔ اپریل میں نئے چاند کے دن سے شروع ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سیول کا یہ خیال غلط ہے کہ وجے نگر میں یہ دن پہلی کارتکا (KARTTIKA) کو منایا جاتا تھا۔ لیکن پائس کا یہ واضح بیان کہ وجے نگر کے بادشاہ نئے سال کا شمار اکتوبر سے کرتے تھے بظاہر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سرکاری طور پر حکومت کا نیا سال ہی صرف اس وقت یعنی دیپاولی کے دن سے شروع ہوتا تھا۔ نیکولوڈی کونتی اور پائس کے بیانات زیادہ تر ہندوؤں کے اسی تہوار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ جب وہ نئے کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مارواڑی تاجروں کا نیا مالی سال بھی اسی دن سے شروع ہوتا تھا اور (اسی دن) وہ اپنا کھاتہ شروع کرتے تھے۔

Marfat.com

۱۴۹ھ INDIA از میجر ص 28، سیول ،ح، س ،ص 86 ، سیول اور سلیٹور دونوں اس بیان کو دیپاولی کے تہوار سے متعلق بتاتے ہیں اس ضمن میں اس بات ذہن نشیں رہے کہ تامل کے علاقے میں دیپاولی کے موقعہ پر وسیع پیمانے پر چراغاں نہیں کیا جاتا بلکہ ایسا صرف کارتیگائی (KARTIGAI) کے تہوار کے دن کیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو۔ POLITICAL AND SOCIAL LIFE ، 2، ص 387 از سلیٹور)

۱۵۰ھ INDIA .. از میجر، ص 28، سیول ،ح، س ،ص ص 84 - 85

۱۵۱ھ HIS. PILGRIMS از پرکاز ۱۰، ص 274

۱۵۲ھ دیگر غیر ملکی سیاحوں کے ذریعہ اس تہوار کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔ پائس سیول ،ح، س ،ص 255 ، پینٹا ۔ پرکاز HIS. PILGRIMS ، ۱۰ ص 207 ، VEIGA ایضاً ص ص 220-222- TRAVELS از پیٹرو ڈلو وے (PIETRODELLOVALLE) جلد 2 ص ص 60 - 259
سلیٹور کا خیال ہے کہ کسی تہوار کے اختتام پر مندر میں منعقد ہونے والا جشن رتھ، رتھ سپتمی (RATHA SAPTAMI) ہی کا تہوار ہوتا تھا۔ لیکن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ رتھ سپتمی محض ایک ایسا دن ہے جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس دن دکچھن ایم (DAKSINAYAM) کے بعد سورج شمال کی جانب گھومتا ہے اور مندروں میں منائے جانے والے جشن رتھ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

۱۵۳ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 11 ، DG. ، 30

۱۵۴ھ اپی گرافیا کرناٹیکا ۱۰ ، KOLAR ، 34 -

۱۵۵ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 13 - 1912 ، پیراگراف

۱۵۶ھ اپی گرافیا انڈیکا ، ۱ ، ص 370 اور 64 .GN ، 1921 کا 371 اور NELL ORE INSCRIPTIONS ، 3 ص 1366 بھی ملاحظہ ہو۔

۱۵۷ھ TRAVALS ' ، ۱ ، ص ص 122 - 123 ۔ نیکولوڈی کونتی کا یہ بیان کہ وہ زعفران کا پانی ہوتا تھا ممکن ہے کہ بالکل درست نہ ہو۔ پانی کو زعفران کے ساتھ ابالا جاتا ہے اس کے بعد اس میں تھوڑا سا بجھایا ہوا چونا حل کیا جاتا تھا جس سے وہ سرخ ہوجاتا تھا۔ بسا اوقات گلاب کا پانی اور خوشبو دار تیل اس میں ملایا جاتا تھا اور اسے بلا امتیاز راہگیروں پر چھڑکا جاتا تھا۔ یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں مارواڑیوں میں یہ طریقہ آج بھی

Marfat.com

رائج ہے گو بس ایک محدود حد تک۔

159 SOURCES، ازایس۔ کے۔ اینگر، ص 138۔

160 ایضاً، ص 142، شری ناتھ کی ہری ولاسم (HORIVILASAM) میں اس کے حوالے کے لیے ایضاً، ص 57، بھی ملاحظہ ہو۔

161 ASIATIC RESEARCHS، 20، ص 30۔

162 ایپی گرافیا کرناٹیکا 5، BELUR 4، ایپی گرافیا کرناٹیکا 12، MALLAVALI 20۔

163 1915 کا 280

164 1913 کا 281

165 1919 کا 373 اور 374

166 VILLAGE GODS AND SOUTH INDIA کا ص 46، SOUTH INDIAN GO-DS GODDERS۔ ازکرشن شاستری، ص ص 223-224 اور 226-227

167 سیول، ح، س، ص ص 245 اور 365

168 بربوسا ا، ص ص 230-231

168 الف۔ سیول، ح، س، ص 255

169 INDIA، ازمیجر (MOJOR)، ص 28۔

170 بربوسا ا ص ص 220-222۔

171 TRAVELS، 2، ص 259۔

172 JOURNY THROUGH MALABAR، 2، ص 440۔

173 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1909-10، پیراگراف 16

جب حکومت کی جانب سے قطع عضو کی ممانعت ہوئی تو انگلی دینے والے طبقوں نے اس ممانعت کے خلاف زبردست لیکن ناکام احتجاج کیا۔ آج کل انھوں نے اس کے بدلے میں ایک بے ضرر طریقہ اختیار کر لیا ہے وہ یہ کہ وہ زخمی انگلیوں پر مندر کے پھول لپیٹ لیتے ہیں اور اپنے گاؤں واپس آکر اسے ایک جشن کے ساتھ کھولتے ہیں۔

Marfat.com

174ء میسور آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 15-1914، ص 38

175ء ملاحظہ ہو HAMPI RUINS ، از لونگھرسٹ (LONGHURST) ص ص 28-31۔

176ء گایوں کی عبادت کے لیے ملاحظہ ہو۔ NOTES ON THE RELATIONS AND TRADA OF CHINS; TOUNG PAO ، از روک ہل (ROCKHILL) ، جلد 16 ص 456 اور FN. 2 -

177ء ایپی گرافیا کرناٹیکا 3 ، MALLAVALI ، 22 -

Marfat.com

باب دہم

تعلیم اور ادب

فصل اوّل

تعلیم

عمومی اور مقبول عام تعلیم کا تصور آج بھی ہندوستان میں نیا ہے عہد قدیم اور دور وسطیٰ کے ہندوستان میں آزادانہ یا عمومی تعلیم کو تمام لوگوں کے لیے ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ہر ذات یا برادری کا خود اپنا ایک تعلیمی نظام تھا جو تکنیکی نوعیت کا ہوتا تھا۔ لوگوں کے مختلف طبقوں کی تعلیم کا تعین ان کے پیشوں کی نوعیت پر مبنی ہوتا تھا۔ مملکت میں جو تعلیمی نظام رائج تھا ریاست رسمیں زیادہ مداخلت نہیں کرتی تھی۔ یہ نہ تو عوام کے لیے درسگاہوں کا بندوبست کرتی تھی اور نہ ہی اس سلسلہ میں اٹھائے گئے نجی اقدامات کی مادّی طور پر حوصلہ افزائی کرتی تھی۔

لیکن ہر گاؤں یا چھوٹے چھوٹے کئی گاؤں کے درمیان ایک پیال (PIAL) اسکول ہوتا تھا جس میں ایک استاد جسے عموماً وتی (VATTI) کے نام سے پکارا جاتا تھا، اسکول جانے والی عمر کے بچوں کو مکتب کی تعلیم دیتا تھا۔ اسکول یا تو استاد کے گھر کے صحن میں یا کسی بڑے درخت کے سائے میں لگتا تھا۔ استاد کا معاوضہ جنس اور نقد دونوں ہی طرح کی ادائیگیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسکولوں کے طریق کار اور ان میں اپنائے جانے والے طریقہ تعلیم کے بارے میں، سیاح پیٹرو ڈیلا ولّے کی تصانیف میں ہمیں دلچسپ بیان ملتا ہے وہ لکھتا ہے "وہ چار (لڑکے) ہوتے تھے اور استاد سے سبق لینے کے بعد اسے زبانی یاد کرنے نیز گذشتہ کو بھی دہرانے اور ازبر کر لینے کے لیے ان میں سے ہر ایک سبق کا ایک حصہ مخصوص قسم کے ایک سُر میں (جس میں ایک طاقت تھی جو حافظہ پر ایک گہرا اثر چھوڑتی تھی) گا کر دہراتا

Marfat.com

تھا۔ مثال کے طور پر "ایک اکائی ایک" اس طرح اپنے بولنے کے دوران وہ اسی عدد کو لکھتا تھا (کسی طرح کے قلم سے نہیں نہ کسی کاغذ پر، بلکہ (کاغذ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے) اپنی انگلی سے فرش پر جہاں (پہلے ہی سے) اس مقصد کے لیے نہایت عمدہ بالو پھیلایا جاتا تھا۔ جب پہلا لڑکا وہ لکھ لیتا جسے وہ گاتا تھا تو بقیہ بھی اسی چیز کو ایک ساتھ گاتے اور لکھ لیتے تھے۔ اس کے بعد پہلا لڑکا سبق کا دوسرا حصہ گاتا اور لکھتا تھا۔ مثال کے طور پر "دو اکائی دو" جسے بقیہ تمام اسی انداز پر دہراتے اور اسی ترتیب سے آگے جب فرش گنتیوں سے بھر جاتا تو وہ اسے ہاتھ سے مٹا دیتے یا اگر ضرورت ہوتی تو اس پر بالو کے اس چھوٹے ڈھیر سے جو ان کے سامنے ہوتا تھا نیا بالو ڈال دیتے، جس پر وہ پھر لکھتے۔ چنانچہ وہ اس وقت تک ایسا کرتے رہتے تھے جب تک مشق جاری رہتی تھی۔ اور انھوں نے مجھے بتایا کہ اسی طریقہ سے انھوں نے کاغذ قلم اور روشنائی برباد کیے بغیر پڑھنا اور لکھنا سیکھا یقیناً بڑا اچھا طریقہ ہے[1]۔ اسی طرح پیال (PIAL) اسکول وہ مقامات تھے جہاں چھوٹے بچے مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ابن بطوطہ کے مطابق شہر انور (ONORE) میں لڑکوں کے لیے 23 اور لڑکیوں کے لیے 13 اسکول تھے[2]۔ اس عام تعلیم کے علاوہ مختلف پیشہ کے لوگ وہ تربیتی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے جو ان کے متعلقہ پیشوں سے مناسبت رکھتی تھی۔

مملکت وجے نگر میں عیسائی پادریوں کی موجودگی کے باعث بعض مخصوص قسم کے اسکول بھی قائم ہوئے جہاں عیسائی مشنریاں اور ان کے نو عقیدہ لوگ دیسی زبانوں کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ مدورا میں فادر فرنانڈس نے ہندوؤں کے لیے ایک پرائمری اسکول قائم کیا تھا جس میں ایک برہمن جو عیسائی ہو گیا تھا لڑکوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھاتا تھا۔ جب فادر پمینٹا (FR. PIMENTA) کو مدورا سے ہو کر گذرنے کا اتفاق ہوا تو وہ اس اسکول میں آیا تھا اور اس نے اسکول کے اچھے طلباء کے درمیان کچھ انعامات تقسیم کیے تھے[3]۔ فادر پمینٹا نے سینٹ ٹھوس میں ایک اسکول قائم کیا تھا جہاں تیلگو اور تامل کی تعلیم دی جاتی تھی۔ 1567ء میں فادر ایچ ہنری کوئز (FR. H. HENRI QUEZ) نے پونی کایل (PUÑNEI KAYAL) میں گوا کے نوجوانوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا تھا جو وہاں (عیسائیوں کے) سوال و جواب کرنے والے کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے اور وہ خود فادر لڑکوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اس کا معاون لوئز (LUIZ) نامی ایک برہمن تھا جو عیسائی ہو گیا تھا۔ ایک اور اسکول دربار کے امراء کے بچوں کے استفادہ کے لیے چندر گیری میں قائم کیا گیا تھا مشنری نے اس اسکول میں ایک ہندو استاد کا تقرر کیا تھا[1]۔

لیکن برہمنی تعلیم کا نظام مختلف تھا۔ ممتاز پنڈت اور عالم اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی درسگاہیں خود چلاتے

Marfat.com

تھے اور طلبہ کو ویدوں اور متعلقہ ادب کے مطالعہ کا درس دیتے تھے۔ یہ تعلیم بھی دراصل نجی اقدامات اور انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ مثال کے طور پر ادے پالم (ADAYAPALAM) اور ویلور (شمالی آرکوٹ ضلع) میں اپیا دکشت نے کچھ اسکول قائم کیے تھے جہاں تقریباً پانچ سو طلبہ کے لیے شری کنتھ باسیا (SRI KANTHA BASYA) کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا تھا۔[6] کچھ مقامات پر مندر کی عمارتوں کے بعض حصوں کو اس طرح کے درس کے لیے علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ کنجیورم میں وشنو کے مندر میں ایک ویدمتھ (VEDAMATHA) تھا جہاں اس طرح کا درس ہوتا تھا۔[7] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان درسگاہوں کے اساتذہ کو معاوضہ زمین کے عطیات کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا وہ جس کی آمدنی وہ صرف کر سکتے تھے۔ چنانچہ ویپور (VEPPUR) (شمالی آرکوٹ ضلع) سے دستیاب کمپن ادے یار کے زمانہ کے ایک کتبے کے مطابق ایک قطعہ زمین ایک مخصوص شخص کو ادھیاین ورتی (ADHYAYANAVRITTI) کے طور پر عطا کی گئی تھی۔ اچیوت رائے نے کمبم پلی (KAMBAMPALLI) کے گاؤں کو گووند دکشت کے بیٹے پیداکرشن ماچارلو (PEDAKRSNA MACARLU) کو ابھے ودانتا (UBHAYAVEDANTA) کی تعلیمات کو ترقی دینے کے لیے عطیہ میں دیا تھا۔[8] ویرانچی پورم (VIRINCIPURAM) (شمالی آرکوٹ ضلع) کی ایک دستاویز مورخہ 1535ء میں زمین کی متعدد کولیوں KULIS کا تذکرہ ملتا ہے جو دو برہمنوں، تماین اور شیوادی رائے وسنت رائے گرو (SAIVADIRAYA VASANTARAYAGURU) کو عطیہ میں دی گئی تھیں جو علی الترتیب رگ شاکھا اور یجوس شاکھا (YAJUS SAKHA) کی تعلیم دیتے تھے۔[9] اسی طرح 1579ء میں پوڈی لی شیمے (PODILISIME) (نیلور ضلع) میں بھٹا ورتی مانیم (BHATTA VRTTI MANYAMS) کے طور پر چند گاؤں عطیے میں دیئے گئے تھے تاکہ تعلیمی امور کو انجام دیا جا سکے۔[10]

سترہویں صدی کے آغاز میں مدورا میں تعلیم کا انتظام صرف نجی ہاتھوں میں تھا۔ یہ مقام جو قدیم سنگم (SANGAM) کا گڑھ تھا مدورا کے نایکوں کے ماتحت بھی ایک علمی مرکز کی حیثیت سے باقی رہا۔ فادر ڈی نوبیلی (FR. DE NOBILI) اپنے 1610ء کے ایک مکتوب میں لکھتا ہے کہ اس مقام میں دس ہزار سے زائد طلبا تھے جو درس کے لیے مختلف اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہی مبلغ مدورا کے بادشاہ اور نایک وینکٹ غالباً متو کرشنیا - MUTTU KRS (NAPPA) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انھوں نے "اساتذہ اور تعلیم حاصل کرنے

Marfat.com

والے طلباء کی گذراوقات کے لیے شاہی طور پر متعدد کالج وقف کردیئے تھے جہاں انھیں خورد و نوش کا سامان، کپڑے اور ہر وہ چیز جس کی انھیں ضرورت پڑتی تھی مہیا کیے جاتے تھے۔[11]"

مدورا کے یہ اساتذہ ویدانتا کی تعلیم دیتے تھے، ان کے درس چار مجموعوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ استدلال، علم، ثبوت اور عقیدہ یہ بتلاتے ہوئے کہ فلسفیانہ مضامین کی تعلیمات کس طریقہ سے ہوتی تھی فادر ڈی نوبیلی لکھتے ہیں کہ پورا نصاب تین حصّوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ پہلے حصّے میں ثبوت سے بحث کی جاتی تھی دوسرے میں علم سے اور تیسرے میں ماخذ سے۔ ان میں سے ہر ایک حصّہ چھوٹے چھوٹے حصّوں میں منقسم ہوتا تھا جسے اس عیسائی پادری نے نہایت احتیاط سے قلم بند کیا ہے۔[12]

مندروں میں مذہبی ادب کی تلاوت کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر 1523ء میں ایک شخص کو عطیہ میں ایک زمین دی گئی تھی جس کا مقصد سنسکرت ویدوں اور دراوڑ ویدوں (پر بندھوں PRABANDHAMS) کی تلاوت اور ودانتا کی تبلیغ تھی۔[13] گیارہ سال بعد اچوتا دیو مہاراج نے پیریا سوامی نرسا نایک کے ایصال ثواب کے لیے ان دو وشنو برہمنوں میں سے ہر ایک کو جو نرسنگا پورم (چنگل پٹ ضلع) کے مندر میں بھکتی سنجیوینی (BHAKTI SANJIVINI) نامی پورانم (PURANAM) کی تلاوت کرتے تھے۔[14]

ان نجی اقدامات کے علاوہ عوامی ادارے مثلاً مٹھ اور مندر بھی تعلیم کی ترویج و اشاعت میں منہمک تھے۔[15] ہم گذشتہ ایک فصل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ کتنی ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مٹھیں ہندوستان میں بہت سے تعلیمی اداروں کی حیثیت رکھتی تھیں۔[16] لیکن مندر قدیم ادب کے مطالعہ کی ہمت افزائی بظاہر صرف بالواسطہ ویدوں اور پربندھوں کی تلاوت کا انتظام کرکے کرتے تھے چنانچہ 1449-50ء منتن (MANATTAN) عرف شیروتم پورم (SIRUTAMPURAM) کا گاؤں سدگوپن (SADAGOPAN) کے بھجن گانے کے عوض پون امراوتی (PON - AMARAVATI) (پودوکوتائی ریاست) کے مندر کے ایک ملازم کو دے دیا گیا تھا۔[17]

بہر حال ریاست بعض مخصوص مضامین کے مطالعہ کے لیے اوقاف قائم کرتی تھی اور مشہور و معروف ادباء اور بڑے بڑے عالموں کو اعزازات (بھی) بخشتی تھی۔ فنی علوم مثلاً علم نجوم، فلکیات اور طب کو بھی وجے نگر کے دربار کی زبردست سرپرستی حاصل تھی 1556-57ء میں عظیم محقق اور منجم سروبھٹ کو ایک گاؤں اپنی تمام آمدنی کے ساتھ عطیہ میں دیا گیا تھا۔[18] 1515ء میں ناگولا ورم (NAGULA VARAMA) کا گاؤں اور میدان جس کی پیمائش 2250 کونتا (KUNTAS) تھی ایک برہمن ماہر فلکیات کو عطا کردیا گیا تھا جو ستاروں کی گردش اور

Marfat.com

نیتروں (YANTRAS-) (صوفیانہ تانترک اشکال جن کی پوجا کی جاتی ہے) اور یامل (YAMALAS) (رودرا یامل RUDRA YAMALAS منتر پر ایک مخصوص تصنیف) کے علوم کا ماہر تھا۔[19] تانبے کی ایک تختی کے مطابق سمپت کمار کو ایک گاؤں عطیہ میں دیا گیا تھا۔ سمپت کمار کے ساتھ مختلف گوتروں (GOTRAS) کے اعلیٰ ترین اور ذی علم برہمن اور قرابت دار تھے وہ خود انتہائی اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا اور اس عظیم گوندا پنڈت کا مشہور و معروف بیٹا تھا جو آریوید (AYUR VEDA) اور ویدانگوں (VEDANGAS) کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔[20] ایک برہمن طبیب کو غالباً اپنے پیشے میں اس کی قابلیت کی قدر کرتے ہوئے عطیہ میں ایک زمین دی گئی تھی۔[21] اسی طرح سے ایسے عالموں کی کافی عزت افزائی کی جاتی تھی جنھوں نے وسیع پیمانہ پر عام علوم حاصل کیے تھے۔ چنانچہ ایک (مجہول الاسم) عالم کی قدرافزائی جس نے بھاسیا بھوسا (BHASYA BHUSA) نامی ایک کتاب لکھی تھی زمین کا ایک عطیہ دے کر عزت کی گئی۔[22] ملیکارجونا رائے نے آدتیا رائے نامی ایک برہمن کی قدر دانی کے طور پر جو ویدوں، شاستروں، پورانوں اور فلسفہ کے چھ نظاموں کا عالم تھا، دیورانے پور نامی ایک گاؤں عطیہ میں دے کر اس کی عزت افزائی کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ایک علمی مجلس میں تعلیم کے ہر شعبہ میں اس محقق کا امتحان لیا تھا اور دربار عام میں اس کی عزت افزائی کی تھی۔[23] تیرومل دیو مہارائے نے ایک گاؤں میں ایک ورتی زمین رگ وید کے مطالعہ کے لیے اور ایک ورتی یجر وید کے مطالعہ کے لیے عطیہ میں دی تھی۔[24] تانبے کی ایک تختی کے عطیہ کے مطابق 13-1612ء میں وینکٹ پتی رائے نے رام کرشن جوسیا نامی عالم کو، جو ہارت گوترا (HARITAGOTRA) اور آپس تمبا سوترا (APATAMBA SUTRA) سے تعلق رکھتا تھا اور ویدوں، ویدانگوں ترک (منطق)، اسمرتیوں اور سوریا سدھانت میں ماہر تھا، زمین کا ایک عطیہ دیا تھا۔[25] اسی طرح ملا نایک کے بیٹے ناگ نایک کی درخواست پر امدی نرسمہا نے چالیس اشخاص کو جو میماسا (MIMAMSA)، نیائے (NYAYA) تینوں ویدوں، پورانوں، اسمرتیوں تنتروں (TANTARAS) اور منتروں MANTRAS کے ماہر تھے اور جو مذہبی رسوم اور رواج کی سختی سے پابندی کرتے تھے، چاکن ہلی (CAKENAHALLI) عطیہ میں دیا تھا۔[26] وجے نگر کے زمانہ میں ایسے بہت سے عالم تھے جنھیں حکمراں بادشاہوں کی سرپرستی حاصل تھی، ان میں چند یہ ہیں۔ مادھو، ودیارنیا ودانتا دکشت، دندیما کوی (DINDIMAKAVI) تاتاچاریہ، ویاسراے، تیرتھ اور اپیا دکشت۔

وجے نگر کے زمانہ میں عوام کی تعلیمی حالت کا اندازہ اس زمانہ کے کتبات میں پائے جانے والے طرز املا اور رسم الخط سے کیا جا سکتا ہے۔ شاہی عطیات سے متعلق فرامین اسی علاقے کی زبان میں لکھے

Marfat.com

جاتے تھے جہاں اسے نصب کرنا ہوتا تھا۔ اگرچہ تامل کے اضلاع کے چند کتبات سنسکرت یا تیلگو میں بھی تھے تاہم کتبات کے وہ حصے جن میں اراضی کے حدود یا مقامی مفاد اور اہمیت کی حامل ایسی ہی دوسری تفصیلات عموماً تامل میں ہی ہوا کرتی تھیں۔ جہاں تک تامل کتبات کا تعلق ہے ایک محسوس ہونے والا انحطاط طرز اور املا دونوں ہی میں ملتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ کتبات کی لکھائی اور کھدائی کا کام معمولی صلاحیت کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔

کتبات لکھنے والوں کی حیثیت قدیم سنسکرت ادب کے سوتاؤں (SUTAS) اور مگھداؤں (MAGHADAS) کے متاخرہ نمائندوں کی سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عہدہ بعض خاندانوں میں موروثی تھا۔ یہ لوگ محض عطیات کے فرامین ہی نہیں لکھتے تھے بلکہ اہم جشنوں، بادشاہوں کی کامیابیوں اور ان کے القاب و خطاب کے اعلانات کے موقعوں پر مدحیہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔ وہ سلاطین اور ان کے اسلاف کی بہادری کے کارنامے بھی بیان کرتے تھے جن پر عموماً مبالغہ آمیزی کا رنگ ہوتا تھا مثال کے طور پر بچی اپا اپنے عہدے کے لیے اتنا مناسب تھا کہ ایک کتبے میں اسے "۔۔ بدوارد کولا (BADAVARUKULA) کا سب سے بڑا ہیرا۔ گوتم گوترا (GAUTAM GOTRA) کا آفتاب شاہی بھٹوں کی محبت کا ہار ۔۔ قصیدہ خانوں کا نڈر ہیرو، بھٹوں کا عالی مرتبت باچی اپا" کہا گیا ہے۔[27]

اس کے بعد وہ شاسن آچاریہ (SASAN ACARYAS) قابل ذکر ہیں جو شاہی فرامین کندہ کرتے تھے۔ شاہی عطیات یا فرامین کو پتھر یا تانبے کی تختیوں پر یہی نقاش کندہ کرتے تھے۔ یہ لوگ عموماً نجاروں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن چند متفرق کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام برہمنوں سے بھی لیا جاتا تھا۔[28] صاحب حیثیت اور ممتاز لوگ بھی نقاش کی حیثیت سے ملازم رکھے جاتے تھے۔ اس بات کا پتہ اس حقیقت سے چلتا ہے کہ 1475ء میں انھوانی رمالیات (VEME) دیورس کا لڑکا تمرسا (TIMMARASA) کندہ کاری کا کام کرتا تھا۔[29] 1431ء کی ایک اور مثال میں نگپا نایک کا بیٹا پرتات رائے نامی ایک دوسرا شخص بھی نقاشی کا کام کیا کرتا تھا۔[30] ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ کندہ کاری کرنے والوں کو یقیناً بہت کافی معاوضہ ملتا تھا۔

لکھنے کا کام عموماً کھجور کے پتوں پر کیا جاتا تھا۔ اس رواج کی وضاحت کرتے ہوئے عبدالرزاق لکھتا ہے "ان لوگوں کی لکھائی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو ہندی جوز (ناریل) (تاڑ کے درخت سے اشتباہ) کے پتے کے اوپر جو دو گز لمبا اور دو انگشت چوڑا ہوتا ہے۔ جس پر لوہے کے ایک قلم سے کھرچ کر لکھتے ہیں۔ ان کے حروف میں کوئی رنگ نہیں ہوتا اور یہ بس تھوڑی ہی دیر باقی رہتے

Marfat.com

ہیں۔ دوسری قسم میں وہ کسی سفید سطح کو سیاہ کر دیتے ہیں جس پر وہ کسی نرم پتھر سے جو قلم کی شکل کا بنا ہوتا ہے لکھتے ہیں اس طرح کے سیاہ سطح پر سفید حروف ہوتے ہیں اور یہ دیرپا ہوتے ہیں۔ اس قسم کی تحریر کو بڑی وقعت دی جاتی ہے[31]۔ بربوسا بھی اس رواج کا تذکرہ کرتا ہے جس کا اس نے کالی کٹ میں اپنی آمد کے موقعہ پر مشاہدہ کیا تھا[32]۔

اس مقام پر تامل حروف کے ڈھالے جانے اور تامل کے علاقے میں طباعت کے آغاز کا ذکر (بھی) مناسب ہوگا۔ عیسائی نظریات کے خلاصہ پر مشتمل پہلی کتاب 1577ء میں چھپی تھی جس کے حروف کو ایک عیسائی پادری نے برادر گونزلی جاد گونسلویز (LOY BRATHER GONSLAVES) نے ڈھالا تھا فادر ڈی سوزا اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ ان ابتدائی طباعتوں کا خیر مقدم لوگوں نے کس طرح کیا، لکھتا ہے "اس نئی ایجاد پر یہ ممالک حیرت زدہ تھے اور کافروں اور عیسائیوں دونوں نے ان مطبوعہ کتابوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور ان کی کافی قیمتیں ادا کیں[33]۔"

فصل دوم

سنسکرت

کسی خاص مملکت یا عہد کی خوش حالی اور عظمت کا اندازہ اس عہد کے ادبی تخلیقات کی تعداد و نوعیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے پر ہندوستان کی تاریخ میں بعض ایسے مخصوص دور ملتے ہیں جو زبردست ادبی سرگرمیوں اور اہم ادبی تصانیف کی تدوین سے پر ہیں۔ ان میں سے شمالی ہندوستان کی تاریخ میں گپتا عہد اور جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں چولا اور وجے نگر کے ادوار خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ اسباب جو ان عظیم ادبی سرگرمیوں کا باعث بنے بہت سے تھے اور ان میں سے سب سے بڑا سبب غالباً مذہب کی نشاۃ ثانیہ تھی۔ عیسائی دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی ادبی تحریک کا فروغ ملک میں مذہبی ادبا کے شانہ بشانہ ہی ہوا ہے۔ اور اسی کے نتیجہ میں مذہبی فلسفیانہ اور فرقہ ورانہ نوعیت کی ضخیم تصانیف وجود میں آئیں۔ وجے نگر کے زمانہ میں بھی ایسی تصنیفات کی تدوین ہوئی۔ ان کے علاوہ تاریخی یا نیم تاریخی نوعیت کی تصنیفات بھی لکھی گئیں۔ پربندھوں (PRABANDHAMS) کاویوں (KAVYAMS) اور ادبی نوعیت کی دیگر تصانیف کا تو خیر ذکر ہی کیا۔

وجے نگر کے زمانہ کی ادبی سرگرمیوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان اہم ادبی شخصیتوں

Marfat.com

کو جنھیں اس دور میں فروغ حاصل ہو، حکمراں بادشاہوں کی زبردست سرپرستی حاصل تھی اگرچہ مذہبی عقاید کے سلسلہ میں حکمرانوں اور ان عالموں کے درمیان اختلافات تھے۔ اس عہد میں اس طرح کی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ ہری ہر دوم نے جو عقیدے میں ایک کٹر ہندو تھا، ایروگپا ڈنڈ ناتھ (IRUGAPPA DANDA NATHA) نامی ایک جینی کو، جو ایک سنسکرت کتاب نانارتن مالا (NANARATAN MALA) کا مصنف تھا، اپنا وزیر بنایا تھا۔ وینکٹ دوم جو ایک کٹر ویشنو تھا اپیا دکشت (APPAYYA DIKSITA) کا زبردست حامی اور سرپرست تھا جو خود اس کا معاصر اور ایک عظیم ادویتا فلسفی تھا اور اس نے ویلور کے چنا بومو کے دربار میں فروغ پایا تھا۔ دکشت خود اپنی (تصنیف) کو والے آنند (KUVALAYANANDA) میں لکھتا ہے کہ وینکٹ نے اس کی سرپرستی کی تھی اور یہ کہ اس نے یہ کتاب اس کی درخواست پر تصنیف کی تھی۔ اس ضمن میں ایک دوسری دلچسپ بات جو یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ بیشتر بادشاہ علم کے محض سرپرست و مربی ہی نہ تھے بلکہ وہ خود بھی علم مصنف تھے۔ اس بات کا انکشاف اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر نے صرف اہم ادبی کتابیں تصنیف کیں بلکہ انھوں نے ایسے خطابات بھی اختیار کیے تھے جو اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کرشن دیورائے اور تنجور کا نایک حکمراں رگھوناتھ علم کی سرپرستی کرنے کے علاوہ متعدد اہم تیلگو اور سنسکرت کتابوں کے مصنف بھی تھے گو یہ کہنا پڑے گا کہ اول الذکر تیلگو کی جنبہ داری کرتا تھا۔ ہری ہر دوم نے راجہ ویاسا (RAJA VYASA) راجیہ والمیکی (RAJA VALMIKI) اور کرناٹک ودیا ولاس (KARNATAKA VIDYA VILASA) کے قابل رشک خطابات اختیار کر رکھے تھے جو بلاشبہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ادیبوں کی سرپرستی کرنے کے علاوہ وہ خود بھی بہت سی اہم ادبی تصنیفات کا مصنف بھی تھا[33]۔ علاوہ ازیں اس عہد میں بہت سی ایسی خاتون شعرا کو بھی فروغ حاصل ہوا جنھوں نے اہم ادبی تصنیفات لکھی تھیں۔ ان میں سے اہم یہ ہیں۔ ویر کمپن کی بیوی گنگا دیوی جس نے مدھورا وجیم تصنیف کی تھی، اچیوت رائے کی ایک بیوی تیرو مل امبا (TIRUMAL AMBA) جس نے وردامبیکا پری نیم (VARAD AMBIKA PARINAYAM) لکھی تھی اور رام بھدرمبا (RAMA BHADR AMBA) جو ایک قابل شاعرہ تھی تنجور کے رگھوناتھ کے دربار میں رہتی تھی اور رگھوناتھ ابھی یودیم (RAGHUNATHA BHYUDAYAM) کی مصنفہ تھی۔

ویدانت دیشک (VEDANT DESIKA) 1268-1368ء۔ ویدانت دیشک تیرہویں اور چودھویں صدی کا ایک کٹر ویشنو اتریا رام انوجا (ATRIYA RAMENUJA)

Marfat.com

کا پر پوتا تھا۔ وہ شری رنگم کے شری رنگا ناتھ کا پجاری تھا۔ چنانچہ جب اس مندر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ مورتی لے کر ملیالم کے علاقہ میں بھاگ گیا جہاں کچھ دنوں گھومتے رہنے کے بعد آخر میں جنجی آ گیا اور (وہاں) رنگا ناتھ دیوتا کا ایک مندر تعمیر کر کے اسے وہاں نصب کر دیا۔ بعد میں کمپن کے تعاون سے، جو مدورا کے مسلمان سلطان کو شکست دے کر کول منڈلم کو وجے نگر کے ماتحتی میں لے آیا تھا، اس نے رنگا ناتھ کو دوبارہ شری رنگم میں نصب کیا۔

ویدانت دیشک تنوع اور غیر معمولی صلاحیتوں کا شخص تھا اور سنسکرت اور تامل اور نظم و نثر دونوں کا سیر حاصل مصنف تھا۔ اس نے تقریباً ایک سو بیس کتابیں لکھی ہیں جن میں تیس تامل میں ہیں اور بقیہ سنسکرت میں۔ ان میں وہ تصنیفات بھی شامل ہیں جو پراکرت میں ہیں۔ اس کی تخلیق یادو بھی ادیم (YADVA BHY UDYAM) کرشن کی سوانح حیات پر مشتمل اکیس کھنڈوں کا ایک طویل مہا کاویہ ہے اس تصنیف کو بعد کے ادویتا مبلغ اور فلسفی اپیا دکشت نے اس قدر پسند کیا کہ اس پر ایک گراں قدر تبصرہ لکھا ویدانت دیشکت کی ہما سندیسا HAMSA SANDESA کالی داس کی میگھ دوت کے طرز پر ہے[35]۔ اس کی ایک دوسری تصنیف سنکلپ سوریودیہ (SANKALPA SURYODAYA) دس ایکٹوں پر مشتمل ایک طویل تمثیلی ڈرامہ ہے جس میں وششتا (VISISTA) ویتا کے نظام کو پیش کیا گیا ہے اس تصنیف میں مصنف نے انسان کی خیر و شر کی خصوصیات مثلاً محبت و نفرت، اور تفریق و جہالت کو انسانی شکل میں اسٹیج پر پیش کیا ہے کرشن مشرا کی پربودھ چندرودیا PRABODHA CANDRODYA کے طرز پر لکھی گئی اس پوری تصنیف میں ذاتی عظمت و شوکت پائی جاتی ہے۔ ویدانت دیشک کی اس تصنیف کو رام انوجا آچاریہ کے نظام سے وہی نسبت حاصل ہے جو نسبت کرشن مشرا کی تصنیف کو شنکر آچاریہ کے نظام سے ہے۔ سبھا سیتانیوی (SUBHASITANIVI) ۱۴۴ بندوں پر مشتمل ایک ناصحانہ تصنیف ہے جو نہایت سخت اسلوب میں لکھی گئی ہے[36]۔ زیادہ تر اشعار ذو معنین ہیں۔ اس عظیم ویشنو مبلغ کی تصنیف ست دوسنی (SATADUSANI) ادویتا کی مخالفت میں ہے اور ویشنو ادب میں مناظرہ ایک معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔ رام انوجا کی شری بھیہ (SRI BHASYA) کی تشریح میں اس نے تتوتیکا لکھی جو اس کی طویل شرح ہے۔ ویدانت دیشک تات پریا چندریکا جو گیتا بھیہ کی شرح ہے دششت ادویتا کے نظام پر ایک نامکمل تصنیف نائے سدھان جن کا، ادھیکارن سارا دلی کا جو سنسکرت اشعار پر مشتمل ایک کتاب ہے جس میں ودانتا سوتروں کے متعدد ابواب پر مباحث کا ایک خلاصہ ہے اور تتوا مکت کلپ (TATTVAMUKTA KALAPA) جو وششت ادویتا کے

Marfat.com

فلسفہ کی روشنی میں تشریحی وتنقیدی انداز میں کائنات کی ہیئت وفطرت پر بحث کی گئی ہے، وغیرہ کا مصنف بھی ہے۔ اس کی رہسیا ترائے سارا (RAHASYA TRAYASARA) (تامل) ایک نہایت مشہور تصنیف ہے جس میں اس نے خود سپردگی (پرپتی (PRAPATTI) کے عقیدہ کی تشریح کی ہے اس نے بہت سی پربندھائی (PRABANDHAI) کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ اس کے سبک رفتار قلم سے ۷۶۰۰۰ (اشعار؟) کا وجود ہوا جو الواروں (ALVARS) کی تصنیفات پر تبصرے، اتریپن الواروں (TIRUPPANALVARS) کی املن دپی رین (AMALANDIPPIRAN) پر خصوصی تبصرے نیز دیگر مصنفین کی تصنیفات پر ایک تبصرہ پر مشتمل ہے۔ اس طرح ویدانت دیشک کی زندگی ادبی اور مذہبی سرگرمیوں کے لامتناہی سلسلہ سے عبارت ہے[37]۔ مادھواچاریہ (MADHAVACARYA)

ممتاز ادبی شخصیتوں میں جنھیں چودھویں صدی میں فروغ حاصل ہوا اور جن کا وجے نگر کے شاہی دربار سے گہرا تعلق تھا ان میں مادھوآچاریہ سب سے نمایاں ہے وہ بھاردواج گوتر، بودھاین سوتر اور یجوس ساکھا کے ایک برہمن ماین MAYAN کا لڑکا تھا۔ مادھواچاریہ کے بارے میں مشہور ہے، کہ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جو مختلف موضوعات مثلاً فلسفہ، قواعد، قربانی کی رسوم پر لکھی گئی ہیں۔

مادھو کی پہلی تصنیف پراسراسمرتی دیاکھیہ . . . (PARASARASMRTI VYAKHYA) ہے جو پراسرار سمرتی (PARASARASMRTI) کی ایک شرح ہے اس میں ہندوؤں کی روزمرہ کی زندگی کے اصول وضوابط اور رسومات کا تعین کیا گیا ہے اس نے اس تصنیف کے ضمیمہ کے طور پر ویوہار کے موضوع پر ایک فصل کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ پراسر نے اپنی اسمرتی میں اس پر بحث نہیں کی ہے۔ یہ تصنیف ویوہار مادھو (VYAVAHARAMADHAVA) کے نام سے معروف ہے۔ اس کی دوسری تصنیف کال مادھویہ یا کال نرنئے (KALANIRNAYA) ہے جسے مصنف نے خود اپنے قول کے مطابق پراسرار سمرتی پر اپنے تبصرہ کے مکمل ہو جانے کے بعد دھرم کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے نیز یہ بتلانے کی غرض سے لکھا ہے کہ دھرم کے کاموں کو کب اور کس طرح انجام دیا جانا چاہیے۔ جیون مکتی ویویکا (JIVAN MUKTI VIVEKA) مادھو کی ادویتا، ودانتا پر دوسری اہم تصنیف ہے۔ اس تصنیف میں مصنف نے وہ قوانین بیان کیے ہیں جن کی پرم ہماس (سادھوؤں کا ایک طبقہ) کو پیروی کرنی چاہیے۔ مادھو کی ایک دوسری تصنیف جیمنی پیناسئے مالا

Marfat.com

وستر (JAIMINI YANAYA MALA VISTRA) ہے یہ کرم میماسا (KARMAMIMASA) نظام کی ایک منظوم توضیح ہے جس میں جیمنی کے سوتروں کی تشریح اور ان سے متعلق رسوم وقربانیوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مصنف کے مطابق اس نے پہلے اصل متن جیمنی ینیائے مالا کو نظم میں لکھا تھا جس کو راجہ بکّا نے عام دربار میں بہت سراہا اور اس تصنیف کی مزید توضیح کی فرمائش کی۔ چنانچہ اس نے وستر (VISTARA) لکھا جو کہ اسی کی شرح ہے اس کے خاتمہ میں درج ہے کہ مادھو آچاریہ میماسا (MIMAMSA) کے علم کے لیے ایک زیور تھا۔[38] چند محققین یہ سمجھتے ہیں سرودرشن سنگرہا (SARVADARSANA SANGRAHA) مادھو کی تصنیف ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف ساین (SAYANA) کے بیٹے مادھو کی ہے۔ جیسا کہ یہ بات ساین مادھو (SAYANA MADHAVA) کے الفاظ سے جو تصنیف کے مقدمہ کے تیسرے اور چوتھے اشعار میں استعمال کیے گئے ہیں، اخذ کی جاسکتی ہے۔[39]

مادھو آچاریہ کو وجے نگر کے دربار میں زبردست اعزاز بخشا گیا۔ پراسرار مادھویم (PRASARAMADHAVIYAM) کے مطابق وہ بادشاہ بکّا کا وزیر اور کل گرو (KULAGURU) تھا اور اس کو مہاراجہ دھیراج بکّا کے مدھو اماتیہ اور سامراجیہ دورندھر (حکومت کا بوجھ اٹھانے والا) کہا جاتا تھا جیسے اندرا کے لیے انگیرس (ANGIRASA) تھا۔ کال مادھویا اور جیمنی ینیائے مالا وستر میں بھی مادھو نے لکھا ہے کہ اسے بکّا اول کی سرپرستی حاصل تھی۔

مادھو آچاریہ ایک قدامت پرست صاحب جائداد تھا۔ وہ اپنی جیمنی ینیائے مالا وستر میں خود کو ہر موسم بہار میں سوم قربانی (برتی وسنت سوم یاجن) انجام دینے والا کہتا ہے۔ اس کے بھائی ساین آچاریہ کی تصنیفات میں مادھو آچاریہ کے متعلق دیئے گئے حوالوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قدامت پرست ذی حیثیت شخص تھا۔ ساین نے اپنی تصنیف یجنا تنتر سودھاندھی (YAJNATANTRA SUDHANIDHI) میں مادھو کو بڑی بڑی قربانیوں کی رسومات (مہا کرتونم آہرتا، مادھو آریا) انجام دینے والا بتایا ہے[40] ساین کی النکار سودھاندھی میں مادھو کو مختلف طرح کے عیش وعشرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بتایا گیا ہے (اننت بھوگ سمکتہ)[41]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادھو کے تین گرو تھے۔ ودّیا تیرتھ، بھارتی تیرتھ اور سری کنٹھ۔ ودیا تیرتھ کو مہادیو میہشور کا اوتار سمجھتا تھا۔ بھارتی تیرتھ کا تذکرہ مادھو کی جیمنی ینائے مالا وستر میں اس کے گرو کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پنچ داسی پرکرن (PANCADASIPRAKARANA) کا ایک حصہ اسی نے لکھا ہے۔

Marfat.com

پراسرار مادھویم میں شری ناتھ کا تذکرہ بھی مادھو کے گرو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

اس مادھو آچاریہ کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زرد لباس زیب تن کرتا تھا اور اس کی شناخت سرن گیری مٹھ (SARANGERI MATHA) کے ودیا کرنیا کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بات انتہائی مشکوک ہے کہ اس شناخت کی کسی قوی اور قابل اعتماد ثبوت سے توثیق بھی ہوتی ہے۔

ساین SAYANA

ساین، مادھو آچاریہ کا چھوٹا بھائی بھی اتنا ہی ممتاز عالم اور سیاست داں تھا۔ جیسا کہ وہ خود اپنی تصنیف النکار سودھانیدھی (ALANKARA SUDHANIDHI) میں لکھتا ہے کہ وہ کمپا اول اور اس کے بیٹے سنگم دوم کا وزیر تھا اور بعد میں اس نے بکا اول کے دربار میں خدمات انجام دیں اور ہری ہر دوم کی تاجپوشی دیکھی۔ سنگم کی طفولیت کی بنا پر سائن نے کچھ دنوں کے لیے اتالیق کی حیثیت سے بھی کام کیا تھا۔ اور اسی دوران اس نے اپنے شاہی شاگرد کو ایسی وسیع تعلیم دی جو شہزادوں کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں اس نے کمپا کے خلاف ایک مہم میں بھی حصہ لیا تھا وہ گھر بار والا تھا اور اس کے تین لڑکے تھے۔ کمپن۔ ناین اور سنگن۔ ساین اچاریہ ایک زبردست عالم اور عظیم مصنف تھا۔ اس کی چند تصانیف کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ اس نے سوبھا سیتا سودھانیدی (SUBHA SITA SUTHA NIDHI) کی جو ادبی اشعار کا ایک مجموعہ ہے کمپا اول کے عہد میں تصنیف کی جیسا کہ خود اس نے اس کے خاتمہ میں لکھا ہے۔

اس نے سنسکرت صرف و نحو پر دھاتو ورتی (DHATU VRTTI) نامی ایک کتاب توبہ و کفارہ کے بیان میں ایک تصنیف پر یاس چتا سدھاندی (PRAYAS CITTAS UDH – ANIDHI) جو کرم وپیاک (KARAM VIPAKA) کے نام سے بھی معروف ہے یجنتتر سدھاندی (YAJANTANTRA SUDHNIDHI) نامی رسالہ جس میں مذہبی رسوم کا ذکر ہے اور صرف نحو پر النکار سدہاندھی (ALANKARA SUDHANIDHI) بھی تصنیف کیں جو تمام کی تمام سنگم دوم کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں۔ بکا کے دور میں اس نے ویدوں کی شرحیں اور پرسارتھ سدھاندھی بھی لکھی جو پران کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یجنتتر سودھاندھی وہ ہری ہر دوم کے زمانہ میں مکمل کر سکا۔ اس لیے کہ اگرچہ تصنیف کے شروع میں وہ سنگم کا ذکر تو کرتا ہے۔ لیکن کتاب کے آخر میں خاتمہ میں وہ کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب ہری ہر دوم کے

Marfat.com

دور حکومت میں لکھی ہے[47] سائن نے ویدوں پر مندرجہ ذیل شرحیں لکھی ہیں۔ تیتری یرنیک بھاسیا (TAITTIRIYARANYAKABHASYA) شکلا یجر وید سمہتیا بھاسیا[50] (SUKLA YAJUR VEDASAMHITABHASYA) ، ومشا برہمن بھاسیا (VAMSABRAHMANA BHASYA) ، تیتریہ سمہتا بھاسیا[51]، سام وید سمہتا بھاسیا[52]، اتھر وید سمہتا بھاسیا[53] اور رگ وید سمہتا بھاسیا[54]۔

ویدوں کی شرحوں کی تالیف زیادہ تر مادھو آچاریہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کیوں کہ بیشتر کے خاتمہ میں مادھویم (MADHAVIYAM) کے الفاظ درج ہیں۔ یا کم از کم یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مادھو اور ساین دونوں کی مشترکہ تصنیفیں ہیں۔ لیکن ان تمام تصنیفات کے خاتمہ میں درج ہے کہ یہ ساین کی تخلیقات ہیں اور انھیں مادھویم کہا گیا ہے۔ ومسا برہمن بھاسیا میں ساین لکھتا ہے کہ رگ یجس اور سام وید سمہتاؤں کی شرحیں لکھنے کے بعد اس نے برہمن بھاسیا کی تشریح کا کام شروع کیا اس طرح اتھر وید سمہتا بھاسیا کے تمہیدی اشعار میں وہ بتلاتا ہے کہ اس نے اس کام کا آغاز دوسرے تین ویدوں کی شرحیں مکمل کرنے کے بعد کیا تھا۔ رگ وید بھاسیا کے اندر اس بارے میں بعض دلچسپ تفصیلات درج ہیں۔ کہ اس کو کس نے تصنیف کیا۔ اس کتاب کے تمہیدی اشعار میں کہا گیا ہے کہ بکا اول نے مادھو آچاریہ سے یہ فرمائش کی کہ وہ رگ وید کی شرح لکھے۔ لیکن ہر اوواک کے خاتمہ میں یہ بات خاص طور پر درج ہے کہ یہ تصنیف ساین آچاریہ کی ہے۔ اس ظاہری تضاد کی توجیہ ذرا مشکل ہے لیکن یہ بات اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب اس تصنیف کے تمہیدی اشعار اور خاتمہ کا موازنہ پرسارتھ سودھا ینذی اور یجر وید بھاسیا کے تمہیدی اشعار اور خاتمہ سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تصنیفات کے تمہیدی اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ راجہ بکا نے مادھو آچاریہ سے ان کتابوں کی تصنیف کی خواہش کی لیکن اس نے بادشاہ سے کہا کہ ان مضامین میں اس کا بھائی ساین مہارت رکھتا ہے۔ چنانچہ بکا نے ساین سے ان کی تدوین کی فرمائش کی[55]۔ لہٰذا ان کتابوں کا مصنف ساین ہے اور ان کو اس نے راجہ بکا کی فرمائش پر لکھا جسے مادھو نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ ساین سے ان کتابوں کی تصنیف کی فرمائش کرے۔ رگ وید بھاسیا کے سلسلہ میں بھی مادھو آچاریہ کے کہنے پر بادشاہ نے ساین سے اس کی شرح لکھنے کی فرمائش کی ہوگی۔ یہ (بالکل) واضح ہے کہ مادھو کی یہ تجویز کہ اس کام کو ساین کے حوالہ کر دیا جائے، اس کتاب کے مولف یا کاتب کی غلطی سے درج ہونے سے رہ گئی[56]۔ یہ حقیقت ہے کہ آخر میں درج مادھو کی اصطلاح سے ضروری نہیں کہ یہی معنی ہوں کہ اس کتاب کے مصنف مادھو ہیں۔ مندرجہ ذیل باتوں سے واضح ہو جاتی ہے۔ خود مادھو کی بعض تصنیفات کے خاتموں میں یہ

Marfat.com

کہا گیا ہے کہ مادھویم مادھو نے لکھی ہے۔ مثلاً پراسر مادھویم کے خاتمہ میں درج ہے کہ "اتی شری مادھو متیاسے سیاکریتم پراسراسمرتی ویاکھیایم پرتھموادھیائے (ITI SRI MADHAVA MATYASYA KRTAYAM PARASAR SMIRTI VYAKHYAYAM MADHVIYAYAM PRATHAMO ADHYAYAH) دھاتو ورتی (DHATUVRTTI) کے پہلے حصہ میں ساین کہتا ہے کہ اس نے اسے مادھویہ کے نام سے لکھا ہے اور اسی بات کا ذکر وہ اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں بھی کرتا ہے[57]۔ یہ بیان اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے کہ مادھویم کی اصطلاح سے یہ مراد ہے کہ مادھو مصنف ہے۔ مزید براں یہ کہ دھاتو ورتی کی تصنیف ساین نے اس وقت کی تھی جب وہ سنگم دوم کے دربار سے منسلک تھا جبکہ مادھو آچاریہ (اس وقت) بکااول کے دربار سے متعلق تھا۔ اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کتاب کی تخلیق میں دونوں کا اشتراک کیوں کر عمل میں آیا ہوگا۔

بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ تصنیفات تنہا ساین کی نہیں بلکہ ایک ادارہ نے کی تھی جس کو مادھو اور ساین نے قائم کیا تھا۔ میکڈونل کا خیال ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دونوں سہتاؤں پر ساین کی شرحیں محض جزوی طور پر ہی اس کی لکھی ہوئی ہیں اور ان کی تکمیل اس کے شاگردوں نے کی ہے[58]۔ آفرشٹ (AUFRECHT) بھی کہتا ہے کہ "اس میں مشکل ہی سے کسی شبہ کی گنجائش ہے اور تمام حصوں کے ایک تفصیلی جائزہ کے بعد ہم ثابت (بھی) کر سکتے ہیں کہ رگ وید اور تنتر یا سمہتا پر ساین کی شرحیں محض جزوی طور پر ہی ساین کی لکھی ہوئی ہیں اور ان کی تکمیل اس کے ادارے نے کی ہے۔ تیتر یا برہمن، تیتر یا رنیکا اور ایتر یا رنیکا کی تشریح سے مہارت کی کمی ظاہر ہوتی ہے جس کی توجیہ صرف اس مفروضہ سے ہو سکتی ہے کہ ان کا مصنف کوئی دوسرا شخص ہے[59]۔ ممکن ہے کہ اس رائے میں کچھ حقیقت ہو۔ ساین کی وید بھاسیا میں کچھ تضاد اور غلطیاں ہیں۔ اگر یہ اسی کی لکھی ہوئی ہوتی تو ایسا نہ ہوتا[60]۔

میک ڈول اور آفرشٹ کے قیاس کو بعض ایسے کتبات سے تقویت ملتی ہے جن میں بعض ایسی شخصیتوں کا تذکرہ جن کو بادشاہ نے اس بنا پر اعزازات بخشے تھے کہ انھوں نے ویدوں کی تشریح کو بڑھاوا دے کر علمی خدمات انجام دی تھیں۔ دفتر انعام کی جانب سے دی جانے والی ہری ہر دوم کی تانبے کی تختی کے ایک عطیہ (1386ء) میں تین افراد کو زمین کے ایک عطیہ دئے جانے کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے اس سے قبل ملنے والے ایک نقد عطیہ کے عوض ویدوں کو شرح کو بڑھاوا دیا تھا چنانچہ آج بھی تین خاندان ایسے ہیں جنھیں شرنگیری مٹھ سے خصوصی اعزازات ملتے ہیں۔ دفتر انعام کے عطیہ میں

Marfat.com

عطیات حاصل کرنے والے غالباً انھیں تینوں خاندانوں کے اسلاف رہے ہوں گے[61] البتہ اس اس دستاویز کی تاریخ مشتبہ ہے اس لیے کہ اس میں ودیارنیا کو ایک مخصوص تاریخ کے بعد جس دن بظاہر اس کی موت ہوئی تھی، زندہ بتایا گیا ہے۔ ہری ہر دوم بچاہلی (BACAHALLI) کی تختیوں (1377ء) میں بھی دو عالموں کا تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے ویدوں کی شرحوں کو ترقی دی تھی[62] چونکہ ان عالموں نے شرحوں کی ترقی میں اس وقت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جبساین نے بکا کی فرمائش پر شرحیں لکھی تھیں اور چونکہ ہری ہر نے ان عالموں کو اعزاز بخشا لہٰذا یہ سمجھنا درست ہوگا کہ عالموں کی ایک جماعت نے ساین کے اس کام میں اس کی مدد کی ہو۔ حالانکہ اس کا براہ راست کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وید بھاسا کے مختلف اجزاء کی تصنیف ساین کی ادارت میں مختلف عالموں نے ساین کی عمومی ادارت میں کی تھی۔

آور شٹ کے بیان کے مطابق ساین کا انتقال 1377ء میں ہوا تھا۔

بھوگ ناتھ (BHOGANATHA)

مادھو آچاریہ کا ایک دوسرا بھائی بھوگ ناتھ تھا لیکن اس کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ سنگم دوم کے بتر گونتا (BITRAGUNTA) عطیہ میں، جو خود اسی نے لکھا تھا، وہ خود کو نرم سچیو (NARMASACIVA) تا سنگم دوم کا ایک بے تکلف دوست بتلاتا ہے۔ ساین کی النکار سودھا ندھی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بھوگ ناتھ مندرجہ ذیل کتابوں کا مصنف تھا۔ رام الاّس (RAMOLLASA) تری پورا وجے (TRIPUROVIJYA) ادامرن مالا، مہا گن پتیتوا (MAHAGANAPATISTAVA) شری گرمنجری (SRIGARAMANJARI) اور گورتی ناتھ استکا (GOURINATHA STAKA) پہلی دو تصنیفات رامائن اور پرانوں پر مبنی کاویہ KAVYAS معلوم ہوتے ہیں۔ ساین اپنے بھائی بھوگ ناتھ کا بڑا احترام کرتا تھا اور بعض قوانین پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ کہتا ہے "ان قوانین کی مثالیں بھوگ ناتھ کی تصنیفات میں دیکھنی چاہئیں[63]" اس طرح وہ بھی ایک زبردست عالم معلوم ہوتا ہے۔

چونڈا مادھو (CAUNDA MADHAVA) مادھو بھائیوں کا ہم عمر ایک اور مادھو بھی تھا جو انگیرس گوتر سے تعلق رکھتا تھا اور کوندپ (CAUNDAPA) کا بیٹا تھا یہ شیو مذہب کی پاشوپت (PASUPATA) جماعت کا پیرو تھا اور کریا شکتی پنڈت

Marfat.com

(KRIYASAKTI PANDIT) اس کا گرو تھا۔ یہ مادھو ہری ہر کے بھائی مارپا (MARAPPA) کا وزیر اور بنواس علاقہ کا حکمراں تھا۔ اس نے اپنشدون کی ان پامال راہوں کو صاف اور ہموار کیا جو خس وخاشاک سے حملو اور سانپوں۔ بدی کے اصولوں کے مغرور مونگریں سے پرخطر ہو گئی تھی۔ اسی لیے انھیں گرو جس نے اپنشدون کے راستوں کو قائم کیا کے لقب سے پکارا جاتا ہے وہ تپتریا دیپک (TATPARYA DIPIKA) کا مصنف تھا جو سوت سمہا (SUTASAMHITA) کی شرح ہے[64]۔

ہری ہر دوم کا وزیر ایروگپا ڈنڈناتھ جو بیچیاڈنڈیشا (BAIGAYA DANDESA) کے خاندان میں پیدا ہوا تھا سنسکرت کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے نانارتھورتن مالا (NANARTHARATNAMALA) نامی ایک لغت کی تصنیف کی تھی۔ ویروپاکسا جو ادے گیری دیرونیا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ہری ہر دوم کا بیٹا تھا۔ یہ (بھی) ایک اچھا عالم اور مختلف فنوں کا ماہر تھا۔ وہ ایک سنسکرت ڈرامے نارائنی ولاسم (NARAYANI VILASAM) کا مصنف بھی تھا[65]۔ ودیارنیا کے ایک شاگرد نرہری نے نیسدھا دیپکا (NAISADHADIPIKA) لکھی ہے جو نیسدھا کی شرح ہے[66]۔ بکادوم کے دربار میں لکھمی پنڈت کا فروغ ہوا۔ جو ویدراج دلبھ نامی طبی کتاب کا مصنف ہے۔

گنگا دیوی

اس زمانہ کی ممتاز خاتون مصنفات میں گنگا دیوی کو اولین مقام حاصل ہے یہ کپن (بکا کے بیٹے) کی بیوی تھی جس نے وجے نگر کی سلطنت کے لیے کول منڈلم فتح کیا تھا۔ اس مصنفہ نے اپنی کتاب مدھوراوجیم میں مدورا کی فتح کا حال بیان کیا ہے جو اس کے شوہر نے کی تھی۔ اس نے اپنی اس تصنیف کے لیے مہاکاو کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس میں موسم، شام، سحر اور فطرت کے دیگر پہلوؤں کا تفصیلی ذکر ہے۔ مصنفہ نے ویدربھی (VAIDARABHI) طرز میں لکھا ہے اور اس کے خیالات میں آمد اور سادگی ہے۔ الفاظ کی بندش خوبصورت اور مسحور کن ہے۔ تشبیہات اعلیٰ اور فطری ہیں اس کو قواعد پرستی اور خطابت کا کوئی دعویٰ نہ تھا جس نے بڑی حد تک بعد کے شعراء کے کلام کے لطف کو گھٹا دیا ہے۔ اس نے زیادہ تر کالی داس کا تتبع کیا لیکن ان کے مناظر اور طرز بیان کو اپنے تخیلات کے سانچے میں ڈھال کر ایک نئی انھیں اہمیت عطا کی ہے۔

Marfat.com

پندرہویں صدی کے شعراء

دیورائے دوم خود بھی ایک بڑا عالم ہونے کے علاوہ مختلف زبانوں کے عالموں کا سرپرست بھی تھا۔ وہ بظاہر رتی رتن دیپکا (RATI RATANADIPIKA) اور برہم سوتر درتی کا مصنف تھا۔ موخرالذکر بادراین کی تصنیف برہم سوتر کی شرح ہے جو شنکر کی تصنیف ادویتا کے تتبع میں لکھی گئی تھی[67 الف]۔ اسی دور میں گوپ پٹا کو بھی فروغ حاصل ہوا جو دیورائے دوم کی ایک بہن ہری ما کا پوتا تھا۔ وہ سنسکرت کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے کاویالنکر کام دھینو (KAVYALA - NKARA KAMADHENU) کی شرح کی تھی[68]۔ فن رقص پر اس کی ایک کتاب کے علاوہ وہ تال دیپک (TALADIPIKA) کا بھی مصنف تھا جو فن موسیقی پر ایک تصنیف ہے جس میں تال کے ساتھ رقص کرنے کے مختلف ڈھبوں کا تعین کیا گیا ہے[69]۔

سالو وارسمہا سنسکرت کا ایک اچھا عالم تھا۔ راما بھی ادیم (RAMA BHYUDAYAM) کی تصنیف کا سہرا عام طور پر اسی کے سر باندھا جاتا ہے۔ دندیا (DINDIMA) خاندان جس نے بہت سی نامور ادبی شخصیتوں کو جنم دیا سالو وارسمہا کے زمانے میں بہت ممتاز ہوگیا۔ سالوابھے ادیم (SALUVABHYUDAYAM) کا مصنف راج ناتھ دندیما اس کا درباری شاعر تھا۔ یہ تاریخی نظم کاوے کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ رامبھے ادیم کا اصل مصنف اس کا بیٹا دندیما سر دبھوم معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کے پانچویں کھنڈ کے اختتامی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظم سونادری ناتھ نامی ایک شخص کی لکھی ہوئی ہے جو دندیما سالابھوم کے نام سے بھی موسوم تھا۔ ادرا بھی راما اور راج ناتھ کا بیٹا تھا[70]۔ ارونا گری ناتھ نامی ایک شخص ایک مزاحیہ ناٹک سوماولی یوگانند پرہسن (SOMAVALLI YOGANANDPRAHASANA) اور شنکر کی تصنیف سندریا لہری کی ایک شرح کا مصنف ہے[71]۔

سولہویں صدی کے شعراء

کرشن دیورائے کا دور حکومت جنوبی ہند کی ادبی تاریخ میں ایک درخشاں حیثیت رکھتا ہے اس وقت اس کے دربار میں سنسکرت، تیلگو، کناڑا اور تامل کے عالم فروغ پا رہے تھے۔ کرشن دیورائے عالموں کا سرپرست ہونے کے علاوہ خود بھی ایک خداداد قابلیت رکھنے والا عالم تھا صرف تیلگو ہی کا نہیں بلکہ سنسکرت کا بھی۔ تیلگو زبان میں اپنی شاہکار کتاب آمکتا مالیاد کی تصنیف شروع کرنے کے

Marfat.com

قبل اس نے کئی سنسکرت کتابیں لکھی تھیں جیسے ۔ مدالساچرتر (MADALASAGARITRA)
ستیا ودھو پری نائم (SATYAVADHUPRINAYAM) ، سکل
کتھاسارا (SAKALKATHASORA) ، سنگرہم (SANGARAHAM) ، شکتی
نے بی، جنان چنتامونی (JANARCINTAMANI) اور رس منجری۔ وہ جامباوتی
کلیانم (JAMBAVALIKALAYANAM) نامی سنسکرت ڈرامہ کا بھی مصنف
تھا جسے ان لوگوں کے سامنے اسٹیج کیا گیا تھا جو شری ویروپاکسا کی چیترا (موسم بہار) کی تقریب دیکھنے
کے لیے اکٹھا ہوئے تھے۔ شری ویروپاکسا کرناٹک ریاست کا محافظ دیوتا تھا اور اس کا مسکن وجے نگر
شہر میں ہیم کوٹ کے پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔

عظیم ادویتا فلسفی ویاس رائے بھی اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا عالم تھا
اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسے کرشن دیو رائے کی سرپرستی حاصل تھی۔

بادشاہ کا وزیر اعظم سالو واتما "مال بھارت دیاکھیا" نامی ایک کتاب کا مصنف تھا جو اگستیا
(AGASTYA) کی تصنیف بال بھارت کی شرح ہے۔ اس کتاب کے خاتمے میں اس نے خود ہی
اپنے آپ کو پردھان سکلاگم پارا وار ڈنڈ نایک (PARADHANA SAKLAGAMA PARAVA
RANDANDANAYAKA) کہا ہے۔ سالو واتما کا بھتیجا گوپ۔ چندریکا (CANDRIKA)
کا مصنف تھا جو کرشن مشرا کے مشہور ڈرامے پربودھ چندرودے کی شرح ہے وہ مشہور
تیلگو نظم کرشن ارجن سمواد مو (KRSNARJUNASAMVADAMU) کا بھی
مصنف تھا جو دوی پد بحر میں لکھی گئی ہے۔ سالو واتما کا دوسرا بھتیجا ناندلا اپا ادب کا بہت بڑا سرپرست
تھا۔ اور مدیا گاری ملنّا (MADAYAGARI MALLANNA) کی تیلگو تصنیف راج
شیکھر چرترمو (RAJA SEKHARACARITRAMU) اسی کو معنون کی گئی ہے[72]۔

لولا لکشمی دھر (LOLLA LAKSHMI DHARA) اس زمانہ کا دوسرا ممتاز
عالم تھا اور اپنے عہد میں ایک ہمہ گیر شخصیت کا حامل تھا وہ علم فلکیات، نجوم، منتر شاستر، سدرشن
اور قانون کے موضوعات پر متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس نے دیوجن ولاس نامی انسائیکلوپیڈیا
کے ایک حصہ کی تصنیف بھی کی تھی[73] اور شنکر کی تصنیف سوندریے لہری (SAUDARYA
LAHARI) کی شرح بھی لکھی ہے جس میں اس نے سرسوتی ولاسم کے مصنف ہونے کا دعویٰ
بھی کیا ہے۔ جو قانون پر ایک اہم تصنیف ہے اور جسے عام طور پر کرشن دیو رائے کے ہم عصر اڑیسہ کے
حکمران پرتاپ ردرا سے منسوب کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس زمانہ کے دیگر شعرا میں لکھمی نارائن، سورنّا اور ہری بھٹ کے نام قابل ذکر ہیں ان میں سے اول الذکر سنگیت سوریودے (SANGITA SURYODAYA) کا مصنف ہے جو فن موسیقی پر ایک کتاب ہے اور کرشن دیورائے کو معنون کی گئی ہے۔ سورنّا اس کو بنگلی سورنّا سے مشتبہ نہیں کیا جانا چاہیے نے دو کتابیں ادے نودیہ اور رون مالی ولاس (تیلگو) لکھی تھی۔ لیکن ابھی اول الذکر کتاب زیر تکمیل ہی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا لہذا اس کے بیٹے نے کتاب مکمل کی اور رامیا ماتیا (RAMAYAMATYA) کے ایک ماتحت کے نام سے اسے معنون کیا۔ ہری بھٹ سنسکرت میں لکھی گئی کتاب رتی رہسیا (RATIRAHASYA) کا مصنف تھا اور اس نے بھگوت کے چھٹے، گیارہویں اور بارہویں کھنڈوں کا تیلگو میں ترجمہ کیا۔ اس نے اتر نرسمہا پران (UTTARANARASIMHAPURANA) وراہا پران (VARAHAPURANA) اور متسیا پران (تیلگو) بھی لکھیں۔

اچیوت رائے بھی اپنے بھائی کرشن دیورائے کی طرح ایک بڑا عالم تھا تال مہودردھی (TALAMAHODADHI) کی تصنیف کا سہرا اسی کے سر باندھا جاتا ہے جس کی شرح اس کے ہم عصر سوم ناتھ نے لکھی ہے۔

اسی زمانہ میں اچیوت رابھیادیم کا مصنف راج ناتھ دندیا درباری شاعر تھا وہ وجے نگر سلطنت کے تیسرے خاندان سے اس کا گہرا تعلق تھا اسی وجہ سے اس نے اپنی کتاب میں اچیوت کے باپ نرسا (NARASA) کے کارناموں کے بارے میں بعض تفصیلیں درج کی ہیں۔ راج ناتھ بھاگوت چمپو (BHAGAVATACAMPU) کا بھی مصنف تھا جسے اچیوت رائے سے معنون کیا گیا تھا۔ خاتون شاعر تیرو ملامبا (TIRUMALAMBA) کو بھی شاعری میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس نے وردامبیکا پرینیم (VARADAMBIKA PARINAYAM) کی تصنیف کی جس میں اچیوت کی زندگی کا ذکر ہے اور وینکٹادری کے یوراج کی حیثیت سے تقرری بیان کی ہے۔ وہ اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والی ایک باکمال خاتون تھی۔ اس کی نظمیں سادہ اور شیریں ہیں۔ ددور وتیرو مل امبا (VARADHI TIRUMALAMBA) نامی ایک خاتون نے ایک سنسکرت نظم کہی تھی (1533ء) جو اس نے اچیوت رائے کی جانب سے دئے جانے والے سورن مرو (SVARNAMERU) عطیہ کی یادگار منانے کے طور پر لکھی تھی یہ نظم ہمپی میں واقع وٹھل مندر میں کندہ ہے ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس خاتون کی شناخت وردامبیکا پرینیم کی مصنفہ ترملامبا سے کی جا سکتی ہے۔[75] موہنانگی نام کی ایک اور شاعرہ تھی جو رام راج کی بیوی بتائی جاتی ہے۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ اس نے مارچی پری نیم (MARJCIPARI NAYAM) نامی ایک عشقیہ نظم لکھی تھی۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شاعرہ وہی تیرو ملامبا ہو جو رام راج کی بیوی اور کرشن دیو رائے کی بیٹی تھی[76] لیکن ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ دو دور تیرو مل اما اور تیرو ملامبا دونوں ایک ہی تھیں[77]۔ اکامر ناتھ نامی ایک ممتاز شاعر راجہ رام سوم کے سرنگا پٹم کے علاقہ کے ایک جاگیر دار انکش رائے کے دربار میں رہتا تھا۔ وہ جامبوتی کلیانم (JAMBAVATI KALYANAM) اور ستیہ پری نیم کا مصنف تھا جو دونوں سنسکرت میں ہیں[78]۔ چیرو کوری لکشمی دھر اس دور کی ایک اور ادبی شخصیت تھی جو بہت سی کتابوں کا مصنف تھا مثلاً ابھلاشتارتھ دایتی (ABHILASITARTTA - DAYANI) جو جے دیو کی تصنیف پرشن راگھو کی شرح ہے اور جسے سدھوراجو تما راجو (SIDDHARAJU TIMMARAJU) کو معنون کیا گیا ہے، انرگھ راگھو (ANARG - HA RAGHAVA) کی ایک شرح اور سدبھاشا چندریکا جو چھ پراکرتیوں کی قواعد کی ایک کتاب ہے اور چند دوسری تصنیفات۔ اس نے شروتارنجنی (SURUTARANJANI) نامی گت گوند (GITAGOVINDA) کی ایک شرح بھی لکھی ہے جو ڈیو کا ایک منظوم ڈراما ہے لیکن عموماً اسے تیرو مل کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی عہد میں جنجی کے نایک کے دربار میں سنسکرت کا ایک عالم رتن کھیت شری منواس دکشت رہتا تھا۔ اسے سوریا نایک (SUROPPO NAYAKA) کی سرپرستی حاصل تھی۔ دکشت نے بھاؤنا پرشوتم نام کا ایک ڈرامہ لکھا تھا اور اسے اپنے سرپرست کے نام معنون کیا تھا[80]۔

تاتاچاریہ

جن ادبی شخصیتوں کو وینکٹ کے دربار کی سرپرستی حاصل تھی ان میں سب سے اہم تاتاچاریہ تھا جس کو اتور کمار تیرو مل تاتاچاریہ، لکشمی کمار اور کوٹکا نیادانم تاتاچاریہ کے مختلف ناموں سے جانا تھا۔ وہ کانچی کے وشنو مندر کا منتظم تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ وہاں شاہی شان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے کانچی کے ویشنو مندر کو بہت سے عطیات دیئے تھے۔ اس نے وہاں ایک تالاب بھی کھدوایا جو اسی کے نام پر تاتا سمدرم کے نام سے معروف ہوا[81]۔ تاتاچاریہ فلسفہ کی ایک کتاب ساتوک برہما ودیا ویلاس (SATVIKA BRAHMA VIDYA VILASA) کا مصنف تھا۔ اس نے پندورن گھٹ میا (PANDURANGAMAHATMYA) نامی ایک کتاب بھی لکھی تھی جسے اس نے موجودہ بمبئی پریسیڈنسی کے پندھر پور کے ویشنو مندر کو نذر

Marfat.com

کی تھی۔ وینکٹ کے اوپر اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ پرپنا مرتم (PRAPANNAMRTAM) کے مطابق وینکٹ نے سلطنت کی پوری ذمہ داری تاتاچاریہ کو سونپ دی تھی اور خود عزلت کی زندگی اختیار کرلی تھی[82] یہ بیان صحیح ہو یا غلط لیکن مسلم ہے کہ دربار میں اس کا اثر بہت تھا۔ اس اثر نے وینکٹ کے دربار میں موجود یسوعی پادریوں کی کامیابیوں کو بری طرح متاثر کیا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس کے خلاف زبردست بغض تھا۔ تاتاچاریہ سے ان کی نفرت کا اظہار فادر کوٹھو (FR. COU - TINHO) کے ایک خط سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اپنے عیوب کی بنا پر تاتاچاریہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے"۔ اس کا خیال تھا کہ اس مبلغ میں زہد و تقوی کا فقدان ہے اس لیے کہ اس کے یہاں بہت سی بیویاں ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے "جو اونٹ نگل جاتے ہیں اور مچھروں سے شرماتے ہیں"[83] لیکن تاتاچاریہ کے ساتھ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بتلا دیا جائے کہ وہ کوئی سنیاسی نہ تھا جیسا کہ بظاہر یسوعی پادری اسے سمجھتے تھے بلکہ وہ صاحب خانہ تھا جس کو شادی بیاہ کا حق حاصل تھا اور یہ بات گرو ہونے میں مانع نہیں تھی۔ ہراس (HERAS) نے بھی تاتاچاریہ پر عدم تقوی کا الزام لگایا ہے اور بظاہر معمولی وجود پر اس کے کردار کی پاکیزگی کو گھٹانا چاہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جاچکا وہ ایک کٹر وشنو تھا اور اپنے زمانہ میں وشنو مذہب کی ترویج و اشاعت کا بڑی حد تک ذمہ دار تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ تنگ نظر تھا اور بظاہر اپنے نظریات کی مخالفت نہیں برداشت کرسکتا تھا اور اگر روایات کو مان لیا جائے تو اس نے اپنے معاصر عظیم ادویتا مبلغ اپیا دکشت کے قتل کی سازش کی تھی جس کا شکار ہونے سے وہ بال بال بچ گیا تھا۔

اپیا دکشت (APPAYYA DIKSITA)

اپیا دکشت۔ رنگ راج دکشت کا بیٹا تھا جو اڈیا پالم کا رہنے والا تھا۔ یہ موجودہ آرکوٹ ضلع کا ایک گاؤں ہے۔ صرف بارہ برس کی عمر میں اپیا دکشت نے ویدوں فلسفہ اور بہت سے دوسرے دقیق مضامین کی تعلیم مکمل کرلی تھی۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ اس کا علم نہ صرف یہ کہ نہایت وسیع تھا بلکہ اس میں گہرائی بھی تھی فلسفی کی حیثیت سے وہ شری کنٹھ کا تابع تھا اور اسے شری کنٹھ تا پرستھاپن آچاریہ (SRIKANTHABHATA PRATISTHAPANACARYA) شری کنٹھ کے نظریہ فلسفہ کو قائم کرنے والا بھی کہا جاتا ہے۔

وہ مختلف علوم کا ماہر تھا اور اسے ۱۰۴ کتابوں کا مصنف بتایا جاتا ہے اس کی شیوارکامنی دیپک (SIVARKAMINIDIPAKA) شری کنٹھ کی تصنیف شیوا بھاسیا کی شرح ہے۔

Marfat.com

اس تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کامتا ویاکرن، ینائے، النکار عملاً پورے سنکرت ادب پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اس کتاب میں اس نے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ خود اپنے ہی ادویتا نظریات واعتقادات کی مخالفت کی ہے اور ادویتا کے عقاید کو منہدم کرکے سیوا ادویتا (SIVADVAITA) کو قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کی پری مالا جو ایک بصیرت افروز تصنیف ہے اس بنا پر اہم ہے کہ اس میں اس نے ادویتا کی حمایت میں پرزور دلائل دیئے ہیں۔ اپنی شیوتتو ویویکا میں اس نے شیو کو کائنات کا مالک بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک ماہر انشاپرداز کی حیثیت سے اس نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھیں یعنی کوالیانند (KUVALAYANANDA) ، چترمامسا (CITRAMIMASA) ورتی وارتیکم (VRITTIVARTIKAM) وہ چترمت سار (CATURMATASARA) کا بھی مصنف ہے۔ اس میں چار ابواب ہیں اور ہر ایک میں ایک نظام فلسفہ پر بحث کی گئی ہے یعنی ادویتا، وشستہ ادویتا، شیوادویتا اور دویتا[85]۔ اس نے قواعد پر تصنیف کی ہے اس سے اپنی راماٹن تات پریا سنگرہ اور مہابھارت تات پریا سنگرہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اتہاس (ITIHASS) نے شیو کو مالک کائنات کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ وہ حقیقتاً سروتنتر سوتنتر (SARVATANTRA SVATANTRA) تھا اس وصف کی اس نے یادوابھی یدیم (YADAVABHYUDAYAM) پر لکھی ہوئی اپنی شرح میں خود یہ توضیح کی ہے وہ ذات جو اپنی مرضی کے مطابق کسی مذہبی یا فلسفی نظام کو ثابت یا باطل کرسکتی ہے[85]۔

[illegible] سنت کا ایک سچا پیرو ہونے کی حیثیت سے اس نے شیو اور وشنو میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ اگرچہ شیوا [illegible] میں دکشت نے شیو کی برتری برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن وشنو کے لیے بھی اس کی عقیدت ہمیں اس کی تصانیف وردراجنوا - (VA...RAJ ...ASLAVA) ، جو کانچی کے وردراج کی مدح میں لکھی گئی ہے اور کرشن دھیان پدھتی، جو کرشن کی مدح میں لکھی گئی ہے، میں نظر آتی ہے۔ کرشن کے ساتھ اس کی عقیدت اس کی اس شرح میں بھی نظر آتی ہے جو اس نے یادوبھی ادیم (YADAVABHYUDAYAM) پر لکھی ہے اپنی تصنیف شیوتتو ویویکا میں اس نے شیو اور وشنو کو واحد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی چترمت سار شری شنکر، رام آنوجا، مادھوا اور شری کنٹھ کے نظریوں کے زاویہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ عظیم دکشت نے خود ہی کہا ہے کہ وہ شیوا اور وشنو کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا[86]۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے چدمبرم کے گوندراجہ نٹراج کی مدح میں سینکڑوں اشعار لکھے تھے[87]۔

Marfat.com

اپیا دکشت ایک سروتنتر سوتنتر اور ادویتی ہونے کے باوجود بڑی حد تک شری کنٹھ کے فلسفہ کا پیرو تھا۔ 83-1582ء کے ایک کتبہ کے مطابق جو ادیا پلم کے کالی کنٹھ ایشور مندر میں کندہ ہے۔ وہ شری کنٹھ بھاسیا کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر منظر عام پر لایا تاکہ شیو کی برتری قائم ہو۔ شیوارکامنی دیپکا کی تصنیف سے اس کا مقصد یہ تھا کہ پانچ سو شاگردوں کو شری کنٹھ بھاسیا کی تعلیم دی جائے۔[88]

جیسا کہ پہلے کہا گیا۔ اپیا دکشت کو وینکٹ کی سرپرستی حاصل تھی اگرچہ موخرالذکر ایک کٹر وشنو تھا۔ دکشت نے اپنی کوالتا نند اسی بادشاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔[89]

اس عظیم عالم کو ویلور کے چنا بومونایک (CHINNA BOMMU NAYAKA) کی حمایت حاصل تھی جس نے ایک نامعلوم مصنف کی ایک نظم کے چند اشعار کے مطابق اسے سونے میں نہلا دیا تھا (کنکا بھیشکم)[90] اس کی جائے پیدائش سے دستیاب ایک کتبہ کے مطابق اس نے چنا بومونایک کو اس کی معمولی حیثیت سے بڑھا کر ایک نامور حکمراں کے مرتبہ پر پہنچا دیا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ ادیا پلم میں اس کے تحت تعلیم پانے والے ۵۰۰ قابل افراد کو سونے اور اکثر بار زیورات کے عطیات دے۔[91] اپیا دکشت اکثر تنجور کے نایک کے دربار میں بھی گیا تھا اور اس نے اسے بہت سے اعزازات بھی بخشے تھے۔[92]

وادی راج (VADI RAJA)

وادی راج، جو سولہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، ویاس راۓ کا نامور جانشین تھا۔ وہ دویت (DVAITA) مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا ایک ممتاز عالم اور مناظر تھا۔ اسے ساٹھ سے زیادہ کتابوں کا مصنف بتایا جاتا ہے جن میں سے تقریباً بیس نہایت اہم ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں ویورن ورنم (VIVARANAVRANAM) یاسند کھنڈنم ([illegible]) نیائے رتناولی۔ ان میں یکتی ملیکا (YUKTIMALLIKA) جو مادھو کے استنباط کے مطابق برہم سوتر کی تعلیمات کی تشریحات پر مبنی ہے سب سے زیادہ اہم ہے۔[93]

اسی عہد میں تامل کے علاقے میں بہت سے عالموں فلسفیوں اور شعراء نے فروغ پایا جنھوں نے بہت سی انتہائی دلچسپ اور قیمتی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک سودھیندر تیرتھ تھا جس کا تعلق سوم تیندر مٹھ (SUDHATINDRA MATHA) سے تھا۔ وہ ایک ممتاز عالم تھا اور اس نے پورے ملک کا دورہ کیا جس کے دوران اس نے دوسرے مذاہب کی تعلیمات کی تردید

Marfat.com

وتنقیص کی ۔ کہا جاتا ہے کہ وینکٹ کے دربار میں اس نے اپنے تمام مخالفین کو مغلوب کیا تھا اور بادشاہ نے اسے سنکھ اور فتح کے دوسرے تمغے دے کر اس کی عزت افزائی کی تھی ۔ وہ دریائے کاویری کے کنارے واقع کمیا کونم کے قصبہ میں رہتا تھا اور تنجور کے رگھوناتھ نے کنکابھیشکم سے اس کی قدر و منزلت کی تھی ۔ راگھویندر تیرتھ بھی ، جو مذہبی پیشوا کی حیثیت سے سودھیندر تیرتھ کا جانشین ہوا ، ایک بڑا عالم تھا یجن نارائن دکشت ، جو تنجور کے نایک کے وزیر گووند دکشت کا لڑکا تھا ، اس مادھو مبلغ کی بڑی قدر کرتا تھا ۔ راگھویندر کو اس فلسفیانہ مناظرہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی جو کاکتالیا (KAKA- TALIYA) کے بارے میں چند ممتاز عالموں کے ساتھ ہوا تھا اور اس پر یجن نارائن نے اس کی بڑی تعریف کی تھی۔[95]

تنجور کا رگھوناتھ نایک ساہتیہ (فن ادب) اور سنگیت (موسیقی) دونوں ہی کا ممتاز عالم اور سنسکرت اور دیسی زبان (بھاشا اور تیلگو) کا بہترین شاعر تھا ۔ اس نے تقریباً سو کتابیں لکھیں۔[96] ان میں پاری جاتا پہرنم (PARIJATAPAHARNAM) والمیکی چرترم ، اچیوتیندر ابھی ادیم (ACYUTENDRBHY UDAYAM) ، گجیندر موکشم نال چرترم اور رکمنی کرشن دیواہیہ کشگنم (RUKAMANI KRSNA VIVAHA YAKSAGANAM) شامل ہیں۔[96]

پاری جاتا پہرکونم جو کرشن کی سوانح حیات پر مشتمل ہے اس شاہی مصنف نے اپنے باپ کی فرمائش پر لکھا تھا جس نے اسے کرشن کی زندگی پر ایک نظم لکھنے کو کہا تھا اس لیے کہ ایک شخص محض اس قسم کی ادبی تخلیق کے ذریعہ ہی لافانی بن سکتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ رگھوناتھ نے یہ نظم محض دو یا اس (چھ گھنٹے) کے مختصر وقت میں کہہ لی تھی اور یہ کہ کاتبوں نے اسے بڑی مشکلوں سے لکھا تھا کیونکہ وہ بہت تیز رفتاری سے انھیں لکھا رہا تھا ۔ باپ اپنے بیٹے کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا اور اسے سونے اور قیمتی پتھروں سے نہلا دیا۔[97] رگھوناتھ موسیقی کا ماہر تھا سنگیت سدھا میں وہ لکھتا ہے کہ اس نے نئے راگ مثلاً جینتا سنا (JAYANATASENA) اور نئے تال مثلاً راما نند ایجاد کیے تھے۔[98]

رگھوناتھ کا وزیر گووند دکشت بھی ایک بڑا عالم تھا ۔ وہ ادویتا ویدانت اور چھ درشنوں کا مستند عالم مانا جاتا تھا۔[99] اس نے ساہتیہ سدھا کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔[100]

یجن نارائن دکشت کے سر بہت سے سلبا سوتروں (SULBA SUTRAS) کی شرح کا سہرا باندھا جاتا ہے ۔ وہ مشہور کتاب ساہتیہ رتناکر کا مصنف تھا جس میں تنجور کے رگھوناتھ نایک

Marfat.com

کی زندگی، اس کے کارناموں اور اس کے عہد کا ذکر ہے[101]۔

رام بھدرامبا ایک قابل مصنفہ تھی اور رگھوناتھ کے دربار سے منسلک تھی۔ اس نے رگھوناتھ ابھی ادیم لکھی ہے جو رگھوناتھ کی زندگی اور اس کے کارناموں پر مشتمل ایک اور تصنیف ہے اس نے آٹھ زبانوں (سنسکرت، تیلگو اور چھ پراکرتی زبانیں) میں چاروں اصناف شاعری میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شعرا میں ملکہ کی حیثیت رکھتی تھی[102]۔ رگھوناتھ کے دربار میں مدھروانی (MADHURAVANI) ایک دوسری خاتون شاعر تھی۔

ہلزش (HELTZSCH) نے دکشت نامی ایک شخص کا جو ویدانت پر بھاشا کا مصنف تھا اور دھرم سوری نامی شخص کا جو نرک دھوسا ویایوگ (NARAKADHVAMSA VYAYOGA) کا مصنف تھا تذکرہ کیا ہے[103 الف]

فصل سوم

تیلگو

جیسا کہ پہلے بتلایا جاچکا ہے، دجے نگر کا دور تیلگو زبان کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا تیلگو زبان اور تیلگو کی ادبی شخصیتوں کی بڑی ہمت افزائی کی گئی۔ مسلمانوں کے حملوں اور یورشوں کے نتیجہ میں اور دکن کی ہندو سلطنتوں کے زوال کے بعد تلنگانہ کے مشرقی ساحل کے دانشور وجے نگر کے دربار میں امنڈ آئے جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

ناچن سومناتھ کوی NACAN SOMANATH KAVI

اس زمانہ کے تیلگو عالموں میں ناچن سومناتھ کوی کا ذکر سب سے مقدم ہے جو بکا اول کا درباری شاعر تھا۔ غالباً وہ ہری ومسم (HARI VAMSAM) کے اس ترجمہ سے مطمئن نہ تھا جو ارا پرگد (ERRAPRAGGADA) نے کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اترہری ولاسم نامی ایک نظم لکھی جس کے لیے اس نے سنسکرت کی تصنیف ہری ولاسم کو بنیاد بنایا۔ اپنی اس تصنیف میں اس نے بڑا شگفتہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ یہ نظم انتہائی پرلطف ہے اور پانچوں خوبیوں کی حامل ہے۔ اس کا یہ ترجمہ بہ اعتبار سے ارا پرگد کے ترجمہ سے بہتر ہے بکا نے اسے پنچو کلدن نی (PENCUKALADINNE) نامی ایک گاؤں عطا کیا جس کا نام بکارائے پٹنم رکھا گیا۔ جس کتبہ میں اس عطیہ کا ذکر ہے اس میں درج

Marfat.com

ہے کہ یہ شاعر آٹھ زبانوں کا ماہر تھا۔[103]

شری ناتھ

شری ناتھ چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرہویں صدی کے نصف اول کا منفرد خصوصیات کا ایک شاعر تھا اور سنسکرت اور تیلگو دونوں ہی زبانوں میں پوری مہارت رکھتا تھا وہ کوندویدو کے رڈیوں کے دربار کا شاعر تھا اور اکثر وجے نگر کے دربار میں آتا رہتا تھا۔ ابھی جبکہ وہ اپنی عمر کے دوسری ہی دہائی میں تھا اس نے مرتراچرترم (MARUTTARATCARITRAM) اور سالی واہنا سپتتی (SALIVAHANASAPTATI) لکھیں، اور جب بڑا ہوا تو شری ہرس کی تصنیف نیشدھم (NAISADHAM) کا ترجمہ کیا اور اسے دنیا کے سامنے اپنے ادبی شاہکار کی حیثیت سے پیش کیا۔ شری ناتھ کی اس تیلگو نیش دھم کو تیلگو کے طالب علم کے لیے ایک معیاری تصنیف سمجھا جاتا ہے اور تیلگو ادب کے پنچ مہا کاویوں میں اس کا ایک بلند مقام ہے۔ یہ تصنیف آٹھ کھنڈوں پر مشتمل ہے جن میں مجموعی طور پر 337 ابند ہیں مصنف کہتا ہے کہ اس نے "نزاکت معنی ندرت بیان، وسعت خیال، جذبات و احساسات جملوں کی ترکیب اور متن کے ساتھ ان کی مناسبت کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور ناموزوں اور غلط طرز ادا سے بچنے کی پوری کوشش کی ہے" سریلے اور بلند آہنگ سماسوں (SAMASAS) سے بھرپور اس نظم میں ایک آرکسٹرا کی مختلف دھنیں موجود ہیں۔ روان اور ترنم کی مٹھاس سے لبریز اشعار اس کتاب میں بکھرے پڑے ہیں، عورتوں کا بیان، نزاکت شوخی اور فنکارانہ انداز میں کیا گیا ہے اس کے اشعار بھولی ہوئی موسیقی کی طرح ذہن میں گونجتے رہتے ہیں۔ یہ کتاب ان تمام تعریفات کی مستحق ہے جو کی گئی ہیں[104]۔ شری ناتھ نے بہت سی دوسری کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں کاشی کھانڈم (KASIKHANDAM) ودھی ناٹکم (VIDHINATAKAM) قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ایک شیو تصنیف ہے جس کا موضوع اسکانداپوران (SKANDA PURANA) سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سنسکرت تصنیف کا کوئی باقاعدہ ترجمہ نہیں ہے، تاہم یہ اصل ماخذ کا تیلگو زبان میں ایک تفصیلی بیان ہے۔ ودھی ناٹکم میں شری ناتھ نے مختلف فرقوں کی عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ضمنی طور پر اس زمانہ کے سماجی رواجوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اس تصنیف میں اس نے روزمرہ کی زندگی کے مانوس مناظر (بھی) پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شری ناتھ کی ہری ولاسم (بھی) سات کھنڈوں میں منقسم ایک شیو تصنیف ہے جس شیو اوران سے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مواد

Marfat.com

کے لیے وہ کالی داس کی تصنیف کمار سمبھو، بھاروں کی تصنیف کراتا رجونیا (KIRTARJUNIA) اور نائر کی تصنیف کا دبری کا مرہون منت ہے۔ کتاب کو تپیاسٹی (TIPPAYA) SETTI (نامی ایک لکھ پتی کو معنون کیا گیا ہے جس کے بیرونی ممالک سے گہرے تجارتی تعلقات تھے بشیوراتری مہاتیم (SIVARATRI MAHATMYAM) اس کی ایک اور تصنیف ہے جس کا مواد اسکاندا پران کی ایشان سمہیتا (ISANASAMHITA) سے ماخوذ ہے۔ اپنی تمام تصنیف میں شری ناتھ نے اپنا ایک الگ اسلوب ایجاد کیا جس کی بعد کے مصنفین نے نقل کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دیورائے دوم کے دربار میں گوڈا شاعر دندما بھٹا کو ایک مباحثہ میں شکست دی تھی لہٰذا موخرالذکر کا ناقوس (کنچوڈھک KANCHUDHAKKA) توڑ دیا گیا اور شری ناتھ کو کوی سارو بھوم یا کوی رتن (یعنی تاج الشعراء) کا لقب دیا گیا۔

پندرہویں صدی کے شعرا

دیورائے دوم کے دربار کی ایک لائق شاعرہ شاردا تھی۔ اس نے تھارہ ڈرامے اور پراکرت میں دو کتابیں لکھیں تھیں۔ دیورائے دوم کا ایک اور ہم عصر جکنا (JAKKANA) نامی ایک شخص تھا جو ایک تیلگو شاعر تھا۔ اس نے وکرم کارکاچر ترم (VIKRAMA ARKACHARITRAM) کی تصنیف کی اور اسے سدھان منتری کے نام معنون کیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دیورائے کا ایک وزیر تھا[106]۔ پین ویر بھدر (PINAVIRABHADRA) نامی ایک شاعر جس نے کوسالوؤں کے زمانہ میں فروغ ہوا تھا جیمنی بھارت مو (JAIMINI BHARATMU) کا مصنف تھا جسے اس نے سانو وا نرسمہا کو معنون کیا ہے۔

نرسا نایک کے عہد میں دو شاعر نندی ملیا اور گھنٹ سنگیا تھے جنھوں نے کرشن مشرا کے سنسکرت ڈرامہ پربودھ چندرودیا (PRABODHACANDRODAYA) کی کہانی بیانیہ انداز میں قلم بند کیا۔ مشترکہ تصنیف وراہ پورانم (VARAH PURANAM) نرسا نایک کے نام معنون کی گئی تھی۔ یہ دونوں شاعر برادر نظموں ورنگشمی پورانم اور نرسمہا پورانم کے بھی مشترک مصنف تھے اور ان دونوں نظموں کو بھی انھوں نے نرسا نایک کو معنون کیا۔

استادگاجا (ASTADIGGAJAS)

کرشن دیورائے کا دور حکومت تیلگو ادب کے لیے ایک مستند ادبی دور کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

خود بادشاہ اوروکوی ویبھاوہی نیواہانیدھن (URUKAVI VAIBHAVAHANI -
VAHANIDHANA) یعنی "عظیم شعراء کے لیے انتہائی سازگار حالات پیدا کرنے والے" کے نام سے معروف تھا۔[107] روایات اس بات کی توثیق کرتی ہیں کہ اس کے دربار میں استاد گاجاؤں۔ آٹھ عظیم شعراء کو فروغ حاصل ہوا جو درباری شعراء اس فہرست میں شامل ہیں وہ یہ ہیں۔ آلسانی پیدن (ALLASANI PEDDANA) نندی تمن (NANDI TIMMANNA) ایل راجو رام بھدریہ، دھورجٹی (DHURJATI) مدیا گاری ملن (MADYAGARI MALLANNA) تنالی رام کرشن پنگلی سورن (PINGALI SURRANNA) اور رام راج بھوشن۔ اگرچہ کے بعد کے دو شعراء کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ کرشن دیورائے ہی کے وقت میں تھے، لیکن بقیہ کے بارے میں یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو اس کے دربار میں فروغ حاصل ہوا اور انھوں نے اپنی تصانیف یا تو خود بادشاہ کے نام معنون کیں اور یا اس کے کسی ماتحت کے نام۔

کرشن رائے خود بھی اہم تیلگو تصانیف کا مصنف تھا۔ ان میں آمکتا مالیاد کا ذکر سب سے مقدم ہے جو تیروپتی کے دیوتا وینکٹ ایشا کے نام لکھی اور معنون کی گئی ہے۔ بادشاہ نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہ اس نے اس نظم کے لیے تیلگو زبان کا انتخاب کیوں کیا، لکھتا ہے "یہ وہ ملک ہے جہاں تیلگو شاعری کی زبان ہے میں اس (ملک) کا بادشاہ ہوں اور اس زبان کی سب لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اس ملک کی زبانوں میں تیلگو سب سے اچھی زبان ہے"۔ اس تصنیف میں پری یالوار یا دشنوچتا (VISNUCITTA) کی کہانی بیان کی گئی ہے جو چھٹا الور تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مدورا کے راجا کو شری وشنو عقاید قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اس میں اس کی متبنیٰ لڑکی سودی کودتا ناچیار (SUDIKADUTTANACCIYAR) کی شری رنگم کے دیوتا شری رنگ ناتھ کے ساتھ شادی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

آمکتا مالیاد تیلگو زبان کے پانچ بڑے کادیم میں سے ایک ہے۔ یہ ان میں کی دشوار ترین نظم سمجھی جاتی ہے۔ اس تصنیف میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اگرچہ وہ مروج تھی تاہم طرز ادا بالکل نیا ہے اس کے جملوں کی ساخت پیچیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے اسلوب (مغربی معیار کے اعتبار سے) توضیع طلب ہے۔ لیکن ہندوستان میں یہ اسلوب ناری کل پاکم (NARIKALPAKAM) (یعنی ناریل کے مانند انداز بیان) کے نمونہ کی حیثیت سے بہت پسند کیا جاتا ہے اور اس کے اندر کا میٹھا گودا حاصل کرنے کے لیے الفاظ کی بیرونی شکل (چھلکے) کو توڑنا ہی پڑے گا۔ کرشن دیورائے دراصل خود کو فطرت کا شاعر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی موسم، چاند، صبح کے تڑکے کی منظر کشی، زندگی کی معمولی معمولی

Marfat.com

جزئیات کا بیان جیسے ساگ پات کا پکایا جانا اوران کا تل کے تیل اور ابلے ہوئے اریگا (ARIGA) (ایک قسم کا اناج) کے معمولی اناج کے ساتھ کھانا، مٹی کے وہ برتن جن میں موسم برسات میں رڑیوں کو گرمی پہونچانے کے لیے بکریوں کی مینگنی جلائی جاتی ہے، وشنوچیتا کی چھت سے آنے والی صدائے بازگشت جو آدھی رات میں بھی سنائی دیتی تھی اور نہایت احترام کے ساتھ ان کی معمولی مہمان نوازی (جو حقیقتاً بڑی پرلطف ہوتی تھی) میں آنے والے مہمانوں کے لامتناہی سلسلہ کا پتہ دیتی تھیں۔ وہ مہمان نوازی جس میں وہ ہمیشہ اس کی معذرت پیش کرتا کہ سالن کم ہے، کھانا ٹھنڈا ہے، مٹھائی کا انتظام نہیں کیا جاسکا اور کھانا آپ جیسے مہمانوں کے شایان شان نہیں ہے اور نظم حکومت کے سلسلہ میں اسکی معلومات اور تجربات (کا ذکر) جو صرف اس کا ایسا عظیم حکمراں اور فاتح ہی بیان کرسکتا ہے، ان تمام چیزوں نے اس کے خیالات کو ایک ندرت عطا کی ہے اور اسے فطرت کا ایک عظیم شاعر بنا دیا ہے۔"

بعض عالموں نے آمکتا مالیاد کا مصنف پیدن (PEDDANA) کو بتایا ہے[158] لیکن پیدن کی منوچرت اور آمکتا مالیاد کے اسلوب کے فرق سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ دونوں کتابوں کے مصنف دو مختلف شخص رہے ہوں گے۔ اول الذکر کا اسلوب سادہ، رواں اور موسیقی سے بھرپور ہے جبکہ آمکتا مالیاد کا طرز بہت پیچیدہ ہے۔ اگرچہ اس میں شستگی اور نفاست کی کمی نہیں ہے۔ پیڈن اپنی تصنیف میں سنسکرت اور غیر تیلگو الفاظ کا استعمال کھل کر کرتا ہے جبکہ آمکتا مالیاد میں غیر تیلگو الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے۔ موخرالذکر کتاب میں گرامر اور قواعد کی سختی سے پابندی نہیں کی گئی ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو پیدن کی کتاب میں ہرگز نہیں ملے گی۔ مزید براں آمکتا مالیاد کے وہ اشعار جن میں کرشن دیورائے کے کارنامے اور فتوحات کو بیان کیا گیا ہے، ایک ہم عصر مصنف پیدن کی تصنیف سے ماخوذ ہیں اور اس ادبی سرقے کا ارتکاب کوئی معمولی مصنف نہیں کرسکتا تھا، چونکہ زیر بحث کتاب کا مصنف ایک شہزادہ تھا اور پیدن اس کا پسندیدہ درباری شاعر تھا لہٰذا اس مسئلہ میں کرشن دیورائے اس کا کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ آمکتا مالیاد کا خاتمہ نظم میں ہے نہ کہ نثر میں جیسا کہ منوچرت کا خاتمہ ہے۔ یہ تمام باتیں اس رائے کے خلاف جاتی ہیں کہ یہ تصنیف پیدن کی ہے[159]۔

اللسانی پیدان (ALLASANI PEDDANA)

شعرا کا وہ گروہ جو عام طور پر استاذن رگ کے نام سے معروف تھا ان میں سب سے اہم اللسانی پیدن تھا۔ وہ بلاری ضلع کے دوپد تعلقہ کے موضع دورنل (DORANALA) میں پیدا ہوا تھا اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے اس نے کرشن دیورائے کے ملک الشعرا کا مقام حاصل کرلیا شاعر کی حیثیت

Marfat.com

سے اس کی عظمت اور وجے نگر کے دربار میں اس کے رسوخ نے اسے ادبی دنیا کا مطلق العنان فرماں روا بنا دیا" اس کی سب سے اہم تصنیف سوار وچسا منوچرت (SVAROUSA MAN-NU CARITE) ہے جو مرکنڈیا پران (MARKANDEYA PURANA) کا ایک ضمیمہ اور چھ اسواسوں (ASVASAS) میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ تصنیف ایک معیاری پربندھم ہے (جس میں اس طرح کی تصنیف درکار) اٹھارہ قسم کے بیانات موجود ہیں جیسے شہر، سمندر، پہاڑ، موسم طلوع آفتاب و ماہتاب پر فضا باغ، عمدہ تالاب، اسباب تفریح، شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، غرض جنگ قمار بازی، عشاق جدائی وغیرہ۔ پیدن نے اپنی تصنیف کے لیے مواد مرکنڈیا پران سے حاصل کیا۔ لیکن اس میں تصرف کیا اور اصل سے ہٹ کر اور اپنے تخیلات اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایسی کہانی پیش کی جو پڑھنے والے کی توقعات کو پورا کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شعراء متقدمین میں شری ناتھ اور ہم عصر شعراء میں کرشن دیو رائے کا مرہون منت ہے آسانی سے محسوس کی جا سکتی ہے منوچرت میں جو چیز ہمیں ملتی ہے اسے اجتہادی انشاء (ELECTICISM IN COMPOSITION) سے تعبیر کر سکتے ہیں جو بعد کے زمانے کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت تھی[115] یہ تصنیف فطرت کے تخیلاتی اور تجراتی تذکروں سے پر ہے اور اس میں کثرت سے اسلامی اور دوسرے بیرونی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ پیدن کی اس تصنیف میں سنسکرت ترکیبوں کا استعمال بھی بہت اس طرز شاعری میں بہت سے شاعروں نے اس کا اتباع کیا ہے اور اسی وجہ سے اسے آندھرا کویتا پتاما (ANDHRA-KAVITA PITAMAHA) یعنی تیلگو شاعر کا خالق کہا جانے لگا وہ کرشن دیو رائے کا بہت مقرب تھا۔ یہ مشہور ہے کہ جب بھی کرشن دیو رائے اسے دیکھتا تھا اسے اپنے ہاتھی پر بیٹھا لیتا تھا اس کے لیے بہت خیال اور احترام کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اسے اپنے شاہی سرپرست سے زمینوں کے عطیے بھی ملے تھے۔

نندی تمن (NANDI TIMMANNA)

دوسرا اہم شاعر تمن تھا۔ اس نے تیلگو میں پاری جاتا پھرنمو (PARIJATAPAHRANAMU) لکھی اور اسے کرشن دیو رائے کے نام معنون کیا۔ اس کتاب میں شری کرشن کے اپنی بیوی ستیا بھاما کو خوش کرنے کے لیے اندر کے باغ سے مقدس پودا پاری جات کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے۔ روایت یہ مشہور ہے کہ مصنف نے یہ کتاب اسی مقصد سے لکھی تھی کہ راجہ کرشن دیو رائے رانی چناد یوی کی جانب دوبارہ مائل ہو جائے اس لیے کہ ایک بیان کے مطابق وہ اس کی نظروں سے اس بنا پر اتر گئی تھی کہ بادشاہ

Marfat.com

کو سونے کی حالت میں اتفاقاً اس نے ٹھوکر مار دی تھی۔ پاری جاتا پہرنومنڈ شاعرہ کا ایک نمونہ ہے۔ اس کا اسلوب سہل اور رواں ہے۔ بندش الفاظ صاف اور شستہ اور "تشبیہہ و استعارات واضح اور پرکشش ہیں" دوسروں کے برخلاف مصنف نے اپنی تصنیف میں سنسکرت الفاظ کی بکثرت استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ تمن عام طور سے بنجی تمن کے نام سے مشہور ہے شاید اس وجہ سے کہ اس کی ناک لمبی اور موٹی تھی یا پھر اس کی وجہ اس کا وہ عمدہ بیان ہے جو روایات کے مطابق اس نے ایک نظم میں ناک پر دیا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو رام راج بھوشن نے اپنی تصنیف وسو چرت رمو (VASUCARITRAMU) میں شامل کر لیا ہے۔

دھورجتی (DHURJATI)

دھورجتی ایک اور ممتاز تیلگو شاعر تھا جس کو کرشن دیو رائے کے دربار میں فروغ حاصل ہوا وہ کٹر ویشنو تھا۔ اس کا ثبوت ہمیں اس کی تصنیف کال ہستی مہاتمیم (KALAHASTI KAHATMAYAN) اور کال ہستیشور سکم (KALAHASTISVARA SATAKAM) سے ملتا ہے۔ مصنف کی یہ دونوں کتابیں کال ہستی کے دیوتا کی مدح میں ہیں اور شیو سے منتسب ہیں۔ اول الذکر ایک بہت ہی اعلیٰ قسم کی منظوم تیلگو تصنیف ہے۔ دھورجتی نے اس کے لیے مواد سنسکرت کی تصنیف سکدا دھیائے ([illegible]) سے اخذ کیا لیکن اس مواد کو اس نے اور بڑھایا۔ اس تصنیف کے اسلوب میں شستگی اور ندرت ہے اور اس کا تخیل بلند ہے۔ لیکن وہ گرامر کے اصولوں پر سختی سے کاربند نہیں ہے اور اپنی تصنیف میں آزادی سے تامل اور کنٹر الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔

پنگلی سورن (PINGALI SURAVNA)

پنگلی سورن اس عہد کا ایک دوسرا عظیم شاعر تھا بظاہر وہ سولہویں صدی کے اختتام تک زندہ رہا اور اسے ندیال (NANDYAL) کے حکمراں کرشن راج کی سرپرستی حاصل تھی جس کے بارے میں 1571ء کے ایک کتبہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وینکٹادری راج (VENKAT ADARI RAJA) نام کا اس کا لڑکا تھا۔ یہ شاعران چند نے گنے لوگوں میں سے تھا جنہوں نے گھریلو زبان کو شیریں، مترنم اور سرور آگیں بندش کے ساتھ استعمال کیا۔ وہ کال پورنو دیم (KAL - APWRAN ODAYAMU) کا مصنف تھا جس میں اس کہانی کو پیش کیا گیا ہے جو برہما نے اپنی

Marfat.com

بیوی سرسوتی کے طوطے سے بیان کی تھی۔ جس کا ہر ہر لفظ اس کی بیوی پر منطبق تھا۔ اس کی تصنیف راگھو پانڈو یمو (RAGHAVAPANDAVIYAMU) ایک دو یارتھ کاوُ (DUAY-ARTHE KAYU) ہے جو تیلگو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعض الفاظ ذو معنین ہیں اور جن تراکیب کا اس نے استعمال کیا ہے اگر ان کو جدا کیا جائے تو ان سے بھی دو مختلف مطلب نکلتے ہیں۔ یہ تیلگو کی پانچ مہا کاویوں میں سے ایک ہے اور اسے اکو ویتی وینکٹا دری (AKUVITI VENKALADARI) کو معنون کیا گیا ہے۔ وہ پربھاوتی پردھومینم (PARBHAVATI PRADHYUMNAM) کا بھی مصنف ہے جس کا انتساب اس نے اپنے باپ امریا (ALARAYYA) کی جانب کیا ہے۔ یہ تصنیف پانچ کھنڈوں پر مشتمل ہے اور اس کا اسلوب متوازن ہے۔ سورن کی تصانیف میں مختلف ساخت کے جملوں کی بھرمار ہے اور مصنف کو اپنی قوت متخیلہ میں کمال حاصل ہے۔ اس کے کردار علامتی نہیں بلکہ افراد ہیں۔ ان کرداروں کی تخلیق میں سورن نے ایک جیتی جاگتی دنیا کو اس کے تمام گونا گوں رنگوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔[113]
بظاہر وہ کافی عمر تک زندہ رہا اور تیرو مل اول کا ہم عمر بھی رہا ہوگا۔

تنالی رام کرشن
(TENALI RAMKRSNA)

تنالی رام کرشن، رامیا کا بیٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے رام لنگا کے نام سے معروف تھا اور بعد میں جب اس نے تبدیل مذہب کرکے ویشنو عقیدہ اختیار کیا تو اسے رام کرشن کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بظاہر وہ کرشن دیو رائے کا ہم عصر تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ استادی گج میں سے ایک تھا۔ یہ بات انتہائی مشتبہ ہے کہ وہ تاتا چاریہ اور اپیا دکشت کا ہم عصر تھا جو شری رنگا اور وینکٹ دوم کے زمانہ میں تھے۔ اس کے ایک زائچہ کے مطابق اس کی ولادت 1462ء میں ہوئی تھی اور کاولی وینکٹا راما سوامی نے اسی تاریخ کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ زائچہ کس حد تک اصلی ہے۔ اس کی سب سے پہلی نظم ادبھٹارادھیا چرتومو (UDBHATRADHYA CARITRAMU) تادندلا گوپ (NADINDLA GOPE) کے نام سے معنون کی گئی ہے جو کونداویدو میں کرشن دیو رائے کا گورنر تھا۔ تنالی رام کرشن کے عہد اور وقت کے تعین کے لیے محض یہی ایک ثبوت کافی ہے۔ لنگا پرانمو کا مصنف اسی کو بتایا جاتا ہے۔ اس کی ایک دوسری تصنیف پانڈورنگ مہاتمایمو (PANDURANGA MAHATMAYAMU) بڑی ادبی خصوصیات کی حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ولوری ویدادری نامی ایک شخص کے نام معنون کی گئی تھی۔ تنالی رام کرشن

Marfat.com

گھٹی کاچل مہاتمایو (GHATI KACALA MAHATMAYAMU) نام کی ایک اور کتاب کا مصنف ہے۔ یہ بڑی اہم تصنیف ہے۔ اس رام کرشن کوی کی حرکتوں کے متعلق بہت سی کہانیاں اور روایتیں مشہور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کامیاب پر مذاق شاعر تھا اور بڑی معصومیت کے ساتھ نہ صرف تاتا چاریہ کا مذاق اڑاتا تھا جو اس کا ہم عصر معلوم ہوتا ہے، بلکہ وہ بادشاہ کو بھی نہیں بخشتا تھا۔ اس کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس دور کا بہت ہی مقبول شاعر تھا۔ اس دور میں جن دوسرے شاعروں کو فروغ حاصل ہوا ان میں سے ایک کونیرو ناتھ (KONERU NATHA) نامی ایک شاعر تھا۔ یہ بال بھاگوتامو- (RA-LA BHAGVATAM) کا مصنف تھا جو ایک تیلگو تصنیف ہے اور چناتمارا جا سے منتسب ہے جو وٹھل کا چھوٹا بھائی تھا اور جس نے ٹراونکور کے حکمراں کے خلاف ایک مہم کی قیادت کی تھی (اس کتاب میں) چناتما کو کرتی نایکندو (KRITINAYAKUNDU) کہا گیا ہے۔ اس میں بھاگوت کی کہانی سادہ اور مقبول اسلوب میں پیش کی گئی ہے ١١ تیرومل اوّل کا ایک بھتیجا سدھاراجو تماراجو بھوپال (SIDDHARAYU TIMMARAJU BHOPALI) ایک تیلگو کتاب پرمایوگی ولاسمو (PARAMAYOGI VILASAMU) کا مصنف تھا جو آلواروں کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے ١٢

رام بھدرائیہ (RAMABHADRAIAH)

سولھویں صدی کے نصف آخر میں ایلاراجو رام بھدرائیہ اور رام راج بھوشن جیسے شعرا پیدا ہوئے۔ رام بھدرائیہ کو 1570ء کے قریب فروغ ہوا اور تیلگو میں راماابھی ادیم لکھی۔ یہ رامائن کی کہانی ہے جسے موثر بنانے کے لیے پربندھ کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وسوچرتمو - (VASU-CARITRAMU) کے مصنف رام راج بھوشن سے ایک مقابلہ کی بنا پر اس نے یہ بیڑا اٹھایا کہ وہ چھ ماہ کی مدت کے اندر ایک ایسی کتاب لکھے گا جو موخرالذکر کی تصنیف سے بہتر ہوگی۔ اس نے آخری دن تک اس کام کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن اس روز شب میں دیوتا سری رام نے رام بھدرائیہ کے لیے یہ کتاب لکھ دی یہ کتاب اگرچہ بہت مقبول ہے تاہم گرامر کی بعض غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔

رام راج بھوشن

بھٹو مورتی یا رام راج بھوشن (رام راج کی دربار کی شان) جو اس کا زیادہ مشہور نام تھا۔

Marfat.com

رام راج کا درباری شاعر تھا۔ یہ وسوچرترمو کا مصنف تھا جو تیرو مل کو معنون ہے۔ یہ کتاب تیلگو زبان کے لیے معیاری پربندھم سمجھی جاتی ہے۔ قافیہ اور سرحرفی کی صنعت (ALLITERATION) سے پر ہے نیز اس کے بندوں میں پرکیف حسن ہے اور ان میں سے اکثر کے ایک سے زیادہ معنیٰ ہیں" یہ تصنیف تیلگو ادب کی پانچ مہا کاویوں میں سے ایک ہے، جو اعلیٰ خیالات سے مملو ہے۔ اور بکثرت پڑھی جاتی ہے۔ اس کا ریختہ کردار اس عہد کے ذوق کی عکاسی کرتا ہے[117]۔ رام راج بھوشن، ہریش چندر نلو پاکھیان (HARISHCANDRA NALOPAKHYAN) کا بھی مصنف ہے جس میں ہریش چندر اور نل کی کہانی ایک ہی طور سے بیان کی گئی ہے۔ یہ بھی پنگلی سورن کی راگھو پانڈویا کی طرح دُو یارتھ کاو ہے۔ لیکن اس تصنیف کا اسلوب اور زبان کچھ مشکل ہے۔ بظاہر رام راج بھوشن نے ایک تیسری کتاب بھی لکھی تھی جو نرسا بھوپالی یمو (NARASA BHUPALIYAMU) کے نام سے معروف ہے۔ یہ کتاب شاعری کے بارے میں ہے جو ودیاناتھ کوی کی مشہور سنسکرت تصنیف پرتاب ردریم (PRATAPRUDRIYAM) کا چربہ ہے۔ راج گوپال راؤ کے مطابق اگرچہ "نرسا بھوپالی یمو کے مصنف کے سلسلہ میں اختلاف ہے تاہم اندرونی شہادت قطعی طور پر رام راج بھوشن کو اس کا مصنف قرار دیتی ہے[118]۔" اس تصنیف کا انتساب رگنتی نرسا راجو (RAGNATI NARASA RAJU) کے نام کیا گیا ہے جو تیرو مل کا ایک بھتیجا اور داماد تھا۔

ویمن (VEMANA)

ویمن ایک دوسرا مقبول شاعر تھا جو غالباً سولہویں صدی میں ہوا تھا۔ بعض عالموں کی رائے کے مطابق وہ انویما رڈی (ANVEMA REDDI) کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو چندنول (CANDANUL) کے علاقہ کا سردار تھا۔ یہ نام اس کا ذاتی نام معلوم ہوتا ہے اور اس نے اپنے خاندانی نام کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ براؤن کا خیال ہے کہ وہ ایک زنگم (ZANGAM) تھا جو شودروں کا ایک فرقہ تھا جس نے عام مذہب سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، صرف شیو پوجتے تھے، اپنا خاندانی نام ترک کر دیا تھا لیکن ان کو صرف ان کے فرقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہا یہی فرقہ ایسا تھا جس کو ویمن نے بڑھایا تھا اور اسی لیے اس کے طنز سے کوئی نہ بچ سکا۔ ویمن ایک معلم اخلاق تھا جو لوگوں کے عیوب، حماقتوں، اندھے روایتی اعتقادات اور ذات پات اور عورتوں پر طنز کرتا تھا۔ وہ ذاتی جائداد اور سرمایہ کے جمع کیے جانے کے معاملہ میں اپنے زمانے کے لحاظ سے سوشلسٹ تھا اور کہتا تھا کہ کوئی بھی جائداد نجی نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے اشعار

Marfat.com

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہمنوں کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ درحقیقت دیہاتی زندگی کا شاعر تھا۔[119]

کودندراجا کے زمانہ میں وینکیا (VENKAYYA) نامی ایک شاعر تھا جس نے رام راجیا مو لکھی تھی جو تریتی وجے مو کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس کتاب میں اس نے اروید وسلسلہ کے راجاؤں کے زیرحکومت سلطنت وجے نگر کی تاریخ بیان کی ہے۔ اگرچہ یہ تصنیف بعد کی ہے تاہم اس کی تاریخی صحت کی توثیق نہ صرف اس عہد کے ادب سے ہوتی ہے بلکہ ان مختلف ادوار کے کتبوں سے بھی جن کے ذکر پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

فصل چہارم

کنڑ (KANNADA)

وجے نگر کے دور میں سنسکرت اور تیلگو کی طرح کنڑ زبان میں بھی مختلف موضوعات پر بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ ان کے مصنفین مذہبی اعتبار سے یا تو جین تھے اور یا ویرشیوا یا پھر برہمن اور انھوں نے اپنی تصنیفات کے لیے عموماً اپنے مذاہب کے ادب سے مواد اخذ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں غیر مذہبی موضوعات پر بھی بعض کتابیں لکھی گئیں۔

وجے نگر کے ابتدائی دور میں گرددیو نامی ایک مصنف نے ایک بہت ہی مشہور سنسکرت کتاب ویرشیوا اچاریہ پردیپیکا (VIRASIVACARYA PRADIPIKA) لکھی تھی اس نے یہ تصنیف جیسا کہ وہ خود کہتا ہے سدھ دیو کے لیے لکھی تھی۔ وہ بعض استوتروں (STROTHAS) کا بھی مصنف ہے۔ بھیم توی تیلگو اور کنڑ دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ اس نے بساوا پران (BASAVA PURANA) کا، جو بڑی حد تک پلکوریکی کی تیلگو تصنیف پر مبنی ہے، کنڑ زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ہری ہر دوم کو، جو ایک بڑا عالم تھا کرناٹک ودیا ولاس[120] یعنی کرناٹک علوم کو فروغ دینے والے کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ مدھرا شاعر جس کا مدھرا مادھو بھی کہتے تھے، ہری ہر دوم کے زمانہ سے ہوا تھا۔ وہ جین مذہب کا پیرو اور دھرما ناتھ پوران کا مصنف تھا جس میں پندرہویں تیرتھنکر کی سوانح بیان کی گئی ہے۔[121]

پندرہویں صدی کے شعرا

دیورائے دوم کا دور حکومت بڑی ادبی سرگرمیوں کا دور تھا اور اسی دور میں بہت سے ویرشیوا عالموں کو فروغ حاصل ہوا۔ مہالنگ دیو نے اکوترا ست استھلا (EKOTTARASAT STHALA)

Marfat.com

اور ست ستھلا دیویکا (SAT STHALA / VIVEKA) لکھیں۔لکشمن ڈنڈاناتھ نے شیوتواچنتامنی لکھی۔یہ انتہائی فلسفیانہ کتاب ہے جس کو مصنف نے ویرشیوسدھانت تنترا کا سوتر کہا ہے یعنی تمام ویدوں اور آگموں کا بنیادی سوتر۔کمار ویاس اور چام رس نے کنڑ میں بھارت (BHARATA) لکھی لیکن بعد کی تصنیفوں میں مذکور ایک روایت کے مطابق اول الذکر نے حسد کی بنا پر موخر الذکر کی بیوی کو راضی کر لیا اور اس کی مدد سے چام رس کی تصنیف کو ضائع کر دیا۔لیکن چام رس نے خود وشنو کے فیضان سے مستفیض ہو کر پربھولنگ لیلا (PRABHULING LILA) لکھی۔اس میں الّما (ALLAMA) کی زندگی کا حال درج ہے جسے پربھودیو کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جو ایک بہت بڑا روشن خیال شخص اور ویرشیو تحریک کے لیے ایک پشت پناہ تھا۔اس کتاب کو سبھی عالموں نے سراہا اور اس حد تک کہا جاتا ہے کہ بادشاہ دیوراے دوم نے مصنف کی عزت افزائی کی اور خود دیشنو عقیدہ اختیار کر لیا۔پربھولنگ لیلا ایک بہت ہی مقبول ویرشیو تصنیف ہے اور اس کا ترجمہ تامل اور تیلگو دونوں زبانوں میں ہوا ہے۔کمار ویاس کی بھارت کا کنڑ ترجمہ انشا کے لحاظ سے کنڑ کی (جس میں اس طرح کی تصنیفات زیادہ نہیں ہیں) نہایت ہی عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے۔شاید پمپا (PAMPA) کو مستثنیٰ کر کے وہ کنڑ کا عظیم ترین شاعر ہے۔اسی زمانہ میں بہت سے دوسرے شعراء اور عالموں کو بھی فروغ حاصل ہوا جیسے مگیا مگی دیو (MAGGIYA MAGGIDENA) جو بعض ایسی شکوں (SATAKAS) کا مصنف ہے جن سے قاری کا دل بھر آتا ہے۔اور چندر کوی جس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہمپی کے مندر کے دیوتا ویرپاکسا کے دربار کا حال بیان کیا گیا ہے۔

ملیکارجونا اور ویروپاکسا کے دور حکومت میں بھی بعض عالموں کی ادبی تصنیفات منظر عام پر آئیں۔ان میں زیادہ تر ویرشیو مصنفین تھے۔ان میں بوم رس (BOMMARASA)، کلارس (KALLARASA) اور تونتاداسیدھیشور (TONTADE SIDDHESVARA) قابل ذکر ہیں۔بوم رس سوندر پراں کا مصنف تھا جو کنڑ زبان میں تامل کے شیوسنت، سندر کی سوانح حیات ہے۔کلارس نے جنواسیا (JANAVASYA) لکھی جسے ملیکارجونا جیا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔شاعر کہتا ہے اس کتاب میں ملیکارجونا کی ان تعلیمات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے جو اس نے اپنی ملکہ کو دی تھیں کہ کن طریقوں سے عورت مرد پر (عشقیہ معاملات میں) فتح پا سکتی ہے۔اس کتاب میں واسیانیا (VASYAYANA) کی کتاب کام سوتر کا، جو اس موضوع پر ایک دوسری تصنیف ہے، بکثرت حوالہ ملتا ہے۔تونتاداسدھیشور[126] جو بظاہر ویروپاکسا سوم کے زمانہ میں تھا، ست استھل جنان سارامرتا

Marfat.com

(SATSTHALAJNANASARAMRTA) کا مصنف تھا وہ بہت ہی مقبول ویر شیو شاعر تھا اس کی اتنی قدرو منزلت ہوئی کہ اس کے اوپر ویر کتا تونتا داریا سدھیشور پران (VIRA - KATA TONDARYANA SIDDESVARA PURANA) اور سنتش (SANTISA) کی تونتا دا سیدھیشور پران جیسی کتابیں لکھی گئیں[124]

سولہویں صدی کے شعرا

اس عالم میں جس کو اس دور میں فروغ حاصل ہوا بھاسکر کوی کا بیٹا تمن کوی (TIMMA - NA KAVI) تھا۔ اس نے کرشن دیورائے کی فرمائش پر بھارت کا نصف آخر کنڑ زبان میں لکھا۔ وہ اس کتاب کے خاتمہ میں خاص طور پر کہتا ہے "اس نے یہ کتاب نرسا کے بیٹے کرشن دیورائے کی عظیم شہرت کو دوام بخشنے کے لیے لکھا ہے"[125]۔

کرشن دیورائے کے زمانہ میں کنڑ کے کئی مشہور شاعروں کو فروغ حاصل ہوا شانتی کیرتی نامی ایک شاعر، جو سولہویں صدی کے اوائل میں ہوا جین تصنیف سانتی ناتھ چرت کا مصنف تھا جو سنگیتا بحر میں لکھی گئی ہے۔ اُدواگریا اور بومبیا لکا (BOMBEYA LAKKA) اس دور کے دو ویر شیوا مصنفوں نے ہریش چندر کی کہانی لکھی ہے۔ ویر بھدرا راج اس دور کا ایک عالم ہے جس نے ویر بھدرا وجیا لکھی ہے جس میں دکشا (DAKSA) کی قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ گبی کے ملا نارایا (MALL - ANARAYA) نامی ایک شاعر نے بھاو چنتا رتن لکھی جس میں پنچاکسری (PANCAKSARI) کی عظمت کا بیان کیا گیا ہے اور ویر شیوا مارتا پران (VIRASAIVAMRTA PURANA) لکھی جو سات ہزار ہندوؤں کی ایک ضخیم کتاب ہے اور یہ بند ست پدی (SATPADI) بحر میں کہے گئے ہیں۔ کمار ودیاس کی مہابھارت کے طرز پر راماٹن کو کنڑ زبان میں منتقل کیا ہے۔ اس دور میں طب پر بھی کتابیں لکھی گئیں ان میں سری دھر دیو کی مصنفہ دید یامرت (VAIDYAMRTA) قابل ذکر ہے۔ کھانا بنانے کے موضوع پر ایک کتاب سوپ شاستر (SUPASASTRA) ہے جو کہ اس دور کی ایک دلچسپ کتاب ہے۔

وہ شعرا جو سولہویں صدی کے اواخر اور سترہویں صدی کے اوائل کے ہیں ان میں ویروپاکسا پنڈت (VIRUPAKSA PONDIT) قابل ذکر ہیں، جنھوں نے سنہ 1584ء میں چنا بسو پران (CANNA BASAVA PURANA) لکھی۔ اس کتاب کا اسلوب سادہ ہے۔ ویر شیو مذہب پر یہ کتاب اتنی ہی اہم ہے جتنی شیو سدھانت مذہب پر شیوجنان بودھم ہے۔ اس دور کے

Marfat.com

جین شعراء میں رتناکرورنی (RATNAKARA VARNI) کا تذکرہ ضروری ہے جو بھرتشیا ویبھاد (BHARATESA VAIBHAVA) کا مصنف ہے جس میں دس ہزار بند ہیں۔ اس میں پہلے جین آدی ناتھ کے بیٹے بھرت کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب کنڑ ادب کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ بھٹاکلنک دیو (BHATTA KALANKA DEVA) اس دور کا ایک بڑا نجومی اور شاعر گذرا ہے۔ وہ کرناٹک سشبدا نوشاسن (KARNATAKA SAB - DANUSASANA) کا، جو کرناٹک زبان کے گرامر کی ایک کتاب ہے، مصنف تھا۔ وہ شری رنگا اول اور وینکٹ دوم دونوں ہی کا درباری شاعر تھا۔ اس کی سنسکرت اور کنڑ دونوں ہی اچھی تھی اور اس کی یہ تصنیف اس کے علم کی گہرائی کی واضح علامت ہے۔ سداشیولوگی اور مرگی دیشی کندر (MURIGE DESIKENDRA) اس دور کے دو مزید مصنف ہیں جو علی الترتیب رام ناتھ ولاس (RAMANATHA VILASA) اور راجندر وجے (RAJENDRA VIJAYA) کے مصنف ہیں۔ دونوں ہی کتابیں چمپو (CAMPU) طرز پر لکھی گئی ہیں۔

فصل پنجم

تامل

ملک تامل پر کمین کی فتح اور سلطنت وجے نگر کے ساتھ اس کے الحاق کے بعد ملک میں بڑی پرامن فضا قائم ہو گئی تھی اور ادبی سرگرمیوں کی بڑی ہمت افزائی ہوئی تھی جنوبی ہند پر وجے نگر کے دور حکومت میں بہت سے ایسے عالم پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی تصنیفات سے تامل ادب کو مالامال کر دیا۔ بہت ساری تصنیفات مذہبی نوعیت کی ہیں جن میں شیو کے فلسفہ پر بحث کی گئی ہے اور مخصوص عبادت گاہوں کی مدح سرائی کی گئی ہے لیکن شعراء سے متعلق معلومات اتنی مختصر ہے کہ ان کی سوانح اور تصنیفات پر تفصیلی روشنی ڈالنی مشکل ہے۔ بہر حال چند نام قابل ذکر ہیں۔

پندرھویں صدی کے اوائل میں جنوبی ہند میں تامل کا ایک مشہور شاعر شرم بلادی (SIR-RAMBALADI) ہوا ہے۔ وہ اوماپتی شیو آچاریہ کے عصر سے، جو 1313ء کے قریب کا ہے، ٹھیک چار پشتوں کے بعد کا شاعر ہے۔ اس کا ایک کم عمر معاصر پلوتیکٹی جنانا پرکاسر (PALUTAI KATTI JANAN PRAKASAR) تھا۔

سایو سردار تیرو ملیا دیو۔ جو سالو گوپ کا بیٹا اور سالو گوپ پتا کا بھائی تھا، تامل ادب کا بہت

Marfat.com

بڑا سرپرست تھا۔ اس کی مدح سرائی کال میگھپ پلور (KALAMEGHAPPULAVAR)
اور جوڑواں شاعر مدھو سوریر (MADHU SURYAR) اور ایلن جوریر
(ILANJURYAR) جو عموماً ارتیار (IRATTAIYAR) کے نام سے معروف
ہیں۔ جیسے شعراء نے کی ہے۔

سولہویں صدی کے شعرا

کرشن دیورائے کے زمانے میں جنوبی ہندوستان میں بہت سے تامل علماء کا فروغ ہوا۔
اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کرشن دیورائے تامل کا عالم تھا تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ تامل عالموں کی
سرپرستی کرتا تھا۔ جن میں سے اکثر نے اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تیرو ملائے ناتھو ایک شاعر تھا۔ جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ چدمبرم میں گذارا تھا وہ چدمبر
پران کا جو اسی نام کی ایک سنسکرت تصنیف کا ایک ترجمہ ہے اور مدورائی چوکا ناتھو دولا
(MADURAI COKKANATHARULA) کا مصنف تھا۔ پرن جوتی یار - PARAN)
(JOTIYAR اس کا بیٹا تھا جس نے شاعری تنقید پر ایک کتاب چدمبرا پاتیال - CIDA)
(MBARAPPATTIYAL لکھی۔ اس دور کا ایک اور شاعر شوز کیو ودرہ - SEVVAIC)
(UDUVER تھا جس نے بھاگوت پرانم کو تیلگو میں منتقل کیا تھا۔ تواپرکاش سوامی گل جو
تیرو وارود (TIRUVARUR) میں رہتا تھا۔ اس دور کا ایک عالم تھا کسی حیثیت
سے اس کا تعلق مقامی مندر کی انتظامیہ سے تھا۔ جن دنوں مندر کے معاملات قاعدہ سے نہیں انجام
پا رہے تھے۔ تو اس نے کرشن دیورائے کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے مندر کے تری بھٹر - SRI BH)
(ATTAR کو عہدے سے برطرف کر دیا اور اس طرح انتظام بحال کیا وہ تواپرکاشنم کا مصنف تھا
جس میں شیو کے فلسفہ کا تفصیلی بیان ہے۔ وڈا ملائی انا گلین - VADAMALAI ANN)
(AGALAYYAN بھی جو ریاست کے تامل اضلاع کی انتظامیہ سے متعلق تھا اور وشنو سے اپنی
بے پناہ عقیدت کے لیے کافی مشہور تھا اور اس وجہ سے اسے ہری داسر (HARIDASAR)
کا نام دیا گیا تھا۔ اس عہد کا اچھا عالم تھا اور اپر دسس مایا ولا کم - IRUSAMAYA)
(VILAKKAM کا مصنف تھا جس نے میں وشنو مذہب کی برتری کی مدح کی گئی ہے جنان
پرکاش دیشی کر (JANANPRAKASH DESHIKOL) جو کانچی میں قیام پذیر تھا اس دور
کا ایک اور ممتاز عالم ہے۔ وہ منجر پا (MANJARIPPA) جو کرشن دیورائے کی مدح

Marfat.com

میں ہے اور کچی کلم بکم (KACCIKALAM BAKAM) ایک اہم کتاب ہے
جس میں کانچی کی عظمت و شوکت کا تذکرہ ہے، کا مصنف ہے، کرشن دیورائے کا ایک اور ہم عصر
مندل پرادر (MANDALA PURADAR) تھا وہ جین تھا اور تیرو نرو کوندائی
(TIRUNARUKONDAI) کے مٹھ کے سربراہ گن بھدرا (GUNABHADRA) کا
شاگرد تھا وہ نیکنڈو چوڈامنی (NIKUNDU CUDAMANI) نام کی ایک
لغت کا مصنف تھا اس نے تیروپوکل پرانم بھی لکھی تھی جس میں تیرو تھنکرون کی سوانح حیات بیان کی
گئی ہیں۔ جن عالموں کی کرشن دیورائے نے سرپرستی کی ان میں سے ایک برہمن کمار سرسوتی تھا جسے
تامل کے علاوہ سنسکرت، تیلگو اور کنڑ پر کافی عبور حاصل تھا۔ اس نے اپنی تامل تصنیف میں، جس
میں اس کے سرپرست کی سرگرمیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ کنڑ اور تیلگو الفاظ کثرت سے استعمال کیے
ہیں اروان پاڑی (ARRUVAN PADI) کے ایک ودوان پنڈت ودملایر
(VADAMALAYAR) کو بکسامتھ (BIKSAMATHE) کے ویشویشور شیو
اچاریہ (VISVESVAN SIVA ACARYA) کی جانب سے عطیہ میں ایک زمین
ملی تھی[127] کہا جاتا ہے کہ وہ مچا پرانم (MACCAPURANAM) اور نیدورتلا پرانم
(NIDURATTA PURANAM) کا مصنف تھا[128] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان
دونوں کتابوں کا مصنف وجے نگر کے اس عالم کے علاوہ کوئی اور تھا اس لیے کہ مچا پرانم K.A 882
(1707ء) میں لکھی گئی تھی۔ یعنی ہمارے اس عالم کے ڈیڑھ سو سال بعد ویرکوی راشر بھی اس دور کا شاعر
تھا اور ہری چندرا پرانم (HARICCANDRA PURANAM) کا مصنف تھا۔ وردان
(VARADAN) نے جو عام طور سے ارولالہ داسر (ARULALA DASAR) کے نام
سے معروف ہے پران بھاگوتم کا تامل میں ترجمہ کیا تھا جس میں وشنو کے دس اوتاروں اور شری
کرشن کے مشغلوں کا تذکرہ ہے پیرومال کوی رایر (PERUMAL KAVIRAYAR)
اس دور کا ایک اور قابل ذکر شاعر تھا۔ جو تیروکوروگائی (TIRUKURGAI) میں
رہتا تھا۔ اس نے کوروکامانیم (KURUKAMANIYAN) اور مارن کیلاویمی مالائی
(MARAN KILEVI MANIMALAI) دو تصنیفیں جن میں الوارتیرونگری
(ALOARTIRUNAGRI) کے دیوتا کی عظمت بیان کیا گیا ہے مرناگپورل (MARENAGA
PPURUL) تیروپتی کووائی (TIRUPPATIKOVAI) مارنالنکارم
(MARANCANKARAM) اور مارن پاپاونم (MARANPAPPAVINAM)

Marfat.com

اور بعض دوسری کتابیں لکھی ہیں۔ کویراسن پنڈتیر (KAVIRASAPAN DITER) ایک برہمن عالم تھا جس نے سندر یالہری کا ترجمہ تامل میں کیا تھا۔ وہ دو تامل کتابوں وراکی مالائی (VARAKIMALAI) اور آنندا مالائی (ANANDAMALAI) کا بھی مصنف تھا۔

مرائی جنان سمندر جو چدمبرم کا رہنے والا تھا، ایک مشہور عالم تھا وہ اچیوت رائے اور سدا شیو کے عہد میں تھا وہ شیو نظریات پر بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ ان میں یہ کتابیں قابل ذکر ہیں: پتی پشو پشوپنوُول (PATIPASUPASUPPANUVAL) شنکرپنی راکرنم (SANKARPANIVAKARANAM) پداموپدیشم (PRAMUPADISAM) مُسندرلائی (MUNDIRILAI) شیواسمیانیری (SIVASAMYNERI) پرماتی میرا باتو (PARAMAPATILIAMU) اور سکلاگمار (SAKA- LAJAMASARAM) اس نے کملالیاپرانم (KASALAPURANAM) ، ارُونگیری پرانم (ARUNAGIRIPURANAM) اور شیوادھر مو ترم (SIVADHARMOT- TARAM) بھی لکھی تھی۔ شیواگر یوگی گل (SIVAGRAYOGIGAL) جو سوریانار کوئیل (SURAYANAR KOYIL) میں رہتا تھا۔ اس دور کا ایک برہمن عالم تھا۔ اس نے شیوسنیاس پدتی شیومری بھاشائی، شیو جنان سدھیارارائی (SIVAJNAN) شیونیری پیراکاسم (SIVANERIPIRAKASAM) اور بہت سی دوسری قیمتی کتابیں لکھی تھیں۔ کملائی جنان پرکاش پنڈتیر (KAMALAIJNAN PRAKASA PANDITAR) نامی ایک عالم تیرو وادُر میں تھا۔ وہ سکل (SIKKIL) ودا کودی (VADA KUDI) وُداسری (VODACCERI) اور چند دیگر مقامات کے مندروں کا نگران اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ تقرری 1561ء میں کرشنا ماراشین KRISNA (MARASAYYAN) کے حکم پر ہوئی تھی۔ جو لکیارا ماراسیّن (ALYAKAMARASAYYAN) کا بیٹا تھا۔ مذکورہ عالم بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جن میں یہ شامل ہیں۔ انوتان اگول (ANNUTTAN AGVAL) شیواپوسائی اگروال (SIVAPUSAI AGVAL) شیونند بودم (SIVANAND BODAM) جناناپ پلو (JNANAPPALU) ، آنوکت تلائی (ALUPVAKATTALAI) ، انا ملائی کودی (ANNAMALAIKOVAI) آئیرپادل (AYTRAPPADAL) تیرو ملو وادی

Marfat.com

پورانم (TIRUMALU VADI PURANAM) اس نے ایک اور کتاب پٹپا ودھی لکھی تھی جس میں ان پھولوں کو بیان کیا گیا ہے جنھیں پوجا کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری پومالائی لکھی ہے جس میں ان ہاروں کا تذکرہ ہے جنھیں دیوتا پر چڑھایا جا سکتا ہے۔ اس دور کا ایک اور ممتاز عالم گروجنان سمبندر (GURUGANAN SAMBANDER) ہے جو بعض اہم کتابوں کا مصنف تھا ان میں چند یہ ہیں: شیو بھوگ سارم، شو کا ناتھ ونیا، مکتی نچیم (MUKTINAICCAYAM) اور پرمانند ولکم (PERMANANDA VILA— NKAM) اس کا ایک ہم عصر جنان پرکاشد تھا جو تیرو وُرّیور (TIRU VORRIYUR) کا رہنے والا تھا۔ وہ تیرو وُرّیور پرانم (TIRU VORRIYUR PURANAM) ہشنکر پنیرا کرن ورائی (SHANKAR PANIRA ARAYI) اور شیو جنان سیدھیار پریکا ارائی (SIVAGANAN SIDHYARIRICA ARAYI) جیسی کتابوں کا مصنف تھا اس عہد میں ایک اور عالم نیرمبا ولاگیار دیشیکر (NIRAMBA VALAGIYAR DESIKA) تھا جو سنسکرت اور تامل اچھی طرح جانتا تھا وہ شیو پرانم، تری پرن گری پرانم، شیو جنان سیدھیار ارائی اور تیرو ورت بین ارائی کا مصنف تھا۔ ایک شاعر انا دھری تھا جسے تیرو وِرندان (TIRU VIRUNDAN) کی سرپرستی حاصل تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مدورا کے کرشنیا نایک بیٹے دیرپا نایک کا وزیر تھا۔ اس شاعر نے سنسکرت کی ایک کتاب سندرایانڈیم کا ترجمہ کیا تھا۔

اَتی ویرام پانڈیا (ATIVIRA RAMA PANDYA) خود، جو بجے نگر حکومت میں ایک ماتحت حکمراں تھا۔ سنسکرت اور تامل دونوں کا بہترین عالم تھا۔ اس کی تصنیفات میں نیدادم (NAIDADAM) ،کاشی کندم، کورم پرانم، لنگا اور ویری ویرکائی (VER— RIVERKAI) قابل ذکر ہیں۔ اس کے ایک معاصر پرن جوتی یار (PARANGOTIYAR) تھا جو تیرو ویلائی اور پرانم (TIRUVILAIYADERPURANAM) کا مصنف تھا۔ الپّا نائنار (ELAPPA NAYANAR) اس دور کا ایک اور اہم عالم تھا جو ارونین تاتی (ARUNAINTATI) ،تیرو وارور کووائی (TIRU VASURKOVAI) ارونا چلا پرانم (ARUNA CALA PURANAM) تیرو ویر نجائی پرانم (TIRU VIRINJAI PURANAM) اور بابری ارائی کا مصنف تھا

Marfat.com

سترہویں صدی کے شعرا

سولہویں صدی کے اختتام اور سترہویں صدی کے آغاز میں ریوانا سیدھر (REVANA SIDDHAR) کا فروغ ہوا جو چدمبرم کا ایک شاعر تھا۔ وہ اکراتھی نیکندو (AKARATH – INIKANDU) کا مصنف تھا۔ جو سابقہ تصانیف تیرو پتیشورا پرانم (TIRUPPATTI – SVARA PURANAM) تیرو ولنجلی پرانم (TIRU VALANGULI PU – RANAM) اور تیرو مرنگلی پرانم (TIRU MERANGALI PURANAM) پر مبنی ایک اہم لغت ہے۔ اس دور کا ایک اور شاعر اپتر نر (APPATTARANAR) تھا جو بھوکولاشاسترم (BHUKOLSASTRAM) کا مصنف تھا۔ یہ جغرافیہ کی ایک کتاب ہے[130]۔

وینکٹ کے عہد حکومت میں انندنمسی وایا پنڈارم (ANANDA NAMASSIVAYP – ANDARAM) نام کا ایک عالم تھا۔ جو چدمبرم گرونمسی وایا مورتی کا شاگرد تھا۔ موخرالذکر پرماہیا مالائی (PARMAHASYA MALAI) چدمبراونیبا (CITAMBARA – VENHA) آناملائی ونیبا (ANNAMALAI VENBA) وغیرہ کا مصنف تھا۔ یہی وہ سدھا (SIDDHA) جس نے اردن گیریاندانڈی (ARUNACIRI YANDANDI) لکھی تھی[131]۔

تامل کے عظیم صوفی شاعر اور فلسفی تایومانور (TAYUMANAVAR) کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدورا کے تیرومل نایک کے عہد میں ہوا تھا۔ وہ ایک شیو سدھانتی تھا اور اس نے چند کتابیں لکھی ہیں جس میں اپنے مکتبہ فکر کے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے وہ (کلام میں) سادگی اور مٹھاس کے امتزاج کے لیے بے نظیر ہے۔ ایک کتبہ کے مطابق اس کا انتقال 1662ء میں ہوا[132]۔

اسی طرح وجے نگر کا عہد زبردست ادبی سرگرمیوں کا دور تھا۔ بالخصوص کرشن دیورائے اور وینکٹ پتی کا دور حکومت تیلگو اور سنسکرت کے ادب کے لیے عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ نایک جاگیردار خود بھی بڑے عالم اور علماء کے سرپرست تھے اور دارالسلطنت میں بادشاہوں کی سرپرستی کا تو کہنا ہی کیا۔

کرشن دیورائے اور وینکٹ کے زمانے کے وجے نگر کا مقابلہ پیریکلس (PERICLES) کے عہد سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وجے نگر کو تہس نہس کیا جا چکا ہے لیکن اسکے مصنفوں نے اسکو جو طاقت بخشی تھی وہ آج ہندوں خوش کرنے کیلیے باقی ہے۔ بلاشبہ یہ ادب کی ایک بڑی تحریک کا دور تھا اور وجے نگر نے ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔

Marfat.com

حواشی

باب دہم

1. TRAVELS OF PIETRODELLA VALLE ،24، ص 227،
ACUIT EDUCATION ، از کیائے (KEAY) ص ص 149-152 بھی ملاحظہ
ہو، ASIATIC SOCIETY JOURNAL OF RESEARCH 1834، ص 15
اوراق 15، ملاحظہ ہو ہندوؤں کے اسکولوں کے نظام پر ایک مضمون کیلئے۔
2. غالباً صرف یہ مسلمانوں کے لیے ہوا کرتے تھے BROADWAY TRAVELLS
از ابن بطوطہ ص 30، FOREIGN NOTICS از نیل کانت شاستری ص ص
220، 234۔
3. DUJARRIC، ا، ص 650 بحوالہ ارویدو خاندان، ا، ص 528۔
4. ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 528 - 529 اور اس میں حوالہ دیئے گئے ماخذ۔
5. 1911 کا 395۔
6. 1890 کا 32 ساؤتھ انڈین انسکرپشن، ۴، نمبر 355۔
7. 1890 کا 21 ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ۴، نمبر 344۔
8. میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1924، نمبر 100۔
9. 1887 کا 50، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ا، نمبر 120۔
10. NELLORE INSCRIPTION 3، پودیلی (PODILI) 34۔
11. ہرس (HERAS) کی ارویدو خاندان، ا، ص ص 525-526۔
12. ملاحظہ ہو ایضاً ص ص 525-528۔
13. 1904 کا 627۔
14. 1910 کا 240۔

Marfat.com

15 ملاحظہ ہو اسی کے زیریں ص ص 332-333

16 ایضاً

17 1909 کا 20

18 CENNAPATUMS 1917-18 کا 5

19 NELLORE INSCRIPTIONS، C.P. 16

20 اپی گرافیا انڈیکا 8، ص ص 307-317 M.P.V.R. N.A. I، 625 CATALOGUE OF COPPRPLETE IN MADRAS MUESUM نمبر 9، ص ص 45-46۔

21 1913 کا C.P. 2

22 ایضاً

23 اپی گرافیا کرناٹیکا 5، ص 69

24 اپی گرافیا انڈیکا 16، ص 245 اور ص 257، II، 73، 1912-13 کا C.P. II

25 CENNAPTAN 1922-23، 2

26 میسور آرکیولوجیکل 1924 نمبر III

27 اپی گرافیا کرناٹیکا 3، MADRAS INSCRIPTION، 22، متن اس کے دیگر چند خطابات کے لیے 47 بھی ملاحظہ ہو۔

28 اپی گرافیا کرناٹیکا 7، SK. 281

29 اپی گرافیا کرناٹیکا 10، BP. 20

30 اپی گرافیا کرناٹیکا 9، BN. 127

31 HISTORY OF INDIA، از ایلیٹ، 4، ص ص 107-108

32 بربوسا 2، ص 18

33 ARAVIDU DYNASTY، از ہرس (HERAS)، I، ص ص 530-531

34 اپی گرافیا کرناٹیکا 6، KP. 34 میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1915ء کا II، رپورٹ 1915 پیراگراف 41

35 VAISHNAVITE REFORMERS OF INDIA، از ٹی گوپال آچاریہ، ص 86

Marfat.com

36ھ: ایضاً، ص 86، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1913ء، پیراگراف 71

37ھ J.B.B.R.A.S. میں ایک مقالہ ملاحظہ ہو جسے وی، رنگا آچاریہ نے شری ویدانت دکشت کے حیات اور ان کے عہد پر لکھا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو لائف آف شری ویدانت دکشت از اے۔ وی گوپال آچاریہ (MR. A.V. GOPALACORYA) زیرعنوان یادوبھی ادیم (YADVABHYUDAYAM) جلد ا، کا دیباچہ اور VAISINAVETE REFORMES OF INDIA، از ٹی، راج گوپال آچاریہ۔

38ھ جیمنی ینیائے مالا وستر (JAIMINI YANYAY MALA VASTARA) آنند آشرم سیریز۔

39ھ بہرحال COWELL اور گاف GOUGH کا خیال ہے کہ اس کا اشارہ مادھو آچاریہ کی جانب سے اور وہ ساین مادھو کے الفاظ کی توضیح اس طرح کرتے ہیں "ماین MAYANA نے ایک جگہ ایک تمثیلی انداز بیان میں اپنے جسم کو اپنا چھوٹا بھائی ساین SAYANA اور خود کو ابدی روح کہا ہے۔ اس نے یہاں لفظ ساین مادھو (جو دو لفظ نہیں ہیں) کا استعمال بظاہر ثابت کرتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کو پیش کرتے ہیں۔ تیسرے اشلوک میں ساین سے مراد بظاہر جسم ہے۔ ماین، مادھو کا باپ تھا چنانچہ ہوسکتا ہے کہ صحیح خواندگی شری من ماین (SRI MAN MAYAN) ہو۔" دسرو درشن سنگرہا (SARVADARSANA SANGRAHA) ترجمہ از کاویل ص F.N. 272) اس زمانہ کے رواج کے مطابق ساین مادھو جیسے الفاظ کی فطری تعبیر یہ ہوگی کہ پہلے نام کو باپ کا نام سمجھا جائے اور دوسرے کو بیٹے کا۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اس قاعدہ کو یہاں بھی کیوں نہ لاگو کیا جائے۔

40ھ INDIAN ANTIQUARY، 1916ء ص 2۔

41ھ ایضاً

42ھ INDIAN ANTIQUARY 1916، ص 23۔

43ھ ملاحظہ ہو ایضاً ص 23 ہری ہر دوم کی 1377ء کی تانبے کی ایک تختی میں ایک عطیہ کا ذکر ہے جو ساین اور شنگن (SINGAN) کو دی گئی تھی (میسور آرکیولوجیکل رپورٹس

Marfat.com

پیراگراف (۸۹)

۴۴ INDIAN ANTIQUARY 1916ص 2

۴۵ ایضاً

۴۶ ایضاً

۴۷ DESIKA CATALOQUE OF SANSKRIT MSS. IN THE LIBRARY OF THE CALCUTTA SANSKRIT COLLEGE.

۴۸ آنند آشرم سیریز ۱۸۹۱ء

۴۹ بنارس ایڈیشن

۵۰ کلکتہ 1892

۵۱ آنند آشرم سیریز

۵۲ کلکتہ 1903

۵۳ بمبئی 1895

۵۴ میکس مولر (MAXMULLER) ایڈیشن

۵۵ ملاحظہ ہو دھاتو ورتی (DHATUVRITTI) ، مرتبہ از حکومت میسور – ORI-ENTAL LIBRARY اس میں مذکورہ اقتباس درج ہے۔ مزید ملاحظہ ہو تیتریا سمہیتا بھاسیا (TAITTIRIYA SAMHITABHASYA) کے تمہیدی اشعار۔

۵۶ شنکر پنڈورنگ پنڈت جس نے میسور کے نرسمہا اینگر کے تعاون سے اتھر وید کی ایک شرح حاصل کی ہے جو ساین کی لکھی ہوئی ہے، اس کا خیال ہے کہ ساین اور مادھو ایک ہی شخص ہیں۔ وہ کہتا ہے "ان تمہیدی اشعار کو اگر رگ وید کی شرح کے ابتدائی حصہ کے ساتھ یکجا کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ساین اور مادھو ایک ہی فرد ہیں۔ اس لیے کہ موجودہ شرح کے مطابق ہری ہر نے ساین آچاریہ کو اس کی تصنیف کا حکم دیا تھا اور یہ ساین آچاریہ ہی تھا جس نے اس کی تصنیف کی نیز مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اس نے اسی وجہ سے اپنی شرح لکھنا شروع کیا اور تین دیگر ویدوں پر اپنی شرحیں وہ پہلے ہی لکھ چکا ہے۔ رگ وید پر ساین کی شرح میں یہ لکھا ہے جو مادھو آچاریہ کو رگ وید پر تشریح کا حکم دیتا ہے اور یہ مادھو آچاریہ ہے جو شرح لکھتا ہے اس نو دریافت شرح کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس

Marfat.com

یہ سوال ختم ہو گیا کہ مادھو اور ساین ایک ہی فرد ہیں یا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے دو مختلف افراد (INDIAN ANTIQUARY 9، ص 200) لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا یہ مادھو نہیں تھا جس نے رگ وید کی شرح لکھی بلکہ صرف ساین تھا۔ ایس پی پنڈت کا مادھو کو ساین بتانا اس بنا پر ہے کہ اس نے لفظ مادھویم کی اصطلاح کو جو مذکورہ شرحوں کے خاتموں میں استعمال کی گئی ہے، غلط سمجھا ہے علاوہ بریں یہ حقیقت کہ مادھو، ساین سے جدا شخص ہے اور یہ کہ وہ اس کا بڑا بھائی تھا خود ان حوالوں سے واضح ہے جو ساین نے مادھو کے بارے میں دئے ہیں۔ اور یہ کہ رگ وید پر شرح ساین نے لکھی ہے مادھو نے نہیں۔ ساین کے ان الفاظ سے بالکل ظاہر ہے جو اس نے اپنی وسا برہمن بھاسیا (VAMSA BRAHAMAN BHASYA) میں لکھے ہیں کہ اس نے رگ وید کی شرح لکھی ہے۔

57ھ دھاتو ورتی میسور اورینٹل لائبریری کا ایڈیشن، ص 23، بحوالہ H.Q، 61، ص ص 707-708

58ھ HISTORY OF SANSKRIT LITERATUSE، ص 275۔

59ھ CATALOGUS CATALOGORUM، ص 711۔

60ھ رام راؤ نے اس نکتہ کی یہ توجیہہ کی ہے کہ ساین نے ویدوں اور برہمنوں کی روایتی تشریحات پر انحصار کیا تھا مثلاً یاسک (YASAKA) جس کا حوالہ اس کی تصانیف میں کثرت سے ملتا ہے نیز وہ اپنے ہم عصر عالموں کی پیش کی ہوئی توضیحات کو بھی تسلیم کر لیتا تھا (H.Q. 6،1، ص 708) لیکن اگر ساین نے تنہا ہی تصنیف کا کام انجام دیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے روایتی توضیحات کو جو غلط اور نامناسب تھیں صحیح کیوں نہیں کیا۔

61ھ ملاحظہ ہو میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 8-1907، پیراگراف 54

62ھ میسور آرکیولوجیکل رپورٹس 1915، پیراگراف 88-89

63ھ INDIAN ANTIQUARY، 1916 ص 24

64ھ SOURES، از ایس، کے، اینگر، ص ص 51-52

65ھ SOURCES، از ایس، کے، اینگر، ص 53

66ھ INDIA OFFICE CATALOGUE، 7، 32 38

67ھ مدھوراوجیم، دیباچہ، ص ص 4-5

Marfat.com

67الف VIJAYNAGARA SEX CENTENARY VOLUME ص 397

68 مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، پیراگراف 77۔

69 SOURCES ازایس کے اینگر ص 63، T.C. OF MSS OF THE M.O.M.L.I
11، نمبر 77، ص ص 1015-1016

70 SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص 85

71 مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923ء بیراگراف 79، 1912، بیراگراف 72۔ یہ کتاب آنجہانی گوپی ناتھ راؤ نے شایع کی تھی۔ اس کے ایک اقتباس میں اوناگری ناتھ نے خود کو سبھاپتی کی بہن (بھاگینہ (BHAGINEYAH) کی طرف سے بھانجا بتلایا ہے
(INDIA ANTIQUERY 48، ص 134)

72 SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص 149

73 ایضاً ص ص 151-152

74 1904 کا 9، 1922، کا 708، مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923ء، بیراگراف 81، میسور آرکیولوجیکل رپورٹس، 1920، بیراگراف 38

75 مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، بیراگراف 81، SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص FN. 170

76 LIVES OF TELGUPOETT ازویریش لنگم پلائی VERESALINGAMPILLAI ص 187۔

77 ملاحظہ ہو مدراس اپی گرافی رپورٹس 1923، بیراگراف 81

78 ملاحظہ ہو SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص ص 227-230 اور DESIK
A CATALOGUE OF THE BOOKS IN ORIENTAL MSS LIBRARY MADRAS
20، نمبر 11535 اور 11536۔

79 ملاحظہ ہو SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص ص 212-213 REPORT II.
SANSKRIT MSS. ازہلٹش (HULTZSCH) 4، ص 130، نمبر 2112، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 9-1908، ص 196، 1909-1910، ص 182

80 SOURCES ازایس، کے، اینگر، ص FN. 272

Marfat.com

81۔ مدراس ایپی گرافی CP. 8، 650 اور 649 کا 1919، 475 کا 1919، 354 کا 1919
رپورٹس کا AP، A، اور MADRAS GOVT. MUSEUM، C.P. عطیہ کا
کیٹلاگ نمبر 54۔

82۔ SOURCES از ایس، کے، اینگر، ص 251۔

83۔ ملاحظہ ہو ہرس (HERAS) کی اروید خاندان، ص ص 305-306

84۔ REPORT ON SANSKRIT MSS. از ڈاکٹر ہلزش، 2، بہتر 1038
اور 510۱، مزید ملاحظہ ہو مدراس ایپی گرافی رپورٹس، 1912ء پیراگراف 71۔

85۔ یادوآبھی ادیم YADAVABHYVDHYAM، 2، ص 26

86۔ وہ لکھتا:۔ وشنو او اشنکر شروت شیکھاراگرام استوتا تپریا بھومیہ ناسماکم تاتراوادہ پرسرتی
کیمپی اسپستم ادوتیا بھاجم ۔ (VISNURVA SANKARA VA SRUTISIKHARA GRAM-
ASTUTATPARYA BHUNIH . NASNAKAM TATRA VADHA PRASARATI
KIMAPI SPASTAM ADVITA BHAJAM) ۔

87۔ ملاحظہ ہو اپیا دکشتندر وجیہہ (APPAYYA DIKSITENDRA VIJAYAH)
از کے، وی، سبراہمانیا سستری گل (K.V. SUBRAHMANAYASASTRIGAL)
مع پیش لفظ از کے، اس، رام سوامی شاستر ایئر (K.S. RAMASWAMIYSA-
STRIAR)

88۔ 1911 کا 395

89۔ SOURCES از ایس، کے، اینگر

90۔ ایضاً

91۔ 1911 کا 395

92۔ مدراس ایپی گرافی رپورٹس 1917، پیراگراف 135-136؛ اپیا دکشت کی زندگی کے
تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو : JOURNAL OF ORIENTAL RESEARCH
1929-1930؛ وائی مہالنگا شاستری کے دو مضامین، یادوگی ادیم جلد 2، ص ص،
1-32۔

93۔ THE POONA ORIENTALIST جلد 2، نمبر 4، ص ص 197-211

Marfat.com

وادی راجہ کی زندگی کے تفصیلی بیان کے لیے بی۔ این۔ کرشن مورتی شرما کا مضمون، اسکی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو A.B.D.R،1D، 18، 2، ص 194، اس کے برعکس ملاحظہ ہو THE SOUTHERN RECEN SIR OF THE MAHABHARTA کی تیسری جلد کا دیباچہ از پی۔ پی۔ ایس۔ شاستری۔

۹۴ SOURCES از ایس۔ کے۔ اینگر، ص ص 252-253

۹۵ ایضاً، ص 270

۹۶ ایضاً، ص 269

۹۷ ایضاً، ص 270

۹۸ ایضاً، ص 269

۹۹ ایضاً، ص 270

۱۰۰ ایضاً

101 ایضاً، ص ص 253 اور 259

102 ایضاً، ص 291

102 الف M.P. V.R.I.، 1، نمبر 347۔

103 اپی گرافیا کرناٹیکا، 10، G.D. 46، مدراس اپی گرافی رپورٹس، 1907، پیراگراف 53

104 A HISTORY OF TELGU LITERATURE از چنچیہ (CHENCHIAH) اور بھوجنگاراو (BHUJANGA RAS) ص 61۔

105 سالو وا ز سمہا، راما بھی ادیم، اس حوالے اور اس کے چند دیگر حوالوں کے لیے میں ایم۔ رام کرشن کوی کا ممنون ہوں جو پہلے مدراس یونیورسٹی میں تھے۔

106 SOURCES از ایس۔ کے۔ اینگر، ص ص 63-64۔

107 مدراس اپی گرافی رپورٹس C.P. 7 اور 8-15-1914 کا رپورٹ 1915، پیراگراف 48، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس، 1908-9، ص 185۔

108 MACKENZU MSS. از ونسن، ص 281۔

109 آمکتا مالیاد، پر تفصیل بحث کے لیے ملاحظہ ہو A HISTORICAL SKETCH OF TELGU LETTRATURE از ٹی۔ راج۔ گوپال راؤ، ص ص 82-84 MYSORE GAZETTER جلد 2، حصہ 3، ص ص 1920ء-1922 ملاحظہ

Marfat.com

ہو.چنچیہ اور بھوجنگا، ج،س،ص 73-

113ھ HISTORICAL SKETCH OF TELGU LITERATURE ٹی.راج،گوپال راؤ، ص 115-

114ھ AUGUSTAN AGE OF TELGU LITERATURE

ہرچند تفصیلی بحثیں ملاحظہ ہوں انڈین انکوائری 26،ص ص 324-326-

115ھ SOURCES از ایس.کے.اینگر،ص ص 204-209

116ھ ایضاً،ص ص 211-212

117ھ ملاحظہ ہو میکنزی کلکشن از ولسن،ص 295

118ھ A HISTORY OF TELGU LITERATURE

ص 119

119ھ VERSES OF VEMANA INTRODUCTION

از براؤن (BROWN)،ص ص 1-4-

120ھ اپی گرافیا کرناٹیکا، 5، KP. 34

121ھ کرناٹک کوی چرت 1،ص ص 426-433

122ھ کرناٹک کوی چرت (KARNATAKA KAVI CARITE)، 2،ص ص 43-86

123ھ اپی گرافیا کرناٹیکا 12، .KN، 49

124ھ کرناٹک کوی چرت 2،ص ص 97-100

125ھ ایضاً 2،ص 189

126ھ MADRAS EPIGARPHY REPORTS 1925ء،پیراگراف 31-مزید ملاحظہ ہو-

پرن لنگم پلائی (PURNA LINGAM PILLAI) کی HISTORY OF

LITERATURE ص ص 274-275-

127ھ ابھی دھان چنتامنی ABHIDHANA CINTAMANI ص 480 1912 کا 365

128ھ V.R.I.H.P، 1، نمبر 166

129ھ 1911 کا 104

130ھ تامل شعراء کے مندرجہ بالا بیان کے لیے زیادہ تر "سولھویں صدی کے تامل شعراء"

(THE SIXTEEN CENTURY TAMIL POETS) از ایس،سوماسندر

Marfat.com

دیشی کر (S. SOMA SUNDRA DESIKAR) کا استعمال کیا گیا ہے۔

۱۳۱ھ ملاحظہ ہو 1887 کا 61، اَگی دھان چنتا مُنی، ص، 302 NORTH ARCOT DISTRICT MANUAL جلد 2، ص 288 | V.R.I.M.P.N.A. نمبر 614۔

۱۳۲ھ 1918 کا 7، ملاحظہ ہو۔ HISTORY OF TAMIL LITERATURE از پُرن لنگم پلائی، ص ص 305-307۔

Marfat.com

باب یازدہم

فنِ تعمیر، سنگ تراشی اور مصوّری

فصل اوّل

تمہید

کسی مخصوص عہد کے عوام کی سماجی زندگی کا بیان ان کے معماری، سنگ تراشی اور مصوّری کے فنون کے تذکرہ کے بغیر نامکمل رہے گا۔ کسی ایک صدی کے عوام کا فنی ذوق وہی نہیں ہوتا جو دوسری صدی کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی مخصوص عہد کی عمارتوں کا طرز تعمیر اور ان کے نقش و نگار، سنگتراشی اور نقاشی دوسرے دور سے جداگانہ اور مختلف ہوتی ہے ہندوستان کے کسی ایک ہی عہد میں مختلف قسم کے فن تعمیر کو فروغ حاصل ہوا ہے اور یہ وسیع اختلافات مقامی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے ہیں۔ بعض مخصوص ادوار اور کچھ عمارات میں خارجی اثرات بھی نمایاں ہیں۔ مجموعی طور پر وجے نگر کے دور میں دو مختلف طرح کا طرز تعمیر شانہ بشانہ فروغ پا رہا تھا یعنی دراوڑ اور ہند۔ اسلامی طرز تعمیر۔ اور بعض ہندو عمارتوں کے طرز تعمیر پر ہند مسلم طرز تعمیر کا اثر موجود ہے۔

وجے نگر کی بہت سی عمارتیں دراوڑ طرز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس طرز تعمیر پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر جوویو ڈبرئیل (JOUVEAU DUBREVIL) کہتے ہیں" پلو عہد 580-600ء تراشی ہوئی منقش چٹانوں کا دور تھا، ابتدائی چولا دور (850-1100ء) عظیم الشان دیہوں (VIMANAS) کا دور تھا، متاخر چولا عہد (1110-1350ء) انتہائی خوبصورت گوپردوں کا دور تھا۔ وجے نگر کا زمانہ (1350-1600ء) منڈپوں (یعنی ستونوں والے

Marfat.com

ہالوں) کا دور ہے اور 1600ء کے بعد کا جدید دور ملازم گردشوں کا دور رہا ہے۔[1]

وجے نگر کے زمانہ کی تعمیر کردہ عمارتوں میں بعض دلچسپ خصوصیتیں ہیں۔ وجے نگر کی بہت سی عمارتوں میں جو پتھر استعمال کیا گیا ہے وہ گرینائٹ پتھر (GRANITE) ہے۔ کبھی کبھی یہ پتھر ان عمارتوں کے لیے (خاص طور پر) فراہم کیا گیا جو ایسی جگہ تعمیر ہوئیں جہاں یہ پتھر دستیاب نہ تھا لیکن مندر کے اندر کی بعض مورتیاں گہرے سبز رنگ کے کلورائٹ (CHLORITE) پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔ یہ پتھر نرم ہوتا ہے اور گہری پالش چاہتا ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر ان پر کی گئی صناعی گرینائٹ پر کی گئی نقاشی سے بہت بہتر ہے۔ اسی وجہ سے یہ مورتیاں پتھر کی مورتیوں کے بجائے پیتل کی مورتیوں کے مانند نظر آتی ہیں۔

وجے نگر کی بعض عمارتوں کی تعمیر میں، یا کم از کم ان عمارتوں میں جو ابتدائی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ گارے کا استعمال نہیں کیا گیا ہے حالانکہ اس کے استعمال سے لوگ پوری طرح واقف تھے۔ وجے نگر عہد کی عمارتوں میں گارے کے استعمال نہ کرنے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ گرینائٹ کے وہ ٹکڑے جو مندروں کی تعمیر میں استعمال کیے جاتے تھے، اتنے بڑے اور وزنی ہوتے تھے اور انھیں اس عمدگی سے فٹ کیا جاتا تھا کہ ان کو جوڑنے والے کسی مسالہ کے استعمال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن عمارتوں کی تعمیر میں گارے کا استعمال نہ کرنا خود عمارتوں کی کمزوری کا سبب بن گیا اس لیے کہ گرینائٹ پتھر کے ٹکڑوں کے درمیان خالی جگہوں میں اکثر پودے نکل آئے اور اس کے نتیجہ میں پتھر اپنی جگہوں سے کھسک گئے اور عمارت تباہ ہو گئی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو منیٹوں کی تعمیر میں لنٹل اور توڑے دار (CORBEL) طرز تعمیر کو ترجیح دیتے تھے۔ جب مسلمانوں کا طرز تعمیر جنوبی ہندوستان کے طرز کو کافی متاثر کرنے لگا تو ہندوؤں نے بڑے پیمانہ پر پیپے نما گنبدوں والے ہال اور محرابی دروازوں کی تعمیر کے طرز کو اپنا لیا جیسا کہ ہیول لکھتا ہے "ہندو وجے نگر کے کھنڈرات میں نہ صرف یہ کہ مسلم بیجاپور کے ابتدائی طرز تعمیر کا نمونہ ملتا ہے بلکہ اس عمل کے نمونے بھی جس کے ذریعہ ساتویں، آٹھویں اور اس کے بعد کی صدیوں میں اب طرز تعمیر رفتہ رفتہ نوک دار محرابوں کا طرز بن گیا۔"[2]

ان عمومی چیزوں کے علاوہ وجے نگر کی عمارتوں میں ہمیں بعض ایسی خصوصیات بھی ملتی ہیں جو اس عہد کے لیے مخصوص ہیں۔ "پوری عمارت کا وہ حصہ جس کی شکل ایک مخصوص انداز میں بدلتی رہی ہے۔ شاید وہ "توڑا" (CORBEL) ہے جو ستون (CAPITAL) کے نیچے لگایا جاتا ہے۔" یہ ہر دور میں مختلف رہا ہے عمارت کے اس حصہ پر جو محض شہتیر کے

Marfat.com

کناروں کی حیثیت رکھتا ہے اور جسے پھاوڑے سے کاٹ کر بنایا جاتا ہے" چولا دور کے اواخر اور وجے نگر کے زمانہ میں نقش و نگار بنایا جاتا تھا جبکہ پلوا دور میں اس کی ڈیزائن سادہ ہوتی تھی چولا عہد میں اس کو خم دے کر موڑ دیا جاتا تھا اور وجے نگر کے زمانہ میں اس کو لٹکے ہوئے پھولوں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ لیکن آگے چل کر اس توڑے میں ایک اور تبدیلی آئی اور لٹکتے ہوئے پھولوں کو بقیہ پتھر سے علیحدہ کر دیا گیا اور اب اس کے سرے پر ایک طرح کا کلس (FINIAL) پومونائی (PUMUNAI) ہوتا ہے۔

اسی طرح مرور ایام کے ساتھ ساتھ ایدل (IDAL) کی شکل میں بھی، جو سر ستوں کو سنبھالے رہتا ہے، انبدیلیاں رونما ہوئیں جبکہ پلوا اور چولا عہد میں وہ سادہ رہتا تھا۔ جو وجے نگر کے دور میں اسے کھلی ہوئی پنکھڑیوں کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا جو دندانوں کی ایک کڑی معلوم ہوتے تھے۔ اسی طرح ناگا بندھم بھی، جو اس نام سے اس لیے معروف تھا کہ یہ ناگ کے سرے سے مماثلت رکھتا تھا چولا دور اواخر اور وجے نگر عہد کے طرز تعمیر کی ایک خصوصیت تھی۔ پھول پتیوں کے نقش و نگار جو کودو (KUDU) کے چاروں طرف بنے ہوتے تھے، مختلف دور میں مختلف تھے۔ پلو دور کے کودو میں نقش و نگار کم ہیں لیکن عام طور سے اس میں ایک گندھرو (GANDHARVA) کا نقش بنا ہوتا تھا جو اس شخص کے مانند ہوتا تھا جو کھڑکی سے جھانک رہا ہو لیکن وجے نگر کے زمانہ کے کودو میں بہت زیادہ نقش و نگار ہوتے تھے اور اس میں گندھرو کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور جدید زمانہ میں یہ نقش و نگار بھی مفقود ہیں اور اب ہمیں صرف ایک سادہ کودو ہی ملتا ہے۔

اسی طرح وہ طاق جن کو عموماً مندروں کی دیواروں کے ابھار پر تراشا جاتا تھا جنوبی ہندوستان کے طرز تعمیر کی تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف انداز میں نظر آتے ہیں۔ پلوا اور چولا عہد میں ان طاقوں پر بہت سے نقش و نگار بنے ہوتے تھے جبکہ وجے نگر کے زمانہ میں شالائی (SALAI) کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی جس میں گادوم چھت ہوتی ہے جبکہ اوپر استوپی (STUPIS) بنے ہوتے ہیں۔ طاق کا بالائی حصہ صاف اور سادہ ہوتا ہے، شاید کودو کے علاوہ جو بعض شالاؤں میں منقش ہوتی تھی۔

فصل دوم

تاریخی ہند و عمارات

جن مقامات پر وجے نگر کی تاریخی عمارتیں واقع ہیں ان میں سب سے اہم ابھی موجود چھوٹا

Marfat.com

اور ہیجان زدہ گاؤں ہے جو کسی زمانہ میں وجے نگر کے بادشاہوں کا عظیم الشان دارالسلطنت تھا وہ آج ایسا ویران نظر آتا ہے کہ ایک زمانہ میں اس کے کسی سلطنت کی جائے قیام اور اس کی راجدھانی ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ آج ہمپی میں جگہ جگہ صرف گرینائٹ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آتی ہیں اور وہاں گھاس کی ایک پتی بھی دکھلائی نہیں دیتی۔ وہاں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے انتہائی پراگندگی سے پڑے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس ویران مقام پر "زبردست شہرت کا حامل ایک شہر آباد ہوا تھا، جو اپنی وسعت اور آبادی میں منفرد تھا اور جس کی دولت اور شہرت کا مقابلہ مغربی ملک کا کوئی دارالسلطنت نہیں کر سکتا تھا" یہ ایک شہر جو آج بھی "حقیقتاً ہندوؤں کی تاریخی عمارتوں کا وسیع اور عریض (اور حیرت انگیز) کھلا ہوا عجائب خانہ ہے۔"

سہولت بیان کے خیال سے تاریخی ہندو عمارتوں کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

(1) مندر (2) شہری عمارتیں مثلاً قصر شاہی اور سینچائی کی تعمیرات اور (3) فوجی عمارتیں۔

1۔ الف۔ مندر

شری ویرو پاکسا مندر

(SRI VIRU PAKSA TEMPLE)

ہمپی کے مندروں میں قدیم ترین پمپا پتی (PAMPAPATI) کا مندر ہے جو شری ویرو پاکسا سے منسوب ہے۔ مندر کے بعض حصے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وجے نگر کی بنیاد قائم ہونے کے پہلے بھی ان کا وجود تھا۔ تاہم وجے نگر کے بادشاہوں نے ان میں اضافے ضرور کیے ہیں۔ ہری ہر اول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے یہاں ودیارنیا کے اعزاز میں ایک مندر بنوایا تھا ودیارنیا کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں ہری ہر کی مدد کی تھی۔[3] کرشن دیو رائے نے اپنی تاجپوشی کے اعزاز میں اصل تیرتھ گاہ کے سامنے ایک منتپ کی تعمیر کرائی تھی۔[4] اس مندر کے حدود کے اندر بھی اتنی ہی قدیم ایک تیرتھ گاہ یا بھونیشوری (BHUVANESHVARI) ہے۔ اس عمارت کا طرز تعمیر بارہویں صدی کا ہے۔ اس تیرتھ گاہ میں چالوکیان (CALUKYAN) طرز کا ایک خوبصورت پھاٹک بنا ہوا ہے "جس کے دونوں جانب جالی دار پتھر کی کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں جو اس طرز کی ایک خصوصیت ہے۔ اس میں متعدد چالوکیائی ستون بھی ہیں جو سنگ سیاہ کو تراش کر بنائے گئے ہیں" پمپا پتی مندر کا نقشہ دو وسیع ایوانوں پر مشتمل ہے، ایک مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب۔ اور دونوں کے درمیان

Marfat.com

ایک دیوار کھینچی ہوئی ہے۔ اس کی مشرقی دیوار میں ایک بڑا گوپرا (GOPURA) ہے جو مشرقی ایوان میں داخلے کا اصل راستہ ہے۔ مغربی ایوان میں داخلے کے لیے شمال کی جانب نسبتاً ایک چھوٹا گوپرا ہے۔ مغربی ایوان ہی میں اصل تیرتھ گاہ اور متعدد چھوٹی چھوٹی دوسری تیرتھ گاہیں بنی ہیں۔

کرشن سوامی مندر

کرشن سوامی مندر کی تعمیر کرشن دیورائے نے ادے گیری سے اپنی واپسی کے فوراً بعد کروائی تھی۔ وہ ادے گیری کے پہاڑی قلعہ کے ایک مندر سے کرشن کی ایک مورتی اپنے ساتھ لایا تھا اور اسی مورتی کو رکھنے کے لیے اس نے یہ مندر بنوایا تھا۔ اس کے طرز تعمیر میں ایک یکسانیت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مندر بہت کم وقت میں تیار کیا گیا تھا۔ پوری عمارت اصل تیرتھ گاہ پر مشتمل ہے جس کو چاروں طرف سے پردکچھنا (PRADAKSINA) سے محصور کیا گیا ہے۔ تیرتھ گاہ کے سامنے ادھامنتپ (ARDHAMANTAPA) اور مہامنٹپ (MAHAMANTAPA) ہے۔ شمال میں دیبن کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جبکہ مہامنٹپ کے سامنے شمال کی جانب ایک دوسرا مندر ہے۔ اسی منٹپ کے جنوب میں ایک تیسرا مندر بھی ہے۔

اس مندر کی تعمیر میں کسی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سادہ اور معمولی ہے البتہ مہامنٹپ آراستہ اور مزین ہے۔" اس کی نیو کو تراش کر بنایا گیا ہے جس کے اوپر کھمبے بنے ہوئے ہیں اور جن کو چھوٹے چھوٹے جدا جدا ستونوں سے بنایا گیا ہے اور اوپر ایک کارنس ہے" اس عمارت کے جنوب میں باہری صحن میں ایک عمارت ہے جس میں کھڑکیوں کی جگہ چند چھوٹے چھوٹے شگاف ہیں اور مشرق کی جانب ایک نیچا محرابی دروازہ ہے۔ ستون جن پر نوکدار محرابیں ہیں اندرونی حصّہ کو مربع میں تقسیم کرتے ہیں۔ چھت متعدد مسطح گنبدوں سے بنی ہوئی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی درازیں ہیں۔ مندر میں چند مسمار پھاٹک ہیں جو اصلاً مینار تھے جن کو اینٹوں سے بنایا گیا اور پلاسٹر سے بنائے گئے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

ہزارا راما سوامی مندر (HAZARA RAMA SVAMI TEMPLE)

ہزارا راما سوامی مندر کو بادشاہوں کی خصوصی عبادت گاہ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ یہ محل سے متصل ہے اور نہایت آراستہ پیراستہ ہے۔ اس مندر کی تعمیر کا سہرا عام طور پر کرشن دیورائے کے

Marfat.com

سر باندھا جاتا ہے لیکن اس مندر کی رو سے دستیاب ایک کتبہ میں دیورائے نامی ایک شخص کا ذکر ہے۔تاہم اس لیے یہ ایک قدیم مندر معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس کے بعض حصوں کو کرشن دیورائے نے دوبارہ تعمیر کروایا ہو۔ان حصوں کی تکمیل کرشنا سوامی مندر کی تعمیر مکمل ہونے کے کافی دنوں بعد ہوئی ہو گی کیوں کہ ہزارا راما سوامی مندر کی تعمیر میں ہمیں ایسے نمونے نظر آتے ہیں جو مختلف اعتبار سے دوسرے نمونوں کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔ یہ مندر چھوٹا سا ہے جس کی پیمائش مشرق سے مغرب تک دو سو فٹ اور شمال سے جنوب تک 110 فٹ ہے۔لیکن وجے نگر کے زمانہ کے جو مندر موجود ہیں ان میں یہ مندر ہندو مندروں کے طرز تعمیر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔اس مندر کا اردھا منڈپ چارپایوں کی ایک خوبصورت عمارت ہے۔چھت سنگ سیاہ سے بنے چار چکنے ستونوں پر مبنی ہے"جن (ستونوں) کے اوپر بریکٹ نما سر ستونوں ہندو گورنتھی (GORINTH - IAN) وضع کے بنے ہوئے ہیں۔پورا منڈپ اور اس کا سنگی چھجہ سب گرینائٹ پتھر کے بنے ہوئے ہیں جبکہ عبادت کدہ کے اوپر کے ویمن (VIMAN) کی تعمیر اینٹوں اور پلاسٹر سے کی گئی ہے اور پلاسٹر ہی نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔حجرہ کی بیرونی دیواریں اور ستون دار برساتیاں نیچے سے اوپر تک نقش و نگار سے مزین ہیں۔"اس دلچسپ نقش و نگار کے علاوہ دیواری ستون متصل کھمبے، علیحدہ سے نصب کی ہوئی مورتیوں کے لیے زیبائشی طاق، دونوں مندروں کی بیرونی دیواروں کے خوبصورت حاشیے اور بڑی بڑی کارنسیں وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں"تیرتھ گاہ اور صحن کی بیرونی دیواروں پر خوبصورتی سے تراشی ہوئی متعدد پٹیاں ہیں جن میں رامائن اور کرشن کی کہانیوں کے دلچسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں جو مناظر دکھلائے گئے ہیں ان میں رام، تاتکا (TATKA) کو قتل کر رہے ہیں۔رام، لچھمن اور سیتا گنگا پار کر رہے ہیں سیتا کو بچانے کے لیے راون سے لڑائی کے بعد جٹایو (JATAYA) نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔رام سوگریو (SUGRIVA) کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیر چلا رہے ہیں جو بیک وقت سات درختوں سے ہو کر گذر گیا ہے۔ہنومان لنکا میں اپنی دم کی کنڈلی پر راون کے سامنے گفتگو کے لیے بیٹھا ہے اور راون اپنی موت کی اذیت میں مبتلا ہے۔کرشن کو گوپیوں کے جمگھٹ میں پیش کیا گیا ہے۔اس دیوار کے باہری حصہ پر نقوش قطار در قطار کندہ کیے گئے ہیں جن میں مہانومی کی تقریبات کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔نیچے کی قطار میں سرکاری ہاتھیوں کا ایک جلوس پیش کیا گیا ہے۔دوسری قطار میں بادشاہ کے گھوڑوں کا جلوس ہے۔تیسری میں فوجیوں کا جلوس اور اس کے اوپر والی قطار میں رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور سازندوں

Marfat.com

کی ٹولیوں کو دکھایا گیا ہے۔ اس مندر کی دوسری دلچسپ خصوصیت ہے کہ اگرچہ یہ ایک وشنو مندر ہے تاہم اس میں شیو کی تصویر بھی ملتی ہے۔ اس طرح ہمیں اس مندر میں سبراہمنیا (SUBRAHMANYA) اور گنیش کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ ایک ستون پر بنے ایک نقش میں وشنو کو ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جو شاید کلکی (KALKI) کا مظاہرہ ہے۔ حتیٰ کہ مندر کے عبادت کدہ کی بیرونی دیواروں پر بنے دو نقوش میں بدھ کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

وِٹھل مندر

لیکن یہ وٹھل مندر ہے جو وجے نگر کے طرز تعمیر کا کامل ترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہ مندر وٹھل یا وٹھوبا (VETHOBA) کے روپ میں وشنو سے منسوب ہے۔ مرہٹہ ملک میں کرشن کی اسی روپ میں پوجا ہوتی ہے۔ اس مندر کی تاریخ تعمیر دیورائے دوم کے عہد سے منسوب کی جاسکتی ہے۔ کرشن دیورائے کے ایک ہم عصر شاعر ہری بھٹ نے نرسمہا پران میں لکھا ہے کہ دیورائے دوم کے ایک افسر پرولوگنتی تپن PROLUGANTI TIPPANA نے اس مندر کا بھوگ منڈپ تعمیر کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرشن دیورائے کے زمانہ میں اس کی کافی توسیع ہوئی لیکن بدقسمتی سے اس مندر کی تکمیل کبھی بھی نہ ہوسکی۔ مندر کے حدود میں 1513ء سے کیلر 1564ء تک کی تاریخوں کے بہت سے کتبات ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ 1565ء میں شہر کی جزوی تباہی کے بعد اس کی تعمیر کا کام بند ہوگیا تھا۔

جنوبی ہندوستان میں اپنی نوعیت کی یہ خوبصورت ترین عمارت ہے "اور جیسا کہ فرگشن کہتا ہے" اس سے تزئین اور آرائش کے ان اعلیٰ حدود کا اظہار ہوتا ہے جہاں تک یہ طرز ترقی کرچکا ہے۔" یہ مندر 538 فٹ طویل اور 310 فٹ عریض مستطیل احاطہ پر قائم ہے جس کے شمال، جنوب اور مشرق میں تین گوپورم ہیں اصل عمارت اونچی اور منقش بنیاد کے اوپر ہے۔ پورا صحن گرینائٹ کا بنا ہوا ہے اور اس طرح سے تراشا ہوا ہے کہ اس سے عزم طاقت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اظہار اس سے زیادہ اس دور کی کسی اور عمارت میں نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں دراوڑ طرز تعمیر کی تمام خصوصیتیں موجود ہیں مثلاً دوہرے خم والے بڑے بڑے کارنس، جدا جدا ستون، ویالیاں (VIYALIS) اور ستونوں کی انتہائی منقش و مرصع کرسیاں (STYLOBATE) وغیرہ۔" اس کی سب سے عمدہ چیز مخلوط ستونوں کا طرز اور ان کی صناعی ہے۔ ہر ستون گرینائٹ کے ایک مسلم چٹان سے تراش کر بنایا

Marfat.com

گیا ہے۔ کلیان منتپ کی خوبصورتی ہی دیکھنے والے میں حیرت و تعریف کے جذبات پیدا کرنے کے لیے کافی ہے[7]۔" یہ ایک شاندار عمارت ہے جس میں ایک بلند شہ نشین ہے جس کو تقریبات کے موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمپی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ مندر کے متعدد گوشوں میں سنگی چھلوں کی بنی ہوئی زنجیریں چھجوں سے لٹکی ہوئی تھیں اور آج سے تیس یا چالیس سال قبل تک موجود تھیں۔ مہامنتپ کے بالکل مخالف میں پتھر کی ایک گاڑی ہے جس کا کچھ حصہ گرینائٹ کا بنا ہوا ہے۔ ابتدا میں اس میں گنبد نما ایک اسٹوپی تھی جو اینٹ اور گارے کی بنی ہوئی تھی۔ فرگسن کا خیال ہے کہ یہ سب کا سب گرینائٹ کے ایک مسلم چٹان سے بنایا گیا ہے اور اس لیے وہ (گاڑی) ایک سنگی (MONOLITHIC) ہے[8]۔ لیکن ری (REA) اور لونگ ہرسٹ (LONGHURST) دونوں کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ پتھر کے لو الگ الگ ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔

اچیوت رائے مندر

اچیوت رائے مندر کا نقشہ اگرچہ وٹھل مندر کے نقشہ پر ہی بنایا گیا تھا تاہم اپنی صناعی کے اعتبار سے یہ اتنا شاندار نہیں ہے مندر کی اصل تیرتھ گاہ کے سامنے ستونوں والا ایک ہال ہے جو آج خستہ حالت میں ہے۔ ہال کے ستونوں پر کچھ عمدہ نقش بنے ہوئے ہیں۔ اندرونی صحن منقش ستونوں سے بنے ہوئے دالانوں اور مرصع پیٹوں سے گھرا ہوا ہے جن میں ہاتھیوں کا ایک جلوس پیش کیا گیا ہے۔ دالان کے مغرب اور شمال مغرب کی کرسی اور بنیاد کی کارنس کے حاشیہ کے درمیان جو پٹیاں ہیں ان پر بھی خوبصورت نقوش کندہ ہیں۔ مسار شمالی پھاٹک کے پتھر پر کی گئی نقاشی بھی قابل لحاظ ہے۔ ان پر وشنو کے مختلف اوتار پیش کیے گئے ہیں اور دروازوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں بازوؤں کے دونوں طرف دو حسین دوشیزاؤں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں" جو ندی کی دیوی گنگا کی دو تصویریں ہیں جس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ مکر (MAKARA) یعنی روایتی مگرمچھ کی پیٹھ پر کھڑی ہے اور اس مگرمچھ کے منھ سے نکلتے ہوئے نیم کلاسیکی انداز کے پھول پتیوں کے بیل بوٹے دروازے کی چوکھٹ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں اور نہایت خوشنما نقش و نگار معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

مالیامنت مندر (THE MALYAVANTA TEMPLE)

مالیاونت رگھوناتھ مندر مالیاونت پہاڑی کی ڈانگ کے بالکل قریب بنا ہوا ہے۔ رام کا مجسمہ جو اس مندر میں پوجا کے لیے ہے، پتھر کی ایک بڑی چٹان کے اوپر تراشا گیا ہے۔ دیگر مندروں کی طرح اس مندر میں بھی ایک مہامنڈپ اور ایک کلیان منڈپ ہے اور ان میں بعض نفیس قسم کے نقش ونگار ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب دو سانپوں کی شکلیں ہیں جو سورج یا چاند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس میں سورج یا چاند گرہن کو پیش کیا گیا ہے۔

نرسمہا کا مجسمہ

نرسمہا کا، جو وشنو کا ایک اوتار تھا، ایک بڑا سنگی مجسمہ ایک احاطہ میں نصب ہے اس احاطہ کے اندر کی ایک سنگی تختی پر کندہ ایک کتبہ کے مطابق 1528ء میں ایک برہمن نے اسے ایک مسلم پتھر سے تراش کر بنایا تھا۔ یہ 22 فٹ اونچا ہے اور اپنی بڑی جسامت کے باوجود اس پورے مجسمہ اور اس کی جزئیات کو انتہائی عمدگی سے بنایا گیا ہے۔ اس کا اندازہ آج بھی لگایا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے بعض اجزاء کو توڑ ڈالا گیا ہے۔ وی۔ اے۔ رسمتھ۔ نرسمہا کے اس مجسمہ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے "دربار کی نیم بربریت آرٹ کے نمونوں سے منعکس ہوتی ہے دیو ہیکل یک سنگی شیر نما آدمی (نرسمہا) کا 22 فٹ اونچا مجسمہ اور بندر دیوتا ہنومان دونوں کو اگرچہ بڑی نفاست سے تراشا گیا ہے لیکن دونوں ہیبت ناک عفریت ہیں جن کا آرٹ سے کوئی ربط نہیں اور نقاشی گوفنی اعتبار سے عموماً اعلیٰ درجہ کی ہے، حسن ولطافت سے معرا ہے"[15] اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسمتھ کو ہندوستانی آرٹ یا اس کا معیار سمجھنے میں کافی دشواری پیش آرہی تھی۔

میسور کے علاقے کے مندر

سلطنت وجے نگر کے قیام کے ساتھ ہی میسور کے علاقوں کی عمارتوں کے طرز تعمیر میں دراوڑ طرز کا احیاء ہوا۔ یہاں ہوئے شالاؤں کے عہد میں ہوئے شالا طرز تعمیر کو فروغ حاصل ہوا تھا لیکن وجے نگر کے زمانہ میں کناڑا کے اضلاع میں جس دراوڑ طرز تعمیر کو دوبارہ شروع کیا گیا اس پر ہوئے شالا طرز کی گہری چھاپ تھی۔

Marfat.com

ودیا شنکر مندر

میسور کے علاقہ میں سلطنت وجے نگر کے قیام کے فوراً بعد تعمیر ہونے والے مندروں میں سے ایک ابتدائی مندر شرنگیری کا ودیا شنکر مندر ہے ۔ یہ مندر اگرچہ دراوڑ طرز پر تعمیر ہوا ہے لیکن اس پر ہوئے شالا آرٹ کی گہری چھاپ ہے ۔ اس میں ہوئے شالا طرز کی مندرجہ ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں ۔ یہ تقریباً تین فٹ اونچی سطح پر بنایا گیا ہے مندر کی بیرونی دیوار جانوروں اور پورانی مناظر کی قطاروں سے مزین ہے[11] ۔ اس سے بعض محققین کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک ہوئے شالا مندر ہے لیکن اس کا نقشہ واضح طور پر دراوڑ طرز پر ہے ۔ اس مندر میں ایک گربھ گڑھا (GARBHAGARHA) ایک سُکھ ناسی (SUKHNASI) ، ایک پردکھنا (PAR-ADASINA) اور ایک نورنگ (NAURANGA) ہے ۔ بڑی اور چھوٹی تصویروں سے مندر کی دیواروں کی آرائش کی گئی ہے ۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ "ہندو مورتیوں ICONOGRAPHY کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ مندر صحیح معنوں میں مجسموں کا ایک عجائب گھر ہے ۔" بڑے مجسمے کل ملا کر ۱۰۴ ہیں لیکن چھوٹے مجسمے زیادہ دلچسپ ہیں ستونوں کے بالائی حصوں پر پرانوں (PUR-ANIC) سے جو نقاشی کی گئی ہے ان میں شیو پران کے کچھ دلچسپ مناظر پیش کیے گئے ہیں ایک پٹی میں شنکر آچاریہ اپنے چار شاگردوں کو درس دیتے ہوئے دکھائے گئے ہیں ۔ یہ شاگرد دو کر کے انکے دونوں جانب بیٹھے ہوئے ہیں اور کتابیں ویاس پیٹھا VYASPITHAS (رحلوں) پر رکھی ہوئی ہیں[12] ۔ کچھ اور شاگرد کھڑے ہوئے ہیں ۔ ان میں کچھ اور بھی تصویریں ہیں جن میں یوگا (YOGA) کے مختلف آسنوں کو پیش کیا گیا ہے ۔ بہت سے حکماء کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ مختلف جانوروں پر سوار ہیں ۔ وہ زنجیریں بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو پتھر کے چھلوں کی بنی ہوئی ہیں اور مندر کے مختلف گوشوں میں چھجوں سے لٹکی ہوئی ہیں ۔

فن تعمیر کے نقطہ نظر سے مندر میں بنے ہوئے نورنگ کی بڑی اہمیت ہے ۔ یہ "ایک عظیم الشان ہال ہے جو ۱۲ منقش ستونوں کی مدد سے بنایا گیا ہے ۔ ان ستونوں پر شیر اور سواروں کے مجسمے بنے ہوئے ہیں اور کونے کے ستونوں کے دونوں رخوں پر شیروں اور سواروں کے مجسمے ہیں ۔ پورا ستون ایک مسلم پتھر کو تراش کر بنایا گیا ہے ۔ بہت سے شیروں کے منھ میں پتھر کی گیند ہے ۔ انھیں شیر کے مجسمے تراشتے وقت ہی بنایا گیا ہوگا کیونکہ ان گیندوں کو حرکت تو دی جا سکتی ہے لیکن باہر نہیں نکالا جا سکتا ہے ۔ ہر ستون کی پشت پر اس چکر

Marfat.com

کے نقوش مثلاً مینڈھا، بیل، وغیرہ کندہ ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ستون اس ڈھنگ سے نصب کے گئے ہیں کہ شمسی مہینوں کی ترتیب سے ان پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں یعنی یہ کہ پہلے شمسی مہینے میں سورج کی کرن اس ستون پر پڑتی ہے جس پر مینڈھے کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اسی ترتیب سے دیگر ستونوں کا حال تھا۔ اس طرح ہر ستون پر اس ایک سیارہ یا کئی سیاروں کا نقش کندہ ہے جو اس مخصوص راشی یا اس چکر کی علامت پر متصرف ہے جس کی وہ ستون نمایندگی کر رہا ہے اور خود سورج کو، جو تمام راشیوں کا بادشاہ ہے، ہر ستون کی بالائی پٹی پر نقش کیا گیا ہے۔ مرکزی چھت جو تقریباً آٹھ فٹ کا ایک مربع ہے، صناعی کا بہترین نمونہ ہے اس میں دو فٹ گہری اور چار فٹ کے مربع کی پٹی ہے جس کے وسط میں کنول کی ایک خوبصورت کلی ہے جس میں سے پنکھڑیوں کی پانچ تہیں نکلی ہوئی ہیں جن کے اوپر چاروں طرف سے طوطوں کو سر جھکائے ہوئے چونچیں مارتے ہوئے دکھایا گیا ہے[13]۔ اس طرح اس عمارت کی پوری معماری اور سنگتراشی واقعی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

لکشمی دیوا اور ملیکارجونا کے مندر

میلکوٹ (MELKOTE) میں لکشمی دیو مندر کے سامنے ایک منڈپ ہے جس میں بعض دلچسپ نمونے ہیں اس کی تعمیر بظاہر جیسا کہ اس میں موجود کتبے سے بھی معلوم ہوتا ہے، 1458ء کے لگ بھگ رنگا نایکی (RANGA NAYAKI) کے ذریعہ عمل میں آئی تھی، جو دیورائے دوم ملیکارجونا اور نیل منگلا (NELA MANGALA) کے مالک کے ایک وزیر تماڈنڈ نایک کی بیوی تھی"۔ اس پر جو نقاشی ہے اس میں رامائن اور بھگوت کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں وبھیسن (VIBHISON) کو رام کی زیارت کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے جبکہ ایک دوسرے میں کرشن کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ کمسا (KAMSA) کو قتل کر رہا ہے[14]۔ اسی مقام کے تیروک کچی نمبی (TIRUKKACCI NAMBI) مندر کے ستونوں میں تیرہ دلچسپ نقوش ہیں اور ہر ایک کے نیچے تشریحی کتبات ہیں۔ ان میں ارجن کی زندگی کے بعض دلچسپ واقعات پیش کیے گئے ہیں جیسے مثلاً اندرکیل (INDRAKIL) کے پہاڑ پر تپسیا کا منظر[15]۔ اسی طرح پنکجناہلی PANKAJANAHALLI کے ملیکارجونا مندر میں بعض دلچسپ نقاشیاں ہیں۔ ان میں سے ایک میں کنپا (KANNAPPA) اس انداز میں نظر آتا ہے کہ وہ ایک کمان سے مسلح ہے، اس کی آنکھ میں تیر چبھا ہوا ہے اور اس کی ٹانگ لنگ پر ہے جس پر تین سروں والا سانپ سایہ کیے

Marfat.com

ہوئے ہے ۔شکتی گنپتی (SAKTI GANPATI) کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ اس کی بیوی اس کی بائیں جانگھ پر بیٹھی ہے جبکہ شیو کو لنگودابھوا مورتی (LINGODBHOVA MURTI) کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور ساتھ میں ایک سور (وشنو) بالکل نیچے اور ایک راج ہنس (برہما) اوپر بنے ہوئے ہیں[416]

جنوبی ہندوستان کے مندر

جنوبی ہندوستان مندروں کا ملک ہے اور ان مندروں میں بہت سے کافی بڑے بڑے مندر ہیں۔ اگرچہ وجے نگر کے بادشاہوں نے ان سب کی تعمیر نہیں کی ہے لیکن کم از کم ان میں سے بہت سے مندروں کے بعض حصے انھیں کے تعمیر کردہ ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے بیشتر بڑے بڑے مندروں میں عظیم الشان میناروں کی تعمیر وجے نگر کے دور ہی میں ہوئی۔ مثلاً کرشن دیو رائے نے چدمبرم کے شمالی مینار کا بیشتر حصہ تعمیر کروایا اور ایک مینار کنجیورم کی ایکمبر ناتھ تیرتھ گاہ کے بیرونی احاطہ میں اور دوسرا کالہستی (KALAHASTI) میں بنوایا تھا۔ اس نمونے کے عالی شان مینار جہاں کہیں بھی تعمیر ہوئے انھیں رایر گوپورم (RAYAR GOPURAM) یا رایر کے طرز پر بنے ہوئے مینار۔ یعنی بڑے اور بلند مینار۔ کا نام دیا جاتا تھا[417]۔ تیرووَن ملائی TIRUVANNA MALAI اور مدورا کے مندروں میں بڑے بڑے میناروں کی تعمیر محض بعد میں ہوئی۔ مزید براں وجے نگر عہد میں جنوبی ہندوستان کے اندرون میں بہت سے بڑے بڑے منڈپوں کی تعمیر (بھی) ہوئی۔

تادپتری (TADPATRI)

تادپتری وہ مقام ہے جو فن معماری کے لیے نہایت اہم ہے۔ یہاں ایک ویران مندر ہے جس میں دو بڑے گوپورم ہیں، ایک مکمل اور دوسرا محض پرکارا (PRAKARA) کی دیوار کی بلندی تک بنا ہوا۔ اور اصل مینار کی تعمیر کا آغاز بھی نہ ہو سکا تھا[418]۔ ان دونوں میناروں کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ ان کا عمودی حصہ مجموعی طور پر سادہ اور صاف ہے اور اس پر آرائشی نقاشی بہت کم ہے جبکہ بالائی حصہ اس قسم کی مصوری سے پُر ہے اور ان میناروں کا زیریں حصہ باریک اور ایک دوسرے سے بالکل متصل نقوش سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ نقوش انتہائی حسن، صفائی اور درستگی کے ساتھ سنگ خارا (HORNBLENDE) کی طرح کے کئی پرتوں والے

Marfat.com

ایک عمدہ پتھر کو تراش کر بنائے گئے ہیں جو اس طرز میں بنی ہوئی کسی اور عمارت کے مقابلہ میں زیادہ اچھا تاثر چھوڑتے ہیں اور مجموعی طور پر بہتر ذوق کی غمازی کرتے ہیں۔ اگر ہلیبد (HALIBID) یا بیلور سے کوئی موازنہ کیا جائے تو اس موازنہ میں وجے نگر کے بادشاہوں کی دوسری تعمیرات کے مقابلہ میں تادپتری کے یہ گوپرمون زیادہ بہتر طور پر پورے اتریں گے[19]

ویلّور (VELLORE)

قلعہ کے اندر کا مندر اپنے کلیان منٹپ کی وجہ سے بہت اہم ہے۔ یہ دلاوڑ طرز تعمیر کے چند بہترین نمونوں میں سے ایک ہے۔ ویالیوں اور پچھلے پیروں پر کھڑے ہوئے شہ سواروں کے مجسموں کو انتہائی حسن سے تراشا گیا ہے اور اس کے کسی حصہ میں بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے۔" اس کی عظیم الشان کارنس بھی اپنے دوہرے خموں اور سہارے کے لیے بنائی ہوئی چھوٹی چھوٹی جالیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ باعتبار شکل انتہائی نفیس ہے بلکہ صبر آزما صناعی کے ان عجائب میں سے ایک ہے جنکی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے[20]۔"

کنجیورم

کنجیورم کا ایکامبرناتھ مندر جنوبی ہندوستان کے عظیم ترین گوپرموں میں سے ایک ہے یہ 188 فٹ کا ہے اور اس میں دس منزلیں ہیں۔ اسے وجے نگر کے کرشن دیو رائے نے بنوایا تھا۔ مندر میں بہت سے منٹپ ہیں جن میں سے ایک میں تقریباً 540 ستون ہیں۔ وردراج سوامی مندر میں، جس کا کچھ حصہ وجے نگر کے بادشاہوں نے بنوایا تھا، ایک کلیان منٹپ ہے جو ویلور کے ایک منٹپ کے طرز کا بنا ہوا ہے۔ اس میں گرینائٹ کے بنے ہوئے ستون ہیں۔ جن میں گھوڑوں یا اسپ کرگی (HIPPOGRIFFS) پر بیٹھے ہوئے سواروں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔

چدمبرم

چدمبرم کے مندر میں وجے نگر کے بادشاہوں نے بہت سے اضافے کیے۔ کرشن دیو رائے ...ادری سے واپس آکر شمالی گوپرم کا کافی حصہ بنوایا تھا۔ یہ ۱۷۰ فٹ بلند ایک بڑی عمارت ...ا کا نچلا حصہ گرینائٹ کا بنا ہوا ہے جبکہ اس کا اہرام نما حصہ اینٹ اور چونے کا بنا ہوا ہے

Marfat.com

اور پلاسٹر کے نقوش سے پُر ہے۔ اس پر وشنو اور شیو دونوں ہی کی تصویریں کندہ ہیں۔ کرشن دیو رائے کا مجسمہ مندر کے شمالی مینار کے مغربی جانب ایک طاق کے اندر ابھری ہوئی سطح پر تراشا گیا ہے ایک کشادہ منتپ بھی جو ایک ہزار ستون پر قائم ہے بظاہر اسی دور کا بنا ہوا ہے۔ یہ تقریباً ۱۹۷ فٹ عریض اور 338 فٹ طویل ہے۔ ہر ستون گرینائٹ کے ایک ہی ٹکڑے سے بنا ہوا ہے ان ستونوں کا طرز اور ان کی آرائش قدیم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس عمارت کی بعض خصوصیات نے اس کو جدید شکل دیدی ہے۔ مرکزی دیوار کی تشکیل شعاعی محرابوں سے ہوئی ہے جنھیں اینٹ سے بنی ہوئی محرابوں سے سہارا دیا گیا ہے۔ فرگسن کا خیال ہے کہ یہ محرابیں یقینی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ان کا استعمال صرف اس وقت ممکن ہوا ہوگا "جب مسلمان جنوب میں آکر آباد ہوئے ہوں گے اور انھوں نے ہندوؤں کو ان کے استعمال کا طریقہ بتلایا ہوگا"۔ اس مقام کی بہترین عمارتوں میں سے ایک عمارت پاروتی تیرتھ گاہ کے سامنے کی پیش دہلیز ہے۔ اس میں پانچ راستے ہیں جن میں سے ہر بیرونی راستہ چھ فٹ چوڑا ہے اور اس کے بعد کا ہر ایک آٹھ فٹ چوڑا ہے اور مرکزی راستہ تقریباً اکیس فٹ چھ انچ چوڑا ہے۔ اس پر چھت بنانے کے لیے ایسی جسامت کے پتھروں کا استعمال کیے بغیر جن کے بوجھ سے خود ستون بیٹھ جائیں، صرف محرابوں، بلکہ بریکٹ دار ستونوں کا استعمال ناگزیر تھا اور ان بریکٹوں کو بھی متقاطع سنگی شہتیروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے اور یہ سلسلہ وہاں تک گیا ہے جہاں چوڑائی اتنی کم ہو گئی ہے کہ اسے بآسانی پاٹا جاسکے۔ چونکہ یہ سب کا سب ایک ایسے صحن کے اندر محدود ہے جو چاروں اطراف سے دو منزلہ بلند گیلریوں سے گھرا ہوا ہے لہٰذا پوری عمارت ایک خوشگوار اور انوکھا تاثر پیدا کرتی ہے[۱۸]۔ ایک نہایت دلکش برساتی بھی ہے۔ پاروتی تیرتھ گاہ کے شمال میں واقع سن مکھ (SANMUKHA) یا سبرامنیا (SUBRAHMANYA) کی تیرتھ گاہ کے سامنے بنی ہے۔ اس کے نقش ونگار کی نوعیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بظاہر سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی کے آغاز میں بنی تھی۔ البتہ فرگسن کا خیال ہے کہ اپنے طرز کے اعتبار سے اس عمارت کو اور بھی پہلے کی تعمیر سمجھا جاسکتا ہے۔

مدورا

مدورا میں واقع وسنت یا پودومنیٹم (PUDUMANTAPAM) فن تعمیر کے نقطہ نظر سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ 332 فٹ لمبا اور ۱۰۵ فٹ چوڑا ہے اور اس میں ستونوں کے

Marfat.com

چار سلسلے ہیں جن سب کے اوپر بڑی تفصیلی مصوری کی گئی ہے۔اس ہال کے سامنے کا رخ ویالیوں اور شیر کے شکل کے دیوؤں سے ،جو ہاتھی کو کچل رہے ہیں، مزین کیا گیا ہے یا اس میں ایک سپاہی کو ایک گھوڑے پر سوار دکھلایا گیا ہے جو اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہے اور یہ سپاہی پیادہ فوجیوں کی ڈھالوں کے سایہ میں کبھی انسانوں کو اور کبھی شیروں کو ہلاک کر رہا ہے۔ان مجسموں کے بارے میں فرگشن کہتا ہے"اس طرح کے مجموعے جنوبی ہند میں حقیقتاً سیکڑوں کی تعداد میں ہیں اور ایسے موضوعات کی حیثیت سے جن میں دشواریوں پر مسلسل محنت کے ذریعہ قابو پلنے کا مظاہرہ ہو،جہاں تک میں جانتا ہوں،ان کی نظیر ہی کہیں نہیں ملتیں۔لیکن آرٹ کے نمونوں کی حیثیت سے وہ انتہائی وحشتناک ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے انتہائی بھونڈے مجسمے ہیں اور ان مجسموں نے آرٹ کو جو کچھ بھی دیا ہے اس سے کہیں زیادہ انھوں نے اپنے بنانے والوں کے تہذیب و تمدن پر ایک شخص کے اعتقاد کو متزلزل کیا ہے[22]۔لیکن جیسا کہ ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے،فرگشن کی رائے انتہائی درست ہے"فرگشن کی تنقید جنوب کی سنگ تراشی کو زبردست تحریکی تاثرات کے مظاہرے کی اس کی صلاحیتوں کے لیے اس کا صحیح مقام دینے میں ناکام ہے۔اس طرح کے مجسمے دوسری جگہوں پر مفقود نظر آتے ہیں اور یہ بات واضح نہیں ہے کہ انھیں تامل کے علاقہ میں اس قدر مقبولیت کیوں حاصل ہوئی[23]۔بہرحال اسمتھ کہتا ہے"جنوب کے مجسمے جو اپنی . . . کثرت تعداد،عجیب وغریب کردار،جو اکثر مضحکہ خیز ہو گئے ہیں اور اپنی حیرت انگیز تفصیلات کی بنا پر مشہور ہیں شاذونادر ہی کسی اعلیٰ درجہ کے آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔چونکہ مجسمے عوام کے دیکھنے کے لیے بنائے جاتے ہیں،انفرادی نمونوں کی حیثیت سے نہیں لہٰذا چند الگ الگ شکلوں کی نقل بنا دینے سے نہ تو سنگ تراش کے مقصد کے ساتھ انصاف ہو سکے گا اور نہ ہی اس کے مجموعی تاثر کے ساتھ[24]۔"

مسافر خانہ کے سامنے گوپرم کی تعمیر بھی تیرومل نایک نے شروع کی تھی۔شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی 174 فٹ ہے اور وسعت 117 فٹ ہے۔یہ گوپرم نامکمل رہ گیا ہے،لیکن یہ اپنی موجودہ جسامت ہی میں ایک مرعوب کن عمارت ہے۔دروازوں کی چوکھٹیں گرینائٹ کے ایک ٹکڑے کو تراش کر بنائی گئی ہیں جن پر نہایت صفائی سے پھول پتیوں کی بیلیں بنائی گئی ہیں۔

مدورا کا مندر بھی نہایت ہی عمدہ صناعی کی ایک عمارت ہے۔مندر میں ایک ہزار ستونوں کا ایک ہال ہے۔فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ایک حیرت انگیز تعمیر ہے پوری عمارت میں تفصیلی نقاشی اس انداز سے کی گئی ہے کہ دیکھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے[25]۔

Marfat.com

1- (ب) مجسمہ سازی

کانسے اور پیتل کی ڈھلائی زیادہ تر جنوبی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ مندروں کی مورتیاں اور ایسے ممتاز حکمرانوں کے مجسمے بنائے جاتے تھے جو مندروں کی دیکھ بھال اور پوجا پاٹ کے لیے داد و دہش کرتے تھے اور انھیں مندروں میں نصب کر دیا جاتا تھا۔ اگرچہ وجے نگر کے زمانے میں بھی کانسے کی متعدد مورتیاں یقیناً بنائی گئی ہوں گی تاہم اس سلسلے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بہر حال تیرو ملائی مندر میں پیتل کی تین مورتیاں ہیں جو کسی قدر اہم ہیں۔ ایک میں کرشن دیورائے کو پیش کیا گیا ہے جو دیوتا وینکٹیشا (VENKATESA) کا زبردست معتقد تھا اور اس نے اس مندر میں اہم اضافے کیے۔[26] بقیہ دونوں مورتیوں میں اس کی دو رانیوں چنا دیوی اور تیرو مل دیوی کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ مجسمے بظاہر اسی دور کے ہیں۔ ان پر گفتگو کرتے ہوئے ونسنٹ اسمتھ کہتا ہے "ان مجسموں کے ڈیزائن اگرچہ رسمی ہیں اور ان سے صحیح تاثر نہیں ملتا تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بڑی نفاست کے ساتھ بنایا گیا ہے"۔[27]

تیرو ملائی مندر میں وینکٹ دوم (1585ء تا 1614ء) کا بھی تانبے کا ایک مجسمہ ہے۔ اس کی صناعی میں اعلیٰ درجہ کی نزاکت ہے اور یہ مجسمہ سازی کا بہترین نمونہ ہے۔ علاوہ ازیں مندر میں دو مجسموں (شوہر اور بیوی) کا ایک اور جوڑا بھی ہے جو پتھر سے تراشا گیا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تیرو مل اول اور اس کی بیوی وینگتمبا (VENGATAMBA) کے مجسمے ہیں۔[28] لیکن مراٹھی میں لکھی ہوئی مندر کی اشیا اور جائداد کی ایک قدیم فہرست میں اس جوڑے کو اچیوت اور اس کی ملکہ ورداجی اما کا مجسمہ بتایا گیا ہے۔[29]

مدورا کا پودو منتپ اس بنا پر زیادہ اہمیت و دلچسپی کا حامل ہے کہ اسمیں وہاں کے دس نایک بادشاہوں کے مجسمے ہیں سنگتراش نے اس میں اپنی خیالی تصویروں کو نہیں پیش کیا ہے بلکہ یہ مجسمے مدورا کے ابتدائی دس نایک حکمرانوں کی صحیح تصویریں معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے اپنے سروں پر خود پہنے ہوئے ہیں اور کمر پٹکہ باندھے ہیں۔ یہ مجسمے جنوبی ہندوستان کی صناعی کے مکمل نمونے ہیں۔[30]

2- شہری تعمیرات

الف :- وجے نگر کے محلات اور شہری عمارتیں

محلات اور دیگر شہری تعمیرات جنہیں وجے نگر کے بادشاہوں نے بنوایا تھا اب کھنڈروں

Marfat.com

یں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سی عمارتوں کو مسلمانوں نے منہدم کردیا جنھوں نے رکس تنگدی (RAKSAS TANGDI) کی جنگ کے بعد ہر قسم کی زیادتیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں ہمیں عمارتوں کے بجائے صرف ان کی کرسیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل آثار بیان کیے جا سکتے ہیں۔

قلعہ کے اندر ایک بہت ہی وسیع بنیاد ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی اہم عمارت کی بنیاد رہی ہوگی۔ شاید وجے نگر کے بادشاہوں کا دربار ہال رہا ہوگا۔ کرسی کی بالائی سطح پر ستونوں کی چھ قطاروں کی موجودگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہر قطار میں دس ستون تھے۔ اس لیے کہ وہاں ساٹھ بنیادوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ جن پر غالباً ستون قائم کیے گئے ہوں گے۔ احتمال ہے کہ ستون لکڑی کے رہے ہوں گے کیوں کہ اس وقت وہاں پتھر کا کوئی شکستہ ستون بھی نظر نہیں آتا۔ عبدالرزاق کے اس بیان سے کہ بادشاہ کا دربار ہال قلعہ کے دیگر تمام اونچی نیچی عمارتوں سے بلند تھا ہم نہایت آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے اوپر ایک یا دو منزلیں اور رہی ہوں گی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ کرسی کے نچلے حصہ پر معمولی قسم کی نقاشی ہے۔

لیکن تخت شاہی کی نشستیں وہاں کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ جاذب نظر ہے۔ اس کرسی پر جو عمارت کھڑی تھی پائس اسے 'بیت الفتح' (HOME OF VICTORY) کا نام دیتا ہے کیوں کہ کرشن دیو رائے نے اس کو اڑیسہ کے حکمرانوں کے خلاف اپنی کامیاب مہم سے واپسی کے فوراً بعد تعمیر کرایا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر بادشاہ مہانومی تہوار کی تقریبات کو دیکھتا تھا۔ اس کرسی کا ڈھانچہ بہت بڑا ہے جس کے سامنے کے رخ پر ابتداً گرینائٹ کے بڑے بڑے منقش ٹکڑے اور سلیں جمائی ہوئی تھیں۔ لیکن بعد میں کرسی کے مغربی پہلو کے سامنے کے رخ کو جزوی طور پر گہرے سبز رنگ کے کلورائڈ پتھر سے بدل دیا گیا۔ کرسی کے آرائشی حاشیوں کی قطاروں کی درمیانی جگہ پر بڑی تفصیلی نقش کاری کی گئی ہے۔ یہ نقش کاری اس طرز میں ہے جس میں ہزارا رام مندر کے احاطہ والی دیوار کی نقاشی کی گئی ہے۔ اس میں مختلف مناظر پیش کیے گئے ہیں جن میں سپاہیوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، اونٹوں اور رقص کرتی ہوئی لڑکیوں کے جلوس دکھائے گئے ہیں۔ شمالی قسم الف کرسی کی دیوار پر چند ابھرے نقوش میں شکار کے مناظر اور روایتی جانوروں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں تاہم نقوش میں اس گرینائٹ کی وجہ سے جس میں انھیں بنایا گیا ہے۔ صفائی نہیں ہے پتھر کا بالائی ردا، ہاتھیوں کے ایک جلوس کے نقش سے مزین ہے۔ نوکیلی داڑھیوں اور ایرانی طرز

Marfat.com

کی ٹوپیوں والے دو غیر ملکی افراد دکھلائے گئے ہیں کہ وہ تخت شاہی پر متمکن لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ اس منظر سے غالباً بیرونی ملک کے سفراء کی دربار میں آمد کو پیش کرنا مقصود رہا ہے[31]۔ لوگ ہرسٹ (LONG HURST) کا خیال ہے کہ اس پرانے انداز کے ابھرے ہوئے نقوش میں جین طرز نمایاں ہے۔ اور لکھتا ہے کہ بعض اوقات یہ معلوم کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں بعض تصویریں مردوں کی ہیں یا عورتوں کی کیوں کہ دونوں صنفوں کے بال رکھنے کا انداز بڑا عجیب و غریب تھا[32]۔

ہاتھیوں کے جلوس کے نیچے مقدس ہنسوں اور روایتی مگرمچھوں کی قطاریں ہیں جو قدیم جین اور بدھ مت لوگوں کی ایک مقبول ڈیزائن تھی۔ اس کے نیچے رقص کرتی ہوئی لڑکیوں کی تین قطاریں ہیں۔ ان تصویروں سے فرحت و انبساط اور تحریک و عمل عیاں ہے۔ اسی عمارت میں ایک دوسری جگہ پر کچھ اور نقوش ہیں۔ بالائی پٹی میں شاہی گھوڑوں کی پریڈ نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیچے شکار کا ایک منظر ہے۔ ایک آدمی کو ایک شیر یا چیتے پر بھالے سے حملہ کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے جبکہ دوسرے دو اشخاص کو، جن میں سے ایک کمان اور دوسرا ایک عجیب و غریب قسم کے ہتھیار سے مسلح اور دو بھورے شکاری کتوں کی زنجیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہرن کا شکار کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ وسط میں ایک درخت ہے جس پر دو اشخاص کو دکھلایا گیا ہے کہ ان پر بعض وحشی جانور حملہ کر رہے ہیں۔ درخت کے نیچے ایک جانب سور اور دوسری جانب آڑا نشان بنا ہوا ہے۔ موخر الذکر بلا شبہ ایک عجیب چیز ہے لیکن یہاں پر یہ محض روایتی CROSS طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک آرائشی تالاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیچے دو گونہ بازوں کو دکھلایا گیا ہے۔ جنھیں بادشاہ کے سامنے لونیز کی بیان کی ہوئی تفصیل کے مطابق "بہترین فن" کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ بائیں جانب ہمیں اشوری ASSYRIAN انداز سے ملتا جلتا ابھرا ہوا ایک نقش ملتا ہے جس میں ایک سپاہی کو ایک حملہ آور ریچھ کے کھلے ہوئے منہ میں اطمینان کے ساتھ چھرا گھونپ کر اسے ہلاک کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔ اس نادر اور قدیم ابھری ہوئی نقاشی کے بقیہ مناظر میں گھوڑوں اور سپاہیوں کے، اونٹوں کے جن پر ڈھول بجانے والے سوار ہیں اور ٹوکریوں کی شکل کے نقارے لیے ہوئے ہیں۔ ہاتھیوں کے رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور سازندوں کے جلوس دکھائے گئے ہیں[33]۔ ہاتھی کے جشن کے عظیم الشان جلوس جن کو بیرونی سیاحوں نے بیان کیا ہے، وہ سب کے سب کرسی کی دونوں جانب دکھلائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ایک نوجوان امیر کو دکھلایا گیا ہے کہ وہ رقص کرتی ہوئی لڑکیوں

Marfat.com

کے ایک گروہ کے ساتھ تقریب میں شریک ہے۔ ان میں سے دو لڑکیاں زعفران کے پانی سے بھری پچکاریاں لیے ہوئے ہیں۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ نیکولوڈی کونتی نے جو بیان کیا ہے یہ اسی ہولی کے تہوار کا ایک منظر ہے۔ لیکن اس تصویر میں بظاہر وجے نگر کے امراء کی زندگی کی بہت ہی عام خصوصیت کو پیش کیا گیا ہے (یعنی) پانی کا کھیل یا جل کریڑا (JALAKARI DA) جسے اس دور کے ادب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی علاقہ میں ایک دوسری کرسی بھی ہے جو محل کی کرسی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ شاہی فصیل کے احاطہ کے اندر ہی دربار ہال اور شاہی تخت کی کرسی کے قریب واقع ہے۔ اس کرسی پر جو دیواریں ہیں وہ پتھر کے بجائے اینٹ اور چونے کی ہیں اور اس کا بالائی ڈھانچہ اور ستون لکڑی کے رہے ہونگے جنھیں مسلمانوں نے نذر آتش کر دیا۔ نچلی منزل سطح سے تقریباً پانچ فٹ بلند ایک چبوترے پر ہے جس کی دیوار پر بنی ہوئی پٹیوں پر ہاتھیوں کے دلچسپ جلوس کندہ ہیں۔

تعمیرات اور آبیاری

وجے نگر کے شہر کو پانی کی فراہمی کے لیے بڑی سہولتوں کا انتظام کیا گیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی ایک تالاب سے حاصل کیا جاتا تھا جو نسبتاً بلندی پر واقع تھا۔ لیکن لونگ ہرسٹ کہتا ہے کہ اسے یقیناً شہر کے باہر کے ایک کنواں سے "عام ہندوستانی طریقہ کے مطابق خیرے کے بڑے ڈولوں کے ذریعہ بیلوں کی مدد سے نکالا جاتا ہوگا اور پانی کو ایک بڑے نالہ میں ڈال دیا جاتا ہوگا جس سے ذیلی نالیاں منسلک ہوں گی" شاہی تخت کی نشستیں کے پاس پتھر کی ایک نالی بنی ہوئی ہے جو قلعہ کی فصیل کی طرف جاتی ہے اور اس کی دوسری شاخیں یہاں سے زنانہ حصہ کے احاطہ کو جاتی ہیں۔ یہ نالی ملکہ کے غسل خانہ تک جاتی ہے یہ ایک چوکور عمارت ہے جو ہند۔ اسلامی طرز پر بنی ہوئی ہے اور چاروں طرف ایک کھائی سے گھری ہوئی ہے۔ پوری عمارت کے گرد ایک محرابی دالان ہے جس میں چھوٹی چھوٹی بالکنیاں بنی ہیں اور وہاں سے وسط میں واقع غسل خانہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ قلعہ کے چندر شیکھر مندر کے شمال میں ایک ہشت پہل تالاب ہے جس کے وسط میں ایک خستہ پویلین ہے۔ اور اس تالاب کے گرد ستونوں سے بنا ہوا ایک دالان جس کی چھت سپاٹ ہے۔ شاید اسے تفریح کی ایک جگہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تورُتو (TU RU TTU) نالہ پہاڑی کے ساتھ ساتھ گیا ہے۔

Marfat.com

اور اس کا خروج ہمپی سے مغرب تقریباً ایک میل دور تنگ بھدرا (TUNGABHEDRA) ندی کے اس پار تورو تو ڈیم سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور چیزیں بڑی دلچسپ ہیں۔ ان میں سے ایک پتھر کا ایک حوض ہے۔ جو بادشاہ کے دربار ہال کی کرسی کے بالمقابل بنا ہوا ہے۔ شاید اس کا استعمال ان سفراء اور امراء کے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لیے پانی کا ذخیرہ رکھنے کے لیے ہوتا تھا جو بادشاہ کے پہلی باریابی کے لیے آتے تھے۔ یہ حوض گرینائٹ کے ایک بڑے ٹکڑے سے بنایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی $41\frac{1}{2}$ فٹ، چوڑائی 3 فٹ اور موٹائی 2 فٹ 9 انچ ہے اور صفائی کی غرض سے پانی کی نکاسی کے لیے اس میں ایک سوراخ بنا ہوا ہے۔ دوسری عمارت ایک ہشت پہل پویلین بلکہ ایک بڑی عمارت ہے اس کی تعمیر ہند۔اسلامی طرز پر ہوئی ہے۔ عمارت کے ہر پہلو میں محرابی در ہیں اور عمارت کے وسط میں فوارے کا ایک چھوٹا حوض ہے۔ ایک عمارت میں پتھر کا ایک بڑا حوض بھی ہے۔ جسے گرینائٹ کے ہی ایک ٹکڑے سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حوض میں دارالسلطنت کی بڑی بڑی تقریبات کے دوران غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے دودھ رکھا جاتا تھا۔

(ج) بازار

وجے نگر کے زمانہ میں بازاروں کے طرز تعمیر کے دلچسپ نمونے ہمپی کے بازار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جو آج بھی کافی حد تک مکمل حالت میں ہیں۔ یہ بازار ہمپی کے مندر کے محاذ میں واقع ہے جو 35 گز چوڑا اور 800 گز لمبا ہے۔ سڑکوں پر واقع عمارتیں زیادہ تر سادے منٹپوں پر مشتمل ہیں جو ان سنگی ستونوں پر قائم ہیں جن کے اوپر نقش ونگار سے مزین لنٹل بنے ہوئے ہیں۔ ان منٹپوں میں سے چند دو منزلہ ہیں اور سامنے کے حصہ میں منقش سرستوں والے تراشے ہوئے ستونوں کی قطار ہے جن کے اوپر تراشی ہوئی منقش کارنس اور منڈیر بنی ہوئی ہے[35]۔ سڑک کے مشرقی سرے پر ایک بڑا نندی (شیو کا مقدس بیل) بنا ہوا ہے۔ جس کا رخ ہمپی کے مندر کی جانب ہے۔ جس منٹپ میں نندی نصب ہے اس کے ٹھیک سامنے دو منزلہ عمارت ہے جس میں سیاہ پتھر کے نہایت ہی عمدہ ستون ہیں جو چالوکیہ طرز پر کندہ ہیں جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں[36]۔ ایک دوسری سڑک جو سولائی بازار (SOOLAI BAZAR) یعنی رقص کرنے والی لڑکیوں کی سڑک کے نام سے معروف ہے۔ اچیوت رائے کے مندر کے شمال سے گذرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں رقاصائیں رہا کرتی تھیں۔ آج یہ مکانات کھنڈر ہو چکے ہیں۔ لیکن خیال ہے کہ رقص کرنے والی لڑکیاں ان مکانات میں رہا کرتی تھیں۔ ان مکانات کو ٹوٹے پھوٹے اینٹ، پتھر کی دیوار ایک دوسرے سے

Marfat.com

جدا کرتی تھی اور اس دیوار پر پلاسٹر کر دیا گیا تھا۔ اس سڑک کے شمال مغربی سرے پر ایک تالاب یا غسل گاہ تھی جس کو غالباً رقاصائیں استعمال کرتی تھیں۔

کرشن سوامی مندر کے مشرق میں ایک دوسرا بازار ہے لیکن یہ مندر کی سطح سے پست سطح پر واقع ہے۔ ساری عمارتیں یک منزلہ ہیں اور ان کو پاٹنے کے لیے جو لنٹل بنایا گیا ہے وہ سنگی ستونوں پر قائم ہے۔ سڑک کے شمال میں ایک وسیع تالاب ہے جس کے گرد ایک دالان بنا ہوا ہے جس میں داخلہ کے لیے نقش ونگار سے آراستہ ایک پھاٹک بنا ہوا ہے۔ یہ بازار اور سولائی بازار دونوں ہی اب ویران پڑے ہیں اور دونوں کے کھنڈروں کے درمیان جو زمین ہے وہ اب زیر کاشت ہے۔

3 - فوجی تعمیرات

وجے نگر کا شہر سات دفاعی فصیلوں سے محصور تھا۔ عبدالرزاق کہتا ہے کہ یہ شہر اس طور پر بنایا گیا تھا کہ اس کی یکے بعد دیگرے سات دفاعی دیواروں سے مستحکم بنایا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "بیرونی فصیل کے حصار سے ہٹ کر ایک مسطح میدان ہے جو تقریباً پچاس گز تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں قدآدم پتھر ایک دوسرے میں ملا کر نصب کیے ہوئے ہیں۔ پتھر کا نصف زمین کے اندر مضبوطی سے جمایا ہوا ہے اور نصف سطح زمین کے اوپر ہے۔ اس طرح کہ پیادہ یا سوار چاہے کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو آسانی کے ساتھ فصیل کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا"[37]۔ اس بیرونی فصیل کے اندر چھ قلعے تھے اور آخری قلعہ کے اندر شاہی محل تھا۔ پائس نے بھی ایرانی سفیر کے بیان کی توثیق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ شہر کو مضبوط فصیلوں سے مستحکم کیا گیا تھا "یہ فصیلیں بڑے مضبوط پتھر اور گچ سے بنائی گئی تھیں۔ جس کی مثال چند ہی دیگر جگہوں پر ملے گی"[38]۔ شہر کی شکل دائرہ نما تھی۔ عبدالرزاق شہر کے متعلق بتلاتا ہے کہ وہ ایک دائرہ میں تھا اور ایک پہاڑی پر واقع تھا[39]۔ سیزر فریڈرک (CAESAR FREDRICK) اس کے بیان کی توثیق کرتا ہے۔

شہر کی وسعت کے بارے میں مختلف تخمینے بتائے گئے ہیں۔ نیکولوڈی کونتی کہتا ہے کہ وجے نگر کے شہر کی فصلیں پہاڑوں تک چلی گئی تھیں اور ان کے دامن کی وادیوں کو بھی گھیرے ہوئی تھیں جس کی وجہ سے شہر کی وسعت کافی بڑھ گئی تھی اور اس کا حصار ساٹھ میل تھا[40]۔ عبدالرزاق کا خیال ہے کہ بیرونی قلعہ کے شمالی اور جنوبی دروازوں کے درمیان کا فاصلہ دو سرکاری فرسنگ تھا اور یہی دوری مشرق و مغرب کے بیرونی دروازے کے درمیان تھی[41]۔ پائز کا خیال ہے کہ شہر کا حصار چوبیس لیگ تھا[42]۔ اور وہ کہتا ہے کہ پہلا سرا (SERRA) دارالسلطنت سے 2 لیگ کے فاصلہ پر تھا۔ سیزر

Marfat.com

فریڈرک کے مطابق یہ حصار چوبیس میل کا تھا۔ مختلف مصنفین کے ان متضاد بیانات سے دارالسلطنت کے صحیح رقبہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی وسعت کے بارے میں نیکولوڈی کونتی اور پائز کے بیانات نہایت مبالغہ آمیز ہیں۔ رقبہ کا اتنا وسیع ہونا بہت ہی ناممکن ہے کیوں کہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو دارالسلطنت کے مرکزی حصہ اور قلعہ بندی کے پہلے حصار کے درمیان کی دوری 18 سے 20 میل کے قریب رہی ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ دونوں مورخوں نے غلطی سے پہاڑی قلعوں اور دارالسلطنت کے اصل حصار کے باہر کی فصیل کو مدنظر رکھا ہو اور حصار کا تخمینہ ۶۰ میل سے زیادہ لگایا گیا ہو۔ عبدالرزاق کے اس بیان کا موازنہ کہ شہر کا قطر ۱۶ میل تھا سیزر فریڈرک کے محتاط بیان سے اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ سیول کہتا ہے" ہوسپٹ کے موجودہ شہر کے آگے جنوب کی آخری حصار بندی سے لے کر شمال میں اینگنڈی (ANEGUNDI) کی دفاعی تنصیبات کے انتہائی سرے تک تقریباً 12 میل کی دوری ہے اور میدان میں واقع مغربی فصیل کے انتہائی سرے سے لے کر مشرق میں درو جی (DAROJI) اور کمپلی (KAMPILI) کی سمت میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں پر بنائی گئی تنصیبات کے آخری سرے تک کا درمیانی فاصلہ تقریباً دس میل ہے۔ اسی علاقہ کے اندر ہمیں ان عمارتوں کے کھنڈرات ملتے ہیں جن کا تذکرہ میں کر چکا ہوں[۱۹۳]" اس طرح وجے نگر کی راجدھانی کے کھنڈرات جتنے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرزاق اور سیزر فریڈرک کے اندازے نیکولوڈی کونتی اور پائز کے اندازوں کے مقابلہ میں حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

دارالسلطنت کی عظیم دفاعی فصیلوں میں کئی درازیں بنا دی گئی تھیں جو دروازوں کا کام دیتی تھیں۔ ان کی تعمیر مجموعی طور پر ہندو طرز پر کی گئی تھی لیکن ان میں سے چند میں اسلامی طرز تعمیر کا اثر نمایاں ہے۔ وجے نگر کے پھاٹکوں میں سب سے اہم وہ تھا جو بھیم کا پھاٹک کہلاتا ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس میں بھیم کا ایک عمدہ تراشا ہوا مجسمہ نصب تھا۔ باہر نکل کر حملہ کرنے کے لیے اس پھاٹک میں ایک کھڑکی بھی کھلی تھی جسے دونوں جانب وزنی دیواروں سے مستحکم کر دیا گیا تھا۔ پٹا بھیرام (PATTABHIRAM) مندر کے شمال مشرق میں نصف میل کے فاصلے پر ایک اور پھاٹک ہے جو وجے نگر کے شہر کے شمال میں داخلے کا اصل دروازہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پھاٹک کے اندرونی حصہ میں ہنومان کا ایک بڑا مجسمہ نصب ہے۔ ایک اور پھاٹک جو سرسری طور پر قابل ذکر ہے وہ وہ ہے جو اس سڑک پر واقع ہے جو جنوب کی جانب سے پٹا بھیرام مندر کی طرف جاتی ہے۔ پھاٹک کا نچلا حصہ ہندو طرز پر بنا ہوا ہے جب کہ اس کا بالائی حصہ اسلامی طرز

Marfat.com

تعمیر کے مطابق بنا ہے۔

فصل سوم

جین تعمیرات

وجے نگر کے حدود سلطنت میں جین مندروں کی تعمیر اس بات کا ثبوت ہے کہ سلطنت میں مذہبی رواداری کے رواج کا اظہار مملکت وجے نگر میں جین مندروں کی تعمیر کے ذریعہ بھی ہوا۔ خود راجدھانی میں گانی گٹی (GANIGITTI) نام کا ایک جین مندر ہے۔ گانی گتی کے معنی 'تیل والی عورت' کے ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ مندر کا یہ نام کیوں پڑا۔ اس مندر کے اوپر کا اصل مینار سیڑھیوں کے ایک سلسلہ سے بنایا گیا ہے جو اس طرز کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ تیرتھ گاہ کے سامنے ایک خوبصورت یک سنگی استمبھ (STAMBHA) بنا ہوا ہے اور اس میں 1385ء کا ایک کتبہ ہے[45] جس میں درج ہے کہ اس کی تعمیر ہری ہر دوم کے جین وزیر ایرو گپا ڈنڈ ناتھ نے کرائی تھی۔ اصل دروازے کے سنگی لنٹل پر ایک جین تیرتھنکر کا مجسمہ کندہ ہے جس کے سر پر تلے اوپر تین چھتریاں اور دائیں بائیں مورچھل بنے ہوئے ہیں۔ آگے بڑھ کر سامنے کی برساتی کی پلاسٹر کی منڈیر پر تین چھوٹے چھوٹے طاق ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے دروازوں کے لنٹل پر اسی سادھو کی حالت نشست کی تین جین تصویروں کے نشانات نظر آتے ہیں۔

جنگلی پت ضلع میں جینا کانچی یا تیرو پروتنکی کنرم (TIRUPPARUTTIKKUNRAM) کے وردھمان مندر کو ایروگپا کی خصوصی توجہ حاصل تھی۔ اس نے اپنے مرشد کی خواہش پر زیارت گاہ کے آگے وردھمان اردھ منتپ کے بالمقابل سنگیت منتپ بنوایا تھا۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس میں موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس کی پیمائش طول میں ۶۱ فٹ ۹ انچ اور عرض میں 26 فٹ ۱۰ انچ ہے۔ ستون وجے نگر کے ابتدائی طرز کے ہیں۔ ستونوں کے پایوں پر شیروں، پودوں بیلوں، کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپوں، درختوں کی گانٹھوں، رقص کرتی ہوئی لڑکیوں اور ساز بجاتے ہوئے ٹھگنے یکساؤں (YAKSAS) وغیرہ کی تصویریں کندہ ہیں۔ سر ستون کنول کے پھول کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ جن میں بیچ دانی لٹکی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ اس منتپ کے ایک ستون پر منتپ عالیہ HIGH RELIEF میں ایروگپا ڈنڈ ناتھ کی ایک تصویر کھدی ہوئی ہے" اس تصویر میں انتہائی ریاضت، انکسار، زہد، ایثار اور انسانیت کی خدمت کے لیے اشتیاق کے جذبات

Marfat.com

نمایاں ہیں"۔ سر کے بال ایک گرہ میں بندھے ہوئے ہیں اور تصویر کی بائیں جانب ڈال دیئے ہیں۔
گوپورا کی کرسی گرینائٹ کی بنی ہوئی ہے جبکہ اس کا اہرام نما حصہ اینٹ اور گارے کا بنا ہوا ہے
گوپورا کے پہلو میں چولا طرز کی مورتیوں (CORBELS) کے ساتھ دیواری ستون بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کی ہر آرائشی کھڑکی (کودو KUDUS) میں ایک جین تیر تھنکر کا مجسمہ نصب ہے[46]۔ جسے فریفتہ کے عالم میں پیش کیا گیا ہے۔

فصل چہارم

ہند میں اسلامی طرزِ عمارت

دارالسلطنت اور چند صوبائی شہروں کی بعض عمارات میں ہندو طرز تعمیر بڑی حد تک اسلامی طرز تعمیر سے متاثر ہوا۔ جنوب کے ہندو بادشاہوں کے روابط جب مسلمانوں سے گہرے ہوئے تو لنٹل کی جگہ ہند۔ اسلامی طرز کی مخروطی محرابوں اور گنبدوں نے وجے نگر کی طرز تعمیر کو متاثر کیا۔

اس طرز سے متاثر ہونے والی دارالسلطنت کی اہم ترین عمارتوں میں سے ایک زنانہ حصہ کی ایک عمارت کنول محل (LOTUS MAHAL) ہے۔ یہ ایک خوبصورت پویلین ہے جس میں ایک بالائی منزل بھی ہے۔ پویلین کی دیواریں پلاسٹر سے بنائے ہوئے بعض عمدہ نقوش سے مزین ہے خود اصل عمارت پتھر کی ایک بلند اور منقش کرسی پر کھڑی ہے۔ عمارت کے کونوں میں دوہری جالیاں لگی ہیں"۔ یہ پویلین ہر جانب سے کھلا ہوا ہے اور اس میں بڑے بڑے ستون اور محرابیں بنائی گئی ہیں جو بالائی کمرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس کمرے تک جانے کے لیے شمالی جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ بالائی کمرے میں چاروں طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں فراہم کی گئی ہیں جن میں ابتدأ لکڑی کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو ہمیں یہاں کی کسی دوسری عمارت میں نہیں ملتی اور جس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ یہ عمارتیں یقیناً زنان خانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبکہ ستون اور محرابیں اسلامی طرز کی ہیں اس کی کرسی، چھت، کارنس اور پلاسٹر سے بنے ہوئے ہیں۔ نقش و نگار ہندو طرز پر بنے ہوئے ہیں"۔ یہ ان دو طرزوں کا ناخوشگوار نہیں بلکہ دلچسپ امتزاج ہے اور ہند۔ اسلامی طرز تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے[47]۔" زنان خانہ اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے۔ جیسے جیسے یہ دیواریں جن کا کچھ حصہ اب منہدم ہو چکا ہے، بلند ہوتی گئی ہیں۔ ان کی چوڑائی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیواروں کے بالائی حصہ پر جس کو سیمنٹ

Marfat.com

سے بنایا گیا ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوہے کی نوکدار سلاخیں لگا دی گئی تھیں۔ احاطہ کے شمال میں پہرے کا ایک بڑا مینار ہے جو فصیل میں داخلے کے لیے ایک چھوٹے سے دروازے کے اوپر بنا ہوا ہے۔ جنوب مشرقی گوشے میں اسی طرح کا ایک اور مینار ہے۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان میناروں کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہو تاہم" ان کا طرز تعمیر یہ بتاتا ہے کہ حرم کی خواتین اصلاً انھیں تفریح گاہ کی حیثیت سے استعمال کرتی تھیں جہاں سے وہ پورے اطمینان کے ساتھ خود نظر آئے بغیر احاطہ کے باہر ہونے والے واقعات کا نظارہ کر سکتی تھیں[48]۔"

زنان خانہ کے احاطہ کے باہر ایک طویل عمارت ہے جس میں گیارہ کمرہ نما سائبان یا کمرے ہیں جن کے اوپر بلند گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مرکزی کمرے کے اوپر ایک چوکور برج بنا ہوا ہے جس پر جانے کے لیے اس کے دونوں جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس عمارت کے طرز تعمیر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسلامی طرز کی ہے۔ مقامی روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ عمارت ریاست کے ہاتھیوں کے لیے اصطبل کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔

ہاتھیوں کے اصطبل سے بالکل متصل ایک مستطیل عمارت ہے جس میں ایک محرابی دالان ہے۔ اس کی ظاہری وضع قطع گوتھک (GOTHIC) طرز کی معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ یہاں سے وہاں تک چبوترہ بنا ہوا ہے جو ستونوں کی قطاروں سے کئی مساوی فاصلوں میں منقسم ہے۔ ان ستونوں پر محرابیں بنی ہوئی ہیں جن کے اوپر محرابی چھت ہے۔ لونگ ہرسٹ کا خیال ہے کہ "اصل عمارت میں ستونوں کی قطاروں کے درمیان کی جگہوں کو پتھر کی دیوار سے اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے بہت سے کمرے یا خواب گاہیں بن گئی تھیں[49]۔"

دنایک (DANAIK) کے احاطے کے اندر ایک شکستہ عمارت ہے جو لونگ ہرسٹ کے خیال میں ایک مسجد کھنڈر ہے۔ اگر اس کا یہ خیال درست ہے تو بظاہر اسے ایک تباہ شدہ ہندو عمارت کے اوپر تعمیر کیا گیا ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً یہ عمارت ایک کھلا ہوا پویلین تھا جو پتھر کی ایک کرسی پر قائم تھا اور کرسی نقش ونگار سے پر تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس عمارت کے تینوں طرف دیوار کھڑی کر کے اس کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا ہوگا۔ موجودہ عمارت کی ساخت اسلامی طرز کی ہے۔ اب وہاں ایک عمارت کے سامنے کا تباہ شدہ حصّہ موجود ہے جو رام راج کے خزانے کے نام سے معروف ہے۔ اس عمارت میں شعاعی محرابوں کے طریقہ کو محض ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ بہت سی مسلم عمارتیں اس قسم کے ڈھانچوں پر مبنی ہیں[50]۔

Marfat.com

احاطے کے شمال مغربی کونے میں ایک عالی شان چوکور مینار ہے۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا کمرہ ہے جو ایک شہ نشین پر قائم تین حجروں میں منقسم ہے۔ اس میں دو کھڑکیاں ہیں ایک مینار کے شمال میں اور دوسری مغرب میں اور ان کھڑکیوں کے نیچے پتھر کے بڑے بڑے توڑے ہیں جن کے اوپر کھڑکیوں کے سامنے بالکونیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کی چھت محرابوں اور چھوٹے چھوٹے گنبدوں کے ذریعہ بنی ہے۔

مدورا کا محل ہند۔اسلامی طرز تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے اس میں لنٹل کے مقابلہ میں محرابوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ جن ستونوں پر محرابیں بنی ہیں وہ 40 فٹ بلند ہیں اور اینٹوں سے بنی ہوئی انتہائی خوشنما شعاعی محرابوں کے ایک سلسلہ کے ذریعہ ان ستونوں کو ایک دوسرے سے ملایا گیا ہے اس کی کارنس بھی ہے جو ساٹھ فٹ کی بلندی تک چلی گئی ہے[51]۔ اس کے پہلو میں ایک دوسری عمارت بھی ہے جو سورگ ولاسم (SVARGA VILASAM) یعنی جنتی عمارت کہلاتی ہے۔ اس کا طول 235 فٹ اور عرض 105 فٹ ہے۔ اس عمارت کی طرح مسجد جیسی ہے جس میں مرکزی گنبد 12 ستونوں پر قائم ہے۔ یہ ستون اسلامی طرز کی محرابوں سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور پھر اسی طرح کی چار محرابیں کونے کی سمت میں قائم کی گئی ہیں اور گنبد کی ہشت پہل گردن (DRUM) یہیں سے بلند ہوتی ہے جس کی دیواریں روشن منزل (CLERESTORY) بنائی گئی ہے۔ اس کے اوپر کارنس کے پاس $45\frac{1}{2}$ فٹ کی بلندی پر یہ ہشت پہل ایک دائرہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور گنبد بلند ہوتا ہے جس کے عین وسط اور فرش کے درمیان 75 فٹ کا فصل ہے[52]۔

چندر گیری کا محل جو وجے نگر کے بادشاہوں کی تیسری راجدھانی تھی "سامنے سے ایک تین منزلہ عمارت ہے جو گوپوروں کے شکل کے چوکور میناروں سے گھری ہوئی ہے . . . گوشوں کے ماسوا عمارت کی ہر منزل میں ستونوں والا ایک ہال ہے۔ ان ستونوں کے اوپر درمیانی دیوار دو جانب محراب نما ہے جس کے کونوں میں پتھر کی مورتیاں ہیں اور اوپر مسطح گنبد کی چھت ہے . . . اس محل کے شمال یا اس کے سامنے کے حصہ کے پاس کی دیواریں جن میں اینٹ کی محرابیں بنی ہوئی ہیں، خود بھی مکمل طور پر اینٹوں سے تعمیر کردہ ہیں . . . پرانی قوسی چھتیں (VAULTS) بالخصوص زیریں منزل کی، پتھر اور سنگی مورتیوں سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جبکہ بالائی منزلوں کی اسی طرح کی چھتیں اینٹوں سے بنائی گئی ہیں[53]۔ کرسی کے اوپر بہت مختصر نقاشی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کے مقابلہ میں یہ عمارت اپنی اصلی

Marfat.com

حالت میں زیادہ نفیس اور عمدہ رہی ہوگی۔

فصل پنجم

رنگ سازی

رنگ سازی اور سنگ تراشی دو مربوط فن ہیں۔ قدیم ہندوستان میں جن نصب شدہ مجسموں کو جلوس میں نہیں لیجایا جاتا تھا یا جن کو مذہبی تقریبات کے موقعوں پر غسل دیا جاتا تھا ان پر گہرا رنگ چڑھا دیا جاتا تھا۔ لیکن جن چیزوں کو رنگا جاتا تھا بعد میں ان میں تبدیلی واقع ہوئی۔ وجے نگر کے زمانہ میں باہری دیواروں اور چھتوں کو جو ویسے سپاٹ ہوتی تھیں، حسن و آرائش کے خیال سے رنگ دیا جاتا تھا۔ لیکن مجسموں کو رنگنے کا رواج ختم ہو گیا۔ جو تصویریں مندروں کی دیواروں اور چھتوں پر بنائی جاتی تھیں، چترابھاسا (CITRABHASA) کہلاتی تھیں۔ مندروں کی دیواروں پر رنگوں سے جو تصویریں بنائی جاتی تھیں ان کا انحصار عموماً اس دیوتا پر تھا جس کی اس مندر میں پوجا ہوتی تھی۔ اگر یہ وشنو دیوتا کا مندر ہوتا تو دیواروں پر زیادہ تر رامائن، مہابھارت یا وشنو پرانوں کے مناظر پیش کیے جاتے تھے، اگر یہ شیو دیوتا کا مندر ہوتا تو مندر کی دیواریں عموماً شیو پرانوں کی تصویروں اور مناظر سے آراستہ ہوتی تھیں اور اگر یہ کوئی جین مندر ہوتا تو اس کی دیواروں پر منظر کشی کے لیے موضوعات کا انتخاب جین تیرتھنکروں کی سوانح حیات سے کیا جاتا۔ اس طرح یہ ایک مذہبی جذبہ تھا جس کے تحت لوگ اپنے مندروں میں اس طرح کی مصوری کیا کرتے تھے۔ بعض مقامات میں ابھرے ہوئے نقوش میں مجسمے بنے ہوتے تھے اور پلاسٹر سے بنی ہوئی تصویروں پر رنگ و روغن چڑھا ہوتا تھا۔ ان سب کا بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ ہمپی کے ہزارا راماسوامی مندر پر بعض دلچسپ تصاویر بنی ہوئی ہیں جن میں رام کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ کمباکونم کے راماسوامی مندر میں جس میں لِظاہر تنجور کے نایک بادشاہوں کے ایک وزیر گووند دکشت نے بڑے اضافے کیے ہیں، رام کی زندگی سے متعلق ایک ہزار تصویریں بنی ہوئی ہیں جنھیں تازہ استرکاری پر آبی رنگوں سے بنایا گیا ہے۔ اس میں جو مناظر پیش کیے گئے ہیں ان میں دس رتھ کا پترکامتی یاگم (PUTRAKAMSTI YAGAM) کا بجالانا، رام اور انکے بھائیوں کا وششتھا (VASISTHA) کے سامنے پڑھنا، رام تاتکا (TATAKA) کو ہلاک کرنا، چاروں بھائی کا متھلا میں چار دلہنوں سے شادی کرنا، دس رتھ کا حالت نزع میں ہونا، رام کا لکچھمن اور سیتا کے ہمراہ دریائے

Marfat.com

گنگا کو پار کرنا اور گوہا (GUHA) کا کشتی چلانا اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے مناظر شامل ہیں۔ اسی مقام پر واقع سارنگ پانی SARANGAPANI مندر میں بھی بعض عمدہ تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

میسور کے علاقہ میں بھی کچھ ایسے مندر ہیں جن کی دیواروں پر وجے نگر کے عہد میں پورانوں سے ماخوذ مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ کونی گل (KUNIGAL) تعلقہ میں واقع ایدی پور مقام کے ٹوناده سدّھا لنگیشور مندر کے نہادوار کی چھت میں استادک پالکاؤں (ASTADIKAPALAKAS) کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی مندر کے پاٹالنکن (PATALANKAN) اور مکھ منتپ کی چھت میں ویرشیو کے عظیم مبلغ سدھالنگ کی زندگی اور پنچ وستی (PANCAVIMSATI) یعنی شیو کے پچیس کھیلوں کے مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہر تصویر کے نیچے کنڑ حروف کی شکل میں تشریحی عبارتیں درج ہیں۔ یہ تصویریں غالباً پندرہویں صدی کی ہیں۔ ہری پور کے تیرو ملیشور مندر کے مکھ منتپ کی چھت میں شیو پورانوں سے لیے گئے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔

تیروپرّوتی کنرم کے وردھمان مندر کے مکھ منتپ اور سنگیت منتپ کی چھتوں میں بہت سی رنگین تصویریں بنی ہوئی ہیں جن میں تین جین تیرتھنکروں، رس بھدیو RASABHADEVA وردھمان اور نیمی ناتھ (NIMINATHA) نیز ضمناً آخری تیرتھنکر کے چچیرے بھائی کرشن کی زندگیوں کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں سے بعض کے نیچے تحریریں ہیں جن میں چھت میں پیش کردہ مناظر کی تشریح کی گئی ہے جو مناظر دکھائے گئے ہیں ان میں رس بھدیو کی ولادت، ودودیادھر (VIDYA - DHARA) دلہنوں کے ساتھ اس کی شادی اور اس سلسلہ کی تقریبات اور ضیافتیں، رس بھدیو کی بادشاہ کی حیثیت سے تاجپوشی، آسمانی پریوں کا رقص، رس بھدیو کی دیکشا (DIKSA) کی رسم اور دیگر بہت سے واقعات شامل ہیں۔ وردھمان کی زندگی سے متعلق جو مناظر چھت میں پیش کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ وردھمان کی جنما بھیشیک (JANMABHISEKA) وردھمان دیکشا کرتے ہوئے، آسمانی حوروں کا رقص اور کولاتم (KOLATTAM) رقص۔ کرشن کی ابتدائی زندگی سے متعلق مناظر بھی چھت پر پیش کیے گئے ہیں۔ چھت پر نیمی ناتھ کا پالکی میں بیٹھ کر دیکشا کے لیے جانا۔ ان کی جنگل کی طرف روانگی۔ اور ان کی تپسیا کے مناظر بھی پیش کیے گئے ہیں۔ [الف]

دیومالا اور داستانوی مناظر کے علاوہ بعض تصاویر میں اس وقت کی زندگی کی منظر کشی بھی کی گئی ہے۔ وجے نگر کے بادشاہ کے محل کے ایک کمرے کا تذکرہ کرتے ہوئے پائز کہتا ہے کہ اس میں ایسی تصویریں تھیں جن میں وہاں رہنے والے تمام لوگوں کے طریقہ ہائے زندگی

Marfat.com

کے مناظر پیش کیے گئے تھے جن میں پرتگالی باشندے بھی شامل تھے تاکہ بادشاہ کی بیگمات ان طور طریقوں کو سمجھ سکیں جس کے مطابق اس کے ملک کے مختلف لوگ حتیٰ کہ نابینا اور فقیر بھی اپنی زندگی گذارتے تھے[55]۔ بادشاہ کی رہائش گاہ کے دروازے پر دو اشخاص کی ہوبہو اور دونوں کے اپنے اپنے انداز کے مطابق دو تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کرشن دیورائے کے باپ کی تھی جو تصویر میں دلکش خدوخال اور مضبوط قوی کا ایک سیاہ فام شخص نظر آتا ہے جبکہ دوسری خود کرشن دیورائے کی تصویر تھی[56]۔ محل کے اندر کے ایک کمرے کی بیرونی دیوار عورتوں کی تصویروں سے مزین تھی جنھیں دیویوں کی طرح تیر اور کمان لیے ہوئے دکھلایا گیا تھا[57]۔ جس ہال میں محل کی عورتیں رقص کی مشق کرتی تھیں وہ رنگے ہوئے مجسموں سے پر تھا۔ ان تصویروں میں رقصوں کے اختتام کے وقت کی مختلف جسمانی کیفیتوں کو دکھایا گیا تھا تاکہ رقاصاؤں کو یاد آجائے کہ کسی مخصوص رقص کے بعد انھیں کس انداز سے کھڑا ہونا چاہیے[58]۔ پائز ایک رنگین جالی کا ذکر بھی کرتا ہے جس کو (رقص کرنے والی) عورتیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتی تھیں تاکہ وہ اپنے جسم اور ٹانگوں کو پھیلا سکیں اور ڈھیلا چھوڑ سکیں[59]۔ عبدالرزاق بھی ان خیابانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو شرفاء اور رقاصاؤں کے مکانات کے درمیان واقع تھے لکھتا ہے کہ ان کے آگے شیروں، تندوؤں چیتوں اور دیگر جانوروں کی تصویریں اس خوبی کے ساتھ بنائی گئی تھیں کہ وہ زندہ معلوم ہوتی تھیں[60]۔ پاری جاتا پہرنامو (PARIJATA PAHARANAMU) میں بھی ان مکانوں کے سامنے چڑیوں، ہنسوں، فاختاؤں، طوطوں اور دوسرے پالتو جانوروں کی تصویروں کا ذکر ملتا ہے[61]۔

وجے نگر کے بادشاہوں کے زمانہ کے فن مصوری کا مطالعہ نامکمل رہ جائے گا اگر ان ہمت افزائیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے جو وینکٹ دوم کے ہاتھوں یسوعی مصوروں کو ملی تھیں۔ بادشاہ مذکور یسوعی پادریوں ڈی سا (DE SA) اور ریکاؤ (RICAO) کی بعض تصویروں سے بہت خوش ہوا تھا۔ یہ لوگ چندر گیری میں اس کے دربار میں مقیم تھے اور اس نے ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کے لیے سینٹ تھوم (ST. THOME) سے ایک مصور بھیج دیں۔ وہ ایسا کرنے پر فوراً تیار ہو گئے اور انھوں نے ایک یسوعی نیم راہب (JESUIT LAY BROTHER) الکزینڈر فرے (ALEXANDER FREY) کو اس کے پاس بھیج دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس 1602ء تک رہا جس کے دوران کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مختلف مناظر کی بڑی عمدہ تصویریں بنا کر دیں تھیں اور ان سب تصویروں کو بادشاہ نے بہت زیادہ پسند کیا تھا۔ اس نے جلد ہی وینکٹ کا دربار چھوڑ دیا تھا لیکن اس کی وجہ واضح نہیں ہے 1907ء میں یسوعی پادریوں

Marfat.com

نے وینکٹ کے دربار میں ایک اطالوی نیم راہب بارٹولومیو فونٹے بونا (BARTOLOMEO FON - TE BONA) کو بھیجا جو ایک اچھا مصوّر تھا۔ اس نے بادشاہ کے لیے لوئیلا LOYOLA اور اکزیویر (XAVIER) کی تصویریں بنائی تھیں۔ اس کے کام سے وینکٹ بہت زیادہ خوش ہوا تھا اور خود اپنی تصویر بنوانے کے لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ بادشاہ نے حضرت عیسیٰ کی ان تصویروں کو جو اس نیم راہب نے اسے بنا کر دی تھیں اپنے ویلور کے دربار میں ایک نمایاں مقام پر آویزاں کرا دیا تھا۔ وینکٹ کے دربار میں یسوعیوں کے لیے اس مصوّر کی خدمات اس قدر گراں قدر تھیں کہ انھوں نے اسے ترقی دے کر پادری بنانا چاہا تھا لیکن اس کو یہ ترقی نہ مل سکی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۱۱ء میں جب ویلور میں پرتگالیوں کا مشن ختم ہو گیا تو بارٹولومیو فونٹے بونا بھی اس جگہ سے چلا گیا۔ لیکن ویلور میں اس کے قیام کے دوران بادشاہ کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات اور اس کی تیز رفتاری کے ساتھ تصویر کشی کی صلاحیت اس بات کا سبب بنی کہ عیسائی مصوری کو سترہویں صدی کے وجے نگر کے ہندو دربار میں زبردست سرپرستی اور ہمت افزائی حاصل رہی۔

Marfat.com

حواشی

باب یازدہم

سلہ DRAVIDIAN ARCHITECTURE، ص 38۔

سلہ INDIAN ARCHI TURE، ص 183۔

سلہ سیول، ح، س، ص 300، آرکیولوجیکل سروے رپورٹس 8-1907، ص 236 حاشیہ 2

سلہ 1889 کا 29، ایپی گرافیا انڈیکا، ا، ص ص 363 اور 370۔

سلہ 1889 کا 25 اور 26، ساؤتھ انڈین انسکرپشنس، ۲، نمبر 244 اور 445۔

سلہ INDIAN AND EAST ARCHITECTURE، از فرگشن، ا، ص 401

سلہ HAL... ...INS، ص 132

سلہ ح، س، ص 401

سلہ ایپی گرافیا انڈیکا، ا، ص 399

سلہ ONE ...

سلہ QUARTERLY JOURNAL OF THE MYTHIC SOCIETY، 6، ص 252

سلہ ملاحظہ ہو میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 1916 PLATE، 7، نمبر ۴ جو صفحہ ۱۴ پر لگا ہے۔

سلہ ایضاً، پیراگراف ۱۴

سلہ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 7-1906، پیراگراف 31، بحوالہ، میسور گزیٹیر، نیا ایڈیشن 2، جز، ا، ص۔ 290۔

سلہ میسور ارکیولوجیکل رپورٹس 8-1907، پیراگراف 61، بحوالہ ایضاً، ص 290

سلہ ایضاً، ص 291۔

سلہ ORIENTAL HISTORICAL MANUSCRIPTS از ٹیلور TAYLOR، 2، ص 125

سلہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مراٹھوں نے تباہ کر دیا تھا۔

Marfat.com

۱۹ه HISTORY OF INDIA AND EAST ARCHITECTURE از فرگشن ۱ ص 404

۲۰ه ایضاً ص 396

۲۱ه فرگشن ، ح ، س ، ص 377

۲۲ه ایضاً ص 389 - 390

۲۳ه A HISTORY OF FINE ART IN INDIA AND CYLONE ص ص 233-234-

۲۴ه ایضاً ص ص 234-235

۲۵ه ایک تامل تصنیف میں جو تیروپانی ملائی (TIRUPPANIMALAI) کے نام سے معروف ہے . درج ہے کہ کرشن ویرپا نایک نے ولی امبلم (VELLIAMBALAM) شمالی گوپورم (GOPURAM) ، شیووسورم (SEVVISVARAM) ، باورچی خانہ ، ہزار ستون والا منتپ ، مورتیمن (MURTIYAMMAN) منتپ ، دوسرے پراکار (PRAKARA) کا شورومنتپ (SURUMANTAPA) اور منقش ستونوں والے ویرپا منتپ کی تعمیر (دوبارہ تعمیر ؟) کرائی تھی اس نے میناکسی (MINAKSI) کے مندر کے ایک منتپ کے ستونوں پر سونے کا ملمع بھی کرایا تھا (ایپی گرافیا انڈیکا ، 12 ، ص 161)

۲۶ه اس کا موازنہ بادشاہ کے اس مجسمہ سے کیا جا سکتا ہے جو چدمبرم میں واقع نٹراج مندر کے شمالی گوپورا کے ایک طاق میں نصب ہے ۔ یہ صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے ۔ ملاحظہ ہو کتاب کے سرورق کے مقابل تصویر کا صفحہ

۲۷ه HISTORY OF FINE ART IN INDIA AND CYLON ص 238 ، مزید ملاحظہ ہو ٹی ۔ جی ۔ اردموتھن T.G. ARAVAMUTHAN کی PORTRAIT SCULP TURE IN SOUTH INDIA ، کی تصویر 21

۲۸ه ARCHAEOLOGICAL SURVEY REPORTS ، 1912 ، ص 189 FN ، 3 مزید ملاحظہ ہو ARAVIDU DYNASTY از ہرس H. HERAS ، تصویر ... 248

۲۹ه REPORTS IN TIRUMALAI TIRUPATI DEVASTHANAM INSCRI PTION ص 315 اور تصویر 53

۳۰ه ملاحظہ ہو QUARTERLY JOURNAL OF MYTHIC SOCIETY ، 15 ، ص ص 209 .TT میں پورومنتپ میں مدورا کے نایکوں کے مجسمے ، از ہراس HERAS جہاں تصویر میں پیش کی گئی ہیں ۔ مزید ملاحظہ ہو SOUTH INDIA BRONZES ص 34 ، 60

Marfat.com

ازگنگولی (GANGOLY)

30الف HAMPI RUIN ازلونگ ہرسٹ،ص، 58

31 ایضاً،ص 62

32 ایضاً

33 ایضاً،ص ص 64-65

34 ح،س،ص 52

35 MADRAS CHRONOLOGY COLLECTION MAGAZINE ،2۔ص 506

36 ملاحظہ ہو،ص 391

37 HISTORY OF INDIA ، ازایلیٹ ،4،ص 106

38 سیول،ح،س،ص 244

39 ایلیٹ،ح،س،4،ص 106،ودیارنیا کل اجنن (VIDYARANYA KAL-AJNANA) میں درج ہے کہ یہ شہر شری ککرا SRIKAKRA کی طرح تعمیر کردہ تھا۔

40 HIS. PILGRIMS ازپرکاز،10،ص 97

41 INDIA ازمیجر،ص 6

42 ایلیٹ،ح،س،4،ص 107۔فرسنگ ۔$\frac{1}{2}$3 میل

43 سیول،ح،س،ص ص 242-243،لیگ ۔ 3 میل

44 ح،س،ص 83

45 ساؤتھ انڈین انسکرپشنس،1،ص 156

46 دیگر تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو TIRUPPARUTTI KKUNRAM AND ITS TEMPLES ،ازٹی۔این۔رام چندرن۔ BULLETIN OF THE MADRAS GOVT. MUSEUM 1934ء،ص ص 27-32

47 لونگ ہرسٹ،ح،س،ص 84

48 ایضاً،ص ص 83-84

49 ایضاً،ص 86

50 INDIAN ARCHAEOLOGY ازہاول HAVELL ص 184 تصویر 43 ملاحظہ ہو۔ اسی کتاب کی تصویر 35 سے اس کا موازنہ کیجئے۔

Marfat.com

51 فرگسن، ح، س، ا، ص 412

52 ایضاً ص ص 413-414

53 ڈاکٹر آر۔ ایف۔ چیشولم DR. R.F. CHISHOLAM کے ایک مضمون کے لیے ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کوئری، 12، ص ص 295-296

54 ملاحظہ ہو ELEMENTS OF HINDU ICONOGRAPHY، از ٹی۔ اے گوپی ناتھ راؤ ، ا، ص 38

54 الف TIRUPPARUTTI KKUNRAM AND ITS TEMPLES ، از ٹی۔ این رام چندرن ملاحظہ ہو BULLETIN OF THE MADRAS GOVT. MUSEUM 1934ء، ص 63

55 سیول، ح، س، ص 286

56 ایضاً ص ص 284-285

57 ایضاً ص 287

58 ایضاً ص 289

59 ایضاً ص 289

60 ایلیٹ، ح، س، 4، ص 111

61 فصل 1، اشلوک 106

62 عیسائی مصوروں کے ساتھ وینکٹ کے تعلقات کے تفصیلی بیان کے لیے ملاحظہ ہو ARAVIDU DYNASTY ، از ہراس ا، ص ص 486-493۔

Marfat.com

وجے نگر کے بادشاہوں کا شجرۂ نسب

(الف) پہلا خاندان

سنگم اول ___ ازدواج کامبکا

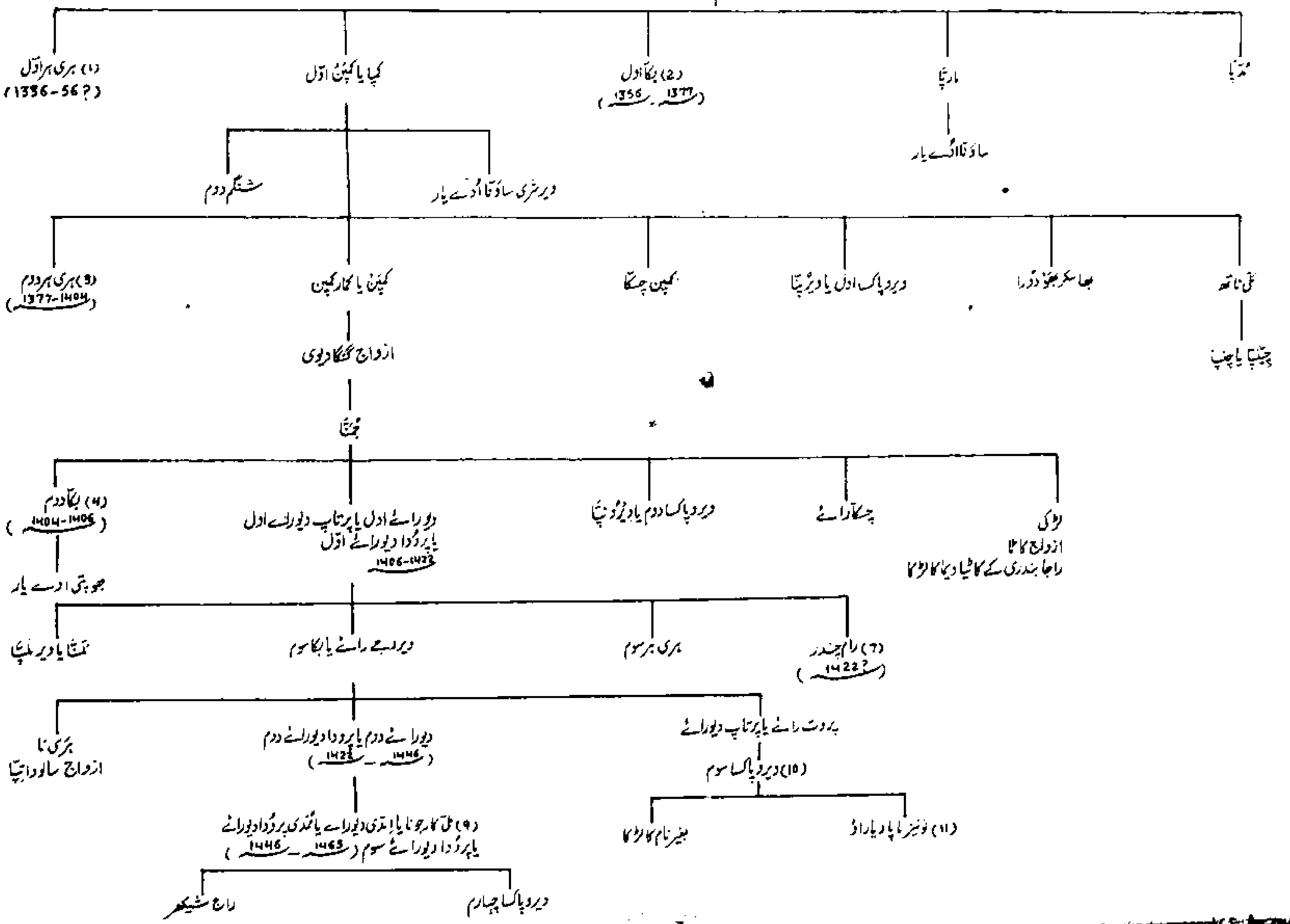

Marfat.com

(ب) دوسرا خاندان

گونڈا اوّل — ازواج کملا دیوی

GUNDA-1

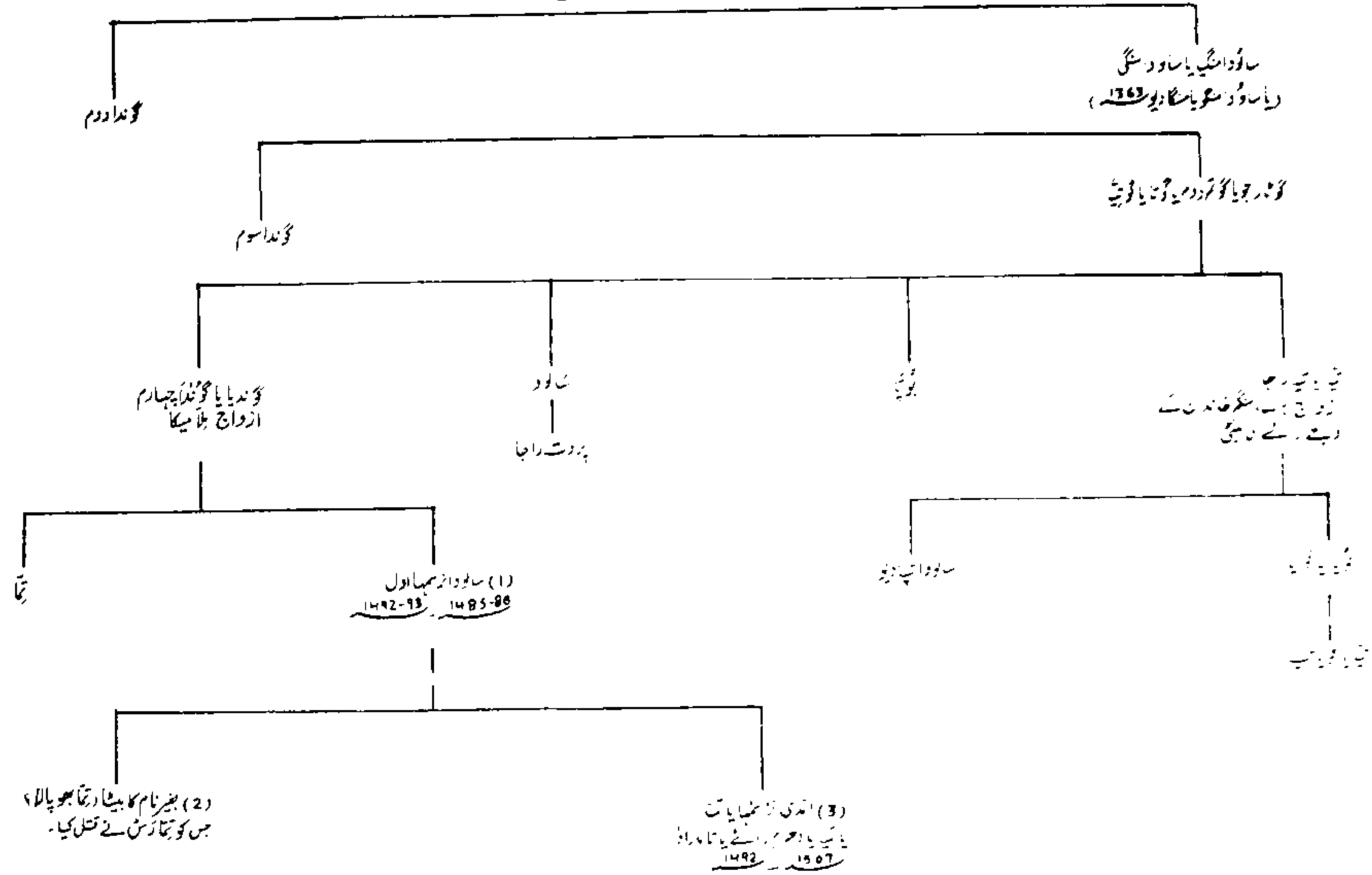

Marfat.com

(ج) تیسرا خاندان

- تمّا
  - ایشورا
    - نرسا نایک
      - (۱) ویرنرسمہا (تپاجی کے بطن سے) (بھجابل رائے) (1507ء - 1509ء)
      - کرشن دیو رائے (ناگلا دیوی کے بطن سے) (1509ء - 1529ء)
        - تیرومل یا تیرو ملائی دیو مہارائے (جوانی ہی میں انتقال کر گیا)
        - بغیر نام کا بیٹا (جس کا نونیز نے ذکر کیا ہے)
        - لڑکی تیرو ملامبا موہانانگی
          - ازدواج الیا رام رائے جو اراویہ سلسلہ کا تھا
      - بھوت دیو رائے (اُبامبا کے بطن) (1529ء - 1542ء)
        - (۴) وینکٹ اول 1542 میں مارا گیا
      - رنگا (اُبامباہی کے بطن سے)
        - (5) سدا شیو رائے (1542 - 70 ؟)

Marfat.com

(د) چوتھا خاندان

تاتا ــــ پتما

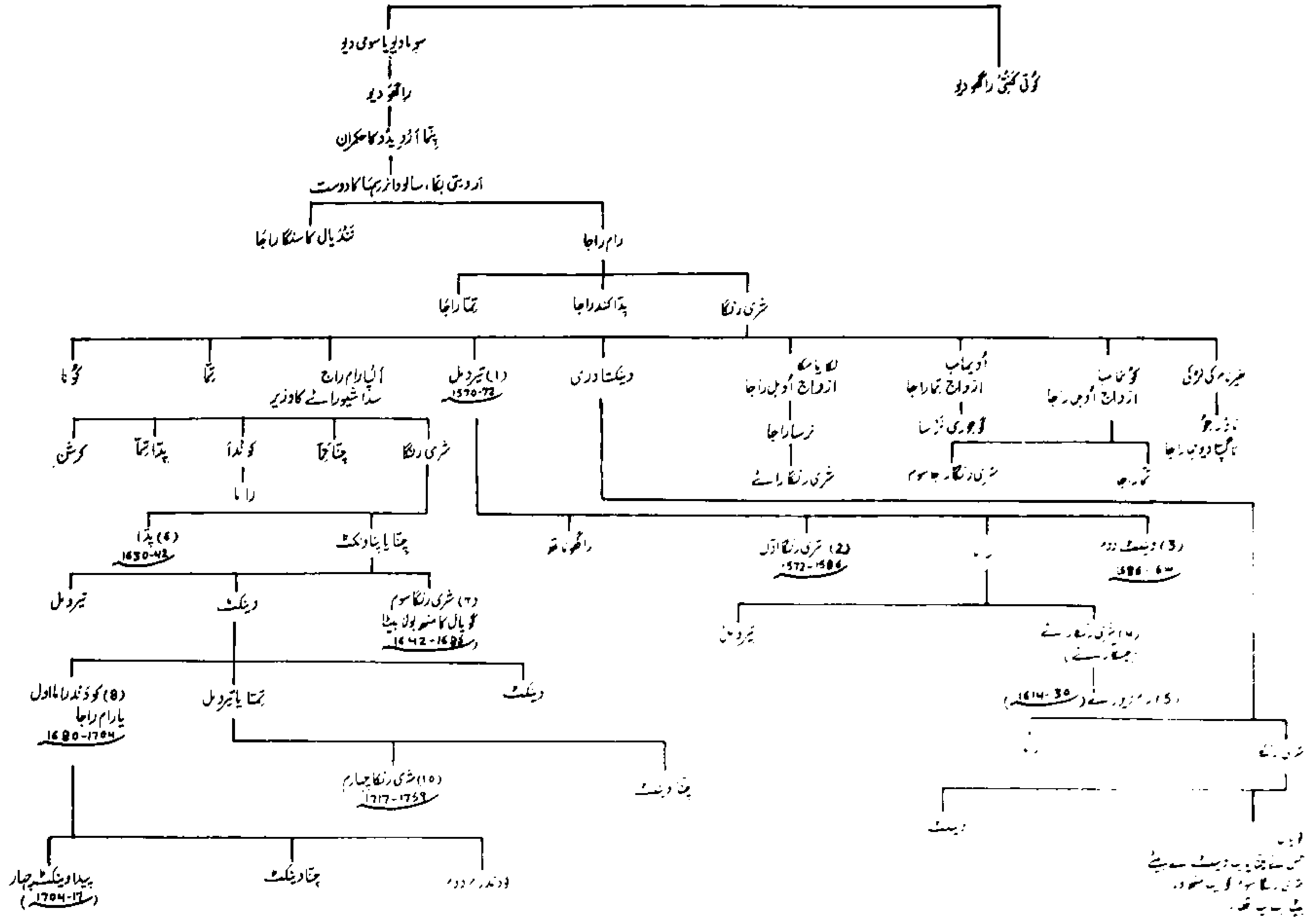

★ تاریخ، سیاسیات

انقلاب فرانس	جے۔ ایم۔ تھامپسن/ بی۔ جے۔ سنگھ	758	25 50
آریا سماج کی تاریخ	لالہ لاجپت رائے/ کشور سلطان	252	10.50
تاریخ جہانگیر	بینی پرشاد/ رحم علی الہاشمی	471	18.75
تاریخ شاہ جہاں	بنارسی پرشاد سکسینہ/ سید اعجاز حسین	348	14.00
جدید ہندوستان کے معمار	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آر/ احمد	224	9.75
جنوبی ہند کی تاریخ (زمانہ ماقبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک)	کے۔ اے۔ نیل کنٹھ شاستری/ آر۔ کے۔ بھٹناگر	576	22.00
حیدر علی	نریندر کرشن سنہا/ اقتدار حسین صدیقی	336	17.00
خلجی خاندان	کے۔ ایس۔ لال/ محمد یٰسین مظہر صدیقی	412	16.50
دکن کے بہمنی سلاطین	ہارون خاں شیروانی/ رحم علی الہاشمی	351	15 50
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہا/ کیلاش چند چودھری	223	9 25
سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ	محمد حبیب اور بیگم افسر عمر سلیم خاں/ سید جمال الدین	335	13.00
شہیدان آزادی (حصہ اول)	پی۔ این۔ چوپڑا چیف ایڈیٹر/ بھگونت سنگھ	572	24.00
شہیدان آزادی (حصہ دوم)	پی۔ این۔ چوپڑا چیف ایڈیٹر/ سید تفضل حسین	480	20.00
قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں	ڈی۔ ڈی۔ کوسمبی/ بالمکند عرش ملسیانی	319	13.00
قدیم ہندوستان میں شودر	رام شرن شرما/ جمال محمد صدیقی	356	14.50
کتاب کی تاریخ	شایاں قدوائی	280	13.50
مغل ہندوستان کا طریق زراعت	عرفان حبیب/ جمال محمد صدیقی	600	24 50
مغلوں کا نظام مال گزاری (1700 سے 1750 تک)	نعمان احمد صدیقی/ ایس۔ نبی ہودی	227	9.00

Marfat.com

مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	آر۔پی۔ترپاٹھی/ریاض احمد خاں شیروانی	583	23.50
وادی سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں	سرمور ٹیمرو ہیلر/زبیر رضوی	148	8.00
ہندوستانی مصوری (عہد مغلیہ میں)	پرسی براؤن/عبید الحق	256	25.00
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	کنور محمد اشرف/قمر الدین	424	18.25
ہندوستانی مصوری۔ایک خاکہ	انیس فاروقی	178	10.00
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو۔ایچ۔مورلینڈ/جمال محمد صدیقی	436	21.50
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم/عثمان حیدر مرزا	96	6.25
تاریخ تحریک آزادی ہند (حصہ اول)	تاراچند/قاضی محمد عدیل عباسی	496	20.50
آزادی	جان اسٹوارٹ مل/سعید انصاری	184	7.25
ہندوستانی خارجہ پالیسی کی بنیادیں	بمل پرساد/محمد محمود فیض	300	12.25
یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین	محمد ہاشم قدوائی	396	15.50
شیر شاہ اور اس کا عہد	کالکا رنجن قانون گو/رام آسرے شرما	704	34.00
قدیم ہندوستان کی تاریخ	راما شنکر ترپاٹھی	581	27.75
انقلاب ۱۸۵۷	پی۔سی۔جوشی	353	13.50
جدید سیاسی فکر	سید انوار الحق حقی/محمد ہاشم قدوائی	305	15.25
تاریخ ٹیپو سلطان	محب الحسن/حامد اللہ افسر/عتیق صدیقی	555	27.00
مسلم ہندوستان کا زراعتی نظام	ڈبلو۔ایچ۔مورلینڈ/جمال محمد صدیقی	336	20.50
سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت	ابن حسن/آئی۔اے۔ظلی	388	19.00
ہندوستان کا شاندار ماضی	اے۔ایل۔باشم/ایس۔غلام سمنانی	748	32.50
تاریخ فلسفہ سیاسیات	محمد مجیب	439	11.50
تاریخ تمدن ہند (دوسرا ایڈیشن)	محمد مجیب	279	11.00
تاریخ تعلیم ہند (دوسرا ایڈیشن)	سید نور اللہ و جے۔پی۔نائک	552	18.00

Marfat.com

تحریک خلافت (دوسرا ایڈیشن)	قاضی محمد عدیل عباسی	219	11.50
ظہیر الدین محمد بابر	ایل۔ ایف۔ رش بروک ولیمز/رفعت بلگرامی	223	13.00
جدید ہندوستان میں ذات پات (دوسرا ایڈیشن)	ایم۔ این۔ سری نواس/شہباز حسین	208	8.25

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:۔

شعبۂ فروخت و نمائش

ترقی اُردو بیورو

ویسٹ بلاک 8، آر۔ کے۔ پورم

نئی دہلی 110066

ذخیرہ محمد اقبال مجددی

Marfat.com